بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
آئینۂ احوال
معاشرت، اخلاقیات، معاملات اور سیاسیات پر تجزیے و تبصرے
مؤلف
مُفتی محمّد رضوان خان
ادارۂ غفران
راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

ماہ نامہ ''التبلیغ'' راولپنڈی میں
شائع ہونے والے معاشرت، اخلاقیات، معاملات اور سیاسیات
کے گرد گھومتے تجزیوں وتبصروں پر مشتمل اداریوں کا پہلا مجموعہ

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: آئینۂ احوال

مصنف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: محرم الحرام 1441ھ- ستمبر 2019ء

صفحات: 780

ملنے کے پتے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

ذوالقعدہ 1420 ہجری، جنوری 2004 عیسوی کو ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان کی طرف سے بندے محمد رضوان کی زیرِ ادارت ایک ماہ نامہ کا اجرا کیا گیا، جس کا نام ماہ نامہ ''التبلیغ'' تجویز کیا گیا۔

یہ ماہ نامہ بحمداللہ تعالیٰ اس وقت سے آج تک بندے کی زیرِ ادارت بغیر وقفے کے جاری ہے۔

اس ماہ نامہ کے لیے بطورِ اداریہ مضمون لکھنے کی ذمہ داری بندے کے اوپر تھی، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس عرصے میں سوائے ایک یا دو مرتبہ کے ماہ نامہ ''التبلیغ'' کے لیے بندے کے قلم سے ہی اداریے تحریر ہوئے۔

ماہ نامہ ''التبلیغ'' میں شائع ہونے والے اکثر اداریوں کا موضوع اُس وقت کے حالات کے مطابق معاشرتی، اخلاقی یا سیاسی اصلاح رہا ہے، اور موجودہ دور میں تنقید برائے تنقید، غیبت وبہتان، الزام تراشی، تعصّب وتحزّب وغیرہ کا جو طرز وطریقہ عام ہوگیا ہے، اس سے بندے کو بحمداللہ تعالیٰ ابتدا سے ہی منافرت رہی ہے۔

اسی طرح روایتی انداز میں سیاسی تبصروں اور تجزیوں اور ہمہ دَم حکومتِ وقت کے درپے رہنے اور اختلاف برائے اختلاف کے رویے سے بھی بندے کو مناسبت نہیں رہی۔

شریعت ونبوت کا اصل مزاج بھی یہی ہے، اگرچہ بعض حضرات کی طرف سے اس مزاج میں کافی بگاڑ وفساد کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، جس کا مشاہدہ موجودہ دور کے متعدد ماہ ناموں اور مجلّات ورسائل کے مضامین ملاحظہ کرنے سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

اس لیے بندے کے اداریے سے متعلق یہ مضامین بحمداللہ تعالیٰ مذکورہ عام روایتی طور وطریقوں اور طرزِ عمل سے ہٹ کر مثبت نوعیت کے ہیں۔

بعض احباب کی طرف سے خواہش ظاہر کی گئی کہ اب تک شائع ہونے والے ان اداریوں کو اگر مستقل کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، تو مناسب ہے۔

جس کے نتیجے میں بندہ نے اپنے معاونین سے ماہ نامہ ''التبلیغ'' میں شائع ہونے والے سنہ 1440 ہجری کے آخر تک کے اداریوں کو یکجا کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، اب تک کہ اداریوں کا دورانیہ سولہ سال اور 184 کی تعداد پر مشتمل ہے۔

ان اداریوں کو موضوع کی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر ماہ ناموں میں شائع ہونے والی زمانی ترتیب کے مطابق جمع کر لیا گیا، اور ہر اداریے کے آخر میں متعلقہ ماہ نامے کے شمارہ اور جلد نمبر کو درج کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔

اب ان اداریوں پر بندے نے خود اور بندے کی خواہش پر بندے کے بعض احباب نے نظرِ ثانی کی اور اب تک کے ان اداریوں کو نظرِ ثانی اور کچھ حذف و اضافہ اور اصلاح کے بعد ''آئینۂ احوال'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

امید ہے اس کے بعد کے اداریوں کو ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی جلد کے طور پر شائع کیا جائے۔

جب کہ ماہ نامہ ''التبلیغ'' میں اداریوں سے ہٹ کر شائع ہونے والے بندے کے اب تک کے دیگر متعدد مضامین کو الگ کتابی شکلوں میں شائع کرنے پر بھی کام جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بھی جلد تکمیل فرمائے، اور ان سب مضامین کو دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کا باعث بنائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان

مورخہ: یکم/محرم الحرام/ 1441ھ بمطابق یکم/ستمبر/ 2019ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(1)

نئے رسالے کا اجرا

(ضرورت، مقصد، حکمت عملی)

موجودہ دور ذرائع ابلاغ اور میڈیا کا دور کہلاتا ہے، حتیٰ کہ عالمی سطح پر آئے دن رونما ہونے والے تغیرات اور انقلابات کے پیچھے بہت بڑا ہاتھ ذرائع ابلاغ اور میڈیا ہی کا ہوتا ہے۔ شر کی قوتیں جن کے ہاتھ میں بدقسمتی سے آج دنیا کی زمامِ اقتدار ہے، اور جو بہ ظاہر عارضی طور پر دنیا کے سیاہ وسفید کی مالک بنی ہوئی ہیں، وہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعے پروپیگنڈہ کے زور پر عالمی سطح پر اپنے سیاسی تسلط، فکری غلبے اور اقتصادی ومعاشی منصوبوں کو دوام واستحکام بخشتی ہیں، آج کی جنگیں اور تہذیبی وسیاسی تصادم، خارجی میدانوں سے زیادہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے پردہ زرنگاری کے پیچھے برپا ہوتے ہیں۔

سرد جنگ (Cold War) اور میڈیا وار (Media War) کی رائج الوقت اصطلاحات اس حقیقت پر شاہدِ عدل ہیں۔

آج کے دور کے ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی انواع واقسام کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک الیکٹرانک میڈیا، اور دوسرے پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا میں وہ سمعی وبصری ذرائع ابلاغ شامل ہیں جو برقی آلات کے ذریعے لہروں کی شکل میں ہواؤں کے دوش پر سفر کر کے دل ودماغ پر اثرانداز ہوتی ہیں، آج کے دور میں شر اور باطل کی قوتیں، جس بے دردی سے الیکٹرانک میڈیا کے ان ذرائع کو گھر گھر اور فرد فرد تک پہنچا کر انسانیت کی فطرت مسخ کرنے، بے حیائی اور اباحیت پرستی کو فروغ دینے، اخلاقی اقدار اور روحانیت کے ٹھوس ومستحکم اصولوں کا گلا گھونٹنے کے لیے استعمال کر رہی ہیں، وہ انسانی تاریخ کا اتنا زبردست المیہ ہے کہ ماضی کے کسی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ذرائع ابلاغ کی دوسری قسم پرنٹ میڈیا (یعنی تحریری ذرائع ابلاغ) کی ہے، یعنی اخبارات، رسائل، جراید، ڈائجسٹ وغیرہ روزناموں، ہفت روزوں اور ماہ ناموں کی تحریر وکتابت اور قلم وکاغذ کی دنیا۔

یوں تو قلم وکاغذ کی اہمیت ہر زمانے میں مسلَّم رہی ہے، خصوصاً آج کے دور میں تو اخبارات، رسائل وجراید وغیرہ سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا گھرانہ خالی ہوتا ہو، پڑھے لکھے لوگوں کے واسطہ سے غیر تعلیم یافتہ لوگوں تک بھی ان ذرائع ابلاغ میں شائع ہونے والی معلومات اور خبریں پہنچتی رہتی ہیں، اس طرح ان کا دائرہ کار عالم گیر ہے، لہٰذا ان ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے صحیح اور حق بات کو آسانی عام لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

بعض احادیث میں قلم وکتابت کے عام ہونے کو علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ [1]

آسمانی ہدایت کے صحیفوں اور کتابوں کی شکل میں بعض مرتبہ نزول اور پھر نسل درنسل ان کی حفاظت واشاعت عام طور پر قلم، تحریر وکتابت ہی کی مرہونِ منت رہی ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں قرآن مجید ہی کی یہ خبر ہے:

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

(سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ ۱۴۵)

---

[1] عن طارق بن شهاب، قال :كنا عند عبد الله، جلوسا، فجاء رجل، فقال :قد أقيمت الصلاة .فقام وقمنا معه، فلما دخلنا المسجد، رأينا الناس ركوعا، في مقدم المسجد، فكبر وركع، وركعنا ثم مشينا، وصنعنا مثل الذى صنع، فمر رجل يسرع، فقال :عليك السلام يا أبا عبد الرحمن، فقال :صدق الله ورسوله ، فلما صلينا ورجعنا، دخل إلى أهله، جلسنا، فقال بعضنا لبعض :أما سمعتم رده على الرجل :صدق الله، وبلغت رسله، أيكم يسأله؟ فقال طارق :أنا أسأله، فسأله حين خرج، فذكر عن النبى صلى الله عليه وسلم " :أن بين يدى الساعة تسليم الخاصة، وفشو التجارة، حتى تعين المرأة زوجها على التجارة، وقطع الأرحام، وشهادة الزور، وكتمان شهادة الحق، وظهور القلم. (مسند احمد، رقم الحديث ۳۸۷۰)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن .(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: اور لکھ دی ہم نے اس کے لیے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت، اور تفصیل ہر چیز کی (سورہ اعراف)

اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے پہلے جو وحی دے کر بھیجا، اس میں بھی علم بہ ذریعہ قلم (کسبی علم) کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا گیا:

اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ .(سورہ العلق، رقم الآیات ۳، ۴)

ترجمہ: پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم سے (سورہ علق)

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے بعد تعلیم کی اہمیت کو بیان فرمایا، کیوں کہ تعلیم ہی وہ چیز ہے، جو انسان کو دوسرے تمام حیوانوں اور جانوروں سے ممتاز کرتی، اور تمام مخلوقات سے ارفع و اعلیٰ، افضل و اشرف بناتی ہے۔ اور تعلیم کی عام شکلیں دو ہیں، ایک تو زبانی تعلیم اور دوسرے قلمی و تحریری تعلیم، تحریر و کتابت اور بیان و خطابت دونوں تعلیم و تبلیغ کا ذریعہ ہیں، قلم دراصل کتابت کا ذریعہ اور آلہ ہے اور زبان، نطق اور گویائی کا آلہ ہے۔ [1]

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اس کو حکم دیا کہ لکھ! قلم نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تقدیرِ الٰہی لکھو، تو اس قلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ابد تک ہونے والے تمام واقعات و حالات کو لکھ دیا۔ [2]

---

[1] إذا قلت كتبت بالقلم فقد ألصقت الفعل بالاسم وربطت أحدهما بالآخر فكان القلم آلة الكتابة وسببا يتوصل به إليها (بدائع الصنائع، ج۳ ص۵، کتاب الایمان، فصل فی رکن الیمین باللہ)

[2] حدثنا عبد الواحد بن سليم، قال :قدمت مكة فلقيت عطاء بن أبي رباح فقلت :يا أبا محمد إن ناسا عندنا يقولون في القدر، فقال عطاء :لقيت الوليد بن عبادة بن الصامت، قال :حدثني أبي، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :إن أول ما خلق الله القلم، فقال له :اكتب، فجرى بما هو كائن إلى الأبد "وفي الحديث قصة .(سنن الترمذی، رقم الحديث ۳۳۱۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض احادیث میں ہے کہ اللہ اس وقت بھی تھا، جب اللہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی، اور اللہ کا عرش پانی پر تھا، اور اللہ نے لوحِ محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا، اور پھر آسمان و زمین کو پیدا فرمایا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح غريب وفيه عن ابن عباس.

عن ابن عباس رضی الله عنهما، قال " :إن أول شیء خلقه الله القلم، فقال له :اكتب، فقال :وما أكتب؟ فقال :القدر، فجرى من ذلک اليوم بما هو كائن إلى أن تقوم الساعة، قال :وكان عرشه على الماء فارتفع بخار الماء ففتقت منه السماوات، ثم خلق النون فبسطت الأرض عليه، والأرض على ظهر النون فاضطرب النون فمادت الأرض، فأثبتت بالجبال، فإن الجبال تفخر على الأرض .(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۸۴۰)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

و قال الذهبی فی التلخيص: على شرط البخاری ومسلم.

عن ابن عباس عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: "أول شیء خلق الله تعالى القلم فأمره فكتب كل شیء يكون. (السنة لابن ابی عاصم وق معها ظلال الجنة، رقم الحديث ۱۰۸)

قال الالبانی فی حاشية السنة لابن ابی عاصم: حديث صحيح رجاله كلهم ثقات غير يعمر بن بشر لم يذكر فيه ابن أبی حاتم 4/2/313 جرحا ولا تعديلا لكنه قد توبع من قبل الإمام أحمد وكفى به حجة وقد خرجته فی "الصحيحة133."(حاشية السنة لابنِ ابی عاصم)

عن مجاهد ، عن ابن عمر قال :قال النبی صلى الله عليه وسلم أول شیء خلقه الله عز وجل القلم ، فأخذه بيمينه ، وكلتا يديه يمين ، فكتب الدنيا وما يكون فيها من عمل معمول ، بر أو فجور رطب أو يابس ، فأمضاه عنده فی الذكر ، ثم قال : اقرء وا إن شئتم :هذا كتابنا ينطق عليكم بالحق إنا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون فهل يكون النسخة إلا من شیء قد فرغ منه .(الشريعة للآجری،رقم الحديث ۳۵۳)

[1] عن عمران بن حصين رضی الله عنهما، قال :دخلت على النبی صلى الله عليه وسلم، وعقلت ناقتی بالباب، فأتاه ناس من بنی تميم فقال :اقبلوا البشرى يا بنی تميم، قالوا :قد بشرتنا فأعطنا، مرتين، ثم دخل عليه ناس من أهل اليمن، فقال :اقبلوا البشرى يا أهل اليمن، إذ لم يقبلها بنو تميم، قالوا :قد قبلنا يا رسول الله، قالوا :جئناک نسألک عن هذا الأمر؟ قال :كان الله ولم يكن شیء غيره، وكان عرشه على الماء ، وكتب فی الذكر كل شیء ، وخلق السموات والأرض فنادى مناد :ذهبت ناقتک يا ابن الحصين، فانطلقت، فإذا هی يقطع دونها السراب، فوالله لوددت أنی كنت تركتها. (بخاری، رقم الحديث ۳۱۹۱)

بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا ہے کہ عالَم میں تین قسم کے قلم ہیں، ایک سب سے پہلا قلم، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے پیدا فرمایا، اور پوری کائنات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا ، دوسرے فرشتوں کے قلم، جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونے والے واقعات اوران کی تقدیریوں اورانسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں، تیسرے عام انسانوں کے قلم، جن سے وہ اپنا کلام لکھتے ،اوراپنی ضروریات ومقاصد میں کام لیتے ہیں، گویا کہ انسانوں کے قلم کو اللہ تعالیٰ اورفرشتوں کے قلم سے ایک نسبت حاصل ہے،اور کتابت درحقیقت، بیان کی ایک قسم ہے، اور بیان ،اشرفُ المخلوقات، یعنی انسان کی مخصوص صفت ہے، جو دوسری مخلوقات میں نہیں پائی جاتی۔ [1]

علم کی حفاظت واشاعت اور ہدایت کے دواہم ترین ذرائع (قلم وکاغذ) ایک گونہ تقدیس وعظمت کے بھی حامل ہیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ قلم میں قلم کی عظمت، اوراس کی نوشت وتحریر کی قسم کھا کر، قلم کی اہمیت وعظمت کو واضح فرمادیا کہ قلم کوئی معمولی نعمت نہیں ہے، جس سے تحریرو کتابت کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ارشاد ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (سورة القلم، رقم الآية ١)

ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں (سورہ قلم)

اورسورہ طور میں کتابِ مسطور کی قسم کھائی گئی ہے، اوراس کے کاغذ (ورق) کا ذکر فرمایا ہے۔

وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِىْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (سورة الطور، رقم الآيات ١ الىٰ ٣)

[1] قال علماؤنا :فالأقلام فى الأصل ثلاثة :القلم الأول :الذى خلقه الله بيده، وأمره أن يكتب .والقلم الثانى :أقلام الملائكة، جعلها الله بأيديهم يكتبون بها المقادير والكوائن والأعمال .والقلم الثالث :أقلام الناس، جعلها الله بأيديهم، يكتبون بها كلامهم، ويصلون بها مآربهم .وفى الكتابة فضائل جمة .والكتابة من جملة البيان، والبيان مما اختص به الآدم.(تفسير القرطبى، ج٢٠، ص ١٢١، سورة العلق، تحت رقم الآية ٤)

ترجمہ: قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی کشادہ ورق میں (سورہ طور)

بعض مفسرین حضرات کی تحقیق کے مطابق کتابت کا فن سب سے پہلے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا گیا تھا، اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے لکھنا شروع فرمایا تھا۔ اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا تھا، بہ ہر حال اس فن کی نسبت بہت عظیم ہے۔ [1]

اسی وجہ سے علماء نے ہمیشہ خط و کتابت کی تعلیم کا بڑا اہتمام فرمایا ہے، جس پر ان کی عظیم الشان کتابیں آج تک گواہ ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ قلم، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر یہ نہ ہوتا، تو نہ کوئی دین قائم رہتا، اور نہ دنیا کے کاروبار صحیح چل سکتے۔

علمِ کتابت میں بے شمار اور بڑے بڑے منافع ہیں، جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔

تمام علوم و حِکَم کی تدوین، اور اولین و آخرین کی تاریخ، ان کے حالات و مقالات، اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں، سب قلم ہی کے ذریعے لکھی گئیں، اور رہتی دنیا تک کے لیے محفوظ ہوئیں، اگر قلم نہ ہو، تو دین و دنیا کے سارے ہی کام ٹھپ ہو جائیں۔

آج کل تو تحریر و کتابت اور لکھنے لکھانے کا زمانہ ہے، تحریر، انسانوں کی زبان کے قائم مقام بن گئی ہے، مگر اب سے چودہ سو سال پہلے کے زمانے میں دنیا کے عام کاروبار اور ضروریات صرف زبانی کلامی انجام دیے جاتے تھے، لکھنے لکھانے اور دستاویز مہیا کرنے کا رواج نہ تھا،

---

[1] والظاهر أن المعلم بالقلم غير معين وقيل هو كل نبى كتب .وقال الضحاک هو إدريس عليه السلام وهو أول من خط .وقال كعب :هو آدم عليه السلام وهو أول من كتب .وقد نسبوا لآدم وإدريس عليهما السلام نقوشا مخصوصة فى كتابة حروف الهجاء الذى يغلب على الظن عدم صحة ذلک، وقد أدمج سبحانه وتعالى التنبيه على فضل علم الكتابة لما فيه من المنافع العظيمة ونيل الرتب الفخيمة ولولاه لم يقم دين ولم يصلح عيش ولو لم يكن على دقيق حكمة الله تعالى ولطيف تدبيره سبحانه دليل إلا أمر القلم والخط لكفى به .(تفسير روح المعانى، ج۱۵، ص۴۰۳، سورة العلق، تحت رقم الآية ۴)

اور کاتبوں کی آج کل کے دور کی طرح کثرت نہ تھی۔ [1]

لیکن اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان فرما دیا تھا کہ:

یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اِذَاتَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۸۲)

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کیا کرو، کسی متعین مدت کے لیے، تو اس کو لکھ لیا کرو (البقرہ)

اور اللہ ربُّ العزت نے علمائے دین سے ہر دور میں تحریر وتقریر کے ذریعے سے دینِ حق کی حفاظت، وعظ ونصیحت وتبلیغ کا کام لیا ہے، اور خطابت کے ساتھ کتابت کو برابر کا مقام دیا ہے، خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر تحریری طور پر دوسروں کو دین کی دعوت دی، اور آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری دعوت نامے اور مکتوبات، حدیث کی کتابوں اور تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

اسی لیے کامل تبلیغ، تقریر وتحریر دونوں کے مجموعے کو قرار دیا گیا ہے۔ [2]

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس سے تو کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ تبلیغ اس واحد (اکیلے) طریقے میں منحصر نہیں، تبلیغ، تعلیم، تدریس، تذکیر وغیرہ سے ہوتی رہی ہے، اور ہوتی ہے، اور ان شاء اللہ

---

[1] عن عمرو بن تغلب، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إن من أشراط الساعة، أن يفيض المال ويكثر، ويظهر القلم، وتفشو التجارة ."قال :قال عمرو :فإن كان الرجل ليبيع البيع فيقول :حتى أستأمر تاجر بنى فلان، ويلتمس فى الحى العظيم الكاتب، ولا يوجد .(زوائد مسند احمد، رقم الحديث ٧٨، بقية حديث عمرو بن تغلب)

[2] فإن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – كان مأمورا بتبليغ الرسالة بقوله تعالى (يا أيها الرسول بلغ)وقد بلغ تارة بالكتاب وتارة باللسان فإنه كتب إلى ملوك الآفاق يدعوهم إلى الدين، وكان ذلك تبليغا تاما.(المبسوط للسرخسي، ج٥ص١٦، كتاب النكاح ،باب الوكالة بالنكاح)

ہوتی رہے گی۔(از مکتوبات شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ ص ۵۶)

علمائے کرام نے قلم کے ذریعے سے جہاد کرنا، مستقل جہاد کی قسم قرار دیا ہے، اسی کو عربی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

تُبۡنٰی قَوَاعِدُہٗ عَلٰی اَیِّ شَیۡیٍٔ سِوٰی قَلَمٍ وَّحَدِّ یَمَانِیۡ

یعنی” سلطنت کی بنیادیں قلم وتلوار ان ہی دو چیزوں پر اٹھان رکھتی اور استوار ہوتی ہیں“

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارفُ القرآن میں لکھتے ہیں:

یہ امت دوسروں کی خیر خواہی اور فائدہ کے لیے بنائی گئی ہے، اس کا فرضِ منصبی اور قومی نشان یہ ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کرے، بُرے کاموں سے روکے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”اَلدِّیۡنُ اَلنَّصِیۡحَۃُ“ کا یہی مطلب ہے کہ دین اس کا نام ہے کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کرے، پھر بُرے کاموں میں کفر، شرک، بدعات، رسومِ قبیحہ، فسق وفجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں، اُن سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا، کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے، کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہوگیا، یہ صفت جس قدر عموم واہتمام سے امتِ محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی (معارف القرآن، ج۲ص ۱۳۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور دشمن کی مدافعت کرنے میں، جان، مال، زبان، قلم کی پوری طاقت خرچ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔(رسالہ جہاد ص۹) [1]

---

[1] ان الجهاد لايختص بمباشرة القتل ،وانما هو كل جهد يبذل فى سبيل اعلاء كلمة الله، وكسر شوكة الكفر والكفار، سواء كان بالسلاح ،اوبالمال ،اوبالعمل، اوبالقلم اوباللسان. ولكن كلمة "الجهاد" اذا اطلقت فانما يراد بها فى الغالب جهد يبذل فى قتال الكفار، ولاتطلق على غيره الابقرينة تدل على ذالك .(تكملة فتح الملهم ،ج ٣ ص ۴، كتاب الجهاد والسير، مطبوعة: داراحياء التراث العربى، بيروت، لبنان، الطبعة الاولىٰ: 1426هـ ، 2006ء)

دنیا کے بڑے بڑے کاموں میں قلم کا بہت بڑا حصہ ہے، ملکوں کی فتوحات میں تلوار سے زیادہ قلم کا موثر ہونا، منقول ومعروف ہے، اسی بات کو عربی کے دو شعروں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ؎

اِذَااَقْسَمَ الْاَبْطَالُ یَوْمًابِسَیْفِھِمْ وَعَدُّوْہُ مِمَّایَکْسِبُ الْمَجْدُوَالْکَرَمُ

جب کہ قسم کھائیں بہادر لوگ کسی دن اپنی تلوار کی، اور اس کو شمار کریں، ان چیزوں میں، جو انسان کو عزت وشرف بخشتی ہیں۔

کَفٰی قَلَمُ الْکُتَّابِ عِزًّاوَرَفْعَةً مَدَی الدَّھْرِ اِنَّ اللّٰہَ اَقْسَمَ بِالْقَلَمِ

تو کافی ہے، لکھنے والوں کا قلم، ان کی عزت وبرتری کے لیے، ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے، کیونکہ اللہ نے قسم کھائی ہے قلم کی۔

(کذافی معارف القرآن ج۸ص۵۳۱)

عربی کی کہاوت ہے کہ:

"اَلْعِلْمُ صَیْدٌ وَالْکِتَابَةُ قَیْدٌ" [1]

یعنی "علم کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ شکار اور کتابت کی مثال، اس کے لیے ایسی ہے، جیسے جال"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح شکار کو جال میں قید وبند کرلیا جاتا ہے، اسی طرح علم کو تحریر میں لاکر اسے محفوظ کرلیا جاتا ہے۔

گزشتہ تفصیل سے قلم وکاغذ، تحریر وکتابت کی عظمت واہمیت، اور ان کا ایک فطری ذریعۂ علم وہدایت ہونا، واضح ہوگیا، اور انسانی تاریخ کے ماضی کے ادوار کی تفصیلات جہاں تک تاریخ کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہیں، وہ بھی ان تمام ادوار میں انسانی معاشرے میں قلم وکاغذ، تحریر وکتابت کی اہمیت کی گواہی دیتی ہیں، خاص طور پر نزولِ قرآن کے بعد، قرآن کی الہامی

---

[1] ولذا قیل :العلم صید، والکتابة قید .(مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۱۲، مقدمة المؤلف)

ہدایات (جن کا پیچھے ذکر ہوا) کے پیشِ نظر مسلمانوں نے جس انداز سے علم ودانش کی حوصلہ افزائی کی، اورآفاق وانفس کے رازآشکارا کیے، اوروحی الٰہی کی آیات وتعلیمات، اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات محفوظ کیے، اس میں قلم وکاغذ،تحریر وکتابت در حقیقت، ایک اہم ترین ذریعہ رہا۔

چنانچہ سلف کی ان تحریرات وکتب سے آج بھی امت کے دل ودماغ ہدایت، اورکام ودہن کی لذت پارہے ہیں، چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد نشرواشاعت کے اس اہم ذریعے نے برق رفتار ترقی کی، اورسالوں کا کام مہینوں، اورمہینوں کا کام دنوں، اورگھنٹوں میں ہونے لگا۔

بالخصوص بیسویں صدی میں ابلاغیات کے میدان میں صحافت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کرتا چلا گیا، اور ریاست کے ایک اہم ستون کی حیثیت سے متعارف ہوکر اجتماعی زندگی پر چھا گیا، اورپھراسی کی کوکھ سے الیکٹرانک میڈیا کی وسیع دنیاوجود میں آئی۔

اس کے باوجود پرنٹ میڈیا کی حیثیت واہمیت آج بھی اپنی جگہ مسلّم ہے، لیکن اس میدان میں بھی آج زیادہ عمل دخل شراور باطل کی قوتوں کا ہے، اورجن مادی والحادی مقاصد کے فروغِ عام کے لیے الیکٹرانک میڈیا، دن رات سرگرمِ عمل ہے، یہاں بھی وہی ماجرا ہے، مع کچھ شے زائد کے، دین کی تبلیغ واشاعت اوراصلاح خلق کا کام بھی اگرچہ اس میدان میں روشنی کی ایک کرن کی صورت میں زندہ ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس میدان میں حق کی دبی ہوئی آواز کو مضبوط کیا جائے، اور مسلمان، اس کی حوصلہ افزائی، اور مادر پدرآزادمیڈیا، اور زرد صحافت کی حوصلہ شکنی کریں، ورنہ یہ ناسور ہمارے ملی ودینی اورانفرادی واجتماعی وجود سے ایمان کی آخری رَتی بھی کھرچ ڈالے گا۔

آج کے پرفتن دور میں جب کہ ہرطرف برائی کا دوردورہ ہے، اورلوگوں کے دل ودماغ،

رفتار وگفتار، حالات، واقعات پر مختلف ذرائع ابلاغ کا غلبہ ہے، دعوت ونصیحت، تبلیغ وتذکیر، اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ضرورت واہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہوچکی ہے۔

ان حالات میں تحریر وتقریر اور دیگر جائز ذرائع ابلاغ کے ذریعہ سے جس طرح بھی ممکن ہو، مسلمانوں کو حق بات سے روشناس کرانا، اور جہالت وکفر کی تاریکیوں سے نکالنا، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اوراس کے لیے جتنی بھی سعی وکوشش کی جائے، کم ہے۔

بلاشبہ ایک ایسے دور میں جب کہ بے شمار لوگ اور سوسائٹی کی اکثریت، فحاشی اور بے حیائی کے میڈیائی آلات کے سائے میں زندگی گزار رہی ہو، کروڑوں انسان، ریڈیو وٹیلی ویژن کی نشریات سے اپنا رشتہ قائم کیے ہوئے ہوں، لاکھوں اشخاص، اخباروں اور ہزاروں لوگ انٹرنیٹ کے بے لگام کلچر وثقافت سے اپنا تعلق جوڑے ہوئے ہوں۔ [1]

ان ذرائع ابلاغ کا کردار بھرپور انداز میں بے حیائی، فحاشی اور بے راہ روی کی آخری حدوں کو چھورہا ہو، ایک مختصر سے رسالہ اور ماہ نامے کا اجرا کوئی خاطر خواہ بند باندھنے کی بہ ظاہر طاقت وسکت نہیں رکھتا، بلکہ بہ ظاہر آندھیوں کے رُخ پر چراغ رکھنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے، لیکن اللہ ربُّ العزت کا حکم یہ ہے کہ بندہ کسی حال میں بھی مایوس نہ ہو، اوراپنی ہمت وقدرت کے مطابق اخلاص کے ساتھ کام کرتا جائے، اور نتائج کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کردے، تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بے پناہ نصرت ومدد سے محروم نہیں کرتی۔

تحریری وقلمی تبلیغ کی اہمیت، عظمت اور ضرورت کے پیش نظر، ادارہ غفران کے ترجمان کی حیثیت سے ایک ماہ نامہ کی مدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی، جو الحمدللہ تعالیٰ ابتدائی کاوش کے ساتھ ''التبلیغ'' کے نام سے پہلے شمارے کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے:

''فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ''

---

[1] یہ 2004 عیسوی کی شروعات کا زمانہ تھا، جب موبائل اور انٹرنیٹ گھر گھر عام نہیں ہوا تھا، اور موبائل بھی محض فون کی حد تک تھا، اور محدود افراد کے پاس تھا، اب تو موبائل الا ماشاء اللہ ہر ایک کے پاس ہے، اوراس سانپوں کی پٹاری میں (نیٹ ہے، تو اس میں) ہر چیز ہے۔

ماہ نامہ کا نام ''التبلیغ'' تجویز کرنے کی وجہ

ہر چیز کے نام کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی وجہ ایسی ہوتی ہے، جو اسم کا مسمّٰی سے کسی بھی طرح سے تعلق جوڑتی ہے، جس کو عربی میں ''وجہ تسمیہ'' کہا جاتا ہے، ادارہ غفران کے ترجمان کو ماہ نامہ ''التبلیغ'' نام دینے کی کئی وجوہات ہیں، جن میں سے چند ایک مندرجہ ہیں:

(1)...... دین کی بات دوسرے تک پہنچانا: خواہ زبانی وتقریری ہو، یا تحریری وقلمی، ظاہر ہے کہ تبلیغ کے وسیع مفہوم میں داخل وشامل ہے، کیوں کہ تبلیغ کے معنیٰ دوسرے تک دین کی بات پہنچانا ہے، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کفار کو تحریری طور پر دعوت وتبلیغ کی، جو آج تک آپ کے خطبات میں محفوظ ہے، اس لیے رسالے کے مقصود کو واضح کرنے، اور اس کو اسم بامسمّٰی بنانے کے لیے ''التبلیغ'' نام تجویز کیا گیا۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ تبلیغ صرف زبان کے ذریعہ کی جاسکتی ہے، گویا کہ دین کی بات دوسرے تک پہنچانا، زبانی تبلیغ وتقریر کے ساتھ خاص ہے، اور اس سے ہٹ کر جو طریقہ تبلیغ کا اختیار کیا جائے، وہ تبلیغ کے مفہوم سے خارج ہے، اسی وجہ سے بہت سے اہلِ علم حضرات اپنی طرف سے تحریری تبلیغ نہ ہونے کو کوئی کمزوری خیال نہیں کرتے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> علمائے سلف وخلف نے ہمیشہ تعلیمِ خط وکتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے، جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں۔
>
> افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء وطلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر وکتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ (معارف القرآن ج۸ ص۷۸۶)

بہ ہر حال تبلیغ ہر دور میں تقریر وتحریر کے ذریعے سے ہوتی رہی ہے، اور تحریری تبلیغ کو یہ مقام

حاصل ہے کہ وہ مبلغ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اپنے حال پر بعینہٖ محفوظ رہتی ہے، اور عرصۂ دراز گزرنے کے باوجود بھی اس سے فائدہ حاصل کرنا، اسی طرح ممکن ہوتا ہے، جس طرح مبلغ کی زندگی میں، جو اس کے لیے مستقل صدقۂ جاریہ، اور سابقہ لوگوں کے علوم وخدمات کو آگے والوں تک محفوظ شکل میں پہنچنے کا بھی ذریعہ ہے۔

''التبلیغ'' نام منتخب کر کے ایک غلط تأثر کی اصلاح اور اہلِ علم حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرانا بھی پیشِ نظر ہے۔

(2)...... اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وحی شدہ بات کی تبلیغ کا حکم فرمایا ہے:

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یَآاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (سورة المائدة، رقم الآية ٦٧)

ترجمہ: اے رسول! آپ تبلیغ کیجیے، اس چیز کی جو بھی نازل کی گئی، آپ کی طرف، آپ کے رب کی طرف سے (مائدہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیائے کرام کے وارث ہونے کی حیثیت سے علماء پر یہ فریضہ عاید ہوتا ہے کہ وہ حسبِ ضرورت وحسبِ موقع تمام شعبوں کے اعتبار سے قوم کو دینی رہنمائی فراہم کریں، اور وہ کسی ایک شعبے کی تبلیغ کو مقصدِ زندگی اور نصبُ العین بنا کر دوسرے شعبوں کو نظر انداز نہ کریں ''التبلیغ'' نام کے ذریعہ سے عمومی طور پر دین کے تمام شعبوں کی تبلیغ کی اہمیت وضرورت کو پیشِ نظر رکھنا مقصود ہے، جو ماہ نامہ کی حکمتِ عملی کا حصہ ہے۔

(3)...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی حیات میں ان کے ہاں تھانہ بھون سے ہر ماہ سلسلہ ''التبلیغ'' کے نام سے مدت تک، ایک رسالہ شائع ہوتا رہا، جس میں عموماً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ شائع ہوتے تھے، حکیم الامت رحمہ اللہ سے اس صدی میں اللہ تعالیٰ نے جو دینی اور روحانی خدمات کا کام لیا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، اس دینی وروحانی نسبت کے علاوہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے ہماری دوسری کئی نسبتیں بھی

قائم ہیں، حضرت رحمہ اللہ سے ان نسبتوں کی وابستگی بھی اس نام کی تحریک کی داعی بنی۔

(4)...... بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کا جو کام لیا ہے اور اس کی برکات پوری دنیا میں پھیلائی ہیں "التبلیغ" نام کی نسبت حضرت موصوف رحمہ اللہ کے اس کام کی طرف بھی کر کے برکت کا حصول اور نسبت کا قائم کرنا مقصود ہے۔

ماہ نامہ کی حکمت عملی

ماہ نامہ التبلیغ کی حکمت عملی و پالیسی کوئی رسمی نوعیت کی حامل نہیں ہے، بلکہ چند بنیادی اصولوں اور نکتوں پر مشتمل ہے، جن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

(1)...... ماہ نامہ کی اشاعت وتبلیغ کا مقصود، رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے طعن وتشنیع اور طنزیہ انداز، پروپیگنڈے ومبالغہ آرائی سے ممکنہ حد تک اجتناب کرتے ہوئے کسی ایک مخصوص شعبے کے بجائے وسیع الجہت بنیادوں پر زندگی کے مختلف شعبوں میں احقاقِ حق وابطالِ باطل کے اعتبار سے رہنمائی فراہم کرنا ہوگا۔

مسلمان کے ہر کام میں اخلاص اور رضائے الٰہی پیش نظر رہنا چاہیے، لوگوں کے دکھلانے یا ان کی طرف سے تعریف وتوصیف اور مدح وشکر کی طرف نظر نہ ہو، اس کے بغیر کوئی عمل بھی بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت حاصل نہیں کرتا، خواہ ظاہر میں وہ کتنا ہی خوش نما اور مزین ہو۔

ہمارے یہاں ذرائع ابلاغ (اور مدیرانِ جرائد ورسائل وغیرہ) کا ایک گروہ وہ ہے، جس کا مطمحِ نظر عوامی مقبولیت اور عوام سے تحسین وآفرین کا حصول ہے، اور اس مقصد کے لیے وہ عوام کی رہنمائی کرنے کے بجائے ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، اور ہر ایسی بات لکھنے اور کہنے سے پرہیز کرتا ہے، جس سے عام لوگوں میں پذیرائی حاصل نہ ہو سکے۔

جب کہ ایک گروہ نے صرف حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کو سب سے بڑا جہاد تصور کر رکھا ہے، اور اس کے نتیجے میں انہیں معاشرے میں کافی حد تک پذیرائی بھی حاصل ہو جاتی ہے،

کیونکہ ہماری شامتِ اعمال یہ ہے کہ ہمیں عموماً ایسے حکمران میسر نہیں آتے، جنہیں عام مقبولیت حاصل ہو۔

اس کے نتیجے میں ملک کی فضا کچھ ایسی بن گئی ہے کہ حکومت کے خلاف لکھنے، اور آواز اٹھانے والا عوام میں، رہبر اور ہیرو سمجھا جاتا ہے، اور بات کی ذاتی خوبی وخرابی سے قطع نظر صرف حکومت کی مخالفت کو اپنا نصب العین بنایا جاتا ہے، اور بسا اوقات اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ایسا کرنا ہمارے اجتماعی مقاصد کے لیے ضروری یا مفید ہے، بلکہ اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس کے صلے میں عوام کی طرف سے حق گوئی و بے باکی کے خطابات وصول ہوں گے، اور گلے میں تحسین وتبریک کے ہار ڈالے جائیں گے۔

جب کہ ایک گروہ اس کے بالکل برعکس برسرِ اقتدار حلقہ کی ہر اچھی بری چیز پر دل وجان سے آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہتے ہوئے، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کا طرزِ عمل اختیار کرنے کو اپنی صحافت کا مقصد و منشور بنائے ہوئے ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کی جو فکری رہنمائی ذرائع ابلاغ (اخبارات وجراید وغیرہ) کے ذریعہ ہونی چاہیے تھی، وہ حکومت کے موافق اور مخالف دونوں قسم کے ذرائع ابلاغ سے حاصل نہیں ہو پا رہی۔

یہ دونوں طرزِ عمل افراط وتفریط کی دو انتہائیں ہیں، راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم اس معاملے میں یہ ہے کہ مثبت وخیر خواہانہ انداز میں دل سوزی کے ساتھ اجتماعی وانفرادی خرابی وبگاڑ کی تشخیص کر کے تعلیماتِ اسلام سے ہم آہنگ نسخۂ اصلاح پیش کیا جائے، اور یہی انبیائے کرام کا طرزِ عمل رہا ہے کہ وہ حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتے، آخر دم تک ہر جائز وممکن طریقہ سے خیر خواہی ودل سوزی کے ساتھ اصلاحِ احوال کے لیے کمربستہ رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھتے ہیں، اور نتیجہ، اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

بعض حکماء کا ارشاد ہے کہ حق بات، حق طریقہ اور حق نیت سے، جب بھی کہی جاتی ہے، وہ نقصان دہ ثابت نہیں ہوتی، اور اگر کہیں نظر آئے کہ حق بات کہنے کے نتیجہ میں کہیں لڑائی،

جھگڑا، فساد یا نقصان ہوگیا ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان مذکورہ تین باتوں میں سے کسی بات کی خلاف ورزی ضرور ہوئی ہے کہ یا تو وہ بات حق نہیں تھی، اور خواہ مخواہ اس کو حق سمجھ لیا گیا تھا، یا بات تو حق تھی، لیکن نیت صحیح نہیں تھی، نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ وہ بات نہیں کہی گئی تھی، بلکہ بات کہنے کا مقصد، دوسرے کی اصلاح، خیر خواہی اور ہمدردی کے بجائے، اسے ذلیل ورسوا کرنا، یا اپنی بڑائی اور فوقیت جتلانا تھا، یا بات تو حق تھی، اور نیت بھی صحیح تھی، لیکن بات کہنے کا طریقہ، حق پر مبنی نہیں تھا۔

حق بات کی دعوت، اور دین کی تذکیر ونصیحت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اگر مذکورہ شرائط کی پاسداری کے ساتھ انجام دی جائے، تو اس سے فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃالذاریات، رقم الآیۃ ۵۵)

ترجمہ: اور آپ (لوگوں کو) نصیحت کیجئے! پس بے شک نصیحت فائدہ پہنچاتی ہے، مومنوں کو (سورہ ذاریات)

(2)...... ماہ نامہ ''التبلیغ'' ان شاء اللہ تعالیٰ دینی وملی ضروریات اور مقتضائے حالات کے لحاظ سے موضوعات کے انتخاب پر مشتمل ہوگا۔

موقع محل اور وقت کی مناسبت سے موضوعات کا انتخاب، دین وعقل کی روشنی میں دعوت وتبلیغ اور وعظ وتذکیر کا اہم اصول ہے، جس کو دینی زبان میں "الأهم فالأهم" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس اہم اصول کا لحاظ نہ کرنے کے نتیجہ میں، بعض اوقات ایک فائدہ مند چیز بھی، کلی یا جزئی طور پر باعثِ ضرر اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

(3)...... ماہ نامہ ''التبلیغ'' میں ان شاء اللہ تعالیٰ عام فہم اور سلیس زبان میں مضامین کی ترجمانی کی کوشش کی جائے گی، اور بناوٹ وتصنع سے حتی الامکان اجتناب کا اہتمام ہوگا۔

آج کل علم سے دوری اور جہالت کا دور دورہ ہو جانے کی وجہ سے عام مسلمانوں کے لیے دین کی افہام وتفہیم کا کام، مشکل ترین مرحلہ بن چکا ہے، جس کے لیے مستقل جدوجہد اور دینی وعلمی اور عوامی حلقوں کے درمیان، وسیع خلاء کو پر کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ ہمارے حضرات کا ایک طبقہ وہ ہے کہ اس کے اپنے حق اور خاص ماحول میں ایک خاص زبان اور خاص اصطلاحات اور الفاظ، سلیس اور سادہ ہیں، کیونکہ وہ رات دن علمی ماحول میں رہتے، اور وہاں کے ماحول میں ہی گفتگو کرتے ہیں، لیکن عوامی سطح اور باہر کے ماحول کے اعتبار سے، وہ زبان نہایت مشکل اور دشوار ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں عامۃُ المسلمین کا بڑا طبقہ فائدہ اٹھانے سے محروم رہتا ہے، اس کے علاوہ ہمارے کچھ حضرات کی تحریرات کا محور، ارادی اور شعوری طور پر، فصاحت وبلاغت اور الفاظ سازی، اور ان کی خوب صورتی ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں عوامُ الناس کے لیے مفہوم ومقصود، اور غرض وغایت کو سمجھنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جب تحریر کا مقصود، جو کہ معانی ومقاصد تک رسائی ہے، وہی حاصل نہ ہو، تو پھر ایسی تحریرات کا کیا فائدہ۔

پھر بذاتِ خود یہ طریقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مزاج ومذاق کے بھی خلاف ہے، کیونکہ اس طرزِ عمل میں خواہ مخواہ کا تکلف اور بے جا تصنع پایا جاتا ہے، جب کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے اس تکلف اور تصنع کی اپنی ذات سے نفی فرمائی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (سورۃ صٓ، رقم الآیۃ ۸٦)

خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہمیں تکلف سے منع کر دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] عن أنس، قال: کنا عند عمر فقال: نھینا عن التکلف (بخاری، رقم الحدیث ۷۲۹۳)

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ عامۃُ المسلمین کی ذہنی سطح کے مطابق، عام فہم انداز میں مفید اور با مقصد مضامین، بروئے کار لائے جائیں۔

آخر میں دعوتِ حق اور اصلاح و تبلیغ کے سلسلے کی ایک اہم قرآنی تعلیم و ہدایت پر بات کو ختم کیا جاتا ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ایک مقدس نبی ''حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام'' کی مبارک زبان سے اس قوم کے سامنے تعلیم فرمائی، جو بطورِ خاص معاملات اور معیشت کے اعتبار سے بگاڑ اور فساد میں مبتلا تھی، یعنی:

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ،وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ، عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ، وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ.

یعنی میں تو اصلاح چاہتا ہوں، جہاں تک ہو سکے، اور مجھ کو جو کچھ (عمل و اصلاح کی) توفیق ہو جاتی ہے، سب اللہ کی مدد سے ہے، اسی پر ہی میں بھروسا رکھتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ دعوتِ حق کے سلسلے میں ہماری اس ادنیٰ کوشش کو قبول و منظور فرمائیں۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (سورۃ الغافر، رقم الآیۃ ۴۴)

محمد رضوان

20/ذوالقعدۃ/1424ہجری 13/جنوری/2004ء بروز سہ شنبہ (منگل)

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ 1424ہجری، فروری 2004ء، جلد 1 شمارہ 1)

(2)

اسلامی سال کا آغاز اور ہماری حالت

(1)...... ماہِ محرم سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے، اس اعتبار سے محرم کا مہینہ، اسلامی سال کا بالکل ابتدائی مہینہ ہے، اس مہینے کے شروع ہونے پر، اسلامی سنہ ہجری کی تبدیلی عمل میں آتی ہے، اور اسلامی سال کا سنہ ایک ہندسہ آگے بڑھ جاتا ہے، اس مرتبہ محرم کے آغاز سے 1424 ہجری۔1425 ہجری کے ساتھ تبدیل ہوگیا ہے۔ گویا کہ محرم کا مہینہ عالمِ اسلام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے نئے سال کی نوید، اور خوش خبری ساتھ لے کر آتا ہے۔

ہر قوم اور مذہب والے اپنے سال کے آغاز پر اپنے اپنے طریقوں پر مختلف انداز سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں، جس کی زندہ مثال ''ہپی نیوایئر'' (Happy New Year) کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

اگرچہ اسلام، غیروں کے طریقوں پر چلنے، اور دوسری قوم کی نقالی، اور مشابہت اختیار کرنے سے منع کرتا ہے، یہاں تک کہ اسلامی اور غیر اسلامی خوشی اور جشن منانے کے طور وطریقوں میں بھی زمین وآسمان کا فرق رکھا گیا ہے، لیکن بہر حال اسلام میں خوشی کے اظہار کے جذبات کی رعایت رکھی گئی ہے، البتہ اس کے لیے کچھ حدود متعین کردی گئی ہیں۔

جس کا تقاضا ہے کہ مسلمان، اسلامی سال کے آغاز پر اللہ ربُّ العزت کا شکر بجالائیں کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے نئے سال تک ایمان کی حالت میں زندگی بخشی، اور ساتھ ہی نئے سال کے آغاز پر اپنے گزشتہ سال کے اعمال کا جائزہ لیں، اور اپنا احتساب کریں، اگر نیک اعمال کی توفیق ہوئی ہو، تو اللہ عزَّ وجلَّ کے حضور سجدہ ریز ہوکر شکر کی نعمت سے اپنے دامن کو سعادت بخشیں، اور آئندہ سال کے لیے ان کی بجاآوری بلکہ مزید ترقی کرنے، اور آگے بڑھنے کا عزم کریں، اور نفس وشیطان کے بہکاوے میں آکر جو بداعمالیاں سرزد ہوئیں، ان

سے توبہ کر کے علاحدگی اختیار کریں، اور آیندہ سال بھر بلکہ عمر بھر کے لیے گناہوں سے بچے رہنے کا مصمم ارادہ کریں، اسی کے ساتھ غیر قوموں کی نقالی، غلط رسوم اور فضول خرچی سے اپنے آپ کو بچائیں۔

(2)...... اسلامی سال کے آغاز کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت کی قربانی کے جذبہ کے ساتھ قائم ہے، سنہ ہجری ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی خاطر دین کے لیے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کے جذبات، اپنے اندر پیدا، اور ان میں اضافہ کرنے کا درس دیتا ہے، اور ہمارے خاموش اور جامد جذبات کو نئی تحریک اور ولولہ بخشتا ہے، اور مسلمانوں کو ہجرت کے اس عمل کی یاددہانی کراتا ہے، جس کی بدولت ہمارے روحانی و ایمانی آباء واجداد کو مدینہ طیبہ میں ہر طرح کی عزت، غلبہ اور راحت وثروت عطا ہوئی، ہماری دنیا میں رہی سہی عزت، ہمارے ان مقدس برگزیدہ بزرگوں کی ہی میراث ہے۔

ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ اور مرکز حاصل ہوا۔

مسلمانوں کو آزادی سے عبادت کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے جانے، مسلسل حاضری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے، مستقل فیض یاب ہونے کے مواقع مل گئے۔

اہلِ اسلام نسبتاً چین سے زندگی گزارنے لگے۔

اسلامی طرزِ معاشرت کے خدوخال نمایاں ہوئے۔

اسلام کے اقتصادی و معاشی پروگراموں کے لیے عملی راہ ہموار ہوگئی۔

تعلیم وتعلم کے لیے سازگار ماحول میسر آیا۔

آزاد فضا میں رہ کر لوگوں کو اسلام کے سمجھنے میں آسانی ہوگئی۔

تعلیماتِ اسلام کی نشرواشاعت اور تبلیغ کے لیے پاکیزہ ماحول مہیا ہوا۔

ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی، جس کے سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جو شروع میں

مدینہ منورہ اور اس کے مضافات پر مشتمل تھی، مگر رفتہ رفتہ بحرُ الکاہل سے لے کر بحرِ اوقیانوس تک وسیع ہوگئی۔

اسلام کا اہم فریضہ جہاد و قتال زندہ ہوا۔

ہجرت سے اسلامی سن کا آغاز کرنے میں ایک سبق یہ ہے کہ جب تک یہ سن باقی ہوگا، مسلمانوں کی یہ یاد ہر وقت تازہ رہے گی کہ اسلام کو مضبوط تھام لینے کے لیے ہجرت کی ضرورت ہے، اور ہجرت، دراصل اسلام کی خاطر، اپنی قوم، خاندان، وطن، رسم و رواج، عزت و راحت اور کافروں کی معاشرت سب کو چھوڑنے کا نام ہے۔

اسی لیے احادیث میں اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑنے والے کو بھی مہاجر قرار دیا گیا ہے۔ [1]

(3)...... یہ مہینہ دنیا میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو اسلامی ماہ و سال اور اس کی تاریخوں کے ساتھ اپنا رشتہ قائم اور مستحکم و مضبوط کرنے کی بھی دعوت دیتا ہے، جس کی طرف سے مسلمانانِ عالم میں اجتماعی غفلت و بے نیازی پائی جاتی ہے۔

آج اکثر و بیشتر مسلمانوں کو اسلامی سال کے آغاز اور اس کی تاریخوں، مہینوں اور سن تک کی خبر نہیں ہوتی، اور یہ عالم ہے کہ کسی اسلامی مہینے یا تاریخ کی اتفاق سے ضرورت پیش آجائے، مثلاً رمضان، عید اور بقرعید وغیرہ تو اس کی پہچان اور معرفت کے لیے بھی انگریزی اور عیسوی مہینوں اور تاریخوں کا سہارا لینا پڑتا ہے کہ رمضان یا عید اور بقرعید وغیرہ فلاں

---

[1] عن عبد الله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم قال" :المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هاجر ما نهی الله عنه (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۲۳۰)

قال شعیب الارنؤوط:إسناده صحیح علی شرط البخاری (حاشیة صحیح ابن حبان)

عن أنس بن مالک أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال "المؤمن من أمنه الناس والمسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هاجر السوء والذی نفسی بیده لا یدخل الجنة عبد لا یأمن جاره بوائقه (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۵۱۰)

قال شعیب الارنؤوط:إسناده صحیح علی شرط مسلم(حاشیة صحیح ابن حبان)

انگریزی مہینہ اور تاریخ کو آ رہی ہیں، یہ قابلِ اصلاح امر ہے، ہمیں اپنی تقویم و کیلنڈر کو اپنی مسلم سوسائٹی میں رواج دینا ہوگا۔

(4)...... ماہ محرم کو اللہ تعالیٰ نے یہ عزت بھی عطاء فرمائی ہے کہ اس کا نہ صرف ان چار مہینوں میں شمار کیا گیا، جو آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے عظمت و شرافت والے ہیں، اور قرآن مجید میں ان کو "اشھرِ حرم" قرار دیا گیا ہے، بلکہ اس مہینہ کو ان چار مہینوں میں سب سے اول اور پہلا درجہ بخشا گیا۔

قرآن مجید میں اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (سورة التوبة، رقم الآية ٣٦)

ترجمہ: مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک، بارہ مہینے ہیں، اللہ کی کتاب میں، جس دن اس نے پیدا کیے تھے، آسمان اور زمین، ان میں چار مہینے (محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ) ہیں، ادب کے، یہی ہے سیدھا دین، سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر (سورہ توبہ)

(5)...... اس مہینہ کا نام "محرم" اس مہینہ کے احترام کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ محرم کے معنیٰ ہی احترام و عظمت والی چیز کے ہیں۔

(6)...... اس مہینہ کی عظمت و شرافت کو ظاہر کرنے، اور دنیا کو بتلانے کے لیے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے عظیم الشان واقعات کا اس مہینے میں وقتاً فوقتاً ظہور ہوتا رہا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اس مہینہ، بلکہ اس مہینہ کی خاص دس تاریخ کو فرعون سے نجات عطاء فرمائی تھی۔

اس کے علاوہ اور بھی واقعات اہلِ علم نے اس دن کے متعلق لکھے ہیں، اور اس قسم کے

واقعات اور روایات میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے، مگر تاریخی حیثیت ان روایات کی بنتی ہے۔
محرم کا ہی مہینہ ہے، جس کی دسویں تاریخ کا روزہ، بعض فقہائے کرام کے بقول رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے فرض کیا گیا تھا، گویا کہ اسلام کے اہم رکن روزہ کی فرضیت کی تمہید اس مہینہ سے قائم ہوئی، اور آج اگرچہ اس مہینہ کے روزے کی فرضیت تو باقی نہیں، مگر اس روزہ کی اہم فضیلت آج بھی موجود ہے۔
محرم کے دسویں دن کے روزہ کو یہ فضیلت بخشی گئی کہ اس کی وجہ سے گزشتہ ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔
محرم کے مہینہ کے ان گوناگوں فضائل اور قدر و منزلت کے اظہار کا تسلسل، زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت سے جاری تھا کہ سنہ 61 ہجری کو، کربلا کے مقام پر حضرت حسین رضی اللہ اور آپ کے قابلِ احترام رفقاء کی عظیم الشان شہادت بھی اس مہینہ میں من جانبِ اللہ مقدر ہوئی، جس سے اس مہینہ کی عظمت و شرافت کا ایک نئے انداز میں ظہور ہوا، اور اس مہینہ کی نسبت نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے مقدس رفقاء کی شہادت کو چار چاند لگا دیئے، اور یہ بات کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے شہادت، بہت بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع مقام و مرتبہ ہے، جو کسی خوش نصیب اور نیک بخت ہی کا مقدر ہوتی ہے۔

یہ منصب بلند ملا، جس کو مل گیا ہر مدّعی کے واسطے، دار و رسن کہاں

ماہِ محرم کی مذکورہ شرعی و تاریخی حیثیت و اہمیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس مہینہ کو شکر، شادمانی اور قدر دانی کا مہینہ سمجھا جاتا، اور اس مہینہ کو دوسرے عام مہینوں کے مقابلہ میں زیادہ عظمت و فضیلت والا مہینہ خیال کیا جاتا، مگر قرآن و حدیث اور تاریخ و سیر کے تمام نصوص و شواہد کو نظر انداز کر کے، اس مہینہ کو غمی یا نحوست کا مہینہ سمجھ لیا گیا ہے، اور اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ اس سے دو قدم آگے اسلامی حدوں کو پھلانگتے ہوئے سوگ و ماتم کے خود ساختہ طریقوں کے ساتھ اس مہینہ کو خاص کر دیا گیا ہے، اچھے خاصے تن درست، اور صحت مند حضرات اس مہینہ

کے شروع ہوتے ہی سوگوار بن جاتے ہیں۔

یہاں تک کہ شادی بیاہ اور دوسری خوشی والی تقریبات بھی اس مہینہ کے شروع ہوتے ہی ختم کردی جاتی ہیں، اور یہ مہینہ شروع ہونے سے پہلے پہلے ہی اس قسم کی تقریبات سے فارغ ہونے کی کوشش کی جاتی ہے، خواہ اس کے لیے کتنے ہی مصائب ومسائل سے دوچار کیوں نہ ہونا پڑے، اس مہینہ میں نکاح کرنا، یا اور کوئی خوشی کی تقریب منعقد کرنا بڑا جرم اور عیب سمجھا جانے لگا ہے، حالانکہ نکاح، جس سے انسان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اس کا اس مہینہ میں انجام دیا جانا، تو زیادہ نیک فالی کا باعث تھا، تاکہ زندگی کے نئے دور کا آغاز، سال کے آغاز کے ساتھ جمع ہوکر آنے والی زندگی کے لیے نیک فال ثابت ہو۔

مسلمانوں کو اس غلط سوچ سے نکلنے کی ضرورت ہے، جس کی ابتداء وہی لوگ کرسکتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی طاقت اور اپنی رضا کی خاطر، دوسروں کی ناراضگی کی پروانہ کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہو، آج تاریخ ایسے باہمت اور قوی ایمان والوں کی منتظر ہے۔

محرم کے مہینے میں اب معاملہ صرف شادی بیاہ اور خوشی کی دیگر تقریبات ترک کرنے تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اب تو اس کا تصور کچھ زیادہ ہی عام ہوگیا ہے، چنانچہ اگر کسی بچے کی ولادت اس مہینہ میں ہوجائے، تو اس کو بدشگونی پر محمول کیا جاتا ہے، بہت سے افراد اس مہینہ کے آغاز سے سوگ اور ماتم کا اظہار، سیاہ لباس پہن کر اس کے ذریعے کرتے ہیں۔

بعض لوگ اس مہینہ کے ابتدائی دس دنوں میں چارپائی پر سونا چھوڑ دیتے ہیں، اور زمین پر سوتے ہیں، اور عوام کا ایک طبقہ ایسا بھی سننے میں آیا ہے کہ جو ابتدائی دس دنوں تک ننگے پاؤں رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک طبقہ اس عشرے میں میاں بیوی والے خصوصی تعلقات سے باز رہنے کو بھی ضروری خیال کرتا ہے، اور یہ بات تو سب ہی کو معلوم ہوگی کہ آج کل ہمارے یہاں ذرائع ابلاغ اور میڈیا پر محرم کے ابتدائی پورے عشرے میں گانا بجانا، اور کسی بھی قسم کی

موسیقی کو نشر نہیں کیا جاتا، گویا کہ موسیقی اور گویوں کی دنیا بھی سوگ وار ہوجاتی ہے، لیکن اس کے برعکس عید، بقرعید، شب برأت، رمضانُ المبارک اور شبِ قدر تک کے بابرکت اوقات کے احترام کی رعایت رکھتے ہوئے، موسیقی بند نہیں کی جاتی، اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، کربلا کے میدان میں دس محرم کو ہوئی، تو اگر افسوس اور غم کی ضرورت تھی، تو اس تاریخ کے بعد تھی، مگر دس محرم سے پہلے جب تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ حیات رہے، اس کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، اور جونہی شہادت کی تاریخ گزری، موسیقی اور اپنے انداز میں خوشی منانے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

پھر دس محرم کے دن سوگ و ماتم کے جو مناظر سامنے آتے ہیں، ان میں تو ''الامان و الحفیظ'' تمام سرحدوں کو عبور کرلیا جاتا ہے، آگ پر چلنا، اپنے جسم کو زدوکوب کرنا، یہاں تک کہ بعض کا اپنے آپ کو ہلاک ہی کرڈالنا، یہ وہ واقعات ہیں، جو ہر سال محرم کے مہینہ میں سننے کو ملتے ہیں، اپنی اس موجودہ حالت کو قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ کے تناظر و تقابل میں دیکھ کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے جس اندھیرے غار سے نکال کر علم و ہدایت کے راستہ پر گامزن کیا تھا، آج ہم پھر اسی اندھیرے غار میں گھستے اور تاریکی میں ڈوبتے جارہے ہیں۔

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان

3/محرم الحرام/1425ہجری 23/فروری/2004ء بروز سہ شنبہ (منگل)

(ماہنامہ ''التبلیغ'' محرم/1425ہجری، مارچ/2004ء، جلد 1 شمارہ 2)

(3)

جھوٹ کا پلندہ اپریل فول

مغرب کی اندھی تقلید نے ہمارے معاشرے میں جن بے شمار رسموں کو نہ صرف جنم دیا، بلکہ ان کو پروان چڑھانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور قوم کو اخلاقی وسماجی دیوالیہ پن میں مبتلا کردیا، یہاں تک کہ اپنے دین کے ساتھ بھونڈا مذاق بنانے تک یہ قوم پہنچ گئی۔

ان میں سے ایک الم ناک اور شرم ناک رسم ''اپریل فول'' یا ''فرسٹ اپریل'' کے نام سے سرانجام دی جاتی ہے۔

اس ملعون رسم کے ذریعے اپریل کے مہینے کی پہلی تاریخ میں جھوٹ کے پلندے باندھ کردوسرے کو دھوکا دینا، اسے بے وقوف بنانا، اور انتہائی شاطرانہ وعیارانہ انداز میں سچ کا خول چڑھا کر اور خوب صورت لیبل لگا کر دوسرے کو نہ صرف تکلیف پہنچانا، بلکہ دوسرے کی جان ومال تک سے کھیل جانا، ہنرمندی اور عقل مندی سمجھا جاتا ہے، جو شخص جتنی صفائی، ڈھٹائی، چالاکی، مکاری وعیاری اور چابک دستی کے ساتھ دوسرے کو دھوکا دے کر، اور دغا بازی اختیار کرکے نقصان پہنچائے، رنج وغم، خوف وصدمہ میں مبتلا کرے، اس کا اتنا ہی بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

یہ بھونڈا مذاق، جسے دراصل مذاق کا بگاڑ کہنا چاہیے، ایسا ہی ہے جیسا کہ پاخانے اور غلاظت کے اوپر چاندی کے ورق چڑھا کر کسی مٹھائی فروش کے خوب صورت شوکیس میں رکھ دیا جائے، جسے دیکھ کر دوسرے بے خبر لوگ ''سویٹ ڈش'' سمجھیں، ظاہر ہے کہ ایسے دھوکے باز، عیار و مکار شخص کو جعل ساز اور فراڈیے وغیرہ جیسے بُرے القابات سے ہی نوازا جائے گا۔

یہی حال اپریل فول کا گورکھ دھندا، کھیلنے والے ''گروگھنٹال'' افراد کا بھی ہے۔

اپریل فول کی رسم میں شرکت کرنے پر، مسلم قوم کے لیے اس سے زیادہ المیہ کی بات اور کیا

ہوگی کہ وہ قوم جس کو اپریل فول جیسی عقل وشرع کا منہ چڑانے والی رسموں کو ختم کرنے ، اور مٹانے کے لیے پیدا کیا گیا تھا، وہی قوم آج ان رسموں کی وارث اور داعی بنتی دکھائی دے رہی ہے۔

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اس سیاہ کار رسم کی بدولت اب تک دنیا میں نہ جانے کتنی قیمتی جانوں کا ضیاع ہو چکا ہے، کتنے گھر اُجڑ چکے ہیں، کتنے بچے یتیم ہو چکے ہیں، کتنی عورتیں بیوہ ہو چکی ہیں، کتنے لوگوں کے قیمتی مالوں کا ضیاع ہو چکا ہے ، اور زندگی کے کتنے قیمتی اوقات اس فضول رسم کی خاطر پریشانی اور دوسروں کی تکلیف کی نذر ہو چکے ہیں۔

ایسے بے شمار واقعات اس رسم کے نتیجہ میں رونما ہوئے ہیں، کسی ناواقف شخص کو ایسے سخت صدمے کی اطلاع دے دی گئی ، اور وہ اس صدمے کی تاب نہ لاکر ہارٹ فیل یا ہارٹ اٹیک کا شکار ہوا، اور دنیا سے چل بسا۔

فرسٹ اپریل کو واقعی کوئی حادثہ ہوا، اور گھر والوں کو اطلاع دی گئی ، مگر وہ بروقت نہ پہنچ سکے، اور اپریل فول سمجھ کر یقین نہیں کیا، جس کے نتیجہ میں مریض دم توڑ گیا۔

کسی کے گھر اطلاع دی گئی کہ آپ کے ہاں فلاں فلاں مہمان کھانے پر پہنچ رہے ہیں، گھر والوں نے کھانے کا سارا انتظام کیا، اور بعد میں اپریل فول ہونا ظاہر ہوا، جس کے نتیجہ میں کھانا اور محنت ضائع چلی گئی۔

کسی کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے فلاں قریبی عزیز کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ، اور فلاں شہر یا فلاں جگہ ہسپتال میں داخل اور ایڈمٹ ہے، گھر والے دور دراز کا سفر کر کے روتے پیٹتے وہاں پہنچے، سارا ہسپتال چھان مارا اور تھک کر چور ہو گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ اپریل فول منانے والوں نے بھونڈا انداق کر کے شیطانی رسم کا سہرا اپنے سر سجایا ہے۔

کسی کو دوسرے کے متعلق بھڑکا دیا گیا، جس کے نتیجے میں طلاق واقع ہو کر ہمیشہ کے لیے گھر

اُجڑ گیا، یا دو خاندانوں یا دوستوں وغیرہ میں بغض وعناد کی آگ بھڑک اٹھی، رشتہ داروں میں قطع رحمی پیدا ہوگئی۔

اس لیے اپریل فول کی رسم عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ کئی خرابیوں اور کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے، جس کا ذیل میں کچھ مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

جھوٹ بولنا

جھوٹ بولنا اپریل فول کی ملعون رسم کا پہلا رکن ہے، سب جانتے ہیں کہ اس رسم کی بنیاد جھوٹ پر قائم ہے، جھوٹ کے سہارے پر ہی یہ رسم چلتی ہے، اگر جھوٹ نہ بولا جائے تو اس رسم کا وجود ہی ختم ہوجائے۔

ایک حدیث میں جھوٹ بولنے کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے، یہ بھی ساتھ بتایا گیا ہے کہ:

> اگرچہ وہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے اور اپنے بارے میں یہ سمجھے کہ میں صحیح مسلمان ہوں (مسند احمد) [1]

اپریل فول منانے والے افراد سوچ لیں کہ وہ اس رسم کی زد میں آکر کہیں نفاق کے مرض میں تو مبتلا نہیں ہورہے؟ جھوٹ کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں جھوٹوں پر اللہ کی لعنت فرمائی گئی ہے "لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ"۔

اپریل فول منانے والے اللہ تعالیٰ کی لعنت میں مبتلا ہوتے ہیں، اور جو جو حضرات بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، وہ بھی ان آیات کی تلاوت کے ضمن میں ایسے لوگوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں لمبا خواب دیکھا، جس میں یہ بھی دیکھا کہ ایک

---

[1] عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ثلاث في المنافق، وإن صلى وإن صام وزعم أنه مسلم :إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا ائتمن خان(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٩١٥٨)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح علي شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

فرشتہ لوہے کے زنبور سے دوسرے شخص کے گال اور کلّے چیر رہا ہے، اور چیرتے چیرتے گدی تک جا پہنچتا ہے پھر دوسری طرف کے گال اور کلے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا ہے، اتنے میں پہلا حصہ درست ہو جاتا ہے، پھر اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے، اور یہ سلسلہ برابر چل رہا ہے، فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ اس کو جھوٹ بولنے کی سزا دی جا رہی ہے (بخاری) [1]

اپریل فول منانے والے یہاں دوسرے کو دھوکا دے کر خوش ہوتے اور ہنستے ہیں، اور کل قیامت کے دن کے اس عبرت ناک انجام سے بے فکر و بے خبر ہیں۔

اپریل فول کے بارے میں عام طور پر یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ہم حقیقت میں جھوٹ نہیں بولتے، بلکہ دوسرے کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، اور ایک رسم منانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

مگر یاد رکھئے کہ اسلام میں کسی کو ہنسانے اور مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی گئی، اور اس کو بھی جھوٹ میں شمار کیا گیا ہے، اور احادیث میں ایسے شخص کے لیے ''ویل'' کے عذاب کی سخت وعید سنائی گئی ہے۔ [2]

یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بچوں کو بہلانے پھسلانے کے لیے بھی جھوٹ

---

[1] عن سمرة بن جندب، قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم:إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه فقال: من رأى منكم الليلة رؤيا؟ قال: فإن رأى أحد قصها، فيقول: ما شاء الله فسألنا يوما فقال: هل رأى أحد منكم رؤيا؟ قلنا: لا، قال: لكنى رأيت الليلة رجلين أتيانى فأخذا بيدى، فأخرجانى إلى الأرض المقدسة، فإذا رجل جالس، ورجل قائم، بيده كلوب من حديد قال بعض أصحابنا عن موسى: " إنه يدخل ذلک الكلوب فى شدقه حتى يبلغ قفاه، ثم يفعل بشدقه الآخر مثل ذلک، ويلتئم شدقه هذا، فيعود فيصنع مثله............أما الذى رأيته يشق شدقه، فكذاب يحدث بالكذبة، فتحمل عنه حتى تبلغ الآفاق، فيصنع به إلى يوم القيامة(بخارى، رقم الحديث ١٣٨٦)

[2] حدثنا بهز بن حكيم قال: حدثنى أبى، عن جدى، قال: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: ويل للذى يحدث بالحديث ليضحک به القوم فيكذب، ويل له ويل له وفى الباب عن أبى هريرة هذا حديث حسن(سنن الترمذى، رقم الحديث ٢٣١٥)

بولنے سے منع فرمایا ہے۔ [1]

یاد رکھیے کہ گناہ کر کے اس میں تاویل کرنے، اور اپنے آپ کو گناہ گار نہ سمجھنے کی وجہ سے گناہ کی برائی ختم نہیں ہو جاتی، برقرار رہتی ہے، بلکہ بعض اوقات ایمان شکن معاملے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

پس جو لوگ اپریل فول میں صریح جھوٹ بولنے، اور دوسرے کو دھوکا دینے کو گناہ نہیں سمجھتے، بلکہ الٹا اس پر فخر کرتے، اور اسے اپنا کمال اور ہنر سمجھتے ہیں، یہ نہایت سنگین جرم ہے۔ [2]

دھوکا دہی

اپریل فول میں دوسری بڑی خرابی دوسرے کو دھوکا دینے کی ہے، جب اپریل فول کی رسم پوری کرتے وقت جھوٹ بولا جاتا ہے، تو دوسرا شخص دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا کہ اپریل فول میں پوری ڈھٹائی اور صفائی کے ساتھ جھوٹ بول کر دوسرے کو دھوکا دینا، بڑا ہنر و کمال سمجھا جاتا ہے۔

اس لیے دوسرے مسلمان کو دھوکا دینا اپریل فول کا گویا کہ دوسرا بڑا رکن ہے، اور اسلام میں یہ بھی حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا“ (مسلم)

یعنی جو شخص ہمیں (یعنی مسلمانوں کو) دھوکا دے، وہ ہم میں سے نہیں۔

---

[1] عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال " :من قال لصبي: تعال هاك، ثم لم يعطه فهي كذبة "(مسند احمد، رقم الحديث ٩٨٣٦)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

[2] شریعت کے کسی واضح حرام حکم کا انکار کرنے، اور کسی شرعی حکم کو حقیر اور بے وقعت سمجھنے سے، ایمان سے محروم ہونے کا خدشہ ہے، جس کو شریعت کی زبان میں ”استحلالِ حرام“ کہا جاتا ہے۔

واستحلال الحرام كفر(ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى للقسطلانى، ج ا ص ٢٠٢، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبى -صلى الله عليه وسلم-)

دوسرے کو تکلیف پہنچانا

اپریل فول میں تیسرا بڑا اور کبیرہ گناہ دوسرے کو تکلیف اور ایذا پہنچانے کا ہے، ظاہر ہے کہ جب جھوٹ بول کر دوسرے مسلمان کو دھوکے میں ڈالا جاتا ہے، تو اس سے اسے جانی یا مالی تکلیف پہنچتی ہے، کسی کی جان چلی جاتی ہے، یا مالی نقصان ہو جاتا ہے، یا کم از کم ذہنی تکلیف تو ضرور پہنچتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ''بے شک جو لوگ ناحق ایذا پہنچاتے ہیں مومن مردوں اور عورتوں کو، انھوں نے بہتان اور بڑا گناہ اٹھایا''۔ [1]

اور ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ [2]

دوسرے کے ساتھ خیانت

اپریل فول میں چوتھا گناہ دوسرے مسلمان کے ساتھ خیانت کرنے کا بھی پایا جاتا ہے۔ خیانت کرنے کو کئی احادیث میں منافق کی نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ [3]

غیر قوموں کی مشابہت

ایک شرم ناک اور الم ناک خرابی اپریل فول میں یہ ہے کہ یہ رسم غیر قوموں کی ایجاد اور اسلامی

---

[1] وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (سورۃ الاحزاب، رقم الآیۃ ۵۸)

[2] عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (بخاری، رقم الحدیث ۱۰، کتاب الایمان، باب :المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده)

[3] عن أبی هریرة، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : آیة المنافق ثلاث :إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان (بخاری، رقم الحدیث ۳۳)

نظریات سے متصادم ہے، اس کی تاریخی حیثیت کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بہت اچھے انداز میں واضح کیا، اور اس پر روشنی ڈالی ہے، وہ فرماتے ہیں:

یہ رسم جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکے اور کسی بے گناہ کو بلاوجہ بے وقوف بنانے پر ہے، اخلاقی اعتبار سے تو جیسی کچھ ہے، ظاہر ہی ہے، لیکن اس کا تاریخی پہلو بھی ان لوگوں کے لیے انتہائی شرم ناک ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقدس پر کسی بھی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں۔

اس رسم کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔

بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس (Venus) کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے، وینس کا ترجمہ یونانی زبان میں Aphrodite کیا جاتا تھا، اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا (انسائیکلو پیڈیا ''برٹانیکا'' ج ۸ ص ۲۹۲، پندرھواں اڈیشن)

لہٰذا بعض مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی، اور اس کے ساتھ ایک بت پرستانہ تقدس بھی وابستہ تھا، اس لیے اس دن کو لوگ جشنِ مسرت منایا کرتے تھے، اور اسی جشنِ مسرت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا، جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشنِ مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا، جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔

(انسائیکلو پیڈیا) برٹانیکا میں اس رسم کی ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ 21 مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس

طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے، لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کر دیا (انسائیکلو پیڈیا ''برٹانیکا'' ج ا ص ۴۹٦)

یہ بات اب بھی مبہم ہی ہے کہ قدرت کے اس نام نہاد ''مذاق'' کے نتیجے میں یہ رسم چلانے سے ''قدرت'' کی پیروی مقصود تھی، یا اُس سے انتقام لینا منظور تھا؟

ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف انسائیکلو پیڈیا ''لاروس'' نے بیان کی ہے، اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل، وہ تاریخ ہے، جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزا کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

''اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو) گرفتار کیے ہوئے تھے، اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے، اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے، اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں''

(لوقا ۲۲: ٦۳ تا ٦۵)

انجیلوں میں ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالتِ عالیہ میں پیش کیا گیا، پھر وہ انہیں پیلاطس کی عدالت میں لے گئے کہ ان کا فیصلہ وہاں ہوگا، پھر پیلاطس نے انہیں ہیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا، اور بالآخر ہیروڈیس نے دوبارہ فیصلے کے لیے ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیجا۔

لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا، اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا، اور چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا، اس لیے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرم ناک واقعے کی یادگار ہے۔

اپریل فول منانے کے نتیجے میں جس شخص کو بے وقوف بنایا جاتا ہے، اسے فرانسیسی زبان میں Poisson d'avril کہا جاتا ہے، جس کا انگریزی ترجمہ April Fish ہے، یعنی اپریل کی مچھلی (برٹانیکا ج۱ص ۴۹۶) گویا جس شخص کو بے وقوف بنایا گیا ہے، وہ پہلی مچھلی ہے جو اپریل کے آغاز میں شکار کی گئی، لیکن لاروس نے اپنے مذکورہ بالا موقف کی تائید میں کہا ہے کہ Poission کا لفظ جس کا ترجمہ ''مچھلی'' کیا گیا ہے، درحقیقت اسی سے ملتے جلتے ایک اور فرانسیسی لفظ Posion کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کے معنیٰ ''تکلیف پہنچانے'' اور ''عذاب دینے'' کے ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ رسم درحقیقت اس عذاب اور اذیت کی یاد دلانے کے لیے مقرر کی گئی ہے، جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی گئی تھی۔

ایک اور فرانسیسی مصنف کا کہنا ہے کہ دراصل Poisson کا لفظ اپنی اصل شکل ہی پر ہے، لیکن یہ لفظ پانچ الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر ترتیب دیا گیا ہے، جن کے معنی فرانسیسی زبان میں بالترتیب عیسیٰ، مسیح، اللہ، بیٹا اور فدیہ ہوتے ہیں (اس تفصیل کے لیے دیکھئے فرید وجدی کی عربی انسائیکلوپیڈیا، دائرۃ معارف القرآن ج۱ص ۲۱و۲۲)

گویا اس مصنف کے نزدیک بھی اپریل فول کی اصل یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی یادگار ہے، اگر یہ بات درست ہے (لاروس وغیرہ نے اسے بڑے وثوق (اور اطمینان) کے ساتھ درست قرار دیا

ہے، اور اس کے شواہد (دلائل) پیش کیے ہیں) تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہوگی، اور اس کا منشا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک (وتوہین) ہوگی، لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ جو رسم، یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لیے جاری کی، اسے عیسائیوں نے کسی طرح ٹھنڈے پیٹوں نہ صرف قبول کرلیا، بلکہ خود بھی اسے منانے اور رواج دینے میں شریک ہوگئے، اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں، اور انھوں نے بے سوچے سمجھے، اس پر عمل شروع کردیا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عیسائیوں کا مزاج و مذاق اس معاملے میں عجیب وغریب ہے، جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے خیال میں سولی دی گئی، بظاہر قاعدے سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ ان کی نگاہ میں قابلِ نفرت ہوتی کہ اس کے ذریعے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسی اذیت دی گئی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی حضرات نے اسے مقدس قرار دینا شروع کردیا، اور آج وہ عیسائی مذہب میں تقدس کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔

لیکن مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ خواہ اپریل فول کی رسم وینس نامی دیوی کی طرف منسوب ہو، یا اسے (معاذ اللہ) قدرت کے مذاق کا ردِ عمل کہا جائے، یا حضرت مسیح علیہ السلام کے مذاق اڑانے کی یادگار، ہر صورت میں اس رسم کا رشتہ کسی نہ کسی توہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریے یا واقعے سے جڑا ہوا ہے (''ذکر وفکر'' ص ٦٦ تا ٧٠، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید محرم الحرام 1421ھ اپریل 2000)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اپریل فول منانا گمراہ اور بے دین بلکہ اسلام دشمن قوموں کی ایجاد کردہ رسم ہے، اور ایسے واقعے کی یاد منانا ہے، جس کی اصل، یا تو بت پرستی ہے، یا توہم پرستی،

یا پھر ایک جلیل القدر نبی کے ساتھ گستاخانہ مذاق ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انھی میں سے شمار ہوگا (مسند احمد)[1]

اس لیے تمام مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ اس رسم سے توبہ کرنی چاہیے، اسی کے ساتھ حکمرانوں اور مقتدا لوگوں اور جج حضرات وغیرہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ طاقت اور قانون کے ذریعہ سے اس رسم کو ختم کرانے میں اپنا کردار ادا کریں۔[2]

محمد رضوان

30/محرم/1425ہجری - 22/مارچ/2004عیسوی بروز دوشنبہ (پیر)

(ماہنامہ "التبلیغ" صفر/1425ہجری، فروری 2004ء، جلد 1 شمارہ 3)

---

[1] حدیث: من تشبه بقوم فهو منهم.
صحیح (ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل للالبانی، ج۵ص ۱۰۹ الیٰ ۱۱۱، تحت رقم الحدیث ۱۲۶۹)

[2] اب الحمدللہ تعالیٰ ہمارے یہاں متعدد علاقوں میں اس رسم سے بہت سے لوگوں نے توبہ کرلی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے تائب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

(4)

قومی زبان کا دیوالیہ

زندگی کے مختلف شعبوں میں کسی نہ کسی انداز سے مغرب کی نئی سے نئی تہذیب وروایت، اوراس کی ثقافت اور کلچر کو اختیار کرنے اور فروغ دینے کی جو دوڑ لگی ہوئی ہے، اس سے لگتا ہے کہ ہماری قوم کے بہت سے لوگ پہلے ہی سے ذہنی طور پر اس کے لیے تیار ہوتے ہیں، اوراس کے لیے پہلے سے ان کے منہ کھلے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی سے کبھی اتفاق، غلطی یا بھولے سے کوئی مغربی روایت سرزد ہو جائے، اسے فوراً ہاتھوں ہاتھ لینے کی کوشش کی جاتی ہے، اوراسے ''حلوائے بے دودہ'' کی طرح چٹ کر جانے کے لیے گویا تیار بیٹھے ہوتے ہیں، خواہ آگے چل کر مغربی تہذیب کے خطرناک ومہلک نتائج سے خود ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو بھی دوچار کیوں نہ ہونا پڑے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مغربیت کی یہ سلگتی ہوئی، آگ معاشرے کے بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اس سلسلے کی ایک کڑی انگریزی زبان، اس کے الفاظ اور محاورات کا کثرت سے استعمال ہے۔

انگریزی زبان کے مقابلے میں اپنی قومی اور مادری زبان کے بالکل سادہ، آسان اور عام فہم الفاظ چھوڑ کر انگریزی کے نت نئے، مشکل ترین الفاظ کے استعمال کو نہ صرف ترجیح دی جاتی ہے، بلکہ اوپر سے اس کو فخر اور کمال کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا ہے، خواہ انگریزی زبان کے تلفظ اوراس کی ادائیگی میں غلطی اور مشکلات کا ہی سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

پاکستان کے موجودہ آئین کی دفعہ 251 کے تحت پاکستانی قومی زبان اردو کو قرار دیا گیا ہے، اوراس دفعہ کی رُو سے حکومتِ پاکستان کے ذمے ایسے انتظامات کرنا لازم اور ضروری ٹھہرایا گیا ہے، جس کے نتیجہ میں سرکاری اور غیر سرکاری مقاصد کے لیے اردو زبان کا استعمال عام ہو جائے۔

یہ دفعہ ہمارے ملک وملت اور قومیت کے لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے، اس دفعہ پر عمل درآمد صوبائی اور لسانی تعصّبات کی پھیلی ہوئی لہر سے حفاظت اور ملکی سلامتی کا ضامن ہے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کے اپنے قومی ومذہبی ورثے سے استفادے کرنے کی راہیں بھی کھولتا ہے، علاوہ ازیں برصغیر کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے اور حکمرانوں اور رعایا کے درمیان افہام وتفہیم اور اعتماد کی فضاء پیدا کرنے میں بھی کلیدی کردار ادا کرسکتا ہے۔

ان ہمہ جہت مقاصد کا ضامن ہونے کی وجہ سے اس دفعہ پر عمل درآمد ملک وملت کے اجتماعی مفادات کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔

لیکن تاحال دستور کی اس ہمہ جہتی فائدہ مند دفعہ پر عمل درآمد کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش اور موثر وفعال کردار سامنے نہیں آسکا۔ [1]

اس کے برعکس دوسری زبانوں، خصوصاً انگریزی زبان کے استعمال کا رجحان عمومی طور پر زیادہ پایا جاتا ہے، مغرب سے متاثر حکمرانوں اور انگریزی تعلیم یافتہ اونچے درجے کا ایک بڑا طبقہ تو پہلے ہی سے اس رنگ میں رنگا ہوا تھا، لیکن اب کم تعلیم یافتہ بلکہ ناخواندہ طبقے کے حلقہ میں بھی انگریزی زبان کا استعمال تیزی سے زور پکڑ رہا ہے۔

اَن پڑھ اور تعلیم سے بالکل نابلد طبقہ جو پڑھنا لکھنا کچھ بھی نہیں جانتا، اور مشکل سے اپنے دستخط کرتا ہے، اور کسی انگریزی مکتب میں کبھی اس کو داخلہ تک لینے کی نوبت نہیں آئی، وہ بھی چند انگریزی الفاظ کی ادائیگی اس روانی کے ساتھ کرنے کا شوق پورا کرتا ہے، جس سے محسوس ہوتا

---

[1] البتہ مندرجہ بالا تحریر کے گیارہ سال بعد 8 ستمبر 2015ء کو پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جواد ایس خواجہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے 3 رکنی فل بینچ نے اردو کو بطور سرکاری زبان رائج کرنے سے متعلق کیس کا فیصلہ کیا، عدالت عظمٰی نے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو آرٹیکل 251 فوری طور پر نافذ کرنے کی ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ آئین کا اطلاق ہم سب پر فرض ہے، چیف جسٹس جواد ایس خواجہ نے فیصلہ بھی اردو میں پڑھ کر سنایا۔

جس پر مکمل عمل درآمد کا ابھی انتظار ہے۔ محمد رضوان۔

ہے کہ شاید یہ اس کی اپنی مادری زبان ہے، اور ماں کی گود سے ہی اس کی گھٹی میں پڑی ہے۔
اور وہ عمر رسیدہ حضرات جو نماز کے اذکار وکلمات اور کلمہ طیبہ تک کے صحیح تلفظ سے قاصر ہیں، انگریزی زبان کے الفاظ کو استعمال اور ادا کرنے میں ماہر ومشاق معلوم ہوتے ہیں۔
وہ چھوٹے بچے جو انگریزی زبان کے ابتدائی الفاظ کی بھی صحیح طرح پہچان نہیں رکھتے، انگریزی الفاظ کے زبانی استعمال میں وہ بھی مشّاق نظر آتے ہیں۔
ابتدائی اسکولوں میں بچوں کو شروع ہی سے چیزوں اور ناموں کی شناخت اور تعارف اپنی قومی زبان کے بجائے انگریزی زبان میں کرانے پر زیادہ زور دیا جاتا اور محنت کرائی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں اکثر بچوں کو علم کے ذرائع قلم، روشنائی، کتاب وغیرہ جیسے ناموں سے قطعاً واقفیت نہیں ہوتی، قومی زبان میں ایک بچہ دس تک گنتی کرنے پر قادر نہیں ہوتا، مگر انگریزی زبان میں بآسانی پچاس اور سو تک گنتی شمار کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتا۔
شادی بیاہ کے کارڈ ہوں یا کسی اور تقریب کے دعوت نامے، انگریزی زبان سے نابلد بہت سے لوگوں کی طرف سے اور بہت سے پڑھے لکھے لوگوں، بلکہ دین دار حضرات کی طرف سے بھی انگریزی زبان میں پورا مضمون تیار کرانے کی کوشش کی جاتی ہے، خواہ دعوت دہندہ اور متمنی شرکت کو خود بھی معلوم نہ ہو کہ اس تحریر میں کیا مضمون قلم بند کیا گیا ہے۔
اگر تھوڑا بہت کچھ کیا جاتا ہے تو بسم اللہ عربی یا اردو رسم الخط میں لکھ دی جاتی ہے، لیکن باقی مضمون انگریزی سے بھرا ہوتا ہے۔
اونچے تعلیم یافتہ حلقوں میں تو اپنی بساط کے مطابق انگریزی اردو سے مرکب اور ملی جلی زبان کا استعمال ماڈرن ہونے کا ذریعہ، مغرب کی نقالی کا طریقہ اور ایک فیشن بن کر رہ گیا ہے۔
یہ طبقہ بے چارہ اسلامی تہذیب وروایت کے بارے میں کم ظرفی یا احساسِ کم تری کا شکار ہے۔
اسی وجہ سے اگر کوئی غریب اس کے سامنے بھولے سے غیر مانوس قومی زبان کا لفظ ادا کردے

تو اس سے ناک بُھوں چڑھائی جاتی، اور اسے معاشرے کا غریب، پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ ذہن کا مالک تصور کیا جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی شریف اور پڑھا لکھا انسان کیوں نہ ہو، اور اپنے روّیے وطرزِ عمل سے قومی زبان کو خالص طور پر بولنے برتنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔
اس طرزِ عمل کا اثر نچلے طبقے پر یہ پڑا کہ اس نے بھی اپنے آپ کو اونچے تعلیم یافتہ حلقوں میں بار یاب کرانے کے لیے مسخ شدہ انگریزیت سے آلودہ اردو بولنے کو تکلفاً اپنا لیا، خواہ غلط سلط اور بے موقع اور بے محل ہی الفاظ کیوں نہ بولنا پڑیں۔
اسلامی مہینوں کے ناموں کی تو اکثر مسلمانوں کو پوری طرح واقفیت بھی نہیں، اور اس کے مقابلے میں انگریزی اور عیسوی مہینوں اور تاریخوں سے ایسی انسیت اور مناسبت ہو گئی ہے کہ ڈھونڈے سے ہی اکا دکّا کوئی فرد اسلامی سال وماہ سے واقف نظر آتا ہے۔
ہماری روزمرہ کی بول چال میں بہت سے انگریزی الفاظ کے استعمال کا اتنا رواج ہو گیا ہے کہ ان کے مقابلے میں قومی زبان کے متبادل الفاظ کی تو اکثریت کو واقفیت بھی نہیں، اور اگر متبادل غیر معروف قومی زبان کے الفاظ استعمال کیے جائیں، تو ان کو سمجھنے کے لیے بھی شاید کسی مکتب میں داخلے کی ضرورت یا اردو لغت اور ڈکشنری کی مدد حاصل کرنی پڑے۔
چنانچہ باتھ روم، ٹائلٹ، کچن، ڈرائنگ روم اور اس جیسے دوسرے بے شمار الفاظ اور دوسری چیزوں کے نام اتنے زبان زدعام ہو چکے ہیں کہ اگر ان کے متبادل قومی زبان کے الفاظ مثلاً غسل خانہ، بیت الخلاء، اور باورچی خانہ یا مہمان خانہ وغیرہ استعمال کیے جائیں، تو بعض لوگوں کو ان کے معنٰی ومطلب سمجھنے میں بھی انگریزی زبان سے ترجمانی کرنے کی ضرورت پیش آئے، اور شاید ان الفاظ کے سننے پر بعض لوگ ناک بھوں بھی چڑھائیں۔
انگریزی زبان کے استعمال پر زور دینے کی وجہ عموماً یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ بین الاقوامی زبان ہے، اس لیے اس کا سیکھنا ایک ضرورت بن گیا ہے، اور ملک وملت کی ترقی کے لیے اس کا استعمال ضروری ہو گیا ہے۔

لیکن یاد رکھیے کہ کسی زبان کو ضرورتاً سیکھنا اور ضرورتاً بولنا اور بات ہے، اور اس کی غلامی اختیار کر کے اپنے قومی ورثے کو اس کی بھینٹ چڑھا دینا دوسری چیز ہے، اس کی بے شمار مثالیں ہمارے روزمرہ کے معاملات میں پائی جاتی ہیں، چنانچہ بیت الخلا میں جانا اور دوا کا استعمال کرنا ایک ضرورت کی چیز ہے، اس کو ضرورت کی حد تک ہی استعمال و اختیار کرنے کی عقل اجازت دیتی ہے، اب اگر کوئی شخص بلا ضرورت بیت الخلاء میں جا کر بیٹھنے لگے، اور صحت وتن درستی کی حالت میں بھی علاج و معالجے اور دوا دارو کا استعمال بطورِ فیشن اپنا لے، تو ظاہر ہے کہ یہ نری حماقت و بدعقلی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے صرف زبانی کلامی معاملہ حل کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے لیے تعلیمی و تدریسی نظام کو بہتر بنانے کی بھی ضرورت ہوگی۔

جس کام کے لیے حقیقی معنیٰ میں انگریزی سیکھنے کی ضرورت تھی، اس میدان میں تو لوگوں کی علمی سطح روز بروز گر رہی ہے، لیکن روزمرہ زندگی میں انگریزیت کا چربہ اتارنے اور مخلوط اردو بول کر اپنی اس نستعلیق اور فصیح زبان کو مسخ کرنے سے باز نہیں آتے، جس کا لب ولہجہ استوار اور ملائم کرنے اور نوک و پلک سنوارنے میں مسلمانوں کی گنگا جمنی تہذیب و ثقافت نے صدیاں خرچ کی ہیں، اور جو دلّی و لکھنو کے شاہی محلات میں اردوئے معلّٰی کا لقب پا کر مغلیہ بیگمات کی گودوں میں پلی بڑھی ہے، نواب مرزا داغ دہلوی نے ویسے ہی تعلّی نہیں بھگاری۔ ؎

اپنے محبوب کی خاطر تھی خدا کو منظور   ورنہ قرآن بھی اترتا بزبانِ دہلی

انگریزی تعلیم کی جو صلاحیت پہلے کم درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتی تھی ’’جب کہ انگریزی زبان کے مقابلے میں قومی اردو اور فارسی یا مادری زبان کا استعمال زیادہ عام تھا، اور انگریزی الفاظ کے بے شمار الفاظ کی لوگوں کو خبر بھی نہیں تھی‘‘ آج اونچے تعلیم یافتہ حلقہ کے گریجویٹس اور ماسٹر کی ڈگری رکھنے والوں میں بھی ویسی قابلیت نہیں، اور صورتِ حال یہ ہے کہ ایک صفحہ

بھی انگریزی میں لکھنا اور سمجھنا دشوار ہے، مگر روزمرہ کی بول چال میں انگریزی کے جا و بے جا استعمال کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے، اور اسے افضلیت کا معیار سمجھا جا رہا ہے، اب آپ اسی سے اندازہ لگالیں کہ انگریزی زبان کے استعمال سے انگریزی تعلیم کے معیار میں کتنا اضافہ ہوا؟ یہی حال اردو اور انگریزی رسم الخط اور تحریر کا بھی ہے کہ اونچے درجے کے پڑھے لکھے لوگوں کی اردو تحریر اتنی خراب ہوتی ہے کہ وہ اردو رسم الخط کے کسی اصول و معیار پر پورا نہیں اترتی، اور اس کے مقابلے میں انگریزی رسم الخط میں صفائی ستھرائی اور روانی میں بات کہیں سے کہیں پہنچی ہوئی ہے۔

جہاں تک انگریزی زبان سے ملکی ترقی کا تعلق ہے، تو یہ بھی حقیقت پسندانہ سوچ کے خلاف ہے، اس لیے کہ دنیا میں جن ملکوں نے ترقی کی، انھوں نے اپنی تہذیب اور زبان سے جڑے رہنے کی بدولت کی، جس کی زندہ مثال جاپان، فرانس، جرمنی، چین اور دیگر ترقی یافتہ ملکوں کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

برصغیر میں انگریزی سامراجی تسلط کے وقت بھی اردو اور فارسی زبان کے لوگوں میں استعمال کی حالت یہ تھی کہ اُس دور کے عمر رسیدہ ہندو اور سکھ مذہب سے تعلق رکھنے والے حضرات آج بھی روانی کے ساتھ اردو لکھ اور آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں، مگر آج جب کہ برصغیر سے انگریزی تسلط کو ختم ہوئے پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، مگر انگریزیت دماغوں اور زبانوں سے ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی، جوں جوں انگریزی ظاہری تسلط کا عرصہ دور ہو رہا ہے، انگریزیت کا غلبہ مزید زور پکڑ رہا ہے۔

آخر اس ملک کی یہ حالت کیوں ہے؟ جو لاکھوں افراد کی قربانیوں اور اپنے آباء واجداد، وطن اور مال و جائیداد کے قیمتی نذرانے پیش کر کے، اور ہر نوع کی قربانی دے کر اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اور دو قومی نظریئے کے تحت وجود میں آیا تھا۔

اپنے آباء واجداد اور مال و جائیداد کی قربانیوں کا تقاضا کیا یہ ہے؟ اور اپنے ملک کے ساتھ

وفاداری اور نمک حلالی کا ہم یہ ثبوت دے رہے ہیں کہ جس دشمن کو گھر سے نکال کر باہر کیا گیا آج اسی کے کلچر و زبان کو گھر میں داخل کیا جائے۔

ہمیں کل قیامت کے دن اپنے آباء واجداد کے سامنے جواب دہی کے لیے بھی ابھی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنے پڑوسی ملک ہندوستان کی موجودہ حالت سے سبق حاصل کر لینا کافی ہے، جہاں آزادی سے پہلے سب سے زیادہ بولی اور استعمال ہونے والی زبان اردو اور فارسی تھی، ہندی زبان کا اتنا چرچا نہ تھا، مگر صرف پچاس سال کے مختصر عرصے میں مسلمانوں کی مذہبی اور روایتی زبان اردو اور فارسی کو مغلوب کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنی مذہبی زبان ہندی کو اس قدر عروج دیا اور ترقی سے ہم کنار کیا کہ آج ہندوستان میں بسنے والے مسلمان بھی روزمرہ کی بول چال میں بے شمار الفاظ ہندی زبان میں استعمال کرنے پر مجبور ہیں، اور ان کو اردو اور فارسی زبان کے عام اور روزمرہ استعمال ہونے والے الفاظ کے معنیٰ سمجھنا مشکل ہے۔

ہندو قوم اپنی مذہبی روایات کو محفوظ اور عام کرنے کے لیے اس قدر فکر مند ہے کہ ہندوستان میں شہروں اور مختلف علاقوں کے اسلامی ناموں کو ختم کر کے ان کی جگہ ہندی ناموں کو جگہ دے رہی ہے، اور سکھ قوم تو اس معاملے میں ہندوؤں سے بھی آگے ہے، آج مشرقی پنجاب جہاں سکھوں کی اکثریت اور ان کی صوبہ جاتی حکومت ہے، انھوں نے اپنی تہذیب وثقافت، زبان، رسم ورواج اور طور طریقوں کو محفوظ کرانے، اور اپنی نسلوں میں عام کرانے کا بڑا اہتمام کر رکھا ہے، شنید ہے کہ سکھ اپنی فلم، ڈراموں، اسٹیج، میڈیا، موسیقی کی محافل، شادی خوشی کی تقریبات اپنی تہذیب، زبان اور مذہبی روایات کے فروغ اور اشاعتِ عام کے لیے پورے طور پر برت رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مشرقی پنجاب میں سکھ دھرم کی چھاپ زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں ہے۔

مگر یہاں اس سلسلے میں انگریزوں کے تسلط والے دور سے بھی بدتر حالت ہے، بجائے کچھ حاصل کرنے کے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھنے میں آج تک ہم کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

ہماری قومی زبان اردو ہے اور برصغیر میں عام سطح پر سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے، نیز برصغیر میں مسلمانوں کے دینی و مذہبی مواد کا سب سے زیادہ ذخیرہ اردو زبان میں محفوظ ہے، برصغیر کے مسلمانوں کے اعتبار سے جس قدر دینی و مذہبی مفید اور نفع بخش مواد آج کی ضرورت اور آج کے حالات کے مطابق اردو زبان میں محفوظ ہے، شاید کسی اور زبان میں نہ ہو، نیز برصغیر میں مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا جتنا تعاقب اردو زبان میں کیا گیا ہے، کسی اور زبان میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، برصغیر کے علماء اور صوفیائے کرام کی خدمات اور کارناموں، نیز یہاں کے سیاسی اقتدار کی داستانوں کا بڑا اور تفصیلی ذخیرہ بھی اردو زبان میں ہی آپ کو ملے گا، آج اگر ایک غیر عالم اور عامی شخص مطالعے کے ذریعہ سے دین سے مستفید ہونا، اور اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونا چاہے، تو اس کے لیے اردو زبان سے زیادہ مفید اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

اس بات پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں کہ کسی قوم کی بقا اس کی اپنی تہذیب اور روایت کو محفوظ اور برقرار رکھنے میں ہوتی ہے۔

زبان، ضمیر کی آواز کے اظہار کا کوئی اتفاقی ذریعہ نہیں، بلکہ یہ کسی عقیدے، کسی فکر، کسی تہذیب وثقافت کے ساتھ مضبوط تعلق اور رشتہ جوڑنے کا موثر ترین ذریعہ بھی ہے۔

ہم اگر ابھی سے اس نازک اور سنگین صورتِ حال پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کریں گے، تو شاید آنے والے وقت میں ہم ایسی قوم نہ بن جائیں جس کی اپنی کوئی زبان، کوئی چال وچلن اور کوئی خاص رنگ ڈھنگ نہ ہو، ہماری اردو کی دو ضرب الامثال ہیں، حاشا وکلّا اپنی قوم کے کچھ اپنے بھائیوں کے طرزِ عمل پر چسپاں کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اس سے بصیرت و روشنی حاصل کرنے کے لیے پیش ہیں:

”کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا، دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا“

یاد رکھیے! قومی زبان کے بجائے انگریزی زبان کے استعمال کو ہوا دینا، درحقیقت اپنی مذہبی روایات کا خون کرنے، قومی ورثے کو زندہ درگور کرنے، اور اپنے آباءواجداد کی قربانیوں، کا مذاق اڑانے اور غیرت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے کہ اپنی چیز موجود ہوتے ہوئے غیروں کے دستِ نگر اور بھکاری بنے پھرتے ہیں۔

ہم اگر اپنی اور اپنی آنے والی نسل کی قومیت ومذہبیت کو برقرار رکھنا، اور مذہبی وقومی احساسِ کم تری سے بچانا چاہتے ہیں، تو ہمیں اپنی اس عادت کو تبدیل کر کے نئے حوصلے کے ساتھ اردو کو فروغ دینے پر توجہ دینا ہوگی۔

اگر ہم اپنے آباءواجداد کے ماضی سے اپنا رشتہ جوڑنے، اپنے عقیدے کی اصلاح کرنے اور اپنی تہذیب وثقافت کو ضائع ہونے سے بچانے میں مخلص ہیں، تو ہمیں مغربی زبان کے طوفان کے سامنے بند باندھنا ہوگا، اسی میں ہمارے مذہب، ہماری قومیت، ہمارے ملک وملت کی بقاء اور ہماری ترقی کا راز مضمر ہے۔

آیئے آخر میں اپنی روزمرہ کی بول چال اور رات دن کی زندگی میں استعمال ہونے والے چند انگریزی الفاظ اور ان کے مقابلے میں قومی زبان کے متروک ومہجور الفاظ کا مختصر خاکہ ملاحظہ فرما کر اپنا جائزہ لے لیں۔

قومی زبان	انگریزی زبان	قومی زبان	انگریزی زبان	قومی زبان	انگریزی زبان
سوال	کوئسچن	درد	پین	لیکن	بٹ
باورچی خانہ	کچن	دراصل	ایکچولی	بجلی	لائٹ
تقریب	فنکشن	دفتر	آفس	گھڑی	کلاک
بالواسطہ	ان ڈائریکٹ	مصروف	بزی	وقت	ٹائم

قومی زبان	انگریزی زبان	قومی زبان	انگریزی زبان	قومی زبان	انگریزی زبان
براہ راست	ڈائریکٹ	معافی	سوری	خوش	ہیپی
غسل خانہ	باتھ روم	دائیں	رائٹ	پنکھا	فین
بیت الخلا	ٹائیلٹ یالیٹرین	بائیں	لیفٹ	دست یااسہال	موشن
مجھےمعلوم ہے	آئی نو	ملازمت	جاب	خیال رکھنا	ٹیک کیئر
بذریعہ جہاز	بائی ایئر	ملانا	مکس	وقفہ	بریک
خوش آمدید	ویلکم	مٹھائی	سویٹ	کنارا	سائیڈ
بال	ہیئر	محسوس	فِیل	استاذ	ٹیچر
قبول	ایکسپٹ	نام	نیم	پسندیدہ	آئیڈیل
شکریہ	تھینک یو	روشنائی	انک	روزانہ	ڈیلی
برائےمہربانی	پلیز	جوڑ	میچنگ	ناخن تراش	نیل کٹر
پریشانی	ٹینشن	شرکت	اٹینڈ	عوام	پبلک
صاحب	سر	بہتر	گڈ	زنانہ	لیڈیز
نشانہ	ہٹ	علاج معالجہ	ٹریٹمنٹ	قائد	لیڈر
امتیازی کامیابی	سپرہٹ	نازک حالت	سیریئس	تنخواہ	سیلری
تعلیم	ایجوکیشن	درجہ	گریڈ/سکیل	ادائیگی	پےمنٹ
اعلیٰ طبقہ	ایلیٹ کلاس	درمیانی طبقہ	مڈل کلاس	نچلی سطح کا طبقہ	تھرڈ کلاس
بےچینی، بے کلی، اضطراب	ٹینشن	سرِفہرست/ نمایاں ترین	ٹاپ ٹین	عمربھر/ تاحیات	لائف ٹائم
دوڑ	رنز	اجرتی قاتل	ٹارگٹ کلر	فیصد	پرسنٹ
منفی	مائنس	تعطّل	ڈیڈلاک	دس فیصد	ٹین پرسنٹ
مرکزی دروازہ	گیٹ	دن رات	ڈےاینڈنائٹ	موسم	سیزن

قومی زبان	انگریزی زبان	قومی زبان	انگریزی زبان	قومی زبان	انگریزی زبان
مشکل	پرابلم	کمرہ	روم	گرم	ہاٹ
عمارت	بلڈنگ	فعّال	ایکٹو	درس گاہ	کلاس روم
روزنامہ	ڈیلی نیوز	معطل	سسپنڈ	استعفیٰ	ریزائن
مکتب	سکول/اکیڈمی	جریدہ	میگزین	جعلی	بوگس
سرغنہ	ماسٹر مائنڈ	جوڑا۔جوتا	سوٹ بوٹ	بدعنوانی	کرپشن
المیہ	ٹریجڈی	ریفریشمنٹ	کیفے ٹیریا	سکھا شاہی	بیڈ گورننس
لاجواب کرنا/ حراساں کرنا	پزل	مثالی نظامِ حکومت/ طرزِ حکمرانی	گڈ گورننس	عالمی جال کا نظام	انٹرنیٹ
گودام/ذخیرہ	سٹور/سٹاک	دھچکا	شاک	دورہ/سیاحت	ٹوٗر
عالم گیریت	گلوبلائزیشن	نعش/میت	ڈیڈ باڈی	حرکت	موومنٹ
مقامیت	لوکلائزیشن	منسوخ	ایکسپائر	للکار	چیلنج
طربیہ	کامیڈی	چڑھائی/ حملہ	اٹیک	تفریح	پکنک
عالمی سطح پر	ورلڈ وائز	قومی سطح پر	نیشن وائڈ	ہدف	ٹارگٹ

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو غیروں کی نقالی، فیشن پرستی، اورمغرب کی اندھی تقلید سے محفوظ رکھے۔آمین۔

محمد رضوان

26/صفر/1425ہجری 17/اپریل2004ء

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1425ہجری مئی/2004ء، جلد1 شمارہ4)

(5)

دیر سے سونے اور دیر سے اُٹھنے کا مرض

پہلا حصّہ دن کا یارب آج کے
بہتری کا ہو سبب حق میں مرے

پہلے حصے میں ہو اس دن کی صلاح
مجھ کو اور ہو پچھلے حصے میں فلاح

آخری حصے کو اس کے اے خدا
کامیابی کا مِری باعث بنا

الغرض از ابتدا تا انتہاء
ہو یہ دن یارب مرے حق میں بھلا

(مناجاتِ مقبول)

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک ملک پر کافر دشمنوں نے غلبہ حاصل کر کے مسلمان بادشاہ کو قلعہ میں بند کر دیا، اور ملک بدر کرنے کا فیصلہ کیا، یہ بادشاہ اپنے خادم کے ہم راہ قلعہ میں قید و بند کی حالت میں اپنی اور مسلمانوں کی حکومت کے زوال کی آخری رات گزار رہا تھا، ساری رات بے چینی و پریشانی کی حالت میں گزری، یہاں تک کہ صبح فجر کا وقت داخل ہو گیا، بادشاہ نے یہ مبارک ومنور اور سُہانا وقت اس سے پہلے نہ دیکھا تھا، اس لیے بادشاہ نے حیرت وتعجب کے انداز میں اپنے خادم سے کہا کہ آج کا یہ وقت کتنا پیارا اور سُہانا معلوم ہو رہا ہے...
خادم نے پلٹ کر جواب دیا کہ:

”جہاں پناہ! معاف فرمایے، اگر ہمیں اور ہماری قوم کو روزانہ یہ قیمتی اور مبارک وقت دیکھنا نصیب ہوا کرتا، تو آج یہ بری گھڑی دیکھنا نہ پڑتی“

مطلب یہ تھا کہ روزانہ رات کو غفلت اور سُستی میں پڑے رہ کر صبح کا یہ وقت بستروں پر سوتے ہوئے گزر جاتا تھا، اگر روزمرہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر میں لگنے اور صبح سویرے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی توفیق ہوا کرتی، تو آج بادشاہ سمیت پوری قوم پر یہ زوال نہ آتا۔

قطع نظر اس واقعے سے حقیقت بھی یہی ہے کہ جس قوم کا مزاج رات کو دیر تک فضولیات وخرافات میں مست رہ کر، صبح کا مبارک وقت سوتے رہنے کی حالت میں گزارنے کا بن جائے، تو یہ قوم زوال کا شکار ہوجاتی ہے، اور ذلت وپستی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔

بدقسمتی اور شامتِ اعمال سے آج پھر قوم پر وہی بُرا وقت آن پڑا ہے، رات کو دیر تک مختلف پروگراموں، تقریبات اور فضولیات میں لگے رہنے، اور پھر اس کی وجہ سے صبح کے ابتدائی بابرکت وقت میں سوئے پڑے رہنے کا مزاج ہماری قوم کے رگ وپے میں سما گیا ہے۔

پہلے زمانے میں رات کو جلدی سونے، اور پھر صبح کو جلدی بیدار ہونے کی عادت کی وجہ سے صبح سویرے گلی محلوں میں چلت پھرت اور چہل پہل شروع ہوجاتی تھی، کاروباری مشاغل کی رونق لوٹ آتی تھی، جیسا کہ بہت سے دیہات میں آج بھی یہی صورتِ حال ہے، اور آج بھی پرندے اس فطری نظام پر عمل پیرا ہیں کہ صبح کے وقت سویرے سے ہی پرندے اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل کر، دن بھر کی مصروفیات اور رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں، درودیوار پر پرندے چہچہانا شروع ہوجاتے ہیں، مؤذن کی صدا:

”اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم“

”نماز نیند سے بہتر ہے“

ہر طرف گونجتی ہے، دیہاتی لوگ صبح سویرے کھیتی باڑی کے لیے نکل جاتے ہیں۔

مگر شہری زندگی میں صبح کا سب سے بابرکت وقت ہی، سب سے زیادہ بے رونق، اور سب سے زیادہ سُنسان نظر آتا ہے، اِس وقت گلیاں خالی، سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر اور اکثر دکانیں اور بازار بند پڑے ہوتے ہیں، اس وقت شہری لوگوں کی اکثریت بستر پر سوئی ہوتی ہے، شیطان کے مسلّط ہوجانے کی وجہ سے غفلت وسستی اور نحوست کا غلبہ ہوتا ہے۔

شہری زندگی میں اکثر لوگوں کی عادت یہ بن چکی ہے کہ جو کام دن میں کرنے کے تھے، وہ رات کو کیے جانے لگے ہیں، اور جو کام رات کے تھے، وہ دن میں کیے جانے لگے ہیں۔

ظاہر ہے کہ رات اور دن کی تقسیم قدرت کی جانب سے مقرر کی گئی ہے، اور ان دونوں کے معمولات و وظائف کی تقسیم و ترتیب بھی اسی ذاتِ حق کی طرف سے طے کر دی گئی ہے، جس نے رات اور دن کو پیدا فرمایا، اور خالق و مالک سے زیادہ اپنی مخلوق و مملوک کے اچھے و بُرے اور نفع و نقصان کے حالات کو اور کون جان سکتا ہے۔

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کے فطری نظام و معمول کو مختلف پیراؤں سے بیان کر کے انسانیت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ ان اوقات کو اپنی اصل نہج پر رکھ کر فائدہ اٹھائیں۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (سورة القصص رقم الآية ۷۳)

ترجمہ: اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور تا کہ تم (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم اللہ کا شکر کرو (سورہ قصص)

سورہ فرقان کی آیت 47، سورہ انعام کی آیت 96، سورہ نبا کی آیت 11، سورہ یونس کی آیت 67، اور سورۃ المومن آیت 61 میں بھی اسی قسم کا مضمون وارد ہوا ہے۔ [1]

اے خدائے پاک اے ربِ جہاں		شب سے تو ہی صبح کرتا ہے عیاں

[1] وَهُوَ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا (سورة الفرقان، رقم الآية ۴۷)

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (سورة الانعام، رقم الآية ۹۶)

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (سورة النبا، رقم الآية ۱۱)

هُوَ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِى ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ (سورة يونس، رقم الآية ۶۷)

اللَّهُ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (سورة المومن، رقم الآية ۶۱)

شب کی تاریکی کو کردیتا ہے دُور		بخشتا ہے صبح کو تو ہی ظہور
ہے بناتا وقتِ آرام و سکوں		شب کو تو ہی اے خدائے بے چگوں

شہری زندگی میں تو نو دس بجے سے پہلے عموماً بازار اور مارکیٹیں کھلنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

گھروں میں خواتین کو بھی دیر سے اٹھنے کی وجہ سے صبح کے کام کاج اور صفائی وغیرہ سے فارغ ہوتے ہوتے دوپہر ہوجاتی ہے، بعض لوگ صبح کا ناشتہ دس بارہ بجے سے پہلے نہیں کرتے، صبح سے ہی معمول خراب ہوجانے کی وجہ سے رات کا کھانا بھی مؤخر ہوجاتا ہے، اور کھانا کھانے کے بعد نقل وحرکت اور چہل قدمی وغیرہ کے بغیر ویسے ہی سوجاتے ہیں، اگر کھانا عشاء سے پہلے کھا کر عشاء کی نماز پڑھ لی جائے، تو درمیانی وقفہ اور نماز کے عمل سے کھانا ہضم ہونے میں مدد حاصل ہوتی ہے۔

گھروں میں عام طور پر ٹیلی ویژن کے پروگرام چلا کر رات کا اکثر حصہ ضائع کردیا جاتا ہے، کوئی کھانے کی تقریب ہو یا نکاح کی یا پھر کسی اور پروگرام کی نشست، رات کو غیر معمولی تاخیر سے اس کا افتتاح کیا جاتا ہے، اور شاید ہی مقررہ وقت پر کسی تقریب کا آغاز ہوتا ہو، اگر کوئی شریف آدمی صبح کو تہجد یا فجر کی ادا نماز کے لیے اٹھنے والا، اس تقریب میں پہنچ جائے، تو اس کی تہجد اور فجر کی نماز کا تو اللہ ہی حافظ ہوتا ہے۔

گھنٹوں گھنٹوں بعد شرکا اور دعوتی حضرات پہنچ پاتے ہیں، کیونکہ نہ انہیں صبح جلدی اٹھ کر فجر کی نماز بروقت پڑھنے کی فکر ہوتی ہے، اور نہ ہی صبح کے ابتدائی وقت کی قدروقیمت کا کوئی احساس ہوتا۔

بے شمار لوگ اور خاص کر نوجوان، رات کے وقت گھروں سے نکل جاتے ہیں، اور آدھی رات یا اس سے بھی زیادہ وقت تک گلی محلوں، بازاروں، یا ہوٹلوں میں بیٹھ کر فضول گپ شپ میں مصروف رہتے ہیں، یا پھر سینما میں پہنچ کر رات کے آخری حصہ میں اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں، اور بہت سے لوگ سیر وتفریح کا سب سے عمدہ صبح کا وقت چھوڑ کر رات کے وقت پارکوں

اور تفریح گاہوں میں پہنچتے ہیں، بعض لوگ وہ ہیں جو رات کو برقی قمقموں کی روشنی سے دل بہلانے کے لیے باہر نکلتے ہیں۔ ؎

اے نئی روشنی تیرا ہو منہ کالا　　اندر اندھیرا ہے باہر اجالا

یہ روشنی ان کے دلوں میں غفلت کا اندھیرا پیدا کر دیتی ہے ؎

کہیں مجھ کو ڈس نہ جائیں یہ اندھیرے بجلیوں کے
جو دلوں میں نور کر دے وہی روشنی عطا کر

کئی قسم کے کھیل کود کے میدان بھی لوگوں کی اس بُری عادت کی وجہ سے رات کو سجنے لگے ہیں، کسی سے ملنا جلنا ہو، یا اسی قسم کا کوئی اور فرصت طلب کام ہو، اس کے لیے بھی رات کا وقت ہی منتخب کیا جاتا ہے، اور اس وقت کو سب سے زیادہ فارغ سمجھا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ''رات اپنی اور دن پرایا''

ہمارے شہروں میں عموماً رات کو دیر تک کاروباری مشاغل جاری رکھنے کی رسم پڑ گئی ہے، بہت سی مارکیٹیں اور بازار تو دن کے بجائے رات کے وقت ہی کھلتے ہیں، جہاں رات بھر عورتوں اور مَردوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ممکن ہے کہ رات کو بازار آنے والوں میں بعض مجبور لوگ بھی ہوتے ہوں، لیکن ان میں اکثریت، رات کے وقت گھومنے پھرنے، اور بلا وجہ جاگتے رہنے کا مشغلہ بنانے، اور دن میں پڑے سوتے رہنے والوں کی ہوتی ہے۔

رات کو دیر تک کاروباری مصروفیات جاری رکھنے اور زیادہ سے زیادہ پیسہ جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر قدرت نے رات کی بجائے صبح کے وقت کے کاروبار میں جو برکت رکھی ہے، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

جب سے برقی قمقموں کی روشنیوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس وقت سے صورتِ حال زیادہ خراب ہوگئی ہے، اور ان مصنوعی روشنیوں نے ظاہری سطح پر رات دن کی تمیز ختم کر دی ہے۔

بعض شہروں کا نام ہی رات کی روشنیوں کی وجہ سے ''روشنیوں کا شہر'' رکھ دیا گیا ہے، کیونکہ ان

شہروں کے لوگ عام طور پر سورج کی فطری روشنی کی بجائے مصنوعی بجلی کی روشنی میں کام کرنے کے عادی ہوگئے ہیں، یہ لوگ دن بھر پڑے سوکر رات کے حصہ میں ہی اپنے مشاغل انجام دیتے ہیں، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اصلی اور فطری نظام تو رات ودن اوران کے معمولات وظائف کا وہی ہے، جو بجلی ایجاد ہونے سے پہلے تھا، پھر ہمارے ملک میں اس وقت بجلی کی پیداوار اور وسائل کی قلت کا جو عالَم ہے، اس کے پیشِ نظر بھی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ صبح ہی سے سورج اور دن کی روشنی میں اپنے ضروری مشاغل سے فارغ ہوکر رات کو بجلی کے استعمال سے بچ کر آرام کیا جاتا، نہ یہ کہ رات کو تو دیر تک جاگ کر بجلی کا بے تکا استعمال ہو، اور صبح کے وقت کو فضول ضائع کردیا جائے۔

رات کو جلدی سوکر صبح جلدی اٹھنے کی عادت بنالینے سے ہمارے ملک میں بجلی کی بہت بڑی مقدار محفوظ ہوکر گاؤں، دیہات اور پس ماندہ علاقوں تک پہنچ سکتی، اور کئی مجبوریوں اور ضرورتوں میں کام آسکتی تھی، ساتھ ہی لوڈشیڈنگ کے مسئلے سے بھی کافی حد تک حفاظت ہوسکتی تھی، نیز مہنگائی میں بھی کافی حد تک کمی آسکتی تھی، مگر ہماری قوم کو ان نتائج اور تفصیلات کے سوچنے کی فرصت کہاں ہے؟

کچھ عرصہ پہلے پاکستان کی حکومت نے چند ماہ کے لیے دفتری اوقات کو پیچھے کرکے کچھ جلدی کا وقت مقرر کیا تھا، جس کے پیشِ نظر تجزیہ نگاروں کی رائے کے مطابق کافی مقدار میں بجلی کی بچت ہوئی تھی۔

مگر ہماری قوم کے دیر سے اٹھنے اور دیر سے پہنچنے کے پہلے سے بنے ہوئے مزاج نے اس پر عمل درآمد میں کافی مشکلات پیدا کیں، جس کی وجہ سے تاخیر سے ڈیوٹی پر پہنچنا، دوسرے اعتبار سے قوم کے اجتماعی نقصان کا سبب اور خسارے کا باعث بنا، اور اس سے کوئی معتدبہ فائدہ حاصل نہ کیا جاسکا۔

یاد رکھئے! رات کو دیر تک جاگ کر غیر ضروری کاموں میں منہمک رہنا، زمانۂ جاہلیت کے

کارناموں میں سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں رات کو دیر تک جاگ کر اپنے آباء واجداد کی بہادری اور جنگوں کے قصے کہانیاں سنانے کا بے حد رواج تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے ہودہ رسم سے منع فرما دیا۔ [1]

اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی کو عشاء کے بعد فضول کاموں میں مصروف دیکھتے، تو تنبیہ فرماتے اور بعض کو سزا بھی دیا کرتے تھے۔ [2]

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر جلدی سویا جائے، اور صبح جلدی اٹھنے کا معمول بنایا جائے، رات کو جاگ کر صبح کا بابرکت اور قیمتی وقت ضائع کر دینا، کوئی عقل مندی وہوش مندی کی نشانی نہیں ہے۔

صبح کو دیر تک سونے والے کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کے کانوں میں

---

[1] حدثنا عبد الله بن سعيد، وإسحاق بن إبراهيم بن حبيب، وعلى بن المنذر، قالوا: حدثنا محمد بن فضيل، حدثنا عطاء بن السائب، عن شقيق عن عبد الله بن مسعود، قال :جدب لنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -السمر بعد العشاء، قال ابن ماجه : يعنى زجرنا عنه، أى نهانا عنه (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٧٠٣)

قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن، وهذا إسناد ضعيف (حاشية سنن ابن ماجه)

قال الالباني:

أخرجه ابن ماجة و ابن حبان و البيهقى و الطيالسى و أحمد. قلت :و رجاله ثقات رجال البخارى إلا أن عطاء بن السائب كان قد اختلط .و للحديث شاهد يرويه معاوية بن صالح عن أبى عبد الله الأنصارى عن عائشة مرفوعابلفظ " :لا سمر إلا لثلاثة ، مصل أو مسافر أو عروس (سلسلة الاحاديث الصحيحة ، تحت رقم الحديث ٢٤٣٥)

عن جابر بن عبد الله، رضى الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياك والسمر بعد هدأة الليل فإنكم لا تدرون ما يأتى الله من خلقه (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٧٧٦٤)

قال الحاكم:

هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه.

وقال الذهبى: على شرط مسلم.

[2] عن خرشة بن الحر ، قال : رأيت عمر بن الخطاب يضرب الناس على الحديث بعد العشاء ، ويقول : أسمر أول الليل ونوم آخره ؟.(مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الحديث ٦٧٤٤،كتاب الصلاة، باب من كره السمر بعد العتمة)

شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔ [1]

جو سونے والے کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس پر سستی اور غفلت غالب آجاتی ہے۔ [2]

اس کا مشاہدہ بھی ہے کہ دیر تک سونے والوں کو چستی، بشاشت اور طبیعت میں تازگی محسوس نہیں ہوتی، عموماً مزاج میں بھی چڑچڑاپن پیدا ہوجاتا ہے، اور دماغ اور اعصاب میں کھچاؤ اور تناؤ رہتا ہے۔

طبی نقطۂ نظر سے عام حالات میں سات گھنٹے تک نیند کر لینا، صحت کے لیے کافی ہوجاتا ہے، اور یہ مقدار عشاء کی نماز کے بعد جلدی سو کر صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھ جانے کی صورت میں بآسانی پوری کی جاسکتی ہے، البتہ موسمِ گرما میں چند دنوں کے لیے کمی واقع ہوسکتی ہے، ان دنوں میں یہ کمی دوسرے اوقات میں پوری کی جاسکتی ہے، دوپہر کو قیلولہ کرنا ویسے بھی سنت ہے، اگر اس سنت پر عمل کیا جائے، تو نہ صرف مطلوبہ مقدار پوری کی جاسکتی ہے، بلکہ اس کی برکت سے صبح جلدی اٹھنے میں بھی مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ [3]

---

[1] عن عبد الله رضی الله عنه، قال: ذكر عند النبی صلى الله عليه وسلم رجل، فقيل: ما زال نائما حتى أصبح، ما قام إلى الصلاة، فقال: بال الشيطان فی أذنه(بخاری، رقم الحديث ١١٤٤)

[2] وخص البول من الأخبثين ;لأنه مع خباثته أسهل مدخلا فی تجاويف الخروق والعروق ونفوذه فيها، فيورث الكسل فی جميع الأعضاء (مرقاة المفاتيح، ج٣، ص ٩٢٢، كتاب الصلاة، باب التحريض على قيام الليل)

وخص البول لأنه أسهل مدخلا فی التجاويف وأسرع نفوذا فی العروق فيورث الكسل فی جميع الأعضاء (فتح البارى لابن حجر، ج٣، ص ٢٩، قوله باب إذا نام ولم يصل بال الشيطان فی أذنه)

[3] عن ابن عباس، رضی الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: استعينوا بطعام السحر على صيام النهار، وبقيلولة النهار على قيام الليل (مستدرک حاكم، رقم الحديث ١٥٥١، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٦٩٣، الآداب للبيهقی، رقم الحديث ٦٧٢، عن ابنِ عباس)

قال الحاكم: زمعة بن صالح، وسلمة بن وهرام ليسا بالمتروكين اللذين لا يحتج بهما، لكن الشيخين لم يخرجا عنهما وهذا من غرر الحديث فی هذا الباب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر دوپہر کے قیلولہ میں کوئی عذر ہو، تو صبح فجر کی نماز پڑھنے کے بعد بھی نیند کی مطلوبہ مقدار پوری کرنے کی گنجایش ہے۔ ل

صبح کے وقت میں برکت

صبح کا وقت ہر اعتبار سے برکت کا وقت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے صبح

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال البيهقي: هكذا روى مرسلا، ورواه زمعة بن صالح، عن سلمة بن وهرام، عن عكرمة، عن ابن عباس رفعه، غير أنه قال :بقيلولة النهار .وروى في القيلولة عن عمر بن الخطاب، وأبي الدرداء.

قَالَ ابنُ عَدِي وَلِسَلَمَةَ، عن عِكرمَة، عنِ ابن عباس أحاديث التي يرويها زمعة عنه قد بقي منه القليل وقد ذكرت عامته وأرجو أنه لا بأس برواياته هذه الأحاديث التي يرويها عنه زمعة (الكامل في ضعفاء الرجال، ج۴، ص۳۶۸، تحت ترجمة سلمة بن سليمان الموصلي الأزدي)

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم استعينوا برقاد النهار على قيام الليل وبأكلة السحر على صيام النهار (مصنف عبد الرزاق،رقم الحديث ۷۶۰۳، شعب الايمان للبيهقي، رقم الحديث ۴۷۴۱، عن طاؤس مرسلاً)

ل نوم أول النهار خرق، وأوسطه خلق، وآخره حمق (مصنف ابنِ ابی شيبة،رقم الحديث ۲۷۲۱۲، كتاب الادب، باب ما ذكِر فِي القائِلةِ نِصف النّهارِ، شرح مشكل الآثار للطحاوي، رقم الحديث ۱۰۷۳ ،شعب الايمان للبيهقي، رقم الحديث ۴۴۰۷، ۴۴۰۸،فتح البارى لابنِ حجر بحواله جامع سفيان بن عيينة، ۱۱ ص ۷۰، قوله باب القائلة بعد الجمعة، عن خوات بن جبير)

وقال ابن حجر: وسنده صحيح(حواله بالا)

عن يحيى بن سعيد ، عن القاسم ، عن عائشة ، أنها كانت تصبح (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث۲۵۹۵۸، كتاب الادب، باب من رخص في التصبح)

عن عبيد الله بن عمر ، عن عبد الله بن الشماس ، قال :أتيت أم سلمة فوجدتها نائمة -يعني بعد الصبح (ايضاً رقم الحديث ۲۵۹۵۹)

عن منصور ، عن مجاهد ، أن عائشة كانت إذا طلعت الشمس نامت نومة الضحى (ايضاً رقم الحديث ۲۵۹۶۰)

عن إسرائيل ، عن عبد الأعلى ، قال :أتيت سعيد بن جبير فوجدته نائما نومة الضحى (ايضاً رقم الحديث ۲۵۹۶۱)

حدثنا أيوب ، عن ابن سيرين ، أنه كان يتصبح (ايضاً رقم الحديث ۲۵۹۶۲)

عن أيوب ، عن أبي يزيد المديني ، قال :غدا عمر على صهيب فوجده متصبحا ، فقعد حتى استيقظ ، فقال صهيب :أمير المؤمنين قاعد على مقعدته وصهيب ناعم متصبح ، فقال له عمر :ما كنت أحب أن تدع نومة ترفق بك (ايضاً رقم الحديث ۲۵۹۶۳)

کے وقت کے کاموں میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔ [1]

صبح کے کاموں کی برکت کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے، جولوگ صبح سویرے کام کے عادی ہوتے ہیں، ان کے پورے دن میں برکت رہتی ہے، اوراس کے برخلاف جولوگ صبح پڑ کر اورسوکرگزاردیتے ہیں، ان کے سارے کام ویسے ہی پڑے رہتے ہیں، اورختم نہیں ہوتے، دن بھر کے معمولات ومشاغل اوررزق میں بے برکتی، اورجسم میں سستی رہتی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح سویرے اللہ کی طرف سے رزق تقسیم کیا جاتا ہے۔ [2]

ہم اپنی ناقص عقل کی روشنی میں اگرچہ بے برکتی کا مشاہدہ نہ کرسکیں، لیکن کسی نہ کسی شکل میں بے برکتی کا سامنا کرنا ہی پڑ جاتا ہے، خواہ اس طرح کہ جومزید رزق ملنے والا تھا، اس کوروک دیا جاتا ہے، یا اس طرح کہ جورزق موجود ہے، وہ کسی مفید کام میں خرچ ہونے کے بجائے غیر مفید مصرف میں لگ جاتا ہے۔

رزق کی تنگی اور بے برکتی، روحانی اعتبار سے بھی ہوتی ہے، اورجسمانی اعتبار سے بھی، چنانچہ تجارت، زراعت، علم وغیرہ میں کمی واقع ہوتی ہے، اوراس کے برعکس اگرصبح کے اوقات میں یہ کام کیے جائیں، توان میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکت ڈال دی جاتی ہے۔

اطباء وماہرین کے مطابق صبح کا وقت ورزش اورہواخوری کے لیے بھی چوبیس گھنٹوں کے

---

[1] قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم بارك لأمتى فى بكورها(مسنداحمد،رقم الحديث ۱۳۲۰، عن على)

قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره(حاشية مسند احمد)

[2] حدثنا أحمد، نا محمد بن أحمد بن النضر، قال: سمعت ابن الأعرابى يقول: مر عبد الله بن العباس بالفضل ابنه وهو نائم نومة الضحى، فركله برجله وقال له: قم، إنك لنائم الساعة التى يقسم الله فيها الرزق لعباده، أما سمعت ما قالت العرب فيها؟ قال: وما قالت العرب فيها يا أبت؟ قال: زعمت أنها مكسلة مهرمة منسأة للحاجة، ثم قال: يا بنى! نوم النهار على ثلاثة، نوم حمق، وهى نومة الضحى، ونومة الخلق، وهى التى روى: قيلوا فإن الشياطين لا تقيل، ونومة الخرق، وهى نومة بعد العصر لا ينامها إلا سكران أو مجنون(المجالسة وجواهر العلم لأبى بكر أحمد بن مروان الدينورى المالكى"المتوفىٰ ۳۳۳ھ، رقم الحديث ۲۰۴۷)

اوقات میں زیادہ موزوں اور مفید ہے، مگر اس وقت کی ہوا عموماً در و دیواروں سے لگ کر ہی ختم ہوجاتی ہے، اور انسانی جسم جو سب سے زیادہ اس کے محتاج ہیں، وہ محروم رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ رات کا سونا اور آرام کرنا بھی صبح اور دن کے مقابلے میں طب وصحت کے اعتبار سے زیادہ نفع بخش اور کارآمد قرار دیا گیا ہے، کیونکہ رات کا آرام فطری اور اپنی اصل وضع کے عین مطابق ہے، اگر رات کو جلدی سو کر صبح جلدی اٹھا جائے اور کچھ سیر وتفریح، ورزش کا معمول بنایا جائے، تو صحت کی حفاظت اور کئی بیماریوں سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔

فجر کی نماز کی اہمیت

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوتے وقت شیطان انسان کے اوپر سستی اور غفلت کی گرہیں لگادیتا ہے، صبح کو وقت پر اٹھ کر وضو کرکے نماز پڑھ لی جائے، تو اس سے حفاظت ہوجاتی ہے، ورنہ یہ سستی اور غفلت غالب ہی رہتی ہے۔

اس کے علاوہ فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، اور یہ اِس وقت کی نماز پڑھنے والوں کا ذکرِ خیر لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹتے ہیں۔ [1]

فجر کی نماز کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر ساری رات عبادت میں مصروف رہ کر فجر کی نماز چھوڑ دی جائے، تب بھی اس سے بہتر یہ ہے کہ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے آپ کو فضولیات سے بچاتے ہوئے سوجائے، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر پڑھ لی جائے، اس سے اللہ تعالیٰ اسے

---

[1] عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: " يجتمع ملائكة الليل وملائكة النهار عند صلاة الفجر وصلاة العصر، فإذا عرجت ملائكة النهار، قال الله عز وجل لهم: من أين جئتم؟ فيقولون: جئناک من عند عباد لک، أتيناهم وهم يصلون، وجئناک وهم يصلون، فإذا عرجت ملائكة الليل، قال الله عز وجل لهم: من أين جئتم؟ قالوا: جئناک من عند عباد لک، أتيناهم وهم يصلون، وجئناک وهم يصلون " (مسند احمد، رقم الحديث ٨٥٣٨)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ساری رات عبادت کرنے والوں میں شمار کر دیتا ہے۔ [1]

جو حضرات رات کو دیر تک دینی وعلمی کاموں میں مشغول رہ کر صبح فجر کی نماز وقت پر پڑھنے سے محروم رہتے ہیں، وہ بھی مذکورہ حدیث پر غور فرمالیں۔

صبح سویرے اُٹھنے کے آسان نُسخے

صبح کو جلدی اٹھنے کا اصل علاج یہ ہے کہ سونے سے پہلے فجر کی نماز کی فکر اور سوتے رہنے سے اللہ کی پکڑ، مال وجان میں بے برکتی پیدا ہونے کا یقین ہو، اور اس کے برعکس صبح کو جلدی اٹھنے میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کی امید اور آخرت کے ثواب کا یقین ہو۔

اور اس کے ساتھ ہمت بھی کی جائے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی آنکھ کھلے، انگڑائیاں یا کروٹیں لینے کے بجائے فوراً اٹھ جائے۔

اس کے علاوہ رات کو کھانا زیادہ پیٹ بھر کر نہ کھائیں، اور جلدی سونے کی کوشش کریں، رات کو عشاء کی نماز کے بعد فضولیات، خصوصاً ٹی وی وغیرہ کے پروگراموں سے بچیں، اب تو موبائل فون کے رات کے پیکجز اور انٹرنیٹ نے مزید خرابیاں پیدا کر دی ہیں، ان سے بھی ممکن حد تک احتراز کیا جائے، صبح آنکھ کھلنے کی دعا کر کے سوئیں، نیز صبح وقت پر آنکھ کھلنے کے لیے الارم وغیرہ لگائیں، اور ممکن ہو تو کسی ذمہ دار شخص کو صبح جگانے کے لیے بھی کہہ دیں، اگر ان نسخوں پر عمل کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ صبح وقت پر اٹھنے کی توفیق حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان 2/ ربیع الآخر 1425ہجری 22/ مئی/ 2004ء

(ماہنامہ "التبلیغ" ربیع الآخر/ 1425ہجری، جون/ 2004ء، جلد 1 شمارہ 5)

---

[1] سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: من صلى العشاء في جماعة فكأنما قام نصف الليل، ومن صلى الصبح في جماعة فكأنما صلى الليل كله(مسلم،رقم الحديث ٦٥٦"٢٦٠"كتاب الصلاة، باب فضل صلاة العشاء والصبح في جماعة، عن عثمان)

(6)

مہنگائی اور غربت کے دور میں کیا کریں؟

آج کل پوری دنیا میں ہر طرف مہنگائی اور غربت کا رونا رویا جا رہا ہے، خواہ ترقی یافتہ ممالک ہوں یا غیر ترقی یافتہ ممالک، ہر جگہ کم یا زیادہ فرق کے ساتھ غریب عوام روز بروز بڑھتی ہوئی غیر معمولی مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں، مہنگائی سے تنگ آ کر بے شمار لوگ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری، رشوت خوری، جھوٹ، دھوکا، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی اور دہشت گردی، جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

بے روزگاری، غربت اور مہنگائی کو بنیاد بنا کر بہت سے لوگ کہیں خودکشی کرنے، کہیں اولاد کو زندہ درگور کرنے، اور کہیں اپنی اولاد کو کسی یتیم خانے وغیرہ کے حوالہ کرنے پر مجبور دکھائی دیتے ہیں، تو کہیں چند روپوں کی خاطر اپنے ہی ہاتھوں اپنی یا اپنی اولاد و ازواج کی عزت وعصمت فروشی کو بھی گوارا کر لیتے ہیں، اسی غربت و مہنگائی کی وجہ سے لوگوں کے سامنے دربدر سائل بن کر بھیک مانگنے کو بھی بہت سے افراد کوئی عیب نہیں سمجھتے۔

یہی مہنگائی کسی طرف تعلیم کا انتظام نہ ہونے کے باعث ساری عمر کے لیے اولاد کو جاہل رکھنے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، تو کسی طرف فقر و فاقہ دور کرنے کی خاطر ایمان و اسلام کی دولت کی کفر کے ہاتھوں سودے بازی کرنے کی صورت میں نمودار ہوتی ہے، روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی کی لہر سے تنگ آ کر مستقبل قریب میں غریب عوام کے حق میں رونما ہونے والی تباہیوں اور بربادیوں پر مختلف تبصرے اور چرچے سننے کو ملتے ہیں۔

مہنگائی اور بے روزگاری کے حملوں سے بچاؤ کرنے، غریب عوام کو زیادہ سے زیادہ کاروباری مواقع فراہم کرنے اور مہنگائی و بے روزگاری سے نجات دلانے کے بلند و بانگ دعوے کر کے بہت سی سیاسی جماعتیں اور پارٹیاں عوام کو سبز باغ دکھا کر انتخابات کے راستے سے اقتدار

تک پہنچتی ہیں۔

اور پھر اُن کی طرف سے ہمہ وقت غربت کے خاتمے کی تدابیر وتجاویز اور اسکیموں کے اعلانات سن کر غریب عوام کے کان پک جاتے ہیں۔

لاکھوں، کروڑوں سرکاری روپے غربت اور مہنگائی کے خاتمہ کے عنوان اور نام پر بڑے بڑے پروگرام منعقد کرنے پر خرچ کر دیے جاتے ہیں، مگر غربت میں کوئی کمی نہیں آتی اور ان پروگراموں پر آنے والے بھاری اخراجات کا بوجھ بھی غریب عوام کے کاندھوں پر ہی پڑتا ہے، اور اس طرح غربت کے خاتمے کے نام پر غربت ہی میں اضافہ کا سامان کیا جاتا ہے۔

وہی حکومتیں جو روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر سیاسی میدان فتح کرتی ہیں، غریب عوام کی طرف سے روٹی کی بجائے گولی، کپڑے کی بجائے کفن اور مکان کی بجائے قبر کا سامان مہیا کرنے کا الزام پاتی ہیں۔

اجارہ دار طبقے سمیت اکثر حکمران، بیوروکریٹ اور افسر شاہی طبقے کے لوگ عیاشیوں میں پڑ کر غریب عوام کے رہے سہے خون چوسنے میں بھی کوئی شرم وحیا محسوس نہیں کرتے۔

اجارہ دار طبقہ قوم کے اجتماعی وسائل پر قابض ہو کر لاکھوں، کروڑوں غریب عوام کے گھروں میں جلنے والے چولہوں کے ذرائع کو اپنی مٹھی میں دبانے سے کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کرتا، اسی کے ساتھ وہ دوسروں کو اپنا دستِ نگر بناتا اور اِن کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے، اور غریب عوام کی بے سہارا بیویوں اور معصوم بچوں پر ذرہ برابر ترس نہیں کھاتا، اور پھر اجارہ دار اور ظالم حکمرانوں کے رویے سے تنگ آ کر غریب عوام مختلف قسم کے سنگین جرائم میں مبتلا ہو کر ملکی آئین وقوانین کی دھجیاں بکھیرتے، اور ملک کے امن وامان کو تباہ کر کے حکمرانوں کی بدنامی کا ذریعہ بنتے ہیں، اور ملکی خزانہ کے گرانقدر اخراجات کر کے بھی امن وامان بحال نہیں ہوتا، بعض اوقات ظالم حکمران اور اجارہ دار طبقہ کے لوگ خود بھی غربت اور مہنگائی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔

دوسری طرف مہنگائی اور غربت ہی کے بہانے جرائم کی روک تھام کرنے والے اداروں کے ذمہ دار وملازم افراد خود ہی قانون شکنی یا قانون فروشی کر کے جرائم میں اضافہ کا باعث بن جاتے ہیں اور:

''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''

کی مثال صادق آتی ہے، اور اس طرح حکمران ورعایا اور حاکم ومحکوم سب ہی اپنے اپنے انداز میں جرائم اور کرپشن کی بھٹی میں جلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ملک کے اربابِ اختیار اور مقتدر طبقے اپنے ذاتی ذوقِ جنون کی تسکین کے لیے پورے ملک کو قربانی کا بکرا بناتے ہیں، جو پہلے اندرونی وسائل پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، اور پھر سودی قرضے لے کر ملک کا دیوالیہ نکالتے ہیں، پھر سودی قرضوں کی بھاری بھرکم سودی قسطوں کی ادئیگی کے لیے (جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے کرتے اور انڈے بچے دیتے دیتے اصل قرض سے بھی بڑھ جاتے ہیں) آئے دن قوم پر نئے نئے ٹیکس عاید کرتے ہیں، مگر پھر بھی پیٹ نہیں بھرتا، جس کی وجہ وہی شاہ خرچیاں اور عیاشیاں ہیں۔

یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ یہ مراعات یافتہ طبقات اپنی داد ودہش اور سفلی خواہشات کی تسکین کے لیے قوم کا خون چوسنے اور ملک کو سودی قرضوں کے جال میں پھنساتے جا رہے ہیں۔

آج ملک ومعاشرے میں جس مہنگائی اور بے روزگاری کا رونا رویا جا رہا ہے، وہ کسی قحط سالی یا زمینی پیداوار میں قلت کی وجہ سے نہیں، بلکہ فطرت سے بغاوت پر مبنی اس مصنوعی نظام کا شاخسانہ ہے کہ جس کی وجہ سے سفلی خواہشات کی تسکین اور عیاشی کو زندگی کا مقصد بنا کر اس کی تکمیل کے لیے آمدن کے ناجائز اور غیر فطری طریقے اختیار کیے جانے لگے ہیں۔

اگر بنیادی ضروریات کی بجائے ، فضولیات ، اصلی حاجات کی بجائے لغویات اور واقعی سہولیات کی بجائے خرافات میں پیسہ برباد کیا جائے اور پھر بعد میں ضرورت پوری نہ ہونے پر غربت اور مہنگائی کا رونا رویا جائے، تو یہ رونا مگر مچھ کے آنسوؤں سے زیادہ نہیں، اور یہ

غربت خود اختیاری ہے۔

کیونکہ قاعدہ ہے کہ فضولیات میں خرچ کرنے سے انسان کی ضروریات متاثر ہوا کرتی ہیں۔

آج حکمرانوں سمیت اکثر عوام نے لغویات، خواہشات، نمود ونمائش، اسراف، فضول خرچی اور بے ہودہ رسم ورواج کے نام پر بے شمار اخراجات اپنے ساتھ لگا لیے ہیں، رہائش کا درجہ آسائش کو، آسائش کا درجہ آرائش وزیبائش کو اور زیبائش کا درجہ نمائش کو دے دیا ہے۔

ان چیزوں میں پیسہ خرچ کر کے ضرورت اور تنگی کے وقت غربت کا رونا رویا جاتا ہے۔

مراعات یافتہ طبقات، خواہ وہ سرمایہ دار، جاگیردار اور صنعت کار ہوں، یا بیوروکریٹ، افسر شاہی اور اربابِ اقتدار کا طبقہ، اکثر افراد نے خواہشات کی تسکین اور اپنی بے لگام عیاشی کے جذبے کی تکمیل کے لیے جس قسم کا معیارِ زندگی اختیار کیا ہوا ہے، اس کے لیے تو قارونی خزانے بھی کفایت نہیں کرتے، ان شاہ خرچیوں کا سارا بوجھ بالآخر قوم کے ناتواں کندھوں پر ہی پڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر قسم کے مادی، افرادی اور معدنی وسائل سے مالا مال اور سونا اُگلتی زمینوں کے حاصل ہونے کے باوجود، اوپر سے نیچے تک سارا نظام سودی قرض میں جکڑا ہوا، اور پورا ملک عالمی سود خور اداروں کے پاس گویا کہ گروی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے قومی بجٹ ان عالمی مہاجنوں کی مرضی ومداخلت کے بغیر نہیں بن سکتے۔

بلاشبہ ملکی جائز وسائل اور ذریعۂ معاش کے دائرہ کو وسیع کر دینے، غریبوں کے ذرائع آمدن کو بڑھا دینے، ملک کے وسیع ذخائر کو فضول ضائع ہونے سے بچانے، ملک میں منصفانہ اسلامی نظامِ عدل اور شرعی بیت المال قائم کر دینے اور عالمی اجارہ دار طبقے اور سود خوروں کے چنگل سے سسٹم کو نکال لینے، اور ملکی ذخائر کے بے دریغ استعمال اور شاہ خرچیوں سے بچا کر ملک کی مجموعی معاشی صورتِ حال کو مستحکم کرنے کی بنیادی ذمہ داری تو متعلقہ حکومت اور حکمرانوں پر عاید ہوتی ہے، اور یہ تمام تر اختیارات براہِ راست غریب

عوام کے بس میں نہیں۔

لیکن مہنگائی کے طوفان اور ظالم حکمرانوں کے تسلط سے بچنے کے لیے ہر غریب شخص کے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ اولاً اللہ رب العزت کے حضور اپنے گناہوں سے سچے دل کے ساتھ، توبہ کرے، اور گناہوں کی نحوست سے پاک وصاف ہوکر رزق کی تنگی اور مہنگائی کے عذاب سے بچنے کا سامان کرے، اور ساتھ ہی اپنے روزمرہ کے اخراجات کو زیادہ سے زیادہ ضرورت کے مواقع تک محدود رکھے، فضول خرچی، اسراف اور بے ہودہ مصارف سے اجتناب کرے، اور مال کی بے جا محبت اور حرص وہوس سے اپنے آپ کو بچائے، جس کی زد میں آ کر کبھی بھی انسان کی خواہش پوری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ قبر میں پہنچ کر قبر کی مٹی ہی اس کا پیٹ نہ بھردے، حرص وہوس اور خواہش کی خاصیت یہ ہے کہ وہ بے شمار دوسری خواہشوں کو جنم دیتی ہے۔ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

آج قوم کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ کسی بھی چیز کی مضبوطی اور پائیداری کے مقابلے میں اس کے ظاہری حسن اور خوب صورتی کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور صرف ظاہری نمود ونمائش پر بھاری رقم خرچ کردی جاتی ہے، جب کہ نمود ونمائش پر پیسہ خرچ کرنے کے مقابلے میں یہ ضرورت بہت کم خرچ میں پوری کی جاسکتی تھی، اور یہی پیسہ بچا کر کل پیش آنے والی ضرورت میں کام میں لایا جاسکتا تھا۔

اپنے مقابلے میں دوسروں کو نیچا دکھانے اور اپنی ناک اونچی کرنے کے لیے رسموں کی خاطر پیسہ پانی کی طرح بہادیا جاتا ہے۔

مکان انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اور اس کا مقصد مختصر زندگی گزارنا ہے، لیکن اس کی تعمیر میں بھی ظاہری زیبائش اور نمائش پر بے بہا پیسہ خرچ کردیا جاتا ہے، حالانکہ رہائش اور آسائش کی

ضرورت اس مقدار سے بہت کم پیسے سے پوری کی جاسکتی تھی، اور یہ پیسہ مصنوعی غربت کے خاتمہ کے لیے بچا کر رکھا جاسکتا تھا، اور ضرورت کے موقع پر خرچ کیا جاسکتا تھا، نیز جھوٹ، ملاوٹ، رشوت، ناپ تول میں کمی جیسے گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچایا جاسکتا تھا۔

کسی چیز سے ضرورت بہتر طریقہ پر پوری ہورہی ہو، لیکن اس کا فیشن ختم ہوگیا ہو، یا معاشرے میں ناک اونچی کرنے کے لیے اس سے نئی چیز آگئی ہو، تو موجودہ فیشن پر پورا اترنے اور اپنی ناک اونچی کرنے کے لیے پہلی چیز کو ضائع کرکے یا اونے پونے داموں میں فروخت کرکے پیسہ برباد کردیا جاتا ہے، اور کئی گنا مہنگے داموں پر نئی چیز خرید کر اپنی خواہش پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس طرح پیسے کا بے تحاشا استعمال کرنے کے بعد ضرورت پڑنے پر یا جدید سے جدید خواہش کی تکمیل وتسکین کے لیے مزید سے مزید پیسے کی تلاش کی جاتی ہے، چنانچہ لباس کا معاملہ ہو یا گاڑی اور موٹر سائیکل وغیرہ کا، یا پھر گھریلو استعمالی اشیاء، برتن، فرنیچر جیسی چیزوں کا، ایک بڑے طبقہ کی طرف سے ہر چیز میں یہی زینت کارفرما ہوتی ہے۔

گھر میں ڈبل بیڈ، اور صوفہ وغیرہ کو تو شہری لوگوں نے فرض، واجب کی طرح ضروری سمجھ لیا ہے، اگر جائز وسائل سے ان چیزوں کا انتظام نہ ہوسکے، تو ناجائز طریقہ پر پیسہ حاصل کرکے ان چیزوں کو مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور جب تک مطلوبہ چیز حاصل نہ ہو، اس وقت تک چین وسکون سے نہیں بیٹھا جاتا۔

خواتین کی حرص وہوس تو مشہور ہے، اکثر خواتین کو عام طور پر قیمتی لباس، جوتے اور عمدہ قسم کے زیور کی طلب رہتی ہے، اور وہ اپنے شوہروں کو ان خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز طریقہ پر مال حاصل کرنے پر مجبور کرنے سے بھی گریز نہیں کرتیں۔

کوئی کھانے کی تقریب منعقد کرنی ہو، تو اس میں بھی ناک اونچی کرنے اور نام پانے کے لیے خون پسینہ سے کمایا ہوا مال، بے دردی کے ساتھ خرچ کیا جاتا ہے، کئی کئی قسم کے کھانوں کی

ڈشوں اوراعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں کے انتخاب کوضروری سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ شادی بیاہ کی تقریب میں زندگی بھر کی کمائی کوخرچ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، اور اگر اپنے پاس انتظام نہ ہو، تو قرض لے کر ساری زندگی کے لیے کنگال ہونے کو بھی گوارا کیا جاتا ہے۔

آج سینکڑوں رسمیں اور خرچے شادی کے نام پر انجام دیئے جاتے ہیں، منگنی ومہندی اور نکاح ورخصتی کی رسم علیٰحدہ ہوتی ہے، جس میں ہزاروں روپیہ برباد کیا جاتا ہے، اور لائٹنگ وفائرنگ کی رسم علاحدہ انجام دی جاتی ہے، تصویر سازی اور عالیشان شادی کارڈ تیار کرانے پر دل کھول کرالگ سے پیسہ خرچ کیا جاتا ہے، اور لاکھوں روپے کے جہیز کا سامان الگ سے جمع کیا جاتا ہے، اور جب تک ان رسموں کو پورا کرنے کا انتظام نہ ہو، نکاح میں بھی غیر معمولی تاخیر کر کے جوانی کی عمر کا بڑا حصہ ضائع کر دیا جاتا ہے۔

دوسری طرف دعوتی حضرات نے نیوتے اور سلامی جیسی رسموں کے پورا کرنے کو لازمی سمجھ لیا ہے، اور اس کے بغیر شادی کی تقریب میں شرکت کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔

غمی کی تقریبات میں بھی تیجے، چالیسویں اور سالانہ وغیرہ کے نام پر دعوتوں اور کھانوں کی رسموں کو ایصالِ ثواب کے بہانے سے منعقد کر کے ہزاروں نہیں، لاکھوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔

روزمرہ کی غیر ضروری اور فضول چیزوں پر خرچ ہونے والے پیسوں کا تو حساب لگانا بھی مشکل ہے۔

سگریٹ نوشی وپان کھانے کی لت اور غیر معمولی چائے نوشی کی عادت، ان لوگوں نے بھی اپنے ساتھ لگائی ہوئی ہے، جو محنت مزدوری کر کے بمشکل اپنا گزارا کر پاتے ہیں، اور دوسرے کے قرض کے نیچے دبے رہتے ہیں، چنانچہ ریڑھی لگانے اور ریڑھا چلانے والے نیز جوتے گانٹھنے والے اور اسی قسم کی محنت ومزدوری کرنے والے جو سوڈیڑھ سو روپے صبح سے شام تک کماتے ہیں، ان میں سے نصف کے قریب سگریٹ، چائے نوشی وغیرہ پر خرچ کر دیتے ہیں۔

اخبارات ورسائل اور بچوں کے سینکڑوں قسم کے کھلونے، ٹیلی ویژن، بجلی کا بے تکا استعمال، پتنگ بازی اوران جیسی بہت سی فضول چیزوں میں پیسہ خرچ کر کے، غربت اورمہنگائی کا شور مچانا، کہاں کی عقل مندی ہے۔

اس لیے ہمیں غربت اورمہنگائی کا رونا رونے، اور پھر اس کی خاطر سینکڑوں جرائم میں مبتلا ہونے کی بجائے، خواہشات اورفضولیات پر قابو پانا چاہیے، اور اپنے اخراجات کو کم کر کے ضروریات کی حد تک محدود کرنا چاہیے، اس سے امید ہے کہ غربت اورمہنگائی کا شور مچانے والوں کی تعداد میں کافی حد تک کمی آ جائے گی۔

مشہور ہے کہ خرچ میں میانہ روی آدھی کمائی ہے۔ [1]

واقعہ یہ ہے کہ آمدنی تو عموماً انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی، رزق کی مقدار اور اس کے وسائل کی تقسیم کا نظام تو دستِ قدرت نے اپنے قبضے میں رکھا ہے، لیکن خرچ انسان کے اختیار میں ہے۔

---

[1] اس طرح کا مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے، مگر اس کی سند کو اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حدثنا محمد بن أبی زرعة، نا هشام بن عمار، نا مخيس بن تميم، حدثنی حفص بن عمر، حدثنی إبراهيم بن عبد الله، عن نافع، عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة، والتودد إلى الناس نصف العقل، وحسن السؤال نصف العلم لا يروى هذا الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بهذا الإسناد، تفرد به :هشام بن عمار، وحفص بن عمر هو :حفص بن عمر بن أبی العطاف المدنی، وإبراهيم بن عبد الله، هو :إبراهيم بن عبد الله بن قارظ "(المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ٦٧٤٤)

قال الهيثمی:رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه مخيس بن تميم عن حفص بن عمر، قال الذهبی : مجهولان(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٧٢٧)

و قال الالبانی:

"الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة، والتودد إلى الناس نصف العقل، وحسن السؤال نصف العلم ."

ضعيف. عزاه السيوطی فی "الجامع "للطبرانی فی "مكارم الأخلاق "والبيهقی فی "الشعب "عن ابن عمر، وسكت عليه الشارح المناوی وهو ضعيف فقد قال ابن أبی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لیے اگر آدمی اپنے اخراجات کو اپنی حلال آمدنی کے تابع بنانے کی کوشش واہتمام کرے، تو دنیا میں نظامِ فطرت اور نظامِ امن وعافیت کا دور دورہ ہو۔

اگر انسان چادر سے زیادہ پاؤں پھیلائے اور ضروریات کے بجائے خواہشات ،لغویات اور فضولیات کی تکمیل چاہے،تو پھر اس کا اجتماعی وانفرادی دونوں میدانوں میں جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے۔

یادرکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضروریات پوری ہونے کا وعدہ فرمایا ہے،خواہشات پوری کرنے کا کاوعدہ نہیں فرمایا ، کیونکہ ضروریات کی تو ایک حد ہوا کرتی ہے ،مگر فضولیات اور خواہشات کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہوتی۔

اگر خواہشات پوری نہ ہونے کو غربت اور تنگ دستی کا نام دیا جائے،تو شاید کوئی بھی انسان دنیا میں غربت سے بچا ہوا نہ ملے،اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"اَلْغِنَی غِنَی النَّفْسِ"(بخاری مسلم)

یعنی ''اصل مال داری نفس اور دل کی مال داری ہے'' [1]

اور ظاہری مال ودولت، حقیقی مال داری اور حقیقی غنا نہیں۔

اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ قناعت سے کام لے ،اور کفایت شعاری کا مزاج بنائے ، اور اپنے رب سے یہ دعا کرتا رہے کہ: ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حاتم فی "العلل "(2/284) : سألت أبی عن حدیث رواہ عن ھشام بن عمار عن المخیس بن تمیم عن حفص بن عمر عن إبراھیم بن عبد اللہ بن الزبیر عن نافع عن ابن عمر فذکرہ، قال أبی :ھذا حدیث باطل، ومخیس وحفص مجھولان.

قلت :وکذا قال الذھبی فی ترجمۃ مخیس وقال :روی عنہ ھشام بن عمار خبرا منکرا ثم ساق ھذا الحدیث، وأقرہ الحافظ فی "اللسان ."

ومن ھذا الوجہ أخرجہ القضاعی فی "مسند الشھاب "(1/ 55/ 33). (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، تحت رقم الحدیث ۱۵۷)

[1] عن أبی ھریرۃ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :لیس الغنی عن کثرۃ العرض، ولکن الغنی غنی النفس(بخاری، رقم الحدیث ۶۴۴۶،مسلم، رقم الحدیث ۱۰۵۱ "۱۲۰")

میری روزی میں فراغت دے مجھے		رزق میں یا رب تو وسعت دے مجھے
ہم کو روزی دے تو اپنے فضل سے		کامیابی مقصدوں پر ہم کو دے
اپنی روزی پر قناعت دے مجھے		میری روزی میں تو برکت دے مجھے
کر ہمارے نفس کو یارب غنی		کر عطا ہم کو غنائے باطنی
ہو فراخی یا ہو تنگی مال میں		جی ہمارا ہو غنی ہر حال میں
نعمتِ عقبٰی کو چاہیں جی سے ہم		خواہشِ دنیا کبھی ہو بھی تو کم
اور نمائش اور ریا سے دے پناہ		اور مجھے حرص و ہوا سے دے پناہ

اللہ تعالٰی کفایت شعاری کی توفیق عطا فرمائے، اور فضول خرچی و بیہودہ اخراجات سے حفاظت بخشے۔ آمین۔

محمد رضوان

4/ جمادی الاولٰی/1425 ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولٰی/1425 ہجری جولائی/2004ء، جلد1 شمارہ6)

(7)

انسانی جان کے دشمنوں کا انجام

یارب آپس میں ہمارے میل دے		ساتھ الفت کے رہیں ہم سب ملے
صلح کی توفیق یارب دے ہمیں		اور سلامتی کے دکھا رستے ہمیں
مالک و حاکم ہے تو ہر کام کا		تیرے ہی ہاتھوں ہے سب کا فیصلہ
تو ہی ناچاروں کی سنتا ہے دعا		بے کسوں کو ہے ترا ہی آسرا
جو کوئی ہم پہ کرے ظلم اے خدا		ہو وہی اس کی سزا میں مبتلا
ہو وبال اس کا اسی پر اے اللہ		ہم نہ ہوں ناحق کسی سے کینہ خواہ
دب گیا میں اے خدا وندِ انام		لے تو میرے دشمنوں سے انتقام

روزمرہ ایسی خبریں سننے کو ملتی ہیں، جن میں انسانوں کے انسانوں ہی کو قتل کرنے کے الم ناک واقعات وحادثات رُونما ہوتے ہیں، آج انسانوں نے انسانوں کے قتل کو اپنا اصلی ہدف اور ٹارگٹ بنالیا ہے، جس کی وجہ سے انسانی جان کا قتل گُڑیوں کا کھیل اور تماشا بن کر رہ گیا ہے، انسانی جان کی قدر و قیمت خود انسان کے نزدیک ایک مولی گاجر سے بھی کم ہوگئی ہے، ذرا ذرا سی بات پر اور مال کی لالچ کی خاطر دوسرے کو قتل کر دینا، اس کی جان سے کھیل جانا، معصوم بچوں کو یتیم کر دینا، اُن کو روتا بلکتا ہوا چھوڑ دینا، کسی کی سہاگن (بیوی) کو بیوہ کر دینا، اُس کے سہاگ کو لُوٹ لینا، عزیزوں اور رشتہ داروں کے دلوں پر رنج وغم کے نشتر چلا دینا، بے سہارا بوڑھے والدین کے سہارے کو چھین لینا، دوسرے کے کاروباری نظام کو یکدم درہم برہم کر دینا اور تمام کاروبارِ زندگی کو مفلوج کر دینا، یہ سب کچھ دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر کرنے والے کرتے ہیں۔

وہ گولی جو انسانیت کے دشمنوں کے لیے استعمال ہونی چاہیے تھی، اور جانوروں کا شکار کرنے کے لیے تیار کی گئی تھی، وہ آج خود بے قصور اور معصوم انسانوں ہی کا خون بہا رہی ہے۔

ان انسانیت سوز بگڑے ہوئے حالات میں شیر، چیتے اور بھیڑیے جیسے جانور بھی آج انسانیت کا منہ چڑا رہے ہیں، اور بزبانِ حال کہہ رہے ہیں کہ بے شک ہم چیرنے پھاڑنے والی مخلوق ضرور ہیں، اور ہم یہ کام کرتے ضرور ہیں، لیکن ہم بے زبان ہونے کے باوجود یہ کام دوسری جنس اور دوسری قوم کے خلاف کرتے ہیں، اس کثرت و بے دردی کے ساتھ شیر، شیر کو، اور بھیڑیا، بھیڑیے کو نہیں مارتا۔

اور اے اشرف المخلوقات انسانو! تمہیں کیا ہو گیا، تم عقل رکھتے ہو، سمجھ رکھتے ہو، اللہ اور خالق پر یقین رکھتے ہو، مگر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو؟ ایک دوسرے کا شکار کر رہے ہو؟ تم تو اس حرکت میں ہم سے بھی آگے بڑھ گئے ہو؟

انسان آج اپنی پیاس پانی کے بجائے انسانیت کے خون سے بجھانے کی کوشش کر رہا ہے، جانوروں کو شکار کرنے کے بجائے انسان کو شکار کر رہا ہے۔

مگر اسی کے ساتھ ساتھ ان ظالموں اور قاتلوں کی عجیب اور نرالی منطق ہے کہ وہ اپنے پاؤں میں ایک کانٹا چبھنے کی تکلیف برداشت نہیں کرتے، مگر دوسرے کے دل میں بارودی اور فولادی گولیوں کی باڑ اتار دیتے ہیں۔

وہ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں، اور دنیا میں لمبی اور طویل زندگی کے خواہاں ہیں، مگر دوسرے انسان کی زندگی کا چراغ آناً فاناً گل کرنا، ان کا من بھاتا مشغلہ ہے۔

وہ اپنی معصوم اولاد کو روتا بلکتا ہوا دنیا میں چھوڑ کر جانا برداشت نہیں کرتے، مگر دوسرے کی اولاد کو روتا بلکتا ہوا چھوڑ دینا، ان کی تفریحِ طبع کا سامان ہے۔

وہ اپنی بیوی کے بیوہ ہونے کو گوارا نہیں کرتے، مگر دوسرے غریب کی بیوی کے لیے گوارا کر رہے ہیں۔

وہ اپنی میت پر رشتہ داروں اور عزیزوں کے رونے سے وحشت کھاتے ہیں، لیکن دوسرے انسان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے رونے اور چلانے سے ان کے پتھر دل موم نہیں ہوتے۔

وہ اپنے بوڑھے اور ضعیف والدین کو بے سہارا چھوڑ کر جانے کے تصور سے بھی کانپ اٹھتے ہیں، لیکن دوسرے انسان کے بے قصور والدین کی بیساکھیوں کے چھن جانے کا ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔

وہ اپنے کاروبار اور دنیوی اسباب کے اُجڑ جانے کو روا نہیں سمجھتے، مگر دوسرے کے کاروباری نظام کے معطل ہونے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، وہ اپنی ایک خواہش کی تکمیل کو دوسرے کی تمام حاجات کا خون کرنے پر ترجیح دیتے ہیں۔

وہ اللہ کی زمین پر اپنے وجود کا باقی رہنا، دوسرے کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھ رہے ہیں، وہ زندہ رہنے کا اپنے آپ کو زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، دوسرے کو نہیں سمجھتے۔

وہ دنیا کی نعمتوں کے استعمال کرنے کا، دوسرے کے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ مستحق خیال کرتے ہیں۔

وہ ربُّ العزت کی تقسیم، اور خالق کے تخلیقی نظام پر راضی نہیں، بلکہ معترض ہیں، انہیں دوسرے کو قدرت کا بخشا ہوا وجود ایک نظر نہیں بھاتا، مگر اسی قادر وخالق کا ان کی اپنی ذات کو وجود بخشنا تمام وجودوں سے زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔

ان ظالموں کے حرص وہوس کی یہ حالت ہے کہ وہ چند ٹکوں کی خاطر دوسرے انسان کو تڑپتا اور سسکتا ہوا دنیا سے رخصت ہو جانے کی سودے بازی کر لیتے ہیں۔

مگر ان ظالموں وقاتلوں کو یہ خبر نہیں کہ قدرت کی بے آواز لاٹھی لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی گولیوں اور ایٹم بموں سے زیادہ طاقت رکھتی ہے۔

یہ ظالم وقاتل اس بات سے بے خبر ہیں کہ مظلوم اور مقتول کی دادرسی اور فریادرسی کو اگر کوئی

مخلوق نہیں سن رہی، تو اس کا خالق و مالک تو سن رہا اور معصوم و بے سہارا بچوں کی چیخ و پکار پر لبیک کہہ رہا ہے، اور بوڑھے سفید بالوں والے والدین کی آہ و بکا کو سن رہا ہے، مظلوم بیوہ کی تاریک راتوں کو دیکھ رہا ہے، مظلوم کی بددعاء کی یہ تاثیر ہے کہ وہ بغیر کسی حجاب کے براہِ راست شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہے، بھلا وہ اس بددعاء سے کس طرح بچ سکے گا؟ [1]

ظالم اور قاتل انسان کو یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ قدرت کے یہاں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتا، قدرت کا یہ نظام اور دستور سب پر غالب اور حاوی ہے کہ انسان جو اس دنیا میں بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، دوسرے کو قتل کر کے قاتل اپنے آنے والے راستہ میں کانٹے بو رہا ہے۔

ایک نہ ایک دن اس نے قادر و خالق کے سامنے عدل اور انصاف کے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہے، اور مظلوم و مقتول پر ڈھائے جانے والے ایک ایک ظلم اور اس کی اور اس کی بیوی، بچوں، والدین، اور عزیزوں کی آہ و بکا کا جواب اور حساب دینا ہے۔

ظالموں اور قاتلوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ کل ان کے اور ان کی بیوی، بچوں کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، آج دوسرے کا گھر اجاڑ رہے ہیں، کل اپنا گھر بھی اجڑ سکتا ہے، وہ جس پر ظلم کر رہے ہیں، اس کی بددعا کل آنے والے وقت میں ان کی اپنی تباہی و بربادی کا بھی سبب بن سکتی ہے، وہ جس کی جان سے کھیل رہے ہیں، کل آنے والا وقت ان کی جان کی ہلاکت و بربادی کو بھی دعوت دے سکتا ہے۔

جو درندہ خصلت انسان ہاتھوں میں ہتھیار آ جانے کے بعد اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی زندگی کا مالک و مختار سمجھنے لگتے ہیں، وہ یہ نہ بھولیں کہ اس دنیا میں کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہا، اور ہر ایک کو ایک نہ ایک دن دنیا سے رخصت ہونا ہی پڑا، بلکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انسانی جان کے دشمن اور قاتل فرعونوں کا انجام بہت برا اور عبرت ناک ہوا ہے، اور ان کی موت اتنی بری طرح آئی ہے کہ دنیا نے بھی ان کی عبرتناک حالت کا تماشا دیکھا ہے۔

---

[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذا إلی الیمن، فقال: اتق دعوۃ المظلوم، فإنہا لیس بینہا وبین اللہ حجاب (بخاری، رقم الحدیث ۲۴۴۸)

ظلم، بربریت اور انسانوں کے بے جا قتل کا ہولناک، انجام کثرت سے دنیا ہی میں دکھا دیا جاتا ہے۔

کسی مسلمان کو قتل کرنے کے وبال کے بارے میں آخرت کا عذاب جو کہ دراصل حقیقی انجام ہے، اس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا" (سورة النساء، رقم الآية ٩٣)

ترجمہ: جو کوئی بھی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے، تو اس کی (اصل) سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب ہے، اور اس کی لعنت ہے اور تیار کر رکھا ہے اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب (سورہ نساء)

مومن کے قتل کی اصل سزا تو یہی ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ یا لمبے عرصے تک جہنم میں رہے، لیکن اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے فضل فرما دے، تو علاحدہ بات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ فرمایا:

"تو کتنا پاکیزہ ہے، تو کتنا عظیم ہے، اور تیری عظمت و حرمت کتنی عظیم! مگر ایک مومن کی عظمت و حرمت، اللہ کے نزدیک تیری عظمت و حرمت سے بھی زیادہ عظیم ہے، اس کا مال بھی اور اس کا خون بھی"۔ [1]

معلوم ہوا کہ کسی ایک مسلمان کی جان و مال پر حملہ آور ہونا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ شریف پر حملہ آور ہونے سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے، اور کسی ایک بے گناہ کے خون میں

---

[1] عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، عن ابن عباس، قال: نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الكعبة، فقال " :ما أعظم حرمتك "، وفي رواية أبي حازم لما نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الكعبة، قال " :مرحبا بك من بيت ما أعظمك وأعظم حرمتك، وللمؤمن أعظم حرمة عند الله منك، إن الله حرم منك واحدة وحرم من المؤمن ثلاثا :دمه، وماله، وأن يظن به ظن السوء (شعب الايمان، رقم الحديث ٦٢٨٠)

قال الالباني: هذا إسناد حسن، رجاله ثقات (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٤٢٠)

ہاتھ رنگنے کا وبال (معاذ اللہ) بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے سے بھی زیادہ ہے۔
اگر کوئی بدنیت اور بدبخت بیت اللہ شریف کی طرف کوئی بری نگاہ اٹھا کر دیکھے، یا بیت اللہ کی عظمت وحرمت کے خلاف کوئی اقدام کرنا چاہے، تو دنیا کا کوئی فوجی یا سول مسلمان اس بات کو برداشت نہیں کر سکے گا، لیکن آج مسلمان اور اس سے بڑھ کر اہلِ علم حضرات (جو انبیاء کے وارث ہیں) پر رات دن نشتر چلائے جاتے ہیں، اور گولیاں برسائی جاتی ہیں، اور یہ کام کرنے والوں میں بے شمار بدنصیب نام نہاد سول اور غیر سول مسلمان مال وزر وغیرہ کی خاطر شریک ہوتے ہیں، مگر اس کی طرف سے دل بے چین نہیں ہوتا، کیا ایمان واسلام کا حقیقی تقاضا یہی ہے؟ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھ لیں۔
ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "پوری دنیا کا ختم ہوجانا، اللہ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے ناحق قتل کے مقابلے میں معمولی چیز ہے"۔ [1]
ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر (بالفرض) تمام آسمان اور زمین والے کسی مومن کے خون میں شریک ہوجائیں، تو اللہ ان سب کو اوندھے منہ کر کے جہنم میں داخل فرمادے گا۔ [2]
ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "امید ہے کہ اللہ ہر گناہ کو معاف فرمادے گا، مگر جو شخص مشرک ہونے کی حالت میں مرگیا اور جس نے کسی مومن کو قتل کردیا، ان کی مغفرت نہیں ہے"۔ [3]

---

[1] عن البراء بن عازب، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال" :لزوال الدنيا أهون على الله من قتل مؤمن بغير حق"(سنن ابنِ ماجه)
قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره(حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] حدثنا أبو الحكم البجلى، قال :سمعت أبا سعيد الخدرى، وأبا هريرة يذكران عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لو أن أهل السماء والأرض اشتركوا فى دم مؤمن لأكبهم الله فى النار :هذا حديث غريب (سنن الترمذى، رقم الحديث ۱۳۹۸)

[3] سمعت أم الدرداء تقول:سمعت أبا الدرداء يقول :سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول" :كل ذنب عسى الله أن يغفره، إلا من مات مشركا، أو من قتل مؤمنا متعمدا"(سنن ابى داوٗد، رقم الحديث ۴۲۷۰)
قال شعيب الارنؤوط:إسناداه صحيحان(حاشية سنن ابى داوٗد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''میرے بعد کافر مت ہوجانا کہ اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی گردن مارو'' (بخاری) [1]

ان احادیث سے دراصل مومن کی جان کی قدر و قیمت اور اس کو قتل کرنے کے شدید عذاب کی وعید کو بتانا مقصود ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے قتل سے بچنے کا اہتمام فرمانے کے لیے یہاں تک فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرے، کیونکہ اسے یہ بات معلوم نہیں کہ ہوسکتا ہے کہ شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار چھڑا دے (جس سے دوسرا مسلمان قتل یا زخمی ہوجائے اور پھر اس کی وجہ سے) ہتھیار سے اشارہ کرنے والا، جہنم کے گڑھے میں گر پڑے''۔ [2]

شریعت نے انسانی محترم جان کی کیا قدر و قیمت رکھی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر یہ کہے کہ شراب پیو، خنزیر کھالو، کلمۂ کفر زبان سے بولو، ورنہ تمہیں قتل کردوں گا، تو جان بچانے کے لیے شراب اور خنزیر بلکہ کفریہ لفظ زبان سے ادا کرنا (جب کہ دل میں ایمان ہو) گناہ نہیں رہتا، جائز ہوجاتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص دوسرے شخص کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر یہ کہے کہ تم فلاں شخص کو قتل کردو، ورنہ میں تمہیں قتل کردوں گا، تو اس مجبوری کی حالت میں بھی اپنی جان بچانے کی خاطر دوسرے بندے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں، اگرچہ اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، گویا کہ

---

[1] عن جرير أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له في حجة الوداع: استنصت الناس فقال: لا ترجعوا بعدي كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض(بخاري، رقم الحديث ١٢١)

[2] عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا أبو هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر أحاديث منها: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يشير أحدكم إلى أخيه بالسلاح، فإنه لا يدري أحدكم لعل الشيطان ينزع في يده فيقع في حفرة من النار(مسلم، رقم الحديث ٢٦١٧ "١٢٦")

شریعت کا حکم یہ ہوا کہ ایسی مجبوری کی صورت میں اپنی جان دینی پڑے، تو دے دو، لیکن کسی بے گناہ کی جان نہ لو۔ [1]

غور فرمایئے! جس حالت میں شراب پینا جائز، خنزیر کھانا جائز، اور کلمہ کفر کہنا جائز اور حتی کہ اپنی جان دینا جائز ہو جاتا ہے، اس حالت میں بھی دوسرے کو ناحق قتل کرنا جائز نہیں ہوتا۔

غصے کی بھڑاس نکالنے، مال و زر حاصل کرنے، اپنی چار ٹکے کی ملازمت برقرار رکھنے، اپنی سیاسی و غیر سیاسی گدی کی حفاظت کرنے، اور اپنی دکان چمکانے کی خاطر کسی مسلمان کو قتل کرنے والے ابھی سے سوچ لیں کہ آخر ایک نہ ایک دن مرنے کے بعد انھوں نے اللہ رب العالمین کی عدالت میں مقتول و مظلوم کا سامنا کرنا ہے، اور آخرت کے عذاب سے دوچار ہونا ہے، وہ عذاب دنیا کے فائدے، مال و دولت، ملازمت اور عہدے کے مقابلے میں بہت الم ناک اور کرب ناک ہوگا، اور دوسرے کو قتل کر کے جتنی تکلیف اور نقصان دوسرے کو پہنچا، یا اس سے کئی گنا زیادہ نقصان اور تکلیف کا خود سامنا کرنا پڑے گا، اور اس وقت اچھی طرح سمجھ آ جائے گی کہ جس چار روزہ نفع کے لیے یہ سب کیا، وہ ابدالآباد کا خسارہ تھا۔

فاعتبروا یااولی الابصار.

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط

3 / جمادی الاخریٰ / 1425 ہجری

(ماہ نامہ "التبلیغ" جمادی الاخریٰ / 1425 ہجری اگست / 2004ء، جلد 1 شمارہ 7)

---

[1] وإن كان الإكراه على قتل مسلم، أو قطع عضو منه، أو على زنا بمكرهة، أو بامرأة لها زوج، فلا يجوز الإقدام على شيء من ذلك ولو أكره بالقتل .فإن قتل يقتص منه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ١٠٩، مادة " اکراہ")

(8)

کام چوری، تعیُّش پرستی اور وعدہ خلافی

کام چوری، تعیش پرستی اور وعدہ خلافی، یوں تو بولنے اور سننے میں بہت چھوٹے اور مختصر الفاظ ہیں، مگر ان کی حقیقت اور ان کے نتائج پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ یہ مرض معاشرے کے لیے ناسور سے کم نہیں۔

قوم کی تنزلی، معاشی بحران، معاشرتی بگاڑ، کرپشن، لڑائی، جھگڑے، دشمنی، عداوت، جھوٹ، غلط بیانی اور ذہنی الجھن جیسی کئی بیماریاں ان امراض کے نتیجہ میں جنم لیتی ہیں۔

خود ان بیماریوں میں بھی باہم ایسا ربط اور تعلق ہے کہ ان میں سے ایک بیماری، دوسری بیماری کا عام طور پر سبب بنتی ہے، چنانچہ عموماً وعدہ خلافی کی نوبت کام چوری اور کاہلی یا تعیش پرستی کی وجہ سے آتی ہے۔

مثلاً پہلے کسی دوسرے سے کسی کام کے بارے میں وعدہ کرلیا جاتا ہے، لیکن بروقت کاہلی، کام چوری یا تعیش پرستی کی وجہ سے اس کام کو پورا کر کے وعدہ پورا کرنے کا خاطر خواہ اہتمام نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے دوسرے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے، اور پھر دوسرے کے سامنے جواب دہی کے موقع پر طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے اور جھوٹ وغلط بیانی کا خول چڑھا کر دوسرے کو مطمئن کرنے، اور اپنے آپ کو بے قصور اور معذور ثابت کر کے ٹالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کام چوری، کاہلی یا تعیش پرستی اور وعدہ خلافی کا مرض ہمارے معاشرے کے مزدور اور لیبر طبقے میں زیادہ پایا جاتا ہے، اور وہ بھی خاص طور پر نوجوان نسل میں، اس طبقے میں شاید ڈھونڈے سے ہی ایسے لوگ دستیاب ہوں، جو دوسرے سے کیے گئے وعدہ کی لاج رکھتے ہوئے بروقت دوسرے کا کام پورا کر کے دینے کا اہتمام کرتے ہوں، خاص طور پر جب پیشگی

اور ایڈوانس کچھ رقم بھی ہاتھ لگ جائے، پھر تو یہ طبقہ ہواؤں میں اڑنا شروع ہوجاتا ہے، اور کسی طرح پکڑائی ہی نہیں دیتا، عام طور پر پیشگی حاصل کردہ رقم کو عیاشیوں میں اڑادیا جاتا ہے، پھر جب دوسرے سے کیے گئے وعدہ کو پورا کرنے کا انتظام نہیں رہتا، تو دوسرے کو چکر کٹوائے جاتے ہیں، اور لارے لپّے دے کر دوسرے کو پریشان کیا جاتا ہے، دوسرے کے وقت کو بے دردی کے ساتھ ضائع کیا جاتا ہے، اور اسے سخت ذہنی وجسمانی الجھن اور پریشانی میں ڈالا جاتا ہے، یا پھر مخاطب سے کسی طرح منہ چھپانے میں ہی عافیت سمجھی جاتی ہے۔

ہماری نوجوان نسل کا مزاج غلط عادتوں کی وجہ سے کچھ ایسا بن گیا ہے کہ جب تک ہاتھ خالی ہوتے ہیں، اس وقت تک تو کچھ نقل وحرکت اور کام، کاج کے لیے بھاگ دوڑ کی جاتی ہے اور جوں ہی چار پیسے ہاتھ میں آجاتے ہیں، تو جب تک ان کو ٹھکانے نہیں لگادیا جاتا، اس وقت تک ہر قسم کے کام، کاج کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے۔

یہی حال آرڈر بک کرنے والے حضرات کا ہے کہ دوسرے کو اپنی گاہکی کے جال میں پھنسانے اور اپنی خریداری کو پختہ کرنے کے لیے آرڈر بک کرکے رقم ہتھیالی جاتی ہے، مگر مقررہ وموعودہ وقت پر آرڈر شدہ چیز کو مہیا نہیں کیا جاتا۔

پھر بعض اوقات تو وعدہ کرتے وقت دل میں اس کو وقت پر پورا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے، لیکن وعدہ کرچکنے کے بعد اس کو بھول بھلیوں کی نذر کردیا جاتا ہے، اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرلیا جاتا ہے، جیسا کہ کسی سے کوئی وعدہ کیا ہی نہیں، اور بعض اوقات وعدہ کرتے وقت ہی دل میں اس کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا، بس مخاطب کو منہ پر خوش اور مطمئن کرنا، یا اپنے جال میں پھنسانا مقصود ہوتا ہے، ادھر مخاطب مطمئن ہوکر بیٹھ جاتا ہے، اور انتظار کا مرحلہ طے کرتا ہے، لیکن جب مقررہ وقت آتا ہے، تو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ظاہر ہے کہ پہلے سے کسی چیز کی امید قائم کرلینے کے بعد اس کے پورا نہ ہونے پر انسان کو جو کوفت ہوتی ہے، اس کو وہی سمجھ سکتا ہے، وعدہ کرنے والے کو اس کا صحیح احساس نہیں ہوسکتا۔

جب کہ اس طرح اوپرا اوپر سے وعدہ کرنے میں دوسرے کے ساتھ دھوکا دہی اور ایذاء رسانی کا گناہ بھی شامل ہوجاتا ہے، دوسرے انسان کی اس ناامیدی، مایوسی اور تکلیف پہنچنے والی کیفیت کا اندازہ اس وقت بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جب وعدہ کرنے والے کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یہی حرکت کرے، ایسے وقت سینکڑوں مرتبہ وعدہ خلافی کا جرم کرنے والا دوسرے کی وعدہ خلافی پر بہت پیچ وتاب کھاتا، اور ناک بھوں چڑھاتا ہے، کاش کہ ایسے وقت ہی اس کو احساس ہوجائے کہ جس طرح دوسرے کی وعدہ خلافی سے مجھے کوفت اٹھانی پڑ رہی ہے، میری وعدہ خلافی کے متاثرین میں سے ہرایک بھی اسی ذہنی اذیت سے گزرتا ہے، اور نقصان اٹھاتا ہے۔

یاد رکھیے کسی سے وعدہ کرکے اس کو پورا نہ کرنا اور مخاطب کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرکے خود آرام سے بیٹھے رہنا بدترین خصلت ہے، مشہور ہے کہ:

''انتظار انسان کو موت سے بھی زیادہ شدید محسوس ہوتا ہے''

لیکن کیونکہ وعدہ کرنے والے کو خود کسی چیز کا انتظار نہیں کرنا پڑتا، اور اس کا اپنا کوئی کام اٹکا اور الجھا ہوا نہیں ہوتا، اس لیے وہ غفلت اور لاپروائی میں پڑ کر وعدہ خلافی کے سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔

وعدہ خلافی کے مرض میں بہت سے دیندار، عبادت گزار اور یہاں تک کہ تہجد گزار لوگ بھی مبتلا پائے جاتے ہیں، وہ لوگ کہ اگر ان کی نماز قضاء ہوجائے، جماعت چھوٹ جائے، تہجد کے وقت آنکھ نہ کھل سکے، یا معمول کے مطابق ذکر وتلاوت نہ ہوسکے (جو کہ سنت ومستحب عمل ہے) ان لوگوں کو اس کا تو رنج اور دکھ ہوتا ہے، مگر وعدہ پورا کرنا جو کہ اسلام میں فرائض کے شعبے سے تعلق رکھتا ہے، اس فریضے کے چھوٹ جانے پر ذرہ برابر افسوس اور رنج نہیں ہوتا، اور اس کی طرف سے کبھی دل میں کڑھن اور چبھن پیدا نہیں ہوتی۔

اگر کبھی تھوڑا بہت احساس یا ندامت ہوتی بھی ہے، تو صرف اس وجہ سے کہ مخاطب کو کیا

جواب دیں گے؟ مخاطب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا، حالانکہ وعدہ پورا نہ کر کے اور وعدہ خلافی کر کے انسان صرف انسان کا مجرم نہیں بنتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی مجرم ہوتا ہے، وعدہ خلافی صرف دنیا کے قانون میں ہی جرم نہیں، بلکہ آخرت کے قانون میں دنیا کے قانون کے مقابلے میں زیادہ بڑا جرم ہے، جس کی وجہ سے آخرت میں اللہ کا سامنا کرنے کی جرائت کیسے ہوگی؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (سورہ اسراء آیت ۳۴)

یعنی ’’عہد کو پورا کرو، عہد کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا‘‘۔

جس طرح قرآن مجید میں نماز، روزہ، اور زکاۃ وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح عہد اور وعدہ پورا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

وعدہ خواہ چھوٹی چیز کا ہو یا بڑی چیز کا، جائز اور مباح کام کا ہو یا ثواب کے کام کا، دین کے بارے میں ہو یا دنیا کے بارے میں، اس کو پورا کرنا اور نباہنا ضروری اور فرض ہے، اور بلا عذر خلاف ورزی کرنا کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا باعث ہے۔

وعدہ کرنے سے پہلے جو کام انسان کے ذمہ واجب اور ضروری بلکہ سنت و مستحب تک نہیں ہوتا وعدہ کر لینے کے بعد اس کام کا پورا کرنا، انسان کے ذمے فرض اور واجب ہو جاتا ہے، بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو۔

پھر زیادہ تر وعدہ خلافی اور کام چوری میں انسان فضولیات میں پڑنے یا کاہلی اور کام چوری یا تعیش پرستی کے مرض کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔

کام کے وقت کام کرنے کے بجائے فضول گپ شپ میں وقت گزار دیا جاتا ہے، چائے پانی اور پیشاب وغیرہ کے بہانے سے گھنٹوں ضائع کر دیے جاتے ہیں، ہمارے معاشرے میں مختلف قسم کے رسم و رواج عام ہو گئے ہیں، جن میں مصروف و مشغول ہونا، وعدہ پورا کرنے

کے مقابلے میں زیادہ اہم اور ضروری سمجھا جاتا ہے، اور سب سے بڑی بات ہمارے ہاں خاص طور پر نوجوانوں میں محنت ومشقت سے جان چرانا، اور جفاکشی کا عادی نہ ہونا، اور مستقبل کے نتائج سے غافل ہونا ہے۔

''چین'' کی معاشی ترقی کا راز

''چین'' دن بدن ترقی یافتہ ممالک میں صفِ اول کا مقام حاصل کرتا جارہا ہے، جس کی بنیادی وجہ ریاستی سطح پر بھی، اور عام سماجی سطح پر بھی بدعنوانی وکرپشن نہ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کا محنت و جفاکشی کا عادی ہونا قرار دیا جاتا ہے، اور یہ سارا اجتماعی ماحول اور عمومی فضا وہاں، پچھلی محض نصف صدی میں ہی بنی ہے، ورنہ پچھلی صدی تک میں تو پورے چین کی عالمی پہچان افیونچی ہونے کی حیثیت سے تھی، ان کاہل افیونچیوں پر ان سے کئی گنا چھوٹا ملک جاپان حکومت کرتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ نہ صرف چین میں بلکہ باہر کے ممالک میں بھی بے شمار فنی معاملات اور جفاکشی کے امور میں چین کے ماہرین کی مدد حاصل کرکے، ان کو خدمات سپرد کرکے اپنے وہ کام اور منصوبے پورے کرائے جاتے ہیں، جو اِن ممالک کے افراد کو خود انجام دینا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

پچھلے دنوں پاکستان میں چین کی کسی کمپنی کو ایک منصوبے کا ٹھیکہ دیا گیا تھا، کام کے دوران کچھ پاکستانی افراد بھی بعض خدمات میں شریک تھے، لیکن چین کے لوگوں کے ساتھ ان پاکستانیوں کو کام، کاج کرنا دوبھر ہوگیا تھا، کیونکہ چینی حضرات مسلسل کام میں مصروف رہتے تھے اور ہمارے پاکستانی حضرات کاہلی اور سستی اور تعیش پرستی کے باعث تھوڑی تھوڑی دیر بعد چائے، پانی، سگریٹ نوشی اور پیشاب وغیرہ کا بہانہ بنا کر بار بار کام کے تسلسل میں رکاوٹ ڈالتے تھے، اور چند گھنٹے کام کرنے کے بعد تھکن کا بہانہ کرکے واپس لوٹ آتے تھے، جس کی

وجہ سے پاکستانی حضرات کو اس کام سے علاحدہ ہونا پڑا۔

کاروبار کے لیے یورپ وغیرہ جانے کا شوق

ہمارے ملک کے بے شمار حضرات کو یورپ کے ممالک میں کاروبار اور روزی کی تلاش میں جانے کی بہت جستجو رہتی ہے، جس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ ان ممالک میں کاروباری مواقع اور آمدنی کے ذرائع زیادہ موجود ہیں، اور ان ممالک کی کرنسی کی حیثیت اور ویلیو بھی زیادہ ہے، اور وہاں کی مختصر رقم کے عوض اپنے ملک کی کرنسی کئی گنا زیادہ حاصل ہو جاتی ہے، اور چند سال کی محنت سے انسان لکھ پتی اور کروڑ پتی ہو جاتا ہے، اور اس کے برعکس اپنے ملک میں ساری زندگی کولہو کا بیل بن کر بھی پاپڑ بیلنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اسی وجہ سے ہمارے ملک کے نوجوان طبقے میں یورپ وغیرہ کے ممالک میں کاروبار اور کام کاج کے لیے جانے کی طلب اور تڑپ زیادہ پائی جاتی ہے، اور اسی وجہ سے یورپ جانے کے اخراجات کے لیے قرض وغیرہ لینے کو بھی گوارا کیا جاتا ہے۔

لیکن باہر کے ممالک کو سونے کی چڑیا سمجھ کر وہاں پہنچنے کے بعد سارا مزہ کِرکِرہ ہو جاتا ہے، وہاں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کمائی یہاں پر رہ کر کرنا ہے، اور یہاں کی کرنسی حاصل کرنا ہے، تو کھانے پینے وغیرہ کے اخراجات بھی اسی ملک کی کرنسی سے ہی پورے کرنے ہیں، اور وہاں کے ماحول اور ملک سے دوری کی مجبوری انسان کو اس طرح کی محنت پر مجبور کر دیتی ہے کہ جس کا اپنے ملک میں رہ کر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، پھر بننے والے کولہو کا بیل بھی بنتے ہیں، اور جان جوکھوں میں ڈال کر ہر طرح کے پاپڑ بھی بیلتے ہیں، اگلے اِن کو ناکوں چنے چبوا کر ان کے سینے پر مونگ دل کر ہی ان کو تھوڑی یا زیادہ تنخواہ دینا گوارا کرتے ہیں، آخر ڈالر، ریال، پونڈ، یورو، امارات کے درہم اور کویت کے دینار کمانا، کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے، نہ وہ ملک مظلوم پاکستان ہے کہ اس دھرتی کو گالیاں بھی دو، ہر طرح کی ہڈ حرامی بھی کرو، قومی خزانے اور قومی

وسائل تک تھوڑی یا زیادہ جتنی رسائی سرکاری ملازمتوں کی شکل میں ملے، تو کام چوری، مفت خوری، اور بدعنوانی کے ریکارڈ بھی قائم کرو، اس طرح جائز و ناجائز ہر طرح کی مراعات و تعیّشات اسی ملک سے حاصل کرو، لیکن بدلے میں اس ملک اور قوم کو کوسنے کو ہی ملیں۔ ؎

گھر میں بس جس کا بیوی پر چلتا نہیں آج کل	باہر نکل کر پہلے کوستا ہے پاکستان کو
اس قدر ہو جائے جس کی پست ذہنیت	ترجیح حاصل ہے ایسے انسان پر پھر حیوان کو

اپنے ملک میں فارغ اور آوارہ پھرنے اور کاہلی یا تعیش پرستی میں مبتلا رہنے والے افراد عموماً وہاں جا کر بھرپور محنت ومشقت کے ساتھ، سولہ سولہ اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے محنت مزدوری کر کے اور ہر قسم کی فضول خرچیوں سے بچ کر رقم اکٹھی کرنے کا انتظام کرتے ہیں، اور ہر وہ کام کرنا گوارا کر لیتے ہیں کہ جس کو اپنے ملک میں رہتے ہوئے ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کرتے، ظاہر ہے کہ اگر اپنے ملک میں رہتے ہوئے ان عادات کو اپنا لیا جائے، تو یہاں رہتے ہوئے بھی وہ سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے، جس کا یورپ وغیرہ کے ممالک کے لیے سفر کیا گیا ہے، دوسری طرف محنت اور جفاکشی کے نتیجے میں اپنے ملک کی معاشی ترقی میں بھی مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔

بہرحال ہمیں محنت اور جفاکشی کی عادت اپنا کر کام چوری، کاہلی، تعیش پرستی اور وعدہ خلافی کے مرض سے نجات حاصل کرنا چاہیے اور وعدہ پورا کرنے اور اسے نباہنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

محمد رضوان

30/ جمادی الاخریٰ /1425ہجری 17 اگست 2004ء بروز منگل

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب/1425ہجری ستمبر 2004ء، جلد 1 شمارہ 8)

(9)

رمضان کی آمد سے پہلے کیا کریں؟

رمضان المبارک کا مہینہ مجموعی فضیلت کے اعتبار سے تمام مہینوں کا سردار ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں نہ صرف یہ کہ قرآن مجید نازل ہوا، بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اس بابرکت مہینے میں نازل کی گئیں، اس مہینے میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دی گئی ہے، اور اس رات کا نام ''لیلۃ القدر'' ہے، لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کرنے کے لیے قرآن مجید میں مکمل ایک سورت نازل کی گئی ہے، جس کا نام سورہ قدر ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ لوگوں کے حق میں مغفرت کا پروانہ حاصل کرنے، اپنے رب کو راضی کرنے اور اپنے گناہوں کو بخشوانے کی بنیاد ہے۔

اس ماہِ مبارک میں روزے اس لیے فرض کیے گئے، تاکہ لوگوں میں تقوے اور طہارت وپاکیزگی کی صفت پیدا ہو، اور پھر یہ صفت انسان کے لیے آنے والے گیارہ مہینوں میں عملِ صالح کا محرک، اور عبادتِ الٰہی کی راہوں پر چلنے کے لیے زینہ بنے۔

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ہر سال رحمتوں اور برکتوں کو لے کر لوگوں کے سروں پر سایہ فگن ہوتا ہے، اور شروع ہو کر بڑی تیزی سے ختم ہو جاتا ہے، محروم القسمت اور ناقدر لوگ بالعموم اس ماہ کے فیضان سے محروم وتہی دامن رہ جاتے ہیں، جب کہ خوش قسمت اور قدردان لوگ مغفرت اور بخشش کی سند کا پروانہ پالیتے ہیں، اور دنیاوی اور اخروی برکتیں اور سعادتیں سمیٹ لیتے ہیں۔

خوش قسمت لوگ رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی اس مہینے کا انتظار اور اس کے استقبال کی تیاری شروع کر دیتے ہیں، مگر قسمت کے ماروں اور کم نصیبوں کو جوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ آرہا ہے، تو ان کے اوسان خطا ہونے لگتے ہیں، اور روزوں کی وجہ سے اپنی

خواہشات اور تقاضوں پر پابندی کی فکر سوار ہوجاتی ہے۔

شعبان کا مہینہ، دراصل رمضان کی تیاری کا مہینہ ہے، رمضان المبارک کا مہینہ گزرنے کے بعد ایک لمبا اور طویل عرصہ درمیان میں آ جانے کی وجہ سے، رمضان کے روزوں سے پیدا شدہ تقوے اور طہارت اور ایمان کی حرارت میں جو کمی آ جاتی ہے، شعبان کا مہینہ اس تقوے اور حرارت میں حرکت پیدا کرنے کا زمانہ ہے، جس طرح لمبے وقت سے فارغ کھڑی ہوئی گاڑی کو چلانے سے پہلے اسٹارٹ کر کے کچھ دیر گرم کرنے، اور انجن کو حرارت پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اس حرارت کے بعد گاڑی کا مطلوبہ رفتار سے چلنا آسان ہو اور یک لخت انجن پر زور اور دباؤ پڑنے کی وجہ سے پیش آنے والے نقصان اور سفر کی مشکلات سے بچنے کا انتظام، اور انجن میں تحمل و برداشت کی قوت پیدا ہو، اسی طرح شعبان کا مہینہ رمضان المبارک کی نیکیوں اور تقوے وطہارت کے تحمل کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے کا عبوری زمانہ ہے، جو شخص شعبان کے مہینے میں عملِ صالح پر مواظبت اور بدعملیوں سے اجتناب کر کے ایمانی اسٹیم اپنی روح و بدن کو بہم پہنچا کر سرگرم و فعّال ہوجاتا ہے، اس کو رمضان المبارک میں نیکی وتقوے کے بلند درجات کا سفر کرنے میں مشکلات پیش نہیں آتیں، اور اس کے برعکس جو شخص اس مہینے میں رمضان کی تیاری نہیں کرتا، اور گناہوں میں مبتلا رہتا ہے، اس کے حق میں یک لخت رمضان کا مہینہ شروع ہوجانے سے مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ زندگی کے قیمتی لمحات کو غنیمت شمار کرتے ہوئے، رمضان المبارک کے لیے پہلے سے تیاریاں شروع کردیں۔

اس سلسلے میں چند اصولی ہدایات پر اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، عمل کرنے سے فائدہ کی امید ہے، جن کا مختصر انداز میں ذکر کیا جاتا ہے۔

رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی اس کے استقبال اور طلب کے لیے دل سے آمادہ ہوجایے اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ اس کے انتظار میں لگ جایے، اور رمضان

المبارک و روزوں کے احکام کا علم حاصل کرنے اور پہلے علم میں تازگی پیدا کرنے کے لیے مطالعہ اور مستند اہلِ علم حضرات سے زبانی معلومات کا اہتمام کیجیے۔

رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی اس نعمت کے حاصل ہونے اور اس کی صحیح قدر و قیمت بجالانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔

اپنے تمام گناہوں سے سچی توبہ کیجیے اور سچی توبہ کے لیے تین باتوں کا لحاظ کیجیے۔

ایک تو یہ کہ گزرے ہوئے گناہوں پر افسوس اور شرمندگی دل میں ہو، اور ساتھ ہی جن چیزوں کی قضاء ضروری ہے، خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں (جیسے قضاء نمازیں، روزے، زکاۃ، حج، قربانی، صدقۂ فطر، قسم کا کفارہ جائز منت وغیرہ) ان کو حسبِ قدرت ادا کیجیے، اور خواہ بندوں کے حقوق ہوں (جیسے قرض و دَین، میراث، کسی بھی قسم کا دوسرے کا جانی و مالی نقصان اور ایذاء رسانی وغیرہ) ان کو ممکنہ حد تک ادا کرنے کی کوشش کیجیے، یا حق دار سے معافی حاصل کیجیے، دوسری یہ کہ توبہ کرتے وقت ان گناہوں کو چھوڑ دیجیے، اور ان سے الگ ہوجایے، تیسری یہ کہ توبہ کرنے کے وقت آئندہ کے لیے ان گناہوں کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیجیے۔

اگر خدانخواستہ نماز کی پابندی نہیں، تو پانچوں وقت نماز کی پابندی کا اہتمام کیجیے۔

ہر قسم کی بدعات و رسومات وغیرہ سے بچنے کی فکر کیجیے۔

دنیاوی مشاغل اور مصروفیات کو کم کرنے کی کوشش کیجیے، تاکہ رمضان کے سیزن میں زیادہ سے زیادہ وقت لگا کر آخرت کی خوب کمائی کی جاسکے۔

ہوسکے تو شعبان کے مہینے میں اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نفلی روزے بھی رکھیے، مگر 29 یا 30 شعبان کو روزہ رکھنے سے پرہیز کیجیے، اس سے پہلے پہلے جتنے اور جب چاہیں نفل روزے رکھ سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کی وجہ سے رمضان کے فرض روزوں کے رکھنے میں کمزوری نہ پیدا ہو۔

اگر گزشتہ رمضان کے کچھ روزے ذمے میں قضاء ہوں، اور ابھی تک ادا نہ کیے ہوں، تو ان کو

ادا کرنے کی بھی کوشش کیجیے، اگر پہلے سے تلاوت کا معمول نہیں، تو قرآن مجید کی تلاوت کا معمول بنالیجئے، اور اگر پہلے سے معمول ہے، تو اس میں کچھ اضافہ کرلیجیے۔

زبان، آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کی گناہوں سے حفاظت فرمائیے۔

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہونے کے لیے 29 شعبان ہی کی شام کو رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام وکوشش کیجیے، کیونکہ یہ بھی عبادت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ رمضان المبارک کا چاند نظر بھی آجائے، اور ہمیں خبر ہی نہ ہو، اور اس طرح غافل لوگوں میں شمار نہ ہوجائیں، رمضان المبارک کے چاند کے متعلق جمہور مسلمانوں کی رفاقت اختیار کیجیے، اور اگر مسلمانوں کا ملک ہے، تو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیجیے۔

جب رمضان المبارک کا چاند نظر آجائے، یا چاند نظر آنے کا فیصلہ ہوجائے، تو سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوگیا ہے، اور انتظار کی گھڑیاں ختم ہوچکی ہیں، اس پر جتنا بھی ہوسکے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے، اور اس مہینے کی قدر کرنے کی توفیق حاصل ہونے کی رب تعالیٰ کے حضور دعاء کیجیے۔

اور یاد رکھئے! کہ رمضان المبارک کا مہینہ چاند نظر آنے پر رات ہی سے شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا 29 شعبان کو ہی آپ کی رمضان المبارک کے لیے بھرپور تیاری ہوجانا چاہیے۔

پہلے سے تراویح اور قرآن مجید صحیح سنانے والے مناسب امام کی اقتداء میں تراویح میں قرآن سننے کا انتظام کیجیے، جو حافظ نمازِ تراویح اور قرآن مجید بہت تیز پڑھتے ہیں، اور نماز وقرأت کے اصولوں کا لحاظ نہیں کرتے، اور انھیں مسائل کی بھی واقفیت نہیں ہوتی، یا ان کی وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہوتی، ان سے احتراز رکھنے میں ہی سلامتی وعافیت ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان/1425ہجری اکتوبر/2004ء، جلد 1 شمارہ 9)

(10)

رمضان کی آمد کے بعد کیا کریں؟

رمضان المبارک کی قیمتی گھڑیاں اور بابرکت ساعتیں شروع ہو چکی ہیں، اور تیزی سے گزرتی جارہی ہیں، جو مہینہ گیارہ مہینوں کے طویل اور لمبے عرصے کے بعد نصیب ہوا تھا، اب وہ شروع ہو کر اختتامی سفر کی طرف رواں دواں ہے، خوش نصیب، نیک بخت اور سعادت مند خواتین وحضرات تو اس مہینے کی قدر و قیمت کو جانتے پہنچانتے ہیں، مگر غافل لوگوں کو یہ مہینہ کھانے پینے کے معمولات آگے پیچھے ہو جانے سے زیادہ اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

صرف تین عشروں پر مشتمل یہ مہینہ کتنی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ گزر جاتا ہے۔

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ اس لیے آتا ہے کہ سال کے گیارہ مہینے انسان اپنی مادی مصروفیات میں اتنا منہمک رہتا ہے کہ وہی مصروفیات اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں، اور اس کے دل پر روحانی اعمال سے غفلت کے پردے پڑنے لگتے ہیں، عام دنوں کا حال یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے کی مصروفیات میں خالص عبادتوں کا حصہ عموماً بہت کم ہوتا ہے، اور اس طرح انسان اپنے روحانی سفر میں جسمانی سفر کی بہ نسبت بہت پیچھے رہ جاتا ہے، شریعت کی طرف سے رمضان کے مہینہ میں رات اور دن کا ایک جامع پروگرام روزے اور تراویح وغیرہ کی شکل میں تشکیل دے کر، مادّی مصروفیات کی جگہ روحانی مصروفیات کو مقرر کر دیا گیا، اس طرح رمضان کا مہینہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس مبارک مہینے میں ہر مسلمان جسمانی غذا کی مقدار کم کر کے روحانی غذا میں اضافہ کرے، اور اپنے جسمانی سفر کی رفتار ذرا دھیمی کر کے روحانی سفر کی رفتار بڑھا دے۔

رمضان، صرف سحری اور افطاری کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک تربیتی کورس ہے، جس سے ہر سال مسلمانوں کو گزارا جاتا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ

مضبوط ہو، اسے ہر معاملے میں اللہ سے رجوع کرنے کی عادت پڑے، وہ ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے اپنے بُرے اخلاق کو کچلے اور اعلیٰ اوصاف واخلاق اپنے اندر پیدا کرے، اس کے اندر نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے پرہیز کا جذبہ بیدار ہو، اس کے دل میں اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر کی شمع روشن ہو، جو اسے رات کی تاریکی اور جنگل کے ویرانے میں بھی غلط کاریوں سے محفوظ رکھے، اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے اور قرآنِ کریم نے اسی کو روزوں کا اصل مقصد قرار دیا ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ نفس کی ریاضت اور باطن کے تزکیہ وصفائی کا مہینہ ہے، یہ انسان کو طاعت وعبادت کا خوگر بنانے ،اور اس کے دل ونفس کو چمکا دینے کا تربیتی نظام ہے، اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹائیں برستی ہیں، ہدایت ومغفرت کے فیصلے ہوتے ہیں ، اور جسم وجان سے گناہوں کا میل مٹتا ہے ، اس مبارک مہینے کی خصوصیت یہ ہے کہ عبادت وبندگی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے، اور گناہوں ونافرمانیوں سے قدم رُکنے لگتے ہیں، اجروثواب کے خزانے لُٹتے ہیں، اور روزے کے ثواب کو تو ہر طرح کے پیمانے سے بالاتر قرار دیا گیا ہے کہ ''ابنِ آدم کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک کر دیا جاتا ہے سوائے، روزے کے (اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ [1]

اعتکاف تو اس مبارک مہینے کا بہت پُر کیف عمل ہے کہ رب کا بندہ مسجد میں ڈیرے ڈال کر اس کی چوکھٹ تھام کر بیٹھ جاتا ہے کہ یہاں سے کچھ لے کر ہی جاؤں گا۔

یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کے شب وروز اور اس کی مقدس گھڑیاں دعا کی قبولیت کے لیے خاص

---

[1] عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال " :يقول الله عز وجل :الصوم لي وأنا أجزي به، يدع شهوته وأكله وشربه من أجلي، والصوم جنة، وللصائم فرحتان : فرحة حين يفطر، وفرحة حين يلقى ربه، ولخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسک (بخاری، رقم الحديث ۷۴۹۲)

اہمیت رکھتی ہیں، گویا کہ رمضان المبارک کا مہینہ انوار و برکات کا مجموعہ ہے، اسی وجہ سے تجربہ کاروں کے نزدیک یہ مہینہ تزکیۂ نفس اور اصلاح کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا ہے، کیونکہ اس مہینہ میں کم کھانا پینا، کم سونا، کم ملنا جلنا اور کم بولنا چالنا پر آسانی عمل ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی خیر و برکت کا مہینہ ہے، اور آخرت کی کمائی کا بہت بڑا سیزن ہے، جیسا کہ ہر چیز کا ایک سیزن ہوتا ہے، اور اس سیزن میں خوب کمائی ہوتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کی کمائی کے لیے مختلف مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں، ان میں سے ایک اہم اور عظیم موقع بلکہ نعمت رمضان المبارک کا مہینہ ہے، اور دراصل یہ پورے سال کے لیے ایک تربیتی کورس کی اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا حتی الامکان اس مبارک مہینے کی کوئی ساعت، کوئی لمحہ اور کوئی منٹ خالی اور ضائع نہیں جانا چاہیے۔

لیکن ہم لوگوں کی حالت اور مزاج کچھ ایسا بن گیا ہے کہ جہاں کسی عبادت کا موقع حاصل ہوتا ہے اور آخرت کی کمائی کا سیزن سامنے آتا ہے، تو فوراً دنیا کمانے کی سوجھ آتی ہے۔

رمضان کا مہینہ ہو یا عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا موقعہ، یا حج و عمرہ کی عبادت کا زمانہ جو کہ آخرت کی کمائی اور آخرت کی تجارت کے بہترین اور عمدہ مواقع ہوتے ہیں، ہم ان مقدس اور بابرکت زمانوں کو بھی آخرت کے بجائے دنیا کی کمائی اور دنیا کی تجارت کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، اور تعجب و افسوس تو یہ ہے کہ ان موقعوں پر دنیا کمانے کے لیے حرام سے بھی نہیں چوکتے۔

رمضان المبارک کو بھی بہت سے لوگوں نے دنیا کمانے اور دنیا کی تجارت کا زمانہ سمجھ لیا ہے، یہ لوگ آخرت کی کمائی سے زیادہ اس مہینے میں دنیا کمانے کی فکر کرتے ہیں۔

رمضان المبارک کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کرنے والوں کو ہم آسانی کے لیے تین حصوں اور تین طبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا طبقہ ان لوگوں (خواتین وحضرات) پر مشتمل ہے، جو رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی اس مہینہ کی سعادتوں اور برکتوں کے حاصل کرنے کے لیے سنجیدہ اور محتاط ہوتے ہیں،

اور رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوجانے کے بعد اس پورے مہینے میں وہ اعمالِ صالحہ کے انجام دینے ،اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام فرماتے ہیں ، وہ رمضان المبارک کے کسی عشرہ اور کسی حصہ کے ساتھ اجنبی اور سوتیلے پن کا برتاؤ نہیں کرتے ، ان کے حق میں رمضان المبارک کے مہینے کا آغاز، اختتام اور درمیانی حصہ رحمتوں اور برکتوں سے پُر ہوتا ہے،اور یہ رمضان المبارک کے کسی حصے میں بھی کوتاہی اور لغزش کا مظاہرہ نہیں کرتے ،ان کے حق میں نفس کی طرف سے ٹال ،مٹول اور لیت ولعل کا کوئی حربہ کامیاب نہیں ہوتا، یہ طبقہ وہ ہے جو رمضان المبارک کی آمد کا 29 شعبان ہی کو منتظر رہتا ہے، اور اختتام کے وقت بھی رمضان کے تیس دن مکمل ہونے کے لیے ذہنی طور پر تیار نظر آتا ہے، بلکہ ان حضرات کے رمضان المبارک کا اختتام اس کے آغاز سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں (خواتین وحضرات) پر مشتمل ہے، جو رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے کے بعد جذباتی انداز سے پورے جوش وخروش کے ساتھ میدان میں اترتے ہیں ، اور رمضان کے ابتدائی اور شروع والے حصہ میں وہ بڑے اللہ والے،اور گویا کہ فرشتے محسوس ہوتے ہیں، مساجد میں نمازیوں کا اتنا ہجوم نظر آتا ہے، جیسا کہ عموماً جمعہ وغیرہ کی نماز میں ہوتا ہے، لیکن ہفتہ عشرہ بعد ہی یہ لوگ اپنی پرانی حالت پر لوٹ آتے ہیں، اور آہستہ آہستہ نماز، ذکر، تسبیح ، تلاوت وغیرہ میں کمی آتی چلی جاتی ہے، اور بالآخر رمضان المبارک کا اختتام، اس کے آغاز سے بالکل ہی مختلف ہوتا ہے، ان لوگوں پر ان برساتی مینڈکوں کی مثال صادق آتی ہے، جو چند دن کے بعد خاموش ہوجاتے ہیں، جذباتیت اور کسی بھی چیز پر اندھے گھوڑوں کی طرح الٹا سیدھا گرنا ، ہماری قوم کا مجموعی مزاج بنتا جارہا ہے، جس کا آغاز تو برق رفتاری اور طوفانی انداز میں ہوتا ہے، مگر اختتام ریت کے ذرات اور ڈھیر کی طرح۔

چاہیے تو یہ تھا کہ رمضان المبارک کے ایام واوقات جس رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہوتے ، اسی رفتار کے ساتھ دینی حالت میں بھی ترقی ہوتی ، رمضان کے مہینے کے آخر میں جو

انعام واکرام ملنے کا وعدہ ہے اس وقت عبادت کا زیادہ اہتمام ہونا چاہیے تھا، کیونکہ انعام حاصل کرنے کے وقت دربار اور انعامی تقریب میں حاضری بہت ضروری ہے، مگر ان لوگوں کی غفلت اور محرومی کہ رمضان المبارک کا اختتام غیر رمضان سے بھی زیادہ غفلت کی حالت میں ہوتا ہے، چنانچہ ان لوگوں کے رمضان المبارک کا آخری عشرہ (جو کہ بہت ہی اہم اور لیلۃ القدر واعتکاف وغیرہ جیسی عظیم عبادتوں وسعادتوں کا زمانہ ہے) عام طور پر بازاروں میں گھومنے پھرنے اور کاروبار میں مصروف ہو کر ختم ہو جاتا ہے، بہت سے کاروباری حضرات تو آخری عشرہ میں نمازیں بے دھڑک ضائع کرتے ہیں، تراویح بھی غائب ہو جاتی ہے، اور کاروبار میں منہمک ہو کر پوری پوری رات جاگتے ہیں، اور پھر سونے سے پہلے ہی سحری کھا کر سو جاتے ہیں، اور صبح کی نماز قضاء کر دیتے ہیں، دن کے اکثر حصے میں سوتے اور رات کو دنیا کی خاطر جاگ کر عبادت والی مبارک راتوں کی سعادتوں اور برکتوں سے اپنے اپ کو محروم کر لیتے ہیں۔

تیسرا طبقہ ان لوگوں (خواتین وحضرات) پر مشتمل ہے، جن کے کانوں پر رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے کے بعد بھی جوں تک نہیں رینگتی، اور ان کی زندگی میں رمضان غیر رمضان کے زمانے میں کوئی واضح اور غیر معمولی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی، رمضان کے مہینے میں سرکش شیاطین کے قید ہونے کے باوجود بھی ان لوگوں کو اپنے حالات کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

ان تین طبقات میں سے پہلے اور تیسرے طبقے کی تعداد تو کچھ کم ہے، اور درمیانی طبقے کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان میں جس طبقے کی حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے اور اسے رمضان المبارک کی قدر کرنے والا قرار دیا جا سکتا ہے، وہ پہلا طبقہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو پہلے طبقے میں شامل فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ" رمضان/1425ہجری نومبر/2004ء جلد1 شمارہ10)

(11)

رمضانُ المبارک کے بعد کیا کریں؟

رمضانُ المبارک کی مبارک ساعتیں اپنی بہار، دکھا کر رخصت ہوچکی ہیں، اور عیدالفطر کا اسلامی تہوار بھی اختتام پذیر ہو چکا ہے، رمضانُ المبارک میں اللہ تعالیٰ نے جن نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائی اور جن گناہوں سے بچنے کی سعادت مرحمت فرمائی، ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے، اور زندگی میں بار بار اس نعمت کے حصول کی دعاء کرنی چاہیے۔

رمضانُ المبارک کے مہینے کا تعلق آنے والے سال کے گیارہ مہینوں سے وابستہ کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم پر روزے اس لیے فرض کیے گئے ہیں:

" لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ "

''تا کہ تم متقی بن جاؤ اور تمھارے اندر تقوے کی صفت پیدا ہو جائے''

ظاہر ہے کہ تقویٰ ایک ایسا عمل ہے، جو انسان کو حاصل ہو جائے، تو اس کے ذریعہ ہر نیک کام کا کرنا آسان اور ہر گناہ سے بچنا سہل ہو جاتا ہے۔

تقویٰ حاصل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان صرف رمضان کے مہینے میں متقی بن جائے، اور اس مہینے کے ختم ہوتے ہی پھر اپنی اصلی گناہوں اور نافرمانیوں والی حالت پر لوٹ آئے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے بعد بھی متقی رہے۔

جب ماہِ رمضان کے روزے تقوے کی صفت حاصل کرنے کے لیے فرض کیے گئے ہیں، تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے کہ انسان کے اندر رمضان المبارک کا تقوے والا کورس مکمل کرنے کے بعد ایسی تبدیلی آئے، جو اِس کو آنے والے اگلے ماہِ رمضان تک کے لیے کار آمد ہو، اور اس کی حالت کسی نہ کسی درجہ میں تبدیل ہو جائے۔

لہٰذا رمضانُ المبارک کے بعد ہمیں جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے اندر کس درجہ کی

تقوے کی صفت پیدا ہوئی اور ہماری حالت میں کیا تبدیلی واقع ہوئی۔

رمضانُ المبارک میں الحمدللہ تعالیٰ اکثر مسلمانوں کو نیک اعمال، مثلاً نماز باجماعت پڑھنے، تلاوت کرنے، اور دوسرے فرائض واجبات ادا کرنے اور گناہوں سے کافی حد تک بچنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

رمضان کا مہینہ گزرنے کے بعد خاص طور پر شوال کے مہینے میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ رمضان کے ان اعمال کی برکات کو باقی و جاری رکھا جائے، اللہ تعالیٰ نے جو فرائض وواجبات انسانوں کے ذمہ عاید کیے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ جن کا کرنا انتہائی مشکل ہو، اور انسان ان کو ادا نہ کرسکے، اگر ایسا ہوتا، تو اللہ تعالیٰ فرض ہی کیوں فرماتا۔

لہٰذا جتنے بھی شرعی احکام واعمال ہیں، وہ سب بندے کے اختیار میں ہیں اور یہ اختیار رمضان کے بعد بھی برقرار رہتا ہے، اگر بندہ اپنے اختیار کو استعمال کرے، تو رمضان کے بعد بھی ان پر عمل درآمد کرسکتا ہے، اور رمضان کے مہینہ میں جو نیک اعمال کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کا تھوڑا سا مزاج بنا ہے، اور رمضان میں جو کچھ مجاہدہ کیا ہے، رمضان کے بعد اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ رمضان گزرتے ہی شوال کا چاند نظر آنے پر شریعت کے احکام سے ایسا رُخ موڑتے ہیں کہ اگلے رمضان تک پھر نام ہی نہیں لیتے، قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ بھی بعض لوگ یہی سلوک کرتے ہیں کہ رمضان کے بعد قرآن مجید کو جو اٹھا کر رکھتے ہیں، تو پورے سال اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

بہت سے معتکفین کا بھی یہی حال ہے کہ اعتکاف کے دنوں میں تو بہت اللہ والے اور ولی اللہ محسوس ہوتے ہیں اور فرائض، واجبات کے علاوہ سنن اور نوافل (تہجد، اشراق، اوابین وغیرہ) تک کا اہتمام فرماتے ہیں، لیکن شوال کا چاند نظر آتے ہی مسجد سے ایسے غائب ہوتے ہیں کہ پورے سال نظر ہی نہیں آتے، جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید ہجرت کر کے

دور دراز تشریف لے گئے ہیں، ان لوگوں کو اپنے اعتکاف پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے کہ جو اعتکاف غیر اللہ سے تعلق توڑ کر اللہ سے تعلق جوڑنے کے لیے تھا، اس کا اتنا بھی اثر ظاہر نہ ہوا کہ اس سے فارغ ہو کر فرض نماز ہی کی توفیق ہو جاتی۔

نیک اعمال کا ثواب بے شک رمضان المبارک میں بڑھا دیا جاتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ رمضان کے علاوہ نیک اعمال کرنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ شریعت کے اکثر احکام ایسے ہیں، جو رمضان اور غیر رمضان دونوں حالتوں میں بندوں پر عاید ہوتے ہیں۔

لہٰذا رمضانُ المبارک کے اعمال کو آنے والے گیارہ مہینوں کا توشہ اور ذخیرہ سمجھنا چاہیے اور اس توشہ اور ذخیرہ کا اثر گیارہ مہینوں میں ظاہر ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں رمضان المبارک کے اعمال کو گیارہ مہینوں کے لیے ذخیرہ اور گیارہ مہینوں کے لیے کارآمد بنائے۔ آمین۔

محمد رضوان

16/شوال المکرّم 1425 ہجری۔ 29/نومبر/2004 عیسوی، بروز پیر

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شوال/1425 ہجری دسمبر/2004ء، جلد1 شمارہ11)

(12)

حج کا پیغام اُمّتِ مُسلِمہ کے نام

ماہِ ذی الحجہ میں ہر سال لاکھوں مسلمان دنیا بھر سے جمع ہوکر اسلام کا ایک اہم اجتماعی و آفاقی فریضہ حج بیتُ اللہ ادا کرتے ہیں۔

''حج'' اسلام کا اہم فریضہ اور اسلام کے ان بنیادی ارکان میں سے ہے، جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

حج کا فریضہ اسلام کے قطعی احکام میں سے ہے، جس کا منکر اسلام سے خارج ہے، حج اسلام کا تکمیلی اور آخری رکن ہے، جس طرح یہ نزول کے اعتبار سے آخری رکن ہے، اسی طرح اس میں انسان کی اصلاح اور اس کی ترقی کے اعتبار سے بھی کمال پایا جاتا ہے۔

حج کا اجتماع دنیا بھر میں منعقد ہونے والے اجتماعات سے بڑا اجتماع شمار ہوتا ہے، اور شاید اس اعتبار سے بھی یہ تمام اجتماعات میں امتیازی شان کا حامل ہے کہ جس میں دنیا کے ہر خطہ کے افراد شرکت کرتے ہیں۔

حج کا عظیم الشان اجتماع، عالمِ اسلام کے تمام مسلمانوں اور خاص طور پر صاحبِ بصیرت حضرات کے لیے اپنے اندر بہت بڑی عبرت وبصیرت کا سامان لیے ہوئے ہے، جو نہ صرف ایک مسلمان کی انفرادی اور اس کی ذاتی زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے مفید و موثر ہے، بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے اجتماعی اور مجموعی حالات پر بھی اثر انداز ہونے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے، بشرطیکہ اس سے عبرت وبصیرت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اتحاد و اتفاق اور عدل و مساوات کا پیغام

حج کا عظیم الشان اجتماع پوری دنیا کے مسلمانوں کو متحد و متفق ہونے کی دعوت اور پیغام دیتا

ہے، خواہ دنیا کے کسی بھی ملک اور کسی بھی کونے سے تعلق رکھتے ہوں، اور وہ کالے ہوں یا گورے، امیر ہوں، یا غریب، ہندوستانی ہوں یا پاکستانی، عربی ہوں یا عجمی، سید ہوں یا شیخ، دنیا کے کسی بھی حصے اور کسی بھی ذات ونسل سے تعلق ہو، حج دراصل سب مسلمانوں کو ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

احرام، امیر وغریب، کالے، گورے، بڑے چھوٹے سب کے لیے یکساں مقرر کیا گیا ہے، خواہ کوئی شلوار قمیض پہنتا ہو، یا جبہ قبہ، اور خواہ پینٹ کوٹ پہنتا ہو یا کرتہ پاجامہ، سب کو ایک ہی قسم کے لباس کا پابند کر دیا گیا، تاکہ مسلمانوں کے آپس میں یگانگی، یکسانیت، یک رنگی اور عدل ومساوات کا رشتہ قائم ہو، اور ایک دوسرے پر بے جا فخر وتفاخر اور عصبیت ولسانیت کا خاتمہ ہو۔

اور دنیا جہان کے چھوٹے بڑے، امیر غریب، کالے گورے، جوان وبوڑھے، عربی وعجمی، شہری ودیہاتی، ہر ایک مومن کے درمیان باہمی اخوت وبھائی چارگی کا رشتہ قائم ہو۔

آج دنیا بھر کے مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام نے باہم دست وگریباں کیا ہوا ہے، جگہ جگہ رنگ ونسل، ذات پات اور لسانیت وقومیت کو ہوا دے کر مسلم قوت کو پاش پاش کیا ہوا ہے، اس وقت مسلم قوم دنیا کی تمام اقوام کے مقابلے میں اکثریت میں ہو کر بھی اقلیت کے حقوق سے محروم ہے، اور بعض مقامات پر جانوروں اور حیوانوں سے بدتر سلوک مسلم قوم کے ساتھ ہو رہا ہے۔

حج کا عمل دنیا بھر کے مسلمانوں کو بیت اللہ، مدینہ منورہ، منٰی، عرفات، مزدلفہ اور احرام کی طرح ایک مرکز پر جمع ہونے، اور آپس میں عدل ومساوات کا درس وپیغام دیتا ہے، حج کا یہ اجتماع جس طرح عظیم الشان ہے، اسی طرح اس کا یہ پیغام بھی بہت عظیم الشان ہے۔

لہٰذا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کھلے دل کے ساتھ اس کو قبول کرنا اور اس پر لبیک کہنا چاہیے۔

محبتِ الٰہی کا پیغام

اسلام کے تمام احکام کی بنیاد اللہ سے محبت پر قائم ہے گویا کہ تمام احکام کو انجام دینے اور بجالانے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار ہوتا ہے، مگر ''حج'' ایسا حکم اور ایسی عبادت ہے، جس میں محبت کے اظہار کی اعلیٰ اور انتہائی درجہ کی شان پائی جاتی ہے جس کو ہم ''اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ'' یعنی اللہ کی شدید محبت سے تعبیر کر سکتے ہیں، محبت کی اس انتہائی حالت اور درجے پر پہنچ کر انسان کو نہ اپنی زیب وزینت کی پرواہ رہتی ہے، اور نہ لباس و پوشاک کی، بس وہ اپنے محبوب کی تلاش و جستجو اور اس کی طلب وحصول میں سرگرداں و پریشان پھرتا ہے، حاجی کی شان بھی اسی طرح کی ہوتی ہے کہ وہ ہر قسم کی زیب وزینت کو چھوڑ کر، عمدہ اور مزین لباس ترک کر کے اللہ کی محبت میں سرگرداں نکل پڑتا ہے۔

سِلے ہوئے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نُما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، بلکہ جسم کے کسی حصے کے بھی بال نہ کاٹنا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، جسم سے میل کچیل صاف نہ کرنا، بلکہ جوں تک نہ مارنا، کسی جانور کا شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، پکار پکار کر لبیک کہتے پھرنا، بیت اللہ کے گرد مستانہ وار چکر کاٹنا، حجرِ اسود کو چومنا، بیت اللہ کے در و دیوار سے چمٹنا اور آہ وزاری کرنا، صفا ومروہ کے چکر لگانا، پھر مکہ شہر سے نکل کر منیٰ، کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں اور میدانوں میں جا پڑنا، تپتی ہوئی دھوپ اور گرمی میں پھرنا، جمرات پر بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے اونچے مقام پر فائز لوگوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حج کے کاموں میں محبوبانہ شان پائی جاتی ہے، لہٰذا حج کا ایک اہم پیغام یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے ہی اعلیٰ درجے کی حقیقی محبت کا رشتہ قائم کیا جائے، اور مال وزر کی بے جا محبت دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت اپنے دلوں میں پیدا کی جائے۔

جاہ ومال کی بے جا محبت دل سے نکالنے کا پیغام

حج جانی ومالی عبادت ہے، اس میں جان کو بھی استعمال کرنا پڑتا ہے اور مال کو بھی۔
حج میں جان کا استعمال بھی اس عنوان کے ساتھ رکھا گیا ہے کہ جس سے تواضع ، انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔
مال کی کثیر مقدار حج کے سفر میں خرچ ہوتی ہے، اور مال وجاہ کی بے جا محبت ہی بہت سی برائیوں اور فتنے وفسادات کی جڑ ہے، اور اسی مال وجاہ کی بدولت آج مسلمان ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں، کہیں عہدوں اور منصبوں کی خاطر لڑائی اور قتل وغارت گری ہے، تو کہیں مال کی خاطر۔
حج کا اجتماع اور حج کا سفر انسان کو اپنے دل اور دماغ سے مال وجاہ کی بے جا محبت نکالنے کی دعوت دیتا ہے۔

تکلف ونمائش سے اجتناب کا پیغام

حج کے اعمال میں انسان کو عملی طور پر سادگی اختیار کرنے اور تکلّفات، تکبر، نمود ونمائش چھوڑنے کا سبق دیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے حج کے سارے ارکان واعمال، تکبر وبڑائی کے دشمن اور ان کو ختم کرنے والے ہیں۔
آج مسلمانوں کے تکلفات اور نمود ونمائش میں پڑ جانے اور اُن میں فخر وتفاخر اور دکھلاوا اور ریاکاری عام ہوجانے کی وجہ سے قیمتی زندگی اور مال کی اضاعت ہورہی ہے ، ہر ایک دوسرے کے مقابلے میں ناک اونچی کرنے کے لیے فکر مند ہے۔
حج کا عمل تمام مسلمانوں کو تکلفات وتصنعات اور ریاکاری میں پڑنے سے اجتناب کرنے اور سادگی اختیار کرنے کا بھی پیغام دیتا ہے۔

شرک سے برأت کا پیغام

حج کرنے والا اپنی زبان سے یہ صدا بلند کرتا ہے کہ:

”لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَوَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ“

”یعنی میں آپ کے در پر حاضر ہوں، اے میرے رب میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر قسم کی تعریفیں اور نعمتیں آپ ہی کے لیے خاص اور آپ ہی کے لائق وزیبا ہیں، اور بلا شبہ حکومت وملکیت بھی ہر چیز پر آپ ہی کی ہے، آپ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں“

کس طرح حاضری کی صدا بلند کی جارہی ہے، توحید کا اعتراف اور شرک سے برأت کا اظہار کیا جارہا ہے، ہر قسم کی تعریفوں، نعمتوں اور حکومتوں کو اللہ کے ساتھ خاص ہونے کا اقرار کیا جارہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کو کفر وشرک سے بری قرار دیا جارہا ہے، جس میں ہر قسم کے شرک وکفر سے برأت کا پیغام ہے۔

لہٰذا حج کا ایک پیغام یہ ہے کہ انسان، شرک وکفر کی تمام انواع واقسام سے مکمل اجتناب کر کے اپنے ایمان اور توحید کو پختہ کرے۔

سفرِ آخرت اور موت کی تیاری کا پیغام

دوست واحباب اور گھر والوں کو چھوڑ کر حج کے سفر پر جانا انسان کو موت کی یاد دلاتا ہے، اور قبر وآخرت کی تیاری کرنے کا پیغام دیتا ہے، احرام کی چادریں کفن کی چادروں کو یاد دلاتی ہیں، اور سواری اور جہاز میں بیٹھنا جنازہ کی چارپائی کو یاد کرنے کی دعوت دیتا ہے، خیموں میں رہنا قبر کی زندگی کی یاددہانی کراتا ہے اور منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے میدان کی طرف چلنا اور وہاں ٹھہرنا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ حشر کی طرف چلنے اور جمع ہونے کو یاد دلاتا ہے،

وہاں کی گرمی اور دھوپ کی تپش قیامت کے دن کی گرمی کو یاد دلاتی ہے، اور ساز و سامان کے بغیر ان مقامات پر رہنا قبر و آخرت میں دنیا کے ساز و سامان کے بغیر پہنچنے کو یاد دلاتا ہے، اور دنیا کی بے جا محبت سے انسان کو اجتناب کی دعوت دیتا ہے۔

یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہو جائیں، اور جم جائیں، تو اس کی زندگی کا رخ بدل جائے، دنیوی زندگی کی عیش و عشرت سے دل اچاٹ ہو جائے۔

اگر ہم حج کے اس پیغام کو قبول کر لیں، تو اس سے بہتر کامیابی اور کوئی نہیں، اور اگر ہم اس پیغام کو ٹھکرا دیں، تو پھر اس سے بڑا نقصان اور خسارہ بھی کوئی نہیں۔

اب ہم جائزہ لے سکتے ہیں کہ حج کرنے اور کر چکنے والوں میں یہ کتنی چیزیں پیدا ہوئیں، یا ہونا متوقع ہیں۔

حج کا دل میں ارادہ رکھنے والوں کو بھی ان چیزوں کی طرف ابھی سے متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان

15 / ذوالقعدۃ / 1425 ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ / 1425 ہجری جنوری / 2005ء جلد 1 شمارہ 12)

(13)

یہ سونامی زلزلے اور طوفان

آج کے دور میں دنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں میں بڑے بڑے زلزلے اور طوفان رُونما ہورہے ہیں، اور انسانوں کے لیے اپنی موت وآخرت کی تیاری کی دعوت دے رہے ہیں۔

26 دسمبر 2004ء بروز اتوار کی صبح بھی روزمرہ کے معمول کی طرح طلوع ہوئی تھی، اور انگریزی رسم کرسمس منائے ہوئے ابھی ایک ہی دن ہوا تھا، بلکہ ابھی اس رسم کے آثار باقی تھے، اور نیوائیر نائٹ یعنی انگریزی سال کے آغاز پر جشن منانے کی تیاریاں عروج پر تھیں، لاکھوں سیاح جشن منانے کے لیے بحرہند کے ساحلی علاقوں میں سیر وتفریح اور ناچ گانوں میں مصروف تھے، غیر مسلموں کے ساتھ کئی مسلمان بھی شراب اور کباب کی محفلیں سجانے میں منہمک تھے، لاکھوں افراد اپنے گھروں میں میٹھی نیند سو رہے تھے، یا پھر کھانے پینے میں مشغول تھے۔

غرضیکہ تمام معمولات روزمرہ کی طرح چل رہے تھے، کسی کو آنے والے حالات کا کچھ پتہ نہیں تھا، صبح تقریباً ساڑھے نو بجے کا وقت تھا، مگر قدرت کی طرف سے اس صبح کے لیے ''سونامی'' زلزلے اور طوفان کا اٹل فیصلہ مقدر ہو چکا تھا، ایک ایسا فیصلہ جس کے سامنے کسی بڑے سے بڑے سائنس دان کا ہنر کام نہیں آسکتا تھا، جس کا مقابلہ کسی ایٹم بم کی طاقت اور میزائل کی قوت سے نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ایسا فیصلہ جس نے ایک وسیع وعریض ساحلی پٹی میں زمین کے نقشے اور جغرافیے کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا، دنیا کے مختلف حصوں کی جغرافیائی حیثیت تبدیل کر دی، اور دنیا بھر کے موسموں میں غیر معمولی تغیر پیدا کر دیا۔

جس نے پوری زمین کو اپنے محور پر ہلا ڈالا، اور منٹوں میں بڑی بڑی تہذیبوں اور عالی شان

بستیوں کے نام ونشان مٹا ڈالے۔ ؎

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

جس کے نمودار ہونے پر، دہریوں نے بھی قدرتی طاقت اور غیبی قوت کا اعتراف کرلیا، جس کی طاقت دس ہزار ایٹم بموں کے لگ بھگ قرار دی گئی اور اس کی رفتار پانچ سو میل فی گھنٹہ تسلیم کی گئی۔

26 دسمبر کے اس حادثۂ فاجعہ اور قیامتِ صغریٰ نے انسانیت کے لیے بے شمار عبرت ونصیحت کے نشان چھوڑے، اور کم از کم ایک مرتبہ انسان کو اس بات کے سوچنے پر مجبور کردیا کہ کوئی غیبی طاقت ایسی ضرور موجود ہے، جو تمام طاقتوں پر غالب اور حاوی ہے اور اس کا دنیا اور کائنات کی کوئی طاقت وقوت مقابلہ نہیں کرسکتی۔

سونامی طوفان جس کے خطرات کو قبل از وقت کوئی مشین محسوس نہیں کرسکی، اور جس سے بڑے بڑے سائنس دان بے خبر تھے، قدرت کی جانب سے قبل از وقت بے زبان اور معصوم جانوروں کو آگاہ کردیا گیا، مگر مجرم وخطاوار انسان پر اچانک ہلّہ بول کر بے شمار انسانوں کو ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت کردیا۔

اس طوفان کے سامنے بڑے بڑے مکانات، عمارتیں اور پلازے، گاڑیاں اور کشتیاں تنکوں اور انسانی لاشیں تڑپتی ہوئی مچھلیوں کی طرح معلوم ہورہی تھیں، مکان اور مکین سب ہی کا نام ونشان مٹ گیا، بلکہ گزرگاہوں کا بھی وجود ختم ہوگیا۔

اطلاعات کے مطابق دنیا کے بڑے بڑے تاریخی طوفانوں اور ہلاکت خیز زلزلوں میں یہ سب سے زیادہ شدید طوفان اور زلزلہ تھا، جس کی شدت 10 کے قریب ریکارڈ کی گئی۔

عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق اس طوفان اور زلزلے کے نتیجے میں جنوبی ایشیا کے چھ ارب ڈالر سے زائد مالیت کا مادی نقصان ہوا ہے، اور انسانی جانوں کا جو ضیاع ہوا، اس کا تو

کوئی بدل ہی نہیں، جو اَب تک کی اطلاعات کے مطابق دو لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔

اس طوفان وزلزلے سے متاثر ہونے والے ممالک میں انڈونیشیا، سری لنکا، بھارت، ملائیشیا، مالدیپ، تھائی لینڈ، بنگلہ دیش اور افریقا کے ممالک صومالیہ اور کینیا شامل ہیں۔

بھارت، سری لنکا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، ملائشیا اور مالدیپ وغیرہ کے متعدد جزیروں کی نوّے فیصدی آبادی تباہ وبرباد ہوگئی، بچ رہنے والے کروڑوں افراد کی خوراک اور پینے کے صاف پانی کا انتظام اور رہائش کا بندوبست دشوار ہوگیا ہے، زندہ بچ جانے والے بہت سے افراد ذہنی یا جسمانی طور پر معذور ہو چکے ہیں۔

اس قیامت خیز زلزلے اور طوفان سے تقریباً پچاس جزیروں کا نام ونشان مٹ گیا، کئی جزیرے سمندر میں فنا ہوگئے۔

سونامی طوفان کے نتیجے میں آنے والی تباہی نے بیش تر نعشوں کے چہرے تک مسخ کر دیے، جن کو ان کے لواحقین نے کپڑوں یا جوتوں وغیرہ کی مدد سے ہی پہچانا، اور بہت سوں کی تو پہچان بھی ممکن نہ ہوسکی، جب کہ لاپتہ افراد کی تعداد الگ ہے۔

مرنے والوں میں بے شمار تعداد ملاّحوں ، سیاحوں ،اور ہنی مون یا پکنک منانے والے جوڑوں اور عام رہائشی تاجر وملازم مرد وعورت، جوان، بوڑھوں اور بچوں، بڑوں سبھی کی ہے، مرنے والے سیاحوں میں فرانس، ناروے، سویڈن، برطانیہ، جرمنی اور آسٹریلیا کے لوگ بھی شامل ہیں۔

بھارت ،انڈونیشیا، تھائی لینڈ، سری لنکا ،بنگلہ دیش اور ملائیشیا کی ساحلی پٹی پر جشن منانے والوں کے سارے منصوبے اور پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے،اس ہولناک حادثے کے نتیجے میں عالمی پیمانے پر ماحولیات میں بڑی تیزی سے غیر معمولی تبدیلی دیکھنے میں آئی،عرب امارات میں پہلی مرتبہ برف باری، اور سندھ میں سردی ہوگئی اور مزید کئی قسم کی تشویش ناک تبدیلیوں کے خدشات ہیں۔

کچھ سائنس دانوں نے اس زلزلے کو دوسو سالوں میں چوتھا بڑا زلزلہ قرار دیا، اور اس کی طاقت کو لاکھوں ایٹم بموں کے برابر بتلایا، اور اس زلزلے کو''میگا تھریٹ'' قرار دیا، جب کہ اس وقت دنیا کی تمام طاقتوں کے پاس ایٹمی توانائی مجموعی طور پر دس ہزار سے پندرہ ہزار میگاواٹ تک ہے، کہا جا رہا ہے کہ 26 دسمبر کے حادثے سے زمین کا سینہ پھٹ گیا، اور چاک ہوگیا ہے، اور ایک ہزار کلومیٹر کی دراڑ پڑ گئی ہے جو کئی سو گز چوڑی ہے۔

سونامی طوفان کی لہروں سے محسوس ہوتا تھا کہ سمندر اپنے غیظ وغضب کی لپیٹ میں لے کر خشکی تری کا فرق مٹا دے گا، اور بحر وبر کو ایک کر کے رکھ دے گا، اس طوفان کے نتیجے میں بحر ہند میں واقع امریکی فوجی اڈے''ڈیگو گارشیا'' کے بھی صفحۂ ہستی سے مٹنے کی اطلاعات ہیں، امریکی وزارتِ خارجہ نے پانچ ہزار فوجیوں کے لاپتہ ہونے کی تصدیق کی ہے۔

گویا کہ اس طوفان نے فرعونِ زمانہ''امریکا'' کو بھی آگاہ کر دیا ہے کہ وہ قدرت کی غیبی طاقت کے مقابلے میں جنگل کا قانون نافذ کرنے اور ظلم وستم کا بازار گرم رکھنے سے باز رہے، کیوں کہ غیبی طاقت کے سامنے اس کی طاقت کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

بھارت کو اب تک کی خبروں کے مطابق سونامی طوفان سے 53 ارب سے زائد کے نقصان کا سامنا ہے، بھارت کے بعض فوجی اڈے بھی صاف ہوگئے، اور ایک ایٹمی پلانٹ بھی تباہ ہوگیا ہے، اور بعض ماہر سائنس دان بھی چل بسے ہیں۔

انڈونیشیا کے مغربی علاقے''سماٹرا'' میں طوفانی لہروں کی رفتار آٹھ ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ ریکارڈ کی گئی، جو 34 فٹ سے بھی زیادہ بلند تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے 7000 کلومیٹر تک پھیل گئیں۔

سونامی جاپانی لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہی لہروں کے پیچھے اونچی لہروں کے ہیں۔

اس زلزلے کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چھ گھنٹے میں طوفانی لہریں چار ہزار کلومیٹر سے زائد کا فاصلہ طے کر کے کینیا اور صومالیہ کے ساحل سے ٹکرا گئیں، اور تباہی

مچادی۔

اُدھر ایک خبر کے مطابق سونامی متاثرین کے لیے امدادی سامان لے کر جانے والا امریکی ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہوگیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ قدرت کی پکڑ جب آتی ہے، تو مددگار اور حامی بھی اس کی نظر ہو جاتے ہیں۔

سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق ہماری یہ زمین 46 ہزار کلومیٹر گہری ہے، زمین کی بیرونی سطح ایک سو کلومیٹر گہری جھلی پر مشتمل ہے، جسے ''Lithosphere'' کہتے ہیں، جب کہ اس سے مزید نیچے سات سو کلومیٹر گہری ایک اور جھلی ہے، اس کو ''Sthenosphere'' کہتے ہیں، دونوں جھلیوں میں بڑی بڑی پلیٹیں ہوتی ہیں، ان پلیٹوں کی حرکت سست ہوتی ہے، مگر ان کی حرکت اوپر نیچے یا آگے پیچھے ہونے اور آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے خشکی میں زلزلے آتے ہیں، اور سمندر میں زلزلے ایک پلیٹ کے دوسری پلیٹ سے دور ہو جانے کے باعث آتے ہیں۔

ماہرین کے مطابق زمین کی مکمل سطح 27 فیصد خشکی اور 73 فیصد پانی پر محیط ہے، جس میں موجود زندہ آتش فشاں اور بارود سے زیادہ طاقت ور گیسز حرکت کرتی رہتی ہیں، ان میں اتار چڑھاؤ کا عمل زمین کے اوپر تباہی کا سبب بنتا ہے، زمین کا اندرونی حصہ گرم پگھلے ہوئے مادے پر مشتمل ہے، جسے ''لاوا'' کہا جاتا ہے، زمین کی سطح سے تقریباً ایک سو میل نیچے کا حصہ نسبتاً نرم ہے، جو ''لاوے'' کے دباؤ اور تناؤ کے نتیجے میں دبتا اور لچکتا ہے، اس سے اوپر کی سطح پر جھٹکے محسوس ہوتے ہیں، آتش فشاں کی صورت میں ''لاوا'' باہر اُبل پڑتا ہے اور زلزلے کی صورت میں وہ لہریں زمین کے اندر ہی اندر دائرے کی شکل میں چاروں طرف پھیلتی، اور اوپر کی طرف چڑھتی ہیں، زلزلے کا مرکز جتنا گہرا ہوتا ہے، اتنا ہی سخت شمار کیا جاتا ہے۔

اقوامِ متحدہ کے موجودہ سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے سونامی طوفان کی تباہیوں کے بارے میں ایک بیان میں کہا ہے کہ ''یہ قدرتی آفات ہیں، ان پر کوئی قابو نہیں پا سکتا، جو کچھ ہوا،

قدرت کی مرضی سے ہوا، اب ہمیں آگے کی جانب دیکھنا اور سوچنا ہوگا‘‘۔

سائنس دانوں کی توجیہات اور فلاسفروں کے خیالی بیانات کچھ بھی ہوں، مگر غور طلب بات یہ ہے کہ ان پلیٹوں کی حرکت کس کے حکم سے وجود میں آتی ہے، اور ان آفات سے کس طرح نبرد آزما ہوا جاسکتا ہے، یہ بات سائنس دانوں کی توجیہات اور عقلی فلسفوں سے حل نہیں ہوتی بلکہ اس ذات پاک کے بتانے سے ہی معلوم ہوسکتی ہے، جس نے اس کرۂ زمین کو وجود بخشا، آیے سائنس دانوں کی محدود توجیہات اور فلاسفروں کے بیانات وخیالات کے بعد زمین کو وجود بخشنے اور پیدا کرنے والی ذات کا فیصلہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے، ارشاد ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (سورة الروم، رقم الآية ۴۱ پ ۲۱)

ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں، تاکہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے (اور) تاکہ وہ باز آجاویں

(سورہ روم)

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زلزلہ آیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اِس زلزلے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے کوئی نیا گناہ کیا ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ پھر ہوا تو میں تمھارے ساتھ یہاں نہیں رہوں گا (ابن ابی الدنیا) [1]

اس سے معلوم ہوا کہ زلزلہ لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے آتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] حدثنا عبد الله قال :حدثنی علی بن محمد بن إبراهيم، قال :أخبرنا أبو مريم، قال :أخبرنا العطار بن خالد الحرمی، قال :أخبرنا محمد بن عبد الملک بن مروان،" أن الأرض زلزلت علی عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم، فوضع يده عليها ثم قال: اسكنی، فإنه لم يأن لک بعد ، ثم التفت إلی أصحابه فقال :إن ربكم يستعتبكم فأعتبوه . ثم زلزلت بالناس فی زمن عمر بن الخطاب فقال :أيها الناس، ما كانت هذه الزلزلة إلا عن شیء أحدثتموه، والذی نفسی بيده لئن عادت لا أساكنكم فيها أبدا(العقوبات لابنِ ابی الدنيا، رقم الحديث ۱۸)

وہ اور ایک اور شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس شخص نے عرض کیا کہ اے اُمُّ المومنین! ہم سے زلزلہ کے متعلق کوئی بات کہیے۔

آپ نے فرمایا جب لوگ زنا کو جائز کام کی طرح کرنے لگیں، اور شرابیں پینے لگیں، اور ڈھولک وسارنگی بجانے لگیں، اُس وقت حق تعالیٰ کو غیرت آتی ہے، اور زمین کو حکم ہوتا ہے کہ ان کو ذرا ہلا ڈال! پھر اگر (ان لوگوں نے) توبہ کرلی اور باز آگئے تو خیر! ورنہ (اس سرکشی کا تقاضا یہ ہے کہ) ان پر عمارتیں گرائی جائیں، اس شخص نے عرض کیا کہ یہ بطورِ عذاب اور سزا کے ہوتا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ ایمان والوں کے لیے نصیحت اور رحمت ہے، اور کافروں کے لیے پکڑ، عذاب اور غضب ہے۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ زلزلہ مسلمانوں کو نصیحت اور تنبیہ کرنے اور نیک لوگوں کے گناہ مُعاف ودرجات بلند کرنے اور غیر مسلموں پر عذاب اور وبال کے طور پر آتا ہے۔

پس اگر مسلمان اس سے عبرت نہ پکڑیں اور گناہوں کو نہ چھوڑیں، اور توبہ نہ کریں، اور اللہ کی پکڑ سے نہ ڈریں، تو دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہت نقصان اور خسارے کی بات ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ (جو کہ اہلِ کتاب کے علماء میں سے بڑے عالم تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایمان سے مشرَّف ہوئے) سے مروی ہے کہ:

زمین کو زلزلہ اُس وقت آتا ہے جب اس میں گناہ زیادہ ہونے لگتے ہیں، زمین

---

[1] حدثنا عبد الله قال :حدثنی محمد بن ناصح، قال :حدثنا بقیة بن الولید، عن یزید بن عبد الله الجهنی، قال :حدثنی أبو العلاء ، عن أنس بن مالک، أنه دخل علی عائشة ورجل معه، فقال لها الرجل :یا أم المؤمنین، حدثینا عن الزلزلة، فقالت " :إذا استباحوا الزنا، وشربوا الخمر، وضربوا بالمغانی، وغار الله عز وجل فی سمائه فقال للأرض: تزلزلی بهم .فإن تابوا ونزعوا، وإلا هدمها علیهم .قال :قلت :یا أم المؤمنین، أعذاب لهم؟ قالت :بل موعظة ورحمة وبرکة للمؤمنین، ونکال وعذاب وسخط علی الکافرین ."قال أنس :ما سمعت حدیثا بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم أنا أشد فرحا منی بهذا الحدیث(العقوبات لابنِ ابی الدنیا، رقم الحدیث ۱۷)

خوف سے تھرّا اُٹھتی ہے کہ حق تعالیٰ ان گناہوں کو دیکھ رہا ہے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس اُمّت میں یقیناً زمین میں دھنس جانے اور آسمان سے پتھر برسنے اور صورتیں مسخ ہوجانے کا عذاب آئے گا، اور یہ اس وقت ہوگا، جب لوگ کثرت سے شراب پئیں گے، اور گانے والی عورتیں رکھیں گے اور گانے بجانے کا سامان استعمال کریں گے۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) مروی ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جب تک دنیا سے علم نہ اُٹھ جائے، اور زلزلوں کی کثرت نہ ہوجائے“۔ [3]

معلوم ہوا کہ قیامت کے قریب لوگوں کی بداعمالیوں کی بدولت جہاں اور فتنے ظاہر ہوں گے، وہاں زلزلوں کی بھی کثرت ہوگی۔

---

[1] حدثنا عبد الله قال :أخبرنا خالد بن خداش، قال :أخبرنا عبد الله بن وهب، عن عمر بن الحارث، عن سعيد بن أبي هلال، عن كعب، قال :إنما تزلزلت الأرض لأنها خلقت على ظهر حوت، فلعل الحوت إن تحرك، أو تعمل عليها المعاصى، فترعد فرقا من الرب تعالى إذ يطلع عليها(العقوبات لابنِ ابى الدنيا، رقم الحديث ۲۱)

[2] حدثنا محمد قال :حدثنا الحسين قال :حدثنا عبد الله، قال :حدثنا أبو عمرو هارون بن عمر القرشى ,قال :حدثنا الخصيب بن كثير ,عن أبى بكر الهذلى ,عن قتادة ,عن أنس ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليكونن فى هذه الأمة خسف وقذف ومسخ وذلك إذا شربوا الخمور ,واتخذوا القينات ,وضربوا بالمعازف(ذم الملاهى لابنِ الدنيا، رقم الحديث ۷)

قال الالبانى:لكن الحديث روى من طرق يشد بعضها بعضا عن جمع من الصحابة وعن غيرهم(سلسلة الاحاديث الصحيحة ، رقم الحديث ۲۲۰۳)

[3] عن أبى هريرة، قال :قال النبى صلى الله عليه وسلم :لا تقوم الساعة حتى يقبض العلم، وتكثر الزلازل، ويتقارب الزمان، وتظهر الفتن، ويكثر الهرج -وهو القتل القتل- حتى يكثر فيكم المال فيفيض(بخارى، رقم الحديث ۱۰۳۶)

پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ سونامی سمندری طوفان کی خطرناک موجوں کا رُخ ہلکی سی تنبیہ، وارننگ اور دستک کے ساتھ دوسری جانب ہوگیا۔

اس تباہ کن زلزلے اور سمندری طوفان کے چار دن بعد جنوب مشرقی ایشیا میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر زلزلے کے مزید پانچ جھٹکے ریکارڈ کیے گئے تھے، جن کی شدت ری ایکٹر پیمانے پر 5.6 یا اس سے زیادہ ریکارڈ کی گئی، بحرِ ہند میں صرف بارہ روز کے اندر اندر کم شدت کے ڈھائی ہزار جھٹکے محسوس کیے جا چکے تھے، سمندر کے اندر بے نام سا تلاطم ابھی تک انگڑائیاں لے رہا ہے، ڈر ہے کہ ناگہانی آفت کا کوئی نیا مرحلہ پرورش نہ پا رہا ہو۔

سائنس دانوں کے تجزیہ کے مطابق زلزلے کے جھٹکے بتدریج شمال کی طرف بڑھ رہے ہیں جس کے باعث شدید تباہ کاریوں کا خدشہ ہے، پاکستان میں بھی حال ہی میں گزشتہ ہفتہ سہ پہر سوا تین بجے بشام، شانگلہ، اور کوہستان میں زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے، جس کے نتیجے میں پہاڑی علاقوں میں کچے مکانات منہدم ہو گئے اور بشام کے بڑے بڑے ہوٹلوں اور عمارتوں میں دراڑیں پڑ گئیں۔

ماہرینِ ارضیات کے مطابق پاکستان کے مختلف علاقوں میں شدید زلزلوں کے آنے کے امکانات پائے جاتے ہیں، ہائیڈروکاربن ڈویلپمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان کے ایک سینئر ماہر ارضیات کی رپورٹ کے مطابق کوہِ سلیمان کوہاٹ، سطح مرتفع پوٹھوہار، سلیمان فولڈ بیلٹ اور بلوچستان کے مختلف علاقے زلزلوں کے زون میں واقع ہیں، جن کی وجہ سے متعلقہ علاقوں میں زلزلے آسکتے ہیں، شمالی علاقہ جات اور ہندوکش سے ملحقہ علاقے بھی زلزلوں کے زون میں واقع ہیں اور ماضی قریب میں آنے والے کم اور درمیانے درجے کے اکثر زلزلوں کا مرکز یہی علاقے تھے، اور سوات، ضلع دیر، چترال، باجوڑ، مالاکنڈ، بونیر اور شانگلہ کے علاقے زلزلوں کے لحاظ سے ہائی رسک ایریاز ”High risk areas“ ہیں، جب کہ اسلام آباد اور راولپنڈی پوٹینشل (Potential) علاقے ہیں، مزید یہ کہ دنیا کے مختلف

علاقوں میں آنے والے اکثر زلزلے 30 سے لے کر 700 کلومیٹر تک کے زمین کی گہرائی سے آتے ہیں، جب کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں آنے والے اکثر زلزلے 30 سے لے کر 35 کلومیٹر تک کی گہرائی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

سونامی طوفان اور زلزلے کے موقع پر پاکستانی قوم بجائے توبہ واستغفار اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے، 2004ء کی رخصتی، اور نئے انگریزی سال 2005ء کی آمد پر خوشیاں منانے، اور غیر اخلاقی محفلوں کے سجانے میں مصروف تھی، ہوائی فائرنگ اور آتش بازی کے بے دریغ استعمال کے ساتھ نئے سال کو مبارکباد کہا جا رہا تھا، لاہور میں ''آرٹ فیسٹیول'' کے نام سے ہلہ گلہ جاری تھا، جب کہ کئی غیر مسلم ملکوں نے نئے سال کی آمد پر بطور سوگ نئے سال کی تقریبات منعقد نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

2004ء کا اختتام زلزلوں اور سمندری طوفان کے ساتھ ہو چکا ہے، بے شمار خرافات کے بعد اب ہماری قوم ہندوؤں کے مذہبی تہوار بسنت کی محفلیں سجانے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

اللہ تعالیٰ سونامی جیسی ناگہانی آفت سے محفوظ رکھے، اور ہماری قوم کو دی گئی وارننگ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1425ہجری فروری/2005ء، جلد 1 شمارہ 13)

(14)

اسلامی سال کا آغاز واختتام اور بسنت

ذوالحجہ کے مہینے کے اختتام پر اسلامی سال کا اختتام ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد محرم کا مہینہ شروع ہونے پر اسلامی سالِ نو کا آغاز ہوتا ہے۔

ہر ملک وملت اور مذہب میں سال کا آغاز خوشیوں کے ساتھ ہوتا ہے، مگر ہماری قوم کا طرزِ عمل سالِ نو کے آغاز پر کچھ زیادہ مختلف اور عجیب وغریب انداز میں ہوتا ہے، اکثر مسلمانوں کو تو اسلامی سال کے آغاز واختتام کا علم ہی نہیں ہوتا کہ کب اسلامی سال شروع ہوا اور کب کو ختم ہو گیا، جب کہ اس کے برعکس عیسائیوں کے سال کے آغاز واختتام کا نہ صرف یہ کہ پہلے سے ہمیں بلکہ ہمارے بچے بچے کو علم ہوتا ہے، اس کا انتظار اور تیاریاں بھی مدتوں پہلے شروع ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے اسلامی سن وماہ اور تاریخوں کا استعمال چھوڑ رکھا ہے، اور اس موقع پر ہم یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ غیروں کے ایجاد کردہ طریقوں کا اسلامی طریقوں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

بعض حوالوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے:

> ''موجودہ سنہ عیسوی دراصل رومی سنہ ہے، جس کے کئی مہینوں کے ناموں کی نسبت مختلف رومی دیویوں اور دیوتاؤں کی طرف ہے۔

چنانچہ:

(1) جنوری: یہ نام ''جانوس'' سے لیا گیا ہے ''جانوس'' ایک دیوتا کا نام ہے، رومی لوگ اس کے آگے پیچھے دو چہرے بناتے تھے، جس سے ان کے گمان میں وہ سامنے اور پیچھے دونوں جانب دیکھتا تھا۔

(2) فروری: یہ نام ''فبروانامی'' ایک دیوی سے لیا گیا ہے، جسے روم کے لوگ

پاکیزہ دیوی کا مقام دیتے ہیں۔

(3) مارچ: یہ نام ''مارس'' سے لیا گیا ہے، جو رومیوں کے نزدیک جنگ کا دیوتا ہے۔

(4) اپریل: یہ نام ''ایپریری'' کے لفظ سے لیا گیا ہے، جس کے معنیٰ رومی میں کسی چیز کے پھوٹنے یا کھلنے کے ہوتے ہیں، اس مہینے کا یہ نام اس مناسبت سے تجویز کیا گیا تھا کہ اس مہینے میں پھول کھلتے ہیں۔

(5) مئی: یہ نام ''میا'' سے لیا گیا ہے، جو افسانوی شیطان اٹلس کی بیٹیوں میں سے ایک کا نام ہے۔

(6) جون: یہ نام ''یونون'' سے لیا گیا ہے، جو دیویوں کے سردار جیوپڑ کی بیوی تھی۔

(7) جولائی: یہ نام ''جولیائی'' کیلنڈر کے بانی جولیس قیصر کی یادگار کے طور پر رکھا گیا۔

(8) اگست: یہ نام رومیوں کے پہلے بادشاہ اور جولیس قیصر کے جانشین اگسٹس کی یادگار کے طور پر رکھا گیا۔

(9) ستمبر: اس کے معنیٰ ہیں ''ساتواں مہینہ'' کیونکہ قدیم تقویم کے مطابق مارچ کو سال کا پہلا مہینہ شمار کیا جاتا تھا۔

(10) اکتوبر: اس کے معنیٰ ہیں ''آٹھواں مہینہ''۔

(11) نومبر: اس کے معنیٰ ہیں ''نواں مہینہ''۔

(12) دسمبر: اس کے معنیٰ ہیں ''دسواں مہینہ'' (ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مادہ months of the year، وتفسیر الجواہر للطنطاوی ج ۵ ص ۱۱۰ طبع دوم ۱۳۵۳ھ)

اس لیے عیسوی مہینوں کا غیر ضروری استعمال کرنے اور جا بجا ان کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ

بنانے سے بچنے، اوران کے مقابلے میں اسلامی مہینوں کے حتی الامکان استعمال کا اہتمام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دنیوی مقاصدوضروریات کے لیے مروجہ عیسوی تاریخوں کا استعمال بھی اگرچہ جائز ہے، لیکن اس کا اتنا رواج ہوجانا کہ اس کے مقابلے میں اسلامی تاریخوں کو بالکل بھلا دیا جائے، یہ کسی طرح سے مناسب نہیں۔

ماہِ محرم اسلامی سال کا پہلا اور مبارک مہینہ ہے، مگراس مہینے کے آغاز پر بجائے خوشی کے بہت سے مسلمانوں کے منہ رنج وغم سے لٹکے ہوئے اورشرم کے مارے جھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور لگتا ہے کہ یہ لوگ کسی اجتماعی سوگ میں مبتلا ہیں، ذرائع ابلاغ پر رونا دھونا شروع ہوجاتا ہے، اور ہر قسم کی موسیقی اور ساز وسُر کی بندش ہوجاتی ہے، جس کی توفیق ماہِ رمضان المبارک میں بھی نہیں ہوتی، اسلامی سال کا استقبال بہت سے لوگ سیاہ لباس پہن کر کرتے ہیں، تو کچھ لوگ ماتم، نوحہ کرکے اور کپڑے پھاڑ پھاڑ کر کرتے ہیں، قوم کے بچہ بچہ کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ ماہِ محرم سے زیادہ رنج وغم کا اور کوئی مہینہ نہیں۔

وطنِ عزیز میں جیسے ہی ماہ محرم سے اسلامی سال شروع ہوتا ہے، تو پورے ملک میں ایک بھونچال سا آ جاتا ہے، ہر عام وخاص کو فکر لاحق ہوجاتی ہے کہ محرم کا مہینہ کس طرح خیر و عافیت کے ساتھ گزرے گا، حکومت اور انتظامیہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوجاتی ہے، محرم کے ابتدائی دس دن خاص طور پر حساس، اور زیادہ نازک شمار کیے جاتے ہیں، کسی بھی ناخوش گوار واقعہ کے پیش آنے سے حفاظت اورامن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے خصوصی کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں، بعض شہروں میں حساس اداروں اورخفیہ ایجنسیوں کی مدد حاصل کرکے مختلف حفاظتی اقدامات کیے جاتے ہیں، پکڑ دھکڑ اور بعض شخصیتوں کے مختلف علاقوں میں داخلے پر پابندی عاید کی جاتی ہے، مساجد اور خاص طور پر امام بارگاہوں کے تحفظ کے لیے خصوصی دستے تعینات کیے جاتے ہیں، فوج اور رینجرز کے دستوں کا غیر معمولی گشت شروع ہوجاتا ہے۔

بظاہر اس کا سبب یہ نظر آتا ہے کہ یہ اہلِ تشیّع ماتمی جلوس نکالتے ہیں، جس میں پاکستان کے جمہور عوام یعنی اہلِ سنت والجماعت کے مذہب ومسلک سے مختلف امور ہوتے ہیں، وہ گلی گلی اور محلّہ محلّہ سے گزرتا ہے، اوراس کو بہت سے اہلُ السنۃ والجماعۃ کے حضرات پسند نہیں کرتے، اورانتشاروافتراق اورنزاع یا کوئی جذباتی حادثہ پیش آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

مگر موجودہ ملکی حالات کے پیشِ نظر اس کا بہتر حل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی مجلسوں کا دائرہ مخصوص مقامات اورامام بارگاہوں وغیرہ تک محدود ہونا چاہیے، اورذرائع ابلاغ پر تنقیدی اور تعزیہ، ماتم وغیرہ کے مخصوص پروگراموں کی کھلی نشرواشاعت سے اجتناب کیا جائے، تو بغیر کسی پریشانی اور جدوجہد کے امن وامان کا مسئلہ بآسانی حل ہوسکتا ہے۔

اس مرتبہ بہت سے لوگوں نے اسلامی سال کے اختتام کو خیرباد اور سالِ نو کی آمد کا استقبال بسنت نامی ہندوانہ تہوار سے کیا ہے، فروری 2005 عیسوی کے بسنت میلے اور جشنِ بہاراں کے جو مناظر سامنے آئے ہیں، انھوں نے پچھلے تمام واقعات کو پیچھے چھوڑ دیا اور گزشتہ تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔

5 فروری کو ایک طرف کشمیریوں کی جدوجہدِ آزادی کا یوم منا کر اجتماعی تعطیل منائی گئی اور دوسری طرف اس تعطیل کو درپردہ کشمیر پر قابض ہندوقوم کے مذہبی تہوار کی رسم کی نظر کر دیا گیا، اس دہرے اور دوغلے معیار سے ہم کس طرح سے دنیا وآخرت میں کام یابی حاصل کرنے کے قابل ہیں، شاید ہمارے اس طرزِ عمل سے ہندوقوم کو حیرت کے ساتھ ہنسی بھی آتی ہو۔

اس مرتبہ کے خونی بسنت کے نتیجے میں اطلاعات کے مطابق صرف لاہور شہر میں ڈیڑھ درجن سے زائد افرد ہلاک، ہزار کے لگ بھگ بُری طرح زخمی ہوچکے ہیں، جن میں بچے اور بڑے سب ہی شامل ہیں۔

بسنت کو موسمِ بہار کا نام دیا جاتا ہے، مگر موسمِ بہار دنیا کے تمام معتدل ممالک میں آتا ہے، اور

خاموشی سے گزر جاتا ہے، نہ تو قوم کا سرمایہ اس کی وجہ سے متاثر ہوتا، اور نہ ہی انسانی جانوں کو کوئی نقصان پہنچتا، مگر ہمارے ملک میں موسمِ بہار کیا آتا ہے؟ غریب عوام کی کمر ٹوٹ جاتی ہے، ملکی سرمایہ کا ظالمانہ استعمال ہوتا ہے، انسانی خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔

تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''بسنت'' ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے، مگر ہندوستان میں اس رسم کے نام پر وہ کچھ نہیں ہوتا، جو ہمارے ملک میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بسنت کے نام پر منعقد ہونے والے میلے، بعض جہات سے ہندوؤں کی ہولی کے تہوار سے بھی آگے نکل گئے ہیں، ہندو قوم ہولی کے موقع پر رنگ کی ہولی کھیلتی ہے، تو ہمارے ملک میں بسنت کے موقع پر رنگ کے بجائے انسانی خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ''بسنت'' کے ہندوانہ تہوار پر ''جشنِ بہاراں'' کا لیبل لگا کر یہاں کے بعض حکمران بھی اپنی سرپرستی اور نگرانی میں وہ سب کچھ انجام دیتے ہیں، جس کے خلاف وہ رات دن عوام الناس کو درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس حالت کا نقشہ کسی نے درج ذیل اشعار میں کچھ اس طرح سے کھینچا ہے کہ:

قائداعظم ذرا اب دیکھیے پاکستان کو		دیکھیے لاہور کو اور دیکھیے ہندوستان کو
ہند میں تو رہ گئے سارے گیانی اور سنت		اہلِ پاکستان کے حصہ میں آیا ہے بسنت
ہند کی تہذیب پاکستان کی تہذیب ہے		ننّھے بچوں کے سالانہ قتل کی تقریب ہے

انسانوں کی اسی قسم کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ اگر گزشتہ انگریزی سال کا اختتام، بے حیائی ، فحاشی اور عیسائی مذہبی تہوار نیوائیر نائٹ انجام دینے کے نتیجے میں سونامی طوفان اور زلزلے کے عذاب کے ساتھ ہوا تھا، تو اسلامی سال کا اختتام اور آغاز ہندوؤں کے مذہبی تہوار ''بسنت '' کو انجام دینے کے نتیجے میں مہنگائی، شدید ترین سردی، طوفانی بارشوں اور سیلاب کے ساتھ ہوا ہے، اب تک کی خبروں کے مطابق وطنِ عزیز کے مختلف علاقوں میں غیر معمولی برف باری، بارش، سیلاب، ڈیم ٹوٹنے اور تودے گرنے اور قیامت خیز سردی سے سینکڑوں اموات

واقع ہو چکی ہیں اور ہزاروں افراد کے لا پتہ اور بے گھر ہونے کی اطلاعات ہیں، مہنگائی اور غربت میں اضافے کے باعث پورے ملک کے عوام سخت اضطراب و بے چینی کا شکار ہیں۔
مہنگائی، سیلاب، طوفانی بارشیں، زلزلے اور موسموں کے غیر معمولی اور غیر فطری تغیرات، یہ سب تنبیہِ الٰہی کی مختلف شکلیں اور انسانوں کے لیے عبرت کا تازیانہ ہیں، جن کے ذریعے سے اللہ رب العزت بندوں کو توبہ و استغفار اور اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ فرماتا ہے، مگر دوسری طرف ہماری حالت بجائے اصلاح کے فساد کی طرف بڑھتی جاتی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ زمینی و آسمانی آفات و بلیات بھی کم ہونے کے بجائے بڑھ رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے اور حالات سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

4 / محرم الحرام / 1426 ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' محرم / 1426 ہجری مارچ / 2005ء، جلد 2 شمارہ 1)

(15)

اسلام میں اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا فلسفہ

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو پوری طرح سے اعتدال اور میانہ روی پر مبنی ہے، اس میں نہ کسی کمی کی گنجائش ہے اور نہ زیادتی کی ، اس میں نہ غلو کی اجازت ہے اور نہ حد سے تجاوز کرنے کی۔

اسلام ایک عالم گیر اور انٹرنیشنل مذہب ہے، جس کا فیض اور ہدایت پورے عالم اور ساری دنیا اور تمام اقوامِ عالم کے لیے عام ہے، اور سب ملکوں، علاقوں اور سارے براعظموں میں بسنے والی انسانیت کو اس کی دعوتِ عام ہے، قیامت تک آنے والے ہر زمانے میں یہ قابلِ عمل اور تروتازہ رہنے والا مذہب ہے، اسی لیے تو خالقِ کائنات نے اس کو آخری دین اور اس دینِ اسلام کو لے کر آنے والے نبی کو پوری انسانیت کے لیے آخری نبی بنایا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرۡسَلۡنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِلنَّاسِ (سورۃ سبا، رقم الآیۃ ۲۸)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے پیغمبر) مگر سب لوگوں کے لیے (سورہ سبا)

قرآن مجید ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا (سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ ۱۵۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں رسول ہوں، اللہ کا، تم سب کی طرف (سورہ اعراف)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

(مجھ سے پہلے) ہر نبی کو خاص اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا (اور بھیجا) جاتا تھا،

اور مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف مبعوث کیا گیا (اور بھیجا گیا) ہے (مسلم) [1]

دینِ اسلام، دینِ فطرت ہے، اس کے سارے احکام انتہائی اعتدال پر مبنی ہیں اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ دل ودماغ کو منور اور روشن کرنے والے ہیں، اس دین سے ہٹنا اس میں کمی زیادتی اور کتر بیونت کرنا درحقیقت اعتدال سے ہٹنا اور دل ودماغ کو روشنی سے اندھیرے اور تاریکی کی طرف لے جانا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (سورة المائدة، رقم الآية ۱۵)

ترجمہ: بلاشبہ آ چکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (سورہ مائدہ)

معلوم ہوا کہ روشنی اسی دین پر چل کر حاصل ہوتی ہے، اس سے ہٹ کر نہ تو دماغ روشن ہوسکتا اور نہ خیالات پاکیزہ اور منوّر رہو سکتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

جَعَلْنَاکُمْ اُمَّةً وَّسَطاً (سورة البقرة ۱۴۳)

ترجمہ: بنادیا ہم نے تم کو اعتدال والی امت (بقرہ)

حدیث شریف میں اس آیت کی تفسیر میں "وسط" کی تفسیر "عدل" سے کی گئی ہے۔ [2]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اعتدال پسند امت بنایا ہے۔

قرآن مجید ہی میں ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ:

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اُدْخُلُوْ افِی السِّلْمِ کَافَّةً (سورة البقرة، رقم الآية ۲۰۹)

---

[1] كان كل نبي يبعث إلى قومه خاصة، وبعثت إلى كل أحمر وأسود (مسلم، رقم الحديث ۵۲۱ "۳" باب جُعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا)

[2] عن أبي سعيد، عن النبي صلى الله عليه وسلم في قوله :(وكذلك جعلناكم أمة وسطا) قال :عدلا :(سنن الترمذي، رقم الحديث ۲۹۶۱)

قال الترمذي:

هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے پورے (سورہ بقرہ)

جس سے ظاہر ہوا کہ جو دینِ اسلام میں پورا پورا داخل نہ ہو، آدھا تیتر اور آدھا بٹیر رہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اعتدال والے دین پر پورا قائم نہیں۔

قرآن مجید ہی میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (سورة الانعام، رقم الآية ١٢٠)

ترجمہ: تم ظاہری اور باطنی ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو (سورہ انعام)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم جو کہ اعتدال پسندی پر مبنی ہے، ہر قسم کے ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑنے پر موقوف ہے۔

اس دینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ''دینِ قیم'' یعنی سیدھا دین اور ٹیڑھ پن اور کج روی سے پاک اعتدال والا فرمایا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ارشاد ہے:

ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (سورة التوبة، رقم الآية ٣٦)

خلاصہ یہ کہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر چل کر ہی روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس امت کی خصوصیت ہی اعتدال ہے، جو اعتدال سے ہٹ گیا، وہ اس امت کی امتیازی خصوصیت سے محروم ہوگیا۔

اعتدال پسندی اس امت کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے، جو ہر ہر موقع پر ظاہر ہوتی ہے، اور یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نہ صرف یہ کہ بطورِ نعمت عطا فرمائی ہے، بلکہ ہر مسلمان کو اعتدال والے راستہ کی ہدایت کو طلب کرنے کی بھی دعوت دی ہے، جو ہر نماز میں ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاتی ہے:

''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' (سورة الفاتحة، رقم الآية ٥)

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دیجیے (سورہ فاتحہ)

صراطِ مستقیم سے مراد اعتدال والا راستہ ہے، جو افراط و تفریط اور انتہا پسندی سے پاک ہو۔ [1]

پھر اس سیدھے اور اعتدال والے راستہ کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی:

”صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ“ ”یعنی اعتدال والا راستہ ان لوگوں کا ہے، جن پر، رب تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔

اور اعتدال سے ہٹا ہوا راستہ ان لوگوں کا ہے، جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا، اور وہ گمراہ ہوئے، جس کی تفصیل ان الفاظ میں فرمائی گئی:

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (سورة الفاتحة، رقم الآية ٧)

مطلب یہ ہے کہ جنھوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین میں کمی کی یا زیادتی کی، وہ اعتدال سے ہٹنے والے اور اللہ کے غیظ و غضب کا شکار ہونے والے اور گم راہ لوگ تھے۔

پھر جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کا ذکر بھی خود ہی اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر اس طرح فرمادیا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (سورة النسآء، رقم الآية ٦٩)

ترجمہ: یہی ہیں وہ لوگ کہ انعام کیا، اللہ نے ان پر، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین میں سے (سورہ نساء)

اب اعتدال پر رہنے والی جماعت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام پانے والی جماعت ان چار طرح کے حضرات پر مشتمل ہے:

(1)...... انبیائے کرام علیہم السلام (2)...... صدیقین کرام (3)...... شہدائے عظام (4)...... صالحین۔

---

[1] والاستقامة كون الخط بحيث ينطق أجزاؤه المفروضة بعضها على بعض وفى إصلاح أهل الحقيقة الوفاء بالعهود وملازمة الطريق المستقيم برعاية حق التوسط فى كل أمر دينى ودنيوى فذلك هو الصراط المستقيم (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٣٨٧)

جن میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، پھر صدیقین کی جماعت ہے، صدیقین وہ حضرات ہیں، جو انبیائے کرام علیہم السلام کی امت میں اخلاصِ نیت اور اتباعِ عمل میں سب سے اونچے مقام، اور سب سے زیادہ مرتبے اور رتبے والے ہوتے ہیں، ان حضرات میں باطنی کمالات بھی بہت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شہداء کی جماعت ہے، شہداء وہ حضرات ہیں، جنھوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی ہو۔ اس کے بعد صالحین کی جماعت ہے، صالحین وہ حضرات ہیں جو پوری طرح شریعت کی اتباع کرنے والے ہیں، عام بول، چال میں ان کو "نیک ودیندار" کہا جاتا ہے۔

اعتدال پر قائم رہنے والی سچی اور پکی جماعت کو دیکھنا ہو تو وہ صحابۂ کرام کی جماعت ہے، جو پوری طرح دین پر قائم تھی اور اس کی بدولت اس جماعت کو ربُّ العزت کی طرف سے ہدایت، روشنی، رضا، فلاح اور کامیابی وغیرہ جیسے انعامات والقابات سے نوازا گیا۔

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کرنے سے انسان کے دل ودماغ میں ظلمت وتاریکی اور اندھیرا چھا جاتا ہے اور زنگ لگ جاتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان کے خیالات بھی پراگندہ اور آلودہ ہوجاتے ہیں، ایسی حالت کو روشن خیالی سے تعبیر کرنا، تعبیر کی غلطی ہے۔

کچھ عرصے سے اغیار نے سچے اور پکے مسلمانوں کو جھوٹے اور کچے مسلمان بنانے یا ثابت کرنے کے لیے چند نئے خطابات، القابات اور کلمات وضع کرکے پُرزور انداز میں ان کی تشہیر شروع کر رکھی ہے اور اس موقع پر جھوٹ کے سب سے ہوشیار مبلغ گوبلز (Gobbles) کے اس مقولہ کی سچائی ظاہر ہورہی ہے:

"جھوٹ اتنا بولو کہ دنیا اُسے سچ سمجھنے لگے"۔

ایک طرف تو اعتدال پسندی، میانہ روی اور روشن خیالی کے نعرے ہیں، اور دوسری طرف انتہا پسندی، شدت پسندی اور بنیاد پرستی کے الزامات۔

ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعے اتنی صفائی، مہارت اور فن کاری کے ساتھ ان کلمات کی تشہیر وتشریح کی گئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان الفاظ وکلمات کا لگا بندھا اور خود ساختہ تصور، مسلمانوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا، اور اس طرح اغیار کے دجل وفریب کا شکار ہوکر مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خصوصاً وہ طبقہ جو سیکولرزم، ماڈرن اور آزاد پسند سوچ کا مالک ہے، اس کا مبلّغ اور داعی بن گیا، چنانچہ اب روزمرہ اس قسم کے الفاظ ذرائع ابلاغ پر سننے یا پڑھنے کو ملتے ہیں:

''اسلام اعتدال پسندی اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے، انتہا پسندی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، شدت پسندوں اور انتہا پسندوں سے پوری دنیا کو شدید خطرہ لاحق ہے، مسلمانوں کو روشن خیالی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔''

اگر واقعتاً کوئی اسلام کے متعین احکام میں کمی یا زیادتی کا ارتکاب کرتا ہے، تو وہ انتہا پسند وغیرہ کہلائے جانے کا مستحق ہے، لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ وہ اسلام کے احکام پر کمی، زیادتی کا ارتکاب کیے بغیر قائم رہتا ہے، تو اسے انتہا پسند وغیرہ کہنے یا قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

اگر آج بلاوجہ اس طرح کا الزام دینے والے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے اعمال واحوال کا صحابۂ کرام اور انعام یافتہ جماعت کے ساتھ موازنہ کریں گے، تو انھیں شاید یہ جماعت بھی آج انتہا پسند اور تاریک خیال ہی (نعوذ باللہ تعالیٰ) نظر آئے گی۔

آج بعض لوگوں کے نزدیک شرعی احکامات پر عمل کرنا، اور انعام یافتہ جماعت کے زمرے میں شامل ہونا ہی اعتدال سے ہٹنا ہے، صدیقین کی طرح سچا اور پکا مسلمان ہونا، انتہا پسندی ہے، شہدائے عظام کے نقشِ قدم پر چلنا دہشت گردی ہے، اور صالحین کے طریقہ کو اختیار کرنا بنیاد پرستی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا اعتدال ہے جس کا چرچا کیا جارہا ہے، اور اس کی طرف اسلام کا نام لے کر دعوت دی جارہی ہے، کتنی حیرت کی بات ہے کہ اعتدال سے ہٹنے والے اعتدال پر چلنے والوں کو الزام دے رہے ہیں۔

افسوس! کہ جو لوگ نماز، روزے، زکاۃ وغیرہ جیسے اسلام کے بڑے بڑے احکامات کو نظر انداز کر کے، اور شراب نوشی، فحاشی، بے حیائی جیسے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہو کر اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں، وہ اپنے آپ کے اعتدال پر قائم ہونے کے مدعی اور جو حضرات ان مذکورہ احکامات پر عمل پیرا ہیں، اور مذکورہ گناہوں سے بچے ہوئے ہیں، ان کو اعتدال سے ہٹنے کا الزام دے رہے ہیں، گویا کہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' والی کہاوت صادق آ رہی ہے۔

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور میں پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں، اور میں زکاۃ ادا کرتا ہوں، اور میں رمضان کے مہینے کے روزے رکھتا ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہوا، تو وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، اور اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا، اگر اس نے والدین کی نافرمانی نہ کی ہو (مسند احمد) [1]

اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے دعوے دار طبقے کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا نمونہ، کہیں نامحرم عورتوں اور مردوں کے بے محابا مخلوط تعلیمی نظام کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جس سے شاید اس طبقے کا دماغ روشن ہوتا ہے۔

تو کہیں اعتدال پسندی کا نعرہ لگا کر دنیا کے ساتھ چلنے اور عالمی برادری سے الگ نہ ہونے، اور کافروں کی برادری میں شامل ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

---

[1] عن عمرو بن مرة الجهنی، قال :جاء رجل إلى النبی صلى الله عليه وسلم فقال :يا رسول الله، شهدت أن لا إله إلا الله، وأنک رسول الله، وصليت الخمس، وأديت زكاة مالی، وصمت شهر رمضان .فقال النبی صلى الله عليه وسلم " :من مات على هذا، كان مع النبيين والصديقين والشهداء يوم القيامة، هكذا -ونصب إصبعيه -ما لم يعق والديه (زوائد مسند احمد، رقم الحديث ٨١)

قال شعيب الارنووط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

کہیں ذرائع ابلاغ اور میڈیا پر بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دے کر الزام دیا جاتا ہے کہ جن کو یہ چیزیں ناگوار اور انتہا پسندی معلوم ہوں، تو وہ روشن خیالی کے دشمن اور انتہا پسند ہیں، گویا کہ (نعوذ باللہ تعالیٰ) فحاشی اور بے حیائی کے پروگراموں سے دماغ روشن ہوتے ہیں۔

کبھی یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ موسیقی روح کی غذا ہے، اور اس کی مخالفت کرنے والے، روح کے دشمن ہیں، اور روشن خیالی واعتدال پسندی سے محروم ہیں۔

کبھی اعتدال پسندی کا نمونہ کھیل کود کو مقصد زندگی بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے، اس سے کیا سروکار کہ انسان کی پیدائش کا مقصد واضح طور پر جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اس طبقے کو تو اپنا مقصدِ زندگی کھیل کو ہی بنا لینے میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی نظر آتی ہے۔

معتدل اور مستند اہلِ علم حضرات کے متعلق یہ بات بھی بعض اوقات کہی جاتی ہے کہ وہ روشن خیالات کے مالک نہیں، لہٰذا ان کو اجارہ داری کا حق نہیں دیا جا سکتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص جس نے کبھی کسی میڈیکل کالج کی شکل تک نہ دیکھی ہو، یہ اعتراض کرنے لگے کہ ملک میں علاج ومعالجے پر سند یافتہ ڈاکٹروں کی اجارہ داری کیوں قائم کر دی گئی ہے؟ مجھے بھی بہ حیثیت ایک انسان کے یہ حق ملنا چاہیے، یا کوئی یہ کہنے لگے کہ ملک میں نہریں، پل اور بند تعمیر کرنے کا ٹھیکہ، صرف ماہر انجینئروں ہی کو کیوں دیا جاتا ہے؟ میں بھی بہ حیثیت ایک شہری کے یہ خدمت انجام دینے کا حق دار ہوں، یا کوئی یہ اعتراض اٹھانے لگے کہ ملکی قانون کی تشریح وتعبیر پر صرف ماہرینِ قانون (وکلاء اور ججوں) ہی کی اجارہ داری کیوں قائم کر دی گئی ہے، میں بھی عاقل بالغ شہری ہونے کی حیثیت سے یہ کام کر سکتا ہوں۔

ان سب کو یہی جواب دیا جائے گا کہ بے شک تمہاری بات صحیح ہے، لیکن تم اپنے اندر ان چیزوں کی اہلیت پیدا کرو، اسی طرح سے معتدل ومستند علمائے کرام کا بھی معاملہ ہے کہ جو اس میدان میں قدم رکھنا چاہے، وہ اپنے اندر اس کی اہلیت پیدا کرے، پھر آگے بڑھے۔

البتہ جو علمائے حق نہیں، یا ان کے پاس مستند علمِ دین نہیں، اور وہ اسلام کی معتدل تعلیمات کے خلاف باتیں کرتے ہیں، وہ ہماری بحث سے خارج ہیں، لیکن ان کو یہ الزام دیتے وقت ان کی تعیین کرنا چاہیے، اور ایسا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے، جس سے اہلِ حق و مستند اہلِ علم حضرات بھی زد میں آجائیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو انبیائے کرام کا وارث قرار دیا ہے۔ [1]

انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلے میں بڑے بڑے حکمرانوں اور عہدے داروں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ (نعوذ باللہ) تم زمانے کے پس ماندہ و معمولی لوگوں میں سے ہو اور ہم روشن خیال اور ترقی یافتہ لوگ ہیں۔

فرعون نے لوگوں سے کہا تھا کہ موسیٰ اور اس کے حواری تمہیں تمھاری اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں، اور تمھارے اوپر قابض ہونا چاہتے ہیں، ہر زمانے میں اس طرح کے روشن خیالی کے دعوے داروں کو اللہ تعالیٰ نے ایسا مزہ چکھایا کہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا، کہیں فرعون کو سمندر میں غرق کیا گیا، تو کہیں قارون کو زمین میں دھنسایا گیا۔

ابھی بھی وقت ہے اس قسم کا بے بنیاد دعویٰ کرنے والے اللہ کی پکڑ سے اپنے آپ کو بچانے کا سامان کریں۔ جس کا طریقہ انعام یافتہ جماعت کے زمرے میں شامل ہونا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور انتہاء پسندی سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' صفر/1426ھ ہجری اپریل/2005ء، جلد 2 شمارہ 2)

---

[1] عن داود بن جميل، عن كثير بن قيس، قال: كنت جالسا مع أبي الدرداء، في مسجد دمشق فجاءه رجل، فقال: يا أبا الدرداء: إني جئتك من مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم لحديث بلغني، أنك تحدثه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما جئت لحاجة، قال فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طرق الجنة، وإن الملائكة لتضع أجنحتها رضا لطالب العلم، وإن العالم ليستغفر له من في السموات، ومن في الأرض، والحيتان في جوف الماء، وإن فضل العالم على العابد، كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب، وإن العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا، ولا درهما ورثوا العلم، فمن أخذه أخذ بحظ وافر (سنن ابی داود، رقم الحديث ٣٦٤١)

قال شعيب الارنووط: حسن بشواهده (حاشية سنن ابی داود)

(16)

میڈیا کے دینی پروگرام/کشمیر بس سروس

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو ایک کثیر الجہتی جنگ اسلام دشمن قوتیں اور لادین عناصر میڈیا کے محاذ پر لڑ رہے ہیں، ان کی داستان بہت طویل ہے۔

موجودہ دور، ذرائع ابلاغ اور میڈیا کا دور کہلاتا ہے، عالم گیر سطح پر آئے دن رونما ہونے والے تغیرات اور انقلابات کے پیچھے بہت بڑا ہاتھ ذرائع ابلاغ اور میڈیا ہی کا ہوتا ہے۔

شر والی قوتیں جن کے ہاتھ میں بدقسمتی سے آج زمامِ اقتدار ہے، اور جو بظاہر عارضی طور پر دنیا کے سیاہ وسفید کی مالک بنی ہوئی ہیں، وہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعہ پروپیگنڈا کے زور پر عالم گیر سطح پر اپنے سیاسی تسلط، فکری غلبے اور اقتصادی ومعاشی منصوبوں کو دوام واستحکام بخشے ہوئے ہیں، سرد جنگ (Cold War) اور میڈیا وار (Media War) کے رائج الفاظ اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔

آج کے دور کے ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی دونوں بڑی قسموں (الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا) کو باطل اور شر کی قوتیں جس بے دردی سے انسانیت کی فطرت مسخ کرنے، بے حیائی اور اباحیت پرستی کو فروغ دینے، اخلاقی اقدار اور روحانیت کے ٹھوس ومستحکم اصولوں کا گلا گھونٹنے کے لیے استعمال کر رہی ہیں، وہ انسانی تاریخ کا اتنا زبردست المیہ ہے کہ ماضی کے کسی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

کچھ عرصے سے باطل قوتوں نے اسلام کی حقیقی صورت کو مسخ کرنے اور مادیت ونفسانیت کی دلدل میں اتری ہوئی مسلم قوم کے لیے آبِ شیریں کے نام پر زہر قاتل کا خوب صورت ومزین جام تیار کیا ہے، جو انٹرنیٹ، کیبل اور ٹیلی ویژن کے ذریعے سے مختلف دینی ومذہبی ناموں اور عنوانوں پر مشتمل پروگراموں کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دین و مذہب کا لیبل لگا کر خاص مذہبی عنوان سے جو پروگرام آج کل ٹیلی ویژن وغیرہ پر نشر کیے جا رہے ہیں، اُن میں سے بیش تر کا کردار دنیوی اور خالص بے حیائی اور فحاشی پر مشتمل پروگراموں سے زیادہ خطرناک اور اندوہ ناک ہے، کیوں کہ ان پروگراموں کو خالص اسلامی اور مذہبی رنگ دینے کی وجہ سے مذہبی ذہن رکھنے والا بہت بڑا وہ طبقہ بھی متاثر ہو رہا ہے، جو دین کے لیبل سے خالی پروگراموں سے متاثر نہیں تھا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک دین دار طبقے کا ذہن بڑی تیزی سے آزادی کی صورت میں تبدیل ہو رہا ہے، جس کا اندازہ کچھ دینی ذہن رکھنے والے عوام کی طرف سے پیش کیے جانے والے ان شبہات اور سوالات سے ہوتا ہے، جو ان کو ان میڈیائی پروگراموں کو سُننے اور دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

دوسری طرف عوام الناس کا بڑا طبقہ مطمئن ہے کہ خیر سے میڈیا پر دینی اور مذہبی پروگراموں کا بھی اجرا ہو گیا۔

بلاشبہ میڈیا کے قبلے کو درست کرنے اور اس کی بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے، میڈیا کو مذہبی و دینی تعلیم و تبلیغ کے لیے شرعی احکامات کی پاس داری کا لحاظ رکھتے ہوئے استعمال کر کے بہت بڑا دینی و مذہبی انقلاب لایا جا سکتا ہے، لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں ابھی تک میڈیا کا معاملہ انتہائی مایوس کن اور حیران کن رہا ہے۔

یہ میڈیا کے پروگرام جس انداز میں آج کل نشر ہو رہے ہیں، اُن سے قوم میں حقیقی دینی جذبہ بیدار ہونے کے بجائے دین سے دوری اور آزادی ہی کو وجود مل رہا ہے۔

اولاً تو عام میڈیا کے اکثری اور بااختیار ذمہ دار طبقے ہی سے یہ توقع رکھنا حماقت ہے، کہ وہ کوئی خالص دینی و مذہبی جذبہ بیدار کرنے میں بھی مخلص ہیں، کیوں کہ اس طبقے کی اکثریت جس رنگ میں رنگی ہوئی اور جس ماحول میں زندگی گزار رہی ہے، اصل دین کا تصور اور مذہب کے تقاضے بالکل اس سے مختلف ہیں۔

اور ان پروگراموں میں دینی و مذہبی عنوان سے پیش کی جانے والی شخصیات کے انتخاب سے

بھی اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ پیچھے بیٹھ کر ان پروگراموں کی باگ ڈور سنبھالنے والا طبقہ کس ذہنیت کا مالک ہے، پھر ان پروگراموں کو ریکارڈ کرنے کے بعد لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اپنی پالیسی اور مرضی ومنشاء کے مطابق بنانے میں جس کانٹ چھانٹ سے کام لیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے تو ان کا حلیہ ہی بگڑ کر رہ جاتا ہے، اور ایسی صورت میں معتبر ومستند شخصیات کے ریکارڈ شدہ پروگرام بھی غیر معتبر وغیر مستند اور مشکوک ہو کر رہ جاتے ہیں۔

زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ پروگرام بیک وقت لاکھوں کروڑوں افراد سنتے اور دیکھتے ہیں، جس کی تردید واصلاح مستند اہلِ علم حضرات کو اپنی محدود تحریرات وتقریرات کے ذریعے سے کرنا بھی ممکن نہیں، اس لیے ہمارے خیال میں اس قسم کے پروگراموں کے زہریلے اثرات سے بچانے کی کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اِن حالات میں مشترکہ طور پر اہلِ علم اور مخیّر حضرات پر یہ ذمہ داری بھی عاید ہوتی ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ پر پیش ہونے والے ان پروگراموں کے ذریعے سے پیدا ہونے والی بے اعتدالیوں کی تردید کے لیے شرعی حدود وقیود کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی متبادل موثر تدبیر اور حل سوچیں، ورنہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے اور ہر چیز کے عدمِ جواز کو بنیاد بنا کر اس سے پوری طرح آنکھیں بند کر لینے کے جو نتائج بد مستقبل میں درپیش ہوں گے، ان کا مقابلہ شاید پھر نہ ہو سکے گا۔ اس سے پہلے کہ پوری قوم کو علمائے حق ''جو دین کے صحیح ترجمان وپاسبان ہیں'' سے کاٹ کر کے خود سے انارکی کی نذر کیا جائے، اس کا سدِ باب کرنے میں ہی خیر وعافیت مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ہندوستان، پاکستان کی قیادتوں نے پچاس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد 7 اپریل 2005ء سے منقسم کشمیر کے دوطرفہ مسافروں کی آمد ورفت کے لیے ''مظفر آباد سرینگر بس سروس'' کا آغاز کیا ہے، جس کا اعلان دونوں قیادتوں کی طرف سے مذاکرات کے بعد بہت

پہلے ہو چکا تھا، اس سلسلے میں اخبارات ورسائل اور جرائد میں مختلف ملے جُلے تبصروں کا سلسلہ شروع تھا، چند غیر معروف تنظیموں نے ''سرینگر مظفر آباد بس سروس'' کو تباہ کرنے کی دھمکی بس سروس شروع ہونے سے پہلے ہی دے دی تھی، اور بس سروس کی دوسری باری سے پہلے پھر اس کا اعادہ کیا ہے، اور عین اس وقت جب مسافر ٹرمینل پر مظفر آباد کے لیے سفر کے منتظر تھے، ایک زوردار حملہ بھی کیا گیا، جس کے نتیجے میں تقریباً پچاس افراد زخمی ہو گئے۔

7اپریل کو پہلی دوطرفہ بسیں حفاظتی انتظامات کے ساتھ اپنی اپنی منزل تک پہنچنے پر دونوں طرف کشمیریوں نے شاندار استقبال کیا، اور پچاس سالہ بچھڑے ہوئے خاندانوں کے ملنے پر رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔

ہمارے خیال میں ''سرینگر، مظفر آباد بس سروس'' کا آغاز دوطرفہ کشمیریوں اور خاص طور پر مسلم قوم کے لیے خوش آئند اقدام ہے، کیوں کہ سفر کرنے والوں کی اکثریت اُن مسلمانوں کی ہوگی جو پچاس سال سے زاید عرصہ بیت جانے کے بعد اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کی زیارت وملاقات سے محروم اور اسلام کے اہم حکم، صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنے سے محروم ومایوس ہیں۔

بس سروس کے اس عمل سے جہاں دوطرفہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ملنے اور ایک دوسرے کے حال واحوال معلوم کرنے کا موقع حاصل ہوگا، اسی کے ساتھ ساتھ اگر مسلمان ہوش مندی سے کام لیں تو کئی دیگر فوائد بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

بہر حال مظفر آباد، سرینگر بس سروس کا آغاز بلاشبہ اہم اقدام ہے، اس سے نصف صدی سے بچھڑے ہوئے کشمیری خاندانوں کو ایک دوسرے سے ملنے کے علاوہ نیک نیتی کے ساتھ یہ سلسلہ آگے بڑھانے کی صورت میں دوطرفہ مسلمانوں کے باہم ملاپ اور مذاکرات کے نتیجے میں مسئلہ کشمیر کی راہ بھی ہموار ہو سکتی ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس خوش فہمی میں بھی مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ ہندو قوم کا ہر طرزِ عمل اور

اقدام مخلصانہ اور خیر خواہانہ ہے، لہٰذا اس موقع پر ہمیں نہایت ہی دور بینی اور سنجیدگی کے ساتھ حالات پر نظر رکھنا چاہیے۔

اس موقع پر یہ بات کہنے میں بھی ہم کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ بعض تنظیموں کی طرف سے بس کی تباہی کی دھمکیاں اور ابتدائی مسافروں کی انتظار گاہ پر حملے قرینِ مصلحت معلوم نہیں ہوتے، اور ہمارے خیال میں ایسے موقع پر حملہ کرنا'' جہاں اکثر مسلمان ہوں اور ان کا سفر بھی ایک جائز غرض بلکہ صلہ رحمی اور قرابت داری کے عمل کو انجام دینے کے لیے ہو جو کہ بذاتِ خود عبادت ہے'' شرعاً بھی کوئی پسندیدہ اقدام شمار نہیں ہونا چاہیے، البتہ اس سلسلے میں اگر کوئی کوتاہی یا غلطی سامنے آئے، تو اس کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں متبادل جائز طریقے پر حل سوچنا چاہیے، اور نتائج اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اصلاح کی کوشش جاری رہنا چاہیے، بندوں کا کام تو اللہ تعالیٰ کے احکام کو صحیح صحیح انجام دینا ہے، جہاں تک ان کے نتائج کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

ہماری قوم کا مزاج بعض امور میں اتنا حساس بنایا جا چکا ہے کہ معروضی حقائق اور صحیح اجتماعی مصالح پر بھی بات سننا گوارا نہیں کیا جاتا، اس میں اگرچہ قوم کے بھی کچھ تحفظات ہیں، مثلاً یہ کہ بعض مرتبہ ایک عمل معروضی حقیقت اور اجتماعی مصلحت کے عین مطابق ہوتا ہے، لیکن اربابِ اقتدار کا ایک ناعاقبت اندیش طبقہ جس انداز سے اس عمل کو آگے بڑھاتا ہے، وہ اپنے ساتھ کئی خرابیوں کو بھی جنم دیتا ہے، ماضی میں بھی اس کی مثالیں اور تلخ تجربات موجود ہیں، بہر حال جہاں تک فی نفسہٖ اس عمل اور اقدام کا تعلق ہے وہ مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں انتہائی قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے۔

اب اہلِ سیاست اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے کچھ اور رنگ بھریں، تو اس کو بد نصیبی ہی کہا جائے گا۔ محمد رضوان۔ 8/ ربیع الاول/ 1426 ہجری

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/ 1426 ہجری مئی/ 2005ء، جلد 2 شمارہ 3)

(17)

فیملی پلاننگ اور عالمی کانفرنس

چند دن پہلے پاکستان کے دارلحکومت ''اسلام آباد'' کے جناح کنونشن سنٹر میں وزارتِ بہبودِ آبادی کے زیرِ اہتمام ''آبادی وترقی'' کے نام سے ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جو تین دن تک جاری رہ کر مؤرخہ 26/ربیع الاول 1426ھ، 6 مئی 2005ء بروز جمعہ پاکستان کے موجودہ صدر جنرل پرویز مشرف صاحب کے اختتامی خطاب اور ایک اعلامیہ کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

اس کانفرنس کو ''عالمی علماء کانفرنس'' کا خطاب دیا گیا، کانفرنس کے بعد جاری ہونے والے ڈیکلریشن میں ''خاندانی منصوبہ بندی یا فیملی پلاننگ'' کے مروجہ طریقوں کو جائز اور ملک کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے کہا گیا:

''بعض لوگوں کی جانب سے یہ کہنا کہ دینِ اسلام، آبادی پر کنٹرول کے خلاف ہے'' غلط بات ہے۔

کانفرنس میں پاکستان کے چاروں صوبوں سمیت وفاق میں مساجد کے اماموں اور خطیبوں کو خاندانی منصوبہ بندی کے متعلق کردار ادا کرنے کے لیے تربیت فراہم کرنے کا عندیہ دیا گیا۔

پاکستان کے وفاقی وزیر برائے بہبود آبادی چوہدری شہباز نے خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت کرنے والے خطیبوں اور عالموں کا ان کا ذاتی نقطۂ نظر اور ذاتی خیال قرار دیا۔

بعض اخباری اطلاعات کے مطابق اس کانفرنس میں امامِ کعبہ اور امامِ مسجدِ نبوی سمیت سعودی عرب اور بھارت کے متعدد علمائے کرام کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، مگر وہ اس میں شریک نہ ہوسکے اور خود پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کی اکثریت بھی کانفرنس میں شرکت سے لاتعلق رہی۔

عالمِ اسلام کی ممتاز علمی شخصیات اور پاکستان کے علمی وفکری حلقوں کے تمام مکاتبِ فکر کے جید علماء ومستند مشائخ کی عدمِ شرکت اوراس کے برعکس جدت پسند، روشن خیال اور شرعی وضع قطع سے عاری سکالرز حضرات اور خواتین کی شرکت اس کانفرنس کی اصلیت وحیثیت واضح کرنے کے لیے کافی ہے (ملاحظہ ہو: روزنامہ اسلام ۲۷/۲۸/ربیع الاول، ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ)

''خاندانی منصوبہ بندی'' یا ''فیملی پلاننگ'' کے مروجہ طریقے موجودہ دور کا کوئی بالکل نیا مسئلہ نہیں کہ جس پر اس سے پہلے کوئی عالمی سطح کی کانفرنس منعقد نہ ہوئی ہو، اور نہ ہی یہ کوئی ایسا یتیم اور لاوارث مسئلہ ہے کہ جس پر مستند وجید علمائے کرام نے غور وفکر نہ کیا ہو، اور شرعی دلائل کے تناظر میں اس کا جائزہ نہ لیا ہو، بلکہ دنیائے اسلام کے بہت سے مستند اہلِ علم واہلِ دانش حضرات کئی مرتبہ اجتماعی وانفرادی سطح پر مفصل انداز میں مروجہ خاندانی منصوبہ بندی یا فیملی پلاننگ کے تمام طریقوں کا جائزہ لے کر اس پر آراء وسفارشات مرتب اور ان کا شرعی حکم واضح کر چکے ہیں۔

ہم اختصار کے پیشِ نظر مروجہ خاندانی منصوبہ بندی یا فیملی پلاننگ کے متعلق اجتماعی اور عالمی سطح پر ہونے والے اہلِ علم واہلِ بصیرت حضرات کے صرف تین فیصلے پیش کر کے قارئین کو دعوت دیں گے کہ وہ اسلام آباد میں منعقد ہونے والی، عالمی علماء کانفرنس کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں کہ مروجہ خاندانی منصوبہ بندی کیا جید علمائے دین کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ ہے یا متفق علیہ اور کیا یہ علماء کا ذاتی خیال ہے، یا اسلام کا واضح حکم، اور کیا علماء اور خطباء ایک خلافِ شرع حکم کی تربیت حاصل کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب وتربیت دیں گے، یا کہ اس کی مخالفت کریں گے؟

یاد رہے! کہ مندرجہ ذیل قرار دادوں میں سعودی عرب اور بھارت میں منعقد ہونے والی کانفرنسیں بھی شامل ہیں، جہاں کے علماء، اسلام آباد کی موجودہ کانفرنس میں شرکت نہیں کر سکے، اور یہ تمام فیصلے ایسی اکیڈمیوں کی طرف سے طے شدہ ہیں، جو موجودہ دور کے ایسے

جدید اور ماڈرن خواتین وحضرات سکالرز پر مشتمل نہیں کہ جن کو نماز روزے اور پاکی ناپاکی کے بنیادی مسائل سے بھی واقفیت نہیں، بلکہ جید علمائے دین اور چنیدہ اہلِ علم حضرات پر مشتمل ہیں۔

رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی کا فیصلہ

رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی نے اس سلسلے میں جو فیصلہ کیا، اور اس میں جن ممالک کے اہلِ علم حضرات نے شرکت کی، اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمایے۔

اس اکیڈمی میں مندرجہ ذیل بارہ اسلامی ممالک کو نمایندگی دی گئی ہے:

(1) اردن (2) انڈونیشیا (3) پاکستان (4) تیونس (5) الجزائر (6) سعودی عرب
(7) عراق (8) لبنان (9) مصر (10) موریتانیا (11) نائجیریا (12) ہندوستان۔

اس اکیڈمی نے خاندانی منصوبہ بندی یا فیملی پلاننگ کے متعلق جو فیصلہ اپنے تیسرے سیمینار منعقدہ مکہ مکرمہ میں کیا وہ درج ذیل ہے:

’’ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول) جسے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ’’فیملی پلاننگ‘‘ کا نام دیا جاتا ہے، کے موضوع پر اجلاس میں غور کیا گیا، مناقشہ اور غور وفکر کے بعد باتفاقِ رائے درج ذیل فیصلہ کیا گیا:

اسلامی شریعت، نسلِ انسانی کے اضافہ اور زیادتی کی ترغیب دیتی ہے، اور اسے بندوں پر اللہ کی عظیم نعمت اور بڑا احسان شمار کرتی ہے، اس بابت قرآن کریم اور احادیثِ رسول میں متعدد ہدایات مروی ہیں، جو بتاتی ہیں کہ ضبطِ تولید یا منع حمل اللہ کی بنائی ہوئی فطرتِ انسانی کے خلاف ہے، اور اس شریعتِ اسلامی سے غیر ہم آہنگ ہے، جسے اللہ نے بندوں کے لیے اپنا ناپسندیدہ قرار دیا ہے، برتھ کنٹرول یا منع حمل کے علم برداران کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں اور بالخصوص عرب اقوام اور

کمزور قبائل کی تعداد میں کمی کرائیں، تاکہ وہ ان کے ممالک کو اپنی کالونی اور وہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنا کر اسلامی ممالک کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں، دوسری جانب یہ عمل اللہ تعالیٰ سے ایک نوعیت کی بدگمانی اور جاہلیت والا فعل ہے، اور اسلامی معاشرے کو جو اپنی افرادی کثرت اور باہمی ہم آہنگی کا امتیاز رکھتا ہے، اسے کم زور کرنا مقصود ہے۔

ان امور کے پیشِ نظر یہ اجلاس بالاتفاق طے کرتا ہے کہ برتھ کنٹرول مطلقاً جائز نہیں، اور فقر کے خوف سے بھی منع حمل جائز نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق اور زبردست قوت کا مالک ہے، روئے زمین کے ہر جان دار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، اسی طرح اس وقت بھی منع حمل جائز نہیں جب ایسے اسباب کی بنیاد پر کرایا جائے، جو شرعاً معتبر نہ ہوں، البتہ انفرادی حالات میں اگر یقینی ضرر کا خطرہ ہو، مثلاً کسی عورت کو معتاد طریقے پر (Normal Delivery) ولادت نہیں ہو رہی ہو اور آپریشن ہی کے ذریعے بچہ کو نکالنا ممکن ہو، تو استقرارِ حمل کو روکنے یا اسے مؤخر کرنے والے اسباب اختیار کرنا جائز ہے، اور اسی طرح قابلِ اعتماد مسلم ڈاکٹر کے مطابق دیگر جسمانی صحت یا شرعی اسباب کی بنیاد پر بھی حمل کو مؤخر کرنے کے اسباب اختیار کیے جاسکتے ہیں، اور اگر قابلِ اعتماد مسلم ڈاکٹر کی رائے میں استقرارِ حمل کی صورت میں ماں کی جان کو یقینی خطرہ لاحق ہو، تو ایسی صورت میں منع حمل کی تدبیر اختیار کرنا ہی متعین ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اسباب کی رو سے عمومی حالات میں ضبطِ تولید یا منع حمل کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا جائز نہیں ہے، لوگوں کو جبراً منع حمل پر مجبور کرنا تو سخت ترین گناہ اور بالکل ہی ناجائز ہے، جب کہ دوسری جانب عالمی سطح پر اپنی برتری اور دوسروں کی تباہی کے لیے اسلحوں کی دوڑ میں بے انتہا دولت لٹائی جا رہی ہے اور اقتصادی ترقی

،تعمیر اور قوموں کی ضروریات کی تکمیل سے صرفِ نظر کیا جارہا ہے‘‘ (رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ص59، 60، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

جدہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ

اسلامی فقہ اکیڈمی کی جنرل کونسل نے اپنے پانچویں اجلاس منعقدہ کویت مؤرخہ 1 تا 6 / جمادی الاولیٰ 1409ھ بمطابق 10 تا 15/ دسمبر 1988ء میں جو فیصلہ کیا، وہ درجِ ذیل ہے:

’’خاندانی منصوبہ بندی‘‘ کے موضوع پر اکیڈمی کے اراکین اور ماہرین کی طرف سے پیش کردہ مقالات پر واقفیت حاصل کرنے اور اس موضوع پر ہونے والے بحث ومباحثے کو سننے کے بعد اور اس بنیاد پر کہ شریعتِ اسلامیہ میں شادی کا اصل مقصد اولاد کا حصول اور نسلِ انسانی کی حفاظت ہے، اور اس مقصد کو باطل کرنا جائز نہیں، اور اس مقصد کو باطل کرنا شریعت کی ان نصوص اور ہدایات کے منافی ہے، جو تکثیرِ نسل اور حفاظتِ نسل کی دعوت دیتی ہیں، اس لیے کہ حفاظتِ نسل ان پانچ کلیات میں سے ایک ہے، جن کی رعایت اور حفاظت کا حکم تمام شریعتوں میں آیا ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی:

اولاً: ایسا عام قانون نافذ کرنا جائز نہیں ہے، جو زوجین کی تولید کی آزادی پر پابندی عاید کردے۔

ثانیاً: مرد اور عورت کی تولید کی صلاحیت کو بالکلیہ ختم کردینا حرام ہے، جس کو بانجھ کردینا یا نس بندی کرنا کہتے ہیں، جب تک شریعت کے معیار پر اس کی ضرورت داعی نہ ہو۔

ثالثاً: البتہ حمل کے وقفوں میں فاصلے کی غرض سے برتھ کنٹرول کا کوئی طریقہ اختیار کرنا یا کچھ معین وقت کے لیے تولیدِ نسل کو موقوف کرنا جائز ہے، جب کہ کوئی معتبر

شرعی ضرورت اس کی داعی ہو(مثلاً بیماری وغیرہ)اور زوجین کے آپس کے مشورے اور رضامندی سے وقت کا تعین کیا گیا ہو، بشرطیکہ کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو اور جو ذریعہ اختیار کیا گیا ہو وہ بھی جائز ہو اور ان کے اس عمل سے موجودہ (پیدا شدہ) حمل پر کوئی زیادتی لازم نہ آرہی ہو۔ واللہ اعلم‘‘ (جدہ فقہ اکیڈمی کی قراردادیں اور سفارشات ص ۱۱۱، مطبوعہ جدہ سعودی عرب، قرارداد نمبر 5/1/39)

اسلامک فقہ اکیڈمی ہند کا فیصلہ

اس سلسلے میں اسلامک فقہ اکیڈمی ہند نے جو یکم تا 3 اپریل 1989ء جامعہ ہمدرد نئی دہلی میں منعقد شدہ اجلاس میں بھی فیصلہ کیا، جس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

ہندوستان میں اس عظیم فقہی سیمینار میں 120 ممتاز فقہاء واہل تحقیق اور جدید علوم کے ماہرین تشریف لائے، جنھوں نے تقریباً پچیس ممتاز ومشہور تحقیقی وعلمی اداروں اور دارالافتاء نیز مختلف مسالک کی نمائندگی کی اور تین دنوں تک درجِ ذیل موضوعات پر اجتماعی غور وفکر اور بحث وتحقیق میں شریک رہے، سیمینار کے موضوعات: (1) ضبطِ ولادت (2) اعضاء کی پیوند کاری (3) پگڑی، میں سے ضبطِ ولادت کی بابت فیصلے طے پائے گئے، بقیہ دو مسئلوں کے مختلف گوشوں پر بحث کے بعد محسوس کیا گیا کہ ان پر مزید غور وفکر کی ضرورت ہے، چنانچہ انھیں آئندہ کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

’’ضبطِ ولادت کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد شرکائے سیمینار نے مندرجہ ذیل فیصلے متفقہ طور پر منظور کیے:

﴿1﴾......کوئی بھی ایسا عمل جس کا مقصد نسلِ انسانی کے سلسلے کو منقطع یا محدود کرنا ہو، اسلام کے بنیادی تصورات کے خلاف اور ناجائز ہے۔

﴿2﴾......بطورِ فیشن خاندان کو مختصر رکھنے یا تجارت وملازمت کی مشغولیتوں کے متاثر ہونے یا سماجی دل چسپیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے اولاد کی ذمہ داری سے انکار وگریز کو شرع اسلامی کسی حال میں قبول نہیں کرسکتی۔

﴿3﴾......جو خواتین بلند معیار زندگی کے حصول یا زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی خاطر نوکریاں کرنا چاہتی ہیں اور اپنے مقصدِ تخلیق اور اس مقدس فریضے کو بھول جاتی ہیں، جو قدرت نے نسلِ انسانی کی ماں کی حیثیت سے ان پر عاید کیا، ان کے مقاصد کی خاطر خاندان کو محدود کرنے کا تصور قطعاً غیر اسلامی ہے۔

﴿4﴾......جو بچہ موجود ہے اس کی پرورش، رضاعت اور نشو نما میں اگر ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں مناسب وقفہ قائم رکھنے کی خاطر عارضی مانع حمل تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔

﴿5﴾......دائمی منع حمل کی تدابیر کا استعمال مَردوں کے لیے کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، عورتوں کے لیے بھی منع حمل کی مستقل تدابیر ممنوع ہیں، سوائے ایک صورت کے، وہ استثنائی صورت یہ ہے کہ:

''ماہر قابل اعتماد اطباء کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کا ظن غالب ہو''

تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کرادینا تا کہ استقرارِ حمل نہ ہوسکے جائز ہے۔

﴿6﴾......عارضی منع حمل کی تدابیر اور ادویہ کا استعمال بھی عام حالت میں جائز نہیں۔

﴿7﴾......چند استثنائی صورتوں میں عارضی منع حمل کی تدابیر وادویہ کا استعمال مردوں اور عورتوں کے لیے درست ہے، مثلاً یہ کہ عورت بہت کم زور ہے، ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کی متحمل نہیں ہوسکتی اور حمل ہونے سے اسے شدید ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو، یا یہ کہ ماہر اطباء کی رائے میں عورت کو ولادت کی

صورت میں ناقابلِ برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو‘‘ (اہم فقہی فیصلے ص ۶ تا ۸، جدید فقہی مباحث ج ۱ ص ۳۹۰)

یاد رہے! کہ مندرجہ بالا فیصلوں کے تمام پہلو شخصی وانفرادی حالات کے اعتبار سے ہیں، جہاں تک مروجہ خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے جو کہ ایک عالم گیر تحریک کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے ناجائز اور غیر شرعی ہونے پر کمیٹی کا اتفاق تھا اور اسی وجہ سے اکیڈمی کی طرف سے جو سوالات ارکان اور شرکا کے سیمینار کو ارسال کیے گئے تھے، ان کے شروع میں واضح طور پر تحریر کیا گیا تھا:

’’عمومی خاندانی منصوبہ بندی یا حکومتوں کے اقدامات اور پالیسیاں وغیرہ نظریات سے پوری طرح اتفاق نہ رکھنے کے باوجود ضبطِ تولید سے متعلق پیش کردہ شرعی نقطۂ نظر اور بعض نکات ایسے ہیں جن پر بحث وتمحیص کی ضرورت ہے‘‘ (ملاحظہ ہو: جدید فقہی مباحث ج ۱ ص ۲۵۰)

جس سے واضح ہوا کہ حکومتوں کی طرف سے عمومی سطح پر رائج خاندانی منصوبہ بندی اور فیملی پلاننگ کی تحریک الگ نوعیت رکھتی ہے۔

قارئینِ کرام کو یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ شریعتِ مطہّرہ کی طرف سے جو ضبطِ ولادت، منعِ حمل یا عزل وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے وہ ایک تو دوا اور علاج معالجہ یا شخصی وانفرادی ضروریات وحالات کی صورت میں ہے، اور دوسرے ان کے مقاصد اور اغراض بھی شریعت کے اصولوں سے متصادم نہیں، جب کہ خاندانی منصوبہ بندی یا فیملی پلاننگ کی مروجہ تحریک ان دونوں چیزوں کے اعتبار سے مختلف نوعیت کی حامل ہے۔

چنانچہ مروجہ فیملی پلاننگ کی تحریک کا مقصد معاشی واقتصادی مسئلہ اور روزی، روٹی کا انتظام ہے اور اس غرض سے ضبطِ ولادت درست نہیں، کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کی مخالفت اور اسلام میں بڑے خاندان اور امتِ محمدیہ کی کثرت کی جو ترغیب دی گئی ہے،

اس سے انحراف پایا جاتا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مروجہ ضبطِ ولادت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

’’مذکورہ حقائق سے پوری طرح واضح ہو چکا ہے کہ ضبطِ ولادت نہ تو شرع اسلام کی کسوٹی پر صحیح ثابت ہوا، اور نہ عقل ہی اسے رواج دینے پر راضی ہے، ان منہ بولتے دلائل کے بعد ایک سلیمُ الفکر انسان کا ذہن سو فیصد اس نتیجے پر پہنچنا چاہیے کہ ضبطِ ولادت پر عمل کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

لیکن افسوس کہ ہم اپنی اس قوم سے مخاطب ہیں جو دو سو سال کے اس الم ناک پھیر میں آ کر اپنی سیاسی عظمتوں کے ساتھ ساتھ اپنی فکری صلاحیتیں بھی یورپ کی قربان گاہ پر لٹا چکی ہے، ہماری مرعوبیت اور احساسِ کم تری اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے دل کسی ایسی بات کو جگہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتے جو براہِ راست یورپ سے درآمد نہ کی گئی ہو، خواہ اس کی صداقت پر قرآن وسنت کے کتنے ہی قطعی دلائل رکھ دیئے جائیں یا خالص عقلی اور ناقابلِ انکار براہین کے ڈھیر لگا دیئے جائیں، ہماری نگاہیں اور ہمارے دل ان کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے، بلکہ یہ معلوم کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں کہ اس بارے میں مالتھس (Malthus) نے کیا کہا؟ نیوٹن نے کیا سوچا؟ برنارڈ شا کا نظریہ کیا ہے؟ اور آخر کار اسی نظریئے کو حرفِ آخر قرار دیتے ہیں جو کسی مغربی مفکر کی دماغی اپج سے وجود میں آیا ہو، قرآن وسنت کیا کہتے ہیں؟ عقل کیا پسند کرتی ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں، جو ذہنی تقلید کے اس دور میں فرسودہ ہو چکے ہیں‘‘ (ضبطِ ولادت کی عقلی و شرعی حیثیت، ص ۵۲، ۵۳)

11 / ربیع الآخر / 1426 ہجری

(ماہنامہ ’’التبلیغ‘‘ ربیع الآخر / 1426 ہجری جون / 2005ء، جلد 2 شمارہ 4)

(18)

گرمی کی لہر اور سائنسی انکشافات

ملکِ پاکستان سمیت دنیا کے مختلف ممالک میں گزشتہ موسمِ سرما میں شدید ترین تاریخی سردی پڑنے اور برف باری کے بعد، موسمِ گرما کی آمد کے ساتھ شدید ترین تاریخی گرمی پڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، پاکستان کے مختلف حصوں میں سخت گرمی اور لُو لگنے سے روز مرّہ متعدد ہلاکتوں کی خبریں مِل رہی ہیں۔

جب کہ ملک میں بہت بڑی تعداد اُن مزدور اور غریب لوگوں کی ہے، جو ظاہری اسباب کے درجے میں روزمرہ دھوپ میں کام کیے بغیر شام کو اپنے کھانے پینے کا بندوبست نہیں کر پاتے ہیں، اور اُن کے لیے ایک دن کام کی چھٹی کرنا پریشانی کا باعث ہوجاتا ہے، ٹیکسی، رکشہ اور دوسری گاڑیاں چلانے والے صبح سے شام تک تپتی دھوپ میں اپنے روزمرہ کے اخراجات کا انتظام کرتے ہیں، ملک کے بعض حصوں میں بجلی کی بھی رسائی نہیں، اس لیے پنکھے، کولر وغیرہ کے ذریعے گرمی کی شدت کے احساس کو کم کرنا ان کے بس میں نہیں۔

اور جہاں بجلی میسر ہے، وہاں بھی غریب عوام کی بہت بڑی تعداد وہ ہے، جن کو کولر اور پنکھے وغیرہ میسر نہیں اور اگر میسر ہو بھی جائیں، تو ان کے پاس بجلی کے مہنگے ترین بلوں کی ادائیگی کا انتظام نہیں۔

پے در پے کمر توڑ مہنگائی کی وجہ سے غریب عوام کی زندگی میں مشکلات کا اضافہ ہورہا ہے۔

ارب پتی، کروڑ پتی اور لکھ پتی سرکاری اور غیر سرکاری طبقے کے اکثر لوگوں کو اپنی کوٹھی بنگلوں اور ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں بیٹھ کر غریب عوام کے گرمی اور مہنگائی سے پیدا ہونے والے مسائل کا تو احساس نہیں ہوتا؟

26 دسمبر 2004ء کو تباہ کن سونامی طوفان کے بعد دنیا کے نقشے میں غیر معمولی تبدیلی واقع

ہوگئی تھی، اور اُس وقت ہی بعض سائنس دانوں نے موسم میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہونے کا پیشگی انکشاف کیا تھا۔

چنانچہ سونامی طوفان کے بعد دنیا کے مختلف علاقوں میں شدید ترین، ریکارڈ توڑ سردی اور برف باری پڑی تھی، سردی کا موسم ختم ہونے کے بعد اب گرمی کا موسم شروع ہوا ہے، اس میں بھی غیر معمولی اضافہ ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔

شدید ترین سردی ہو یا گرمی، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے:

''جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا کہ اے میرے رب! میرے بعض حصے نے بعض کو کھالیا ہے (اس شکایت کے ازالہ کے لیے) اللہ نے جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں، اب جو لوگ گرمی کی شدت محسوس کرتے ہیں، تو یہ جہنم کے باہر کی طرف سانس لینے کا اثر ہے اور جو سردی کی شدت محسوس کرتے ہیں، تو یہ جہنم کے اندر کی طرف سانس لینے کا اثر ہے'' (بخاری، مسلم) [1]

بعض سائنس دانوں کے تجزیہ کے مطابق دنیا میں آہستہ آہستہ درجۂ حرارت میں اضافہ کے باعث پہاڑوں پر موجود برف کے زیادہ مقدار میں پگھلنے کی وجہ سے وقت کے ساتھ ساتھ خشکی اور آبادی کا بہت بڑا حصہ زیرِ آب آنے کا خدشہ ہے، یہی وجہ ہے کہ موسمِ گرما میں بہت سے علاقوں میں سیلاب سے تباہی پھیلنے لگی ہے۔

گزشتہ موسمِ سرما میں بعض پہاڑی علاقوں میں ریکارڈ برف باری کے بعد حالیہ دنوں میں

---

[1] حدثنی أبو سلمة بن عبد الرحمن، أنه سمع أبا هريرة رضی الله عنه، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "اشتكت النار إلى ربها فقالت :رب أكل بعضي بعضا، فأذن لها بنفسين :نفس في الشتاء ونفس في الصيف، فأشد ما تجدون من الحر، وأشد ما تجدون من الزمهرير "(بخاری، رقم الحديث ٣٢٦٠، مسلم، رقم الحديث ٦١٧ "١٨٥")

جاری گرمی کی لہر کے نتیجے میں، اس مرتبہ پہاڑوں پر زیادہ مقدار میں برف پگھلنے اور پانی کے اضافہ سے دریاؤں اور ڈیموں میں پانی کی سطح خطرناک حد تک بلند ہوگئی، اور صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) اور سوات کے بعض علاقوں میں شدید سیلاب کے باعث ہزاروں لوگوں کے بے گھر ہونے، بے شمار مکانات واملاک کے تباہ ہونے اور قیمتی فصلوں کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچنے اور پینے کے پانی، نیز بجلی، گیس اور فون کی تنصیبات کو غیر معمولی ضرر لاحق ہونے کی اطلاعات مل رہی ہیں، جس کی وجہ سے عوام کو سخت بے چینی واضطراب کا سامنا ہے، اور دریائے کابل ودریائے گلگت کی صورتِ حال بدستور خطرناک حد تک پہنچ رہی ہے۔

دوسری طرف بعض سائنس دانوں کے تجزیے کے مطابق آہستہ آہستہ زمین، سورج کے قریب ہوتی جارہی ہے، جوکہ پوری زمین کے لیے تشویش ناک بات ہے، سورج کی حرارت کے سامنے دنیا بے بس ہے، اگر یہ حرارت زمینی ماحولیاتی کے قدرتی وفطری نظام کے ساتھ انسانوں کے چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے حدِّ اعتدال سے بڑھ جائے، تو زندگی کا سارا نقشہ تبدیل ہوجائے گا۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ آہستہ آہستہ زمین کی اپنی کشش کا دباؤ کم ہورہا ہے، جس کی وجہ سے سورج اس کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے، اور ایک وقت آنے پر زمین کو سورج کا زیادہ قُرب حاصل ہوجانے کی صورت میں، سورج کی شدت سے پوری دنیا بھسم ہوسکتی ہے۔

سائنس دان تو اپنی ظاہری تحقیقات میں ہی لگے رہیں گے، مگر اللہ ربُّ العزت نے صدیوں پہلے قیامت کے قائم ہونے پر اس کائنات کے نیست ونابود ہونے اور ذرّہ ذرّہ ہوکر فضا میں اُڑ جانے کی جو خبر دے دی تھی، اس حقیقت کا کسی بھی شکل میں ایک دن ظہور ہوجائے گا۔

سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق سورج دراصل مکمل طور پر ایک آگ کا لاوا ہے، جس کے قریب بھی کسی مادی چیز کا جانا ممکن نہیں، سورج سے ہر وقت آگ کی لپٹیں اور شعلے برآمد ہوتے رہتے ہیں، جو دنیا میں گرمی اور روشنی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اور یہ بات ممکن ہے کہ اللہ نے جہنم کو باہر کا سانس لینے کے لیے سورج کو راستہ بنا دیا ہو، اور قیامت کے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ، زمین کو سورج کا قُرب حاصل ہوتا جا رہا ہو۔

سائنس دانوں کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ سورج کا حجم زمین کے حجم سے زیادہ اور سورج کی کشش زمین کی کشش سے زیادہ ہے۔

سورج گیسوں کا ایک بہت بڑا گولہ ہے، جس کے اندرون میں مسلسل تابکاری کا عمل جاری ہے، جیسے کروڑوں ہائیڈروجن بم ایک ساتھ پھٹنے سے ہو سکتی ہے، جس سے کثیر مقدار میں توانائی پیدا ہوتی ہے، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ایک کھرب گھوڑے تقریباً ایک کروڑ اور ساٹھ لاکھ سالوں میں جتنا کام کر سکتے ہیں، اتنا کام ایک سیکنڈ میں سورج اکیلے کر سکتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں سورج کی سطح کی ایک مربع گز سے اتنی توانائی خارج ہوتی ہے کہ اس میں 70000 گھوڑوں کی طاقت ہوتی ہے۔

اس توانائی کی بہت قلیل مقدار ہماری زمین پر پہنچتی ہے۔

سائنس دانوں نے سورج کے اندرون کا درجۂ حرارت دو کروڑ تینتیس لاکھ تک بتایا ہے، جب کہ اس کی سطح کا درجۂ حرارت تقریباً 10000 فارن ہیٹ تک اندازہ ہوا ہے۔

بعض اوقات سورج کی سطح سے توانائی کا اتنا اخراج ہوتا ہے کہ سکائی لیب سے ایک مشاہدے کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس قسم کا درجہ حرارت اٹھارہ کھرب فارن ہیٹ تک پہنچ گیا، اور بعض دفعہ توانائی کے اخراج کے ایسے جھکڑ چلتے ہیں کہ سورج کی سطح سے لاکھوں میل تک شعلے بلند ہو جاتے ہیں۔

سورج کے مطالعے کے لیے کئی خلائی گاڑیوں کو سورج کی طرف بھیجا گیا، لیکن کوئی بھی اس کے اتنا قریب نہ جا سکی کہ خلائی جہاز کا سورج سے فاصلہ تین کروڑ میل

سے کم ہو سکے۔

ایک اندازہ کے مطابق کسی وقت سورج کا ہیلیم بڑے عناصر میں تبدیل ہونا شروع ہوجائے گا، اور یہ پھولنا شروع ہوجائے گا حتیٰ کہ پھولتے پھولتے زمین کو نگل لے گا (ملاحظہ ہو: فہم الفلکیات ص 27 تا 30 مرتبہ: سید شبیر احمد صاحب کاکاخیل، مدیر فنی اُمور)

بہر حال جو کچھ بھی ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مصنوعات اور مخلوقات کی یہ نیرنگیاں اور تبدیلیاں قیامت کا پتہ دیتی ہیں، اور قدرت کی نشانیوں میں سے اہم نشانیاں ہیں، ایسے حالات میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور توبہ واستغفار اور اپنے گناہوں کو معاف کرانے کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

ایک طرف تو پے در پے قدرت کی ان نشانیوں کا ظہور ہو رہا ہے، اور دوسری طرف انسانوں کی غفلت اور بداعمالیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، جس سے لگتا ہے کہ انسانوں کی عقلوں پر شامتِ اعمال کی وجہ سے پردہ پڑ گیا ہے، حالانکہ یہ تمام حالات و انقلابات انسان کو اِس طرف متوجہ کررہے ہیں کہ وہ دنیا کی عارضی حیات اور اس کی لذات کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہو، اور آخرت کی آیندہ آنے والی دائمی زندگی اور حیات کو دُرست کرنے اور بنانے کی فکر کرے۔

گرمی کی شدت محسوس کرکے اللہ کے نیک بندے تو جہنم کے عذاب سے بچنے کا سامان کرتے اور آخرت کے عذاب کا تصور کرتے ہیں، دنیا کی یہ گرمی ان کو آخرت اور جہنم کی گرمی کے عذاب کو یاد دلاتی ہے، جس سے ان کے ایمان میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت سے اپنے دلوں کو حرارت پہنچاتے ہیں۔

لیکن غافل انسان ہائے گرمی، ہائے گرمی کرتے کرتے گرمی کے پورے موسم کو خیر باد کہہ دیتے ہیں، اور کوئی دینی ودنیوی فائدہ نہیں حاصل کرپاتے۔

گرمی کی شدت، جہاں ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا پتہ دیتی ہے، اور ہمیں اللہ کی بارگاہ کی

طرف متوجہ ہوکر توبہ استغفار کی دعوت دیتی ہے، وہاں اہلِ ثروت واہلِ ودلت حضرات کو گرمی کی شدت سے بے تاب غریبوں اور مزدوروں کے حقوق ادا کرنے ،اورعیش پرستی میں پڑے ہوئے انسانوں کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کام کرنے والے مزدوروں کے دُکھ درد میں ہاتھ بٹانے کی بھی تعلیم دیتی ہے۔

اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ قدرت کی طرف سے عاید کی ہوئی اس ذمہ داری سے کس طرح سبکدوش ہوتا ہے،اور قدرت کی طرف سے مقرر کردہ اس امتحان میں کس حد تک کامیابی حاصل کرکے آنے والی آخرت کا سامان کرتا ہے؟

17/ جمادی الاولیٰ/1426ہجری 25/ جون/2005ء

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1426ہجری جولائی/2005ء،جلد2شمارہ5)

(19)

سانحہ گھوٹکی/ حسبہ بل/ بلدیاتی انتخابات/ چودہ اگست

مؤرخہ 8 / جمادی الاولیٰ 1426، 26 / جون/ 2005ء، بروز اتوار میں اپنے چند رفقا کے ساتھ صبح کی ریل کار سے لاہور کا سفر کر رہا تھا، گرمی کی شدت کی وجہ سے ہمارے رفقائے کار نے ریل کار کے ائیر کنڈیشن (اے۔سی) ڈبے میں سیٹ کا انتظام کیا تھا، سفر کے دوران تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بار بار ائیر کنڈیشن بند ہو جایا کرتا تھا، جس کی وجہ سے ڈبے میں موجود مسافر گھٹن اور کُڑھن محسوس کرتے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے یہاں ائیر کنڈیشن ڈبوں میں قدرتی ہوا کی آمد ورفت کا بھی کوئی انتظام نہیں ہوتا، اور کھڑکیوں کے شیشے بھی نہیں کھُل پاتے، اس لیے ائیر کنڈیشن بند ہو جانے کی صورت میں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جب ریل کے مسافروں کو بار بار اس صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا، تو ہمارے بعض رفقاء نے انتظامیہ کے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اُن سے رابطہ کیا، اور اس کی وجہ معلوم کی، جس کے جواب میں معلوم ہوا کہ ابھی صبح کا وقت ہے، اس لیے ائیر کنڈیشن پر تھوڑی دیر کے بعد برف جم جاتی ہے، اسے ختم کرنے کے لیے ائیر کنڈیشن بند کرنا پڑتا ہے، اور وہ لاہور جانے کے بعد ائیر کنڈیشن کی اصلاح ومرمت کرائیں گے، اور تھوڑی دیر کے بعد جب کچھ گرمی بڑھ جائے گی، وہ مستقل طور پر ائیر کنڈیشن چلا دیں گے۔

اگرچہ ریلوے انتظامیہ کی اس بات میں زیادہ وزن اور صداقت اس لیے نظر نہیں آ رہی تھی کہ ہمارے ملک میں عام طور سے مسافروں کو اس قسم کی شکایات پیش آتی رہتی ہیں، اگر کوئی اتفاقی مسئلہ ہوتا، تو پھر شاید ان کی بات پر اطمینان ہو جاتا۔

بہر حال کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، جب لاہور قریب آ گیا، اور صبح کا ٹھنڈا وقت بھی گزر

گیا، تو دوبارہ اُن سے رابطہ کیا گیا کہ کم از کم اب تو ائیر کنڈیشن چلا دیا جائے، سفر مکمل ہونے والا ہے، اور دوپہر کی گرمی بھی شروع ہوگئی ہے، ہمارے کہنے سننے پر ائیر کنڈیشن چلا دیا گیا۔
مگر تھوڑی ہی دیر میں دوسرے اہل کار نے آ کر اُسے بند کر دیا، اور کیوں کہ سفر کے آغاز ہی سے یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک اہل کار ائیر کنڈیشن چلا کر جاتا، پیچھے سے دوسرا، اہل کار آ کر اُسے بند کر دیتا تھا، جس سے لگتا تھا کہ شاید دو اہل کاروں کی ذمہ داری اسی لیے لگائی گئی ہے کہ ایک آ کر چلائے اور دوسرا بند کر دے۔

اب ہمارے رفقا کو بھی کچھ غصہ آ گیا تھا، انھوں نے موقع پر ذمہ دار کو پکڑ کر جب اس سے مؤاخذہ کیا، تو اس نے اصل صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ:

دراصل بات یہ ہے کہ یہ ائیر کنڈیشن تقریباً بارہ سال پرانا ہے، اور اپنی مدت بہت پہلے پوری کر چکا ہے، اب اس میں زیادہ دم خم نہیں ہے، بارہ سال کے عرصے میں دو مرتبہ کاغذوں میں ائیر کنڈیشن تبدیل ہو چکے ہیں، مگر یہاں تک نہیں پہنچ سکے، اوپر کے افسران نے ہڑپ کر لیے، اور اب جب کہ اس کی حالت بہت خستہ ہو چکی ہے، اس لیے بار بار چلانے اور بند کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تا کہ بالکل ہی نہ جواب دے دے، اس غرض کے لیے خاص طور پر دو ملازم رکھے گئے ہیں، جن کو تنخواہ ریلوے کا محکمہ ادا کرتا ہے، اور ہم اس سلسلے میں بے بس اور مجبور ہیں۔

جب ہمارے رفقا کو اس صورتِ حال کا علم ہوا، تو سخت افسوس اور دکھ کا اظہار کیا، اور سوچا کہ جب صرف ایک ائیر کنڈیشن کا یہ معاملہ ہے، تو ریلوے کے دیگر معاملات کا کیا حال ہوگا؟ بس اللہ تعالیٰ ہی اس نظام کو کسی نہ کسی طرح چلوا رہا ہے، ورنہ ہمارے کردار کے سامنے اس نظام کا چلنا از بس مشکل ہے۔

ابھی اس واقعہ کو 17 دن کا عرصہ ہی گزر رہا تھا، کہ گھوٹکی میں اکٹھی تین ریلوں کے خطرناک اور

ہولناک تصادم کی خبر نے پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں تشویش پھیلا دی۔

تفصیل کے مطابق مؤرخہ 13 جولائی کی صبح 3 بجکر 52 منٹ پر گھوٹکی کے قریب ''سرحد'' اسٹیشن پر بیک وقت تین ٹرینوں کا تصادم ہوا، جس کے نتیجے میں دو سو سے زائد مسافر جاں بحق اور لگ بھگ ایک ہزار افراد زخمی ہوگئے، یہ حادثہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا کا پہلا اور نقصانات کے لحاظ سے پاکستان میں ریلوے کا سب سے خوف ناک حادثہ قرار دیا جا رہا ہے۔

اس حادثے کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے، تو یہ بھی ہمارے ریلوے کے بدترین نظام کا ہی ایک حصہ ثابت ہوگا، ان تین ٹرینوں میں سے ایک ''تیز گام'' نامی ٹرین تھی، جو کراچی سے راولپنڈی آ رہی تھی، دوسری ٹرین ''نائٹ کوچ'' تھی، جو لاہور سے کراچی جا رہی تھی، جب کہ تیسری ٹرین ''کوئٹہ ایکسپریس'' لاہور سے کوئٹہ جانے والی تھی، جو فنی خرابی کے باعث مذکورہ اسٹیشن پر کھڑی تھی۔

اس حادثے میں مجموعی طور پر تینوں ٹرینوں کی 26 بوگیوں کو نقصان پہنچا، جن میں 18 بوگیاں مکمل طور پر تباہ ہوگئیں۔

اس حادثے کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ کراچی ایکسپریس اور کوئٹہ ایکسپریس کے درمیان تصادم کو پندرہ منٹ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود، تیز گام کو حادثے کی اطلاع نہیں دی گئی، جس کے نتیجے میں تیز گام کا بڑا تصادم رونما ہوگیا۔

قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے ریلوے کا اکثر نظام ایک لمبا عرصہ گزر جانے، اور دوسرے ملکوں کی مجموعی صورتِ حال بدل جانے کے باوجود، ابھی تک اسی ایک ٹریک پر چل رہا ہے جس پر نصف صدی سے زاید مدت پہلے انگریز چھوڑ کر گئے تھے، اور اُس وقت آج کل کی طرح کے جدید ذرائع ابلاغ ووسائل بھی نہیں تھے، اب جب کہ مواصلات اور رابطوں کے ایسے سستے ترین ذریعے پیدا ہوگئے ہیں، جو ایک خاکروب، موچی اور گدھا

گاڑی چلانے والے کے پاس بھی موبائل فون کی شکل میں موجود ہیں۔

اس کو ریلوے انتظامیہ کی غفلت، عیاشی، اور لاپرواہی کی انتہاء نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

پچھلے دنوں حکومت نے پی ٹی سی ایل کے 26 فیصد حصص نیلام کر کے ابوظہبی کے ایک ٹیلی کام گروپ ''اتصالات'' کو 12 ارب 59 کروڑ 8 لاکھ ڈالرز (تقریباً ایک سو پچپن ارب روپے) میں فروخت کردیے تھے۔

اور اب پاکستان ریلوے کی نیلامی و نج کاری کی خبریں بھی گردش کررہی ہیں۔

اس وقت ہمارے ملک کے عوام اتنے تنگ آچکے ہیں کہ انھیں اس قسم کی نج کاریوں سے زیادہ اپنے حقوق حاصل کرنے کی فکر ہے، جو کسی بھی طرح سے حاصل نہیں ہورہے، اور وہ ہر شعبے میں مشکلات سے تنگ آچکے ہیں۔

ہمارے نااہل حکمرانوں سمیت ریلوے انتظامیہ کے بڑے افسران اربوں کھربوں روپے جیب میں بھر کر گھر لے جاتے ہیں، اور عوام کے خون پسینے سے حاصل کردہ کمائی کو ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کی طرح اپنی عیاشیوں میں اُڑا کر تین پانچ کردیتے ہیں۔

اور سانحہ گھوٹکی جیسے حادثات وسانحات کے خون سے ہولی کھیل کر بھی ان کی پیاس کو تسکین نہیں پہنچتی، معلوم نہیں ملک وملت کے مال وجان کا یہ کھیل کب تک کھیلا جاتا رہے گا؟

ہم تو یہی دعا کرسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان نااہل ذمہ داروں کی اصلاح فرمائے، ورنہ ان سے نجات دلا کر بہتر متبادل افراد مہیا فرمائے۔ آمین۔

حسبہ بل

پاکستان حزبِ اختلاف کی بڑی جماعت متحدہ مجلس عمل نے عام انتخابات میں عوام سے کیے گئے وعدوں کے مطابق، اپنے منشور پر عمل درآمد کرتے ہوئے سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) اسمبلی میں شریعت بل کی متفقہ منظوری کے بعد مؤرخہ 15 / جولائی/ 2005ء کو حسبہ بل کو

کثرتِ رائے سے منظور کر کے صوبے بھر میں 57 سالہ استحصالی نظام کے خاتمے اور عوام کو سستا انصاف اور معاشرے کو اسلامی نظام کے ڈھانچہ میں ڈھالنے کے لیے قدم اٹھایا ہے۔

لیکن دوسری طرف حزبِ اقتدار حکومت نے اس بل کو سپریم کورٹ کی عدالت میں چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمارے خیال میں اگر حکومت کا یہ اقدام نیک نیتی پر مبنی اور عدلیہ کی طرف سے آزادانہ وخودمختارانہ طریقہ پر ملکی آئین کے مطابق جائزہ کے لیے ہو، تو اس حد تک اس میں زیادہ قباحت اور برائی محسوس نہیں ہوتی، لیکن اس موقع پر عدلیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ مقنّنہ اور حکومت کی طرف سے بار بار صوبوں کی خودمختاری کا نعرہ لگانے کے تناظر میں اس بل کا جائزہ لیا جائے، اور اس موقعہ پر حکومت سمیت کسی خارجی دباؤ یا اثر ورسوخ سے متاثر نہ ہوا جائے، جو کہ خود عدلیہ کی شرعی وآئینی ذمہ داری بھی ہے۔

لیکن اگر حکومت کی طرف سے یہ اقدام مخالفت برائے مخالفت کے بے سروپا روایتی اصول کو عملی جامہ پہنانے، یا اسلامی اصولوں سے انحراف پر مبنی ہے، تو یہ نہ صرف پورے ملک کی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہے، بلکہ اسی کے ساتھ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے آخرت کی تباہی وبربادی کا بھی بہت بڑا پیش خیمہ ہے، جس کا وبال بسا اوقات دنیا میں بھی سامنے آجاتا ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام ذمہ دار حلقے اس سلسلے میں سنجیدگی اور نیک نیتی کے ساتھ اس معاملہ کو پایۂ تکمیل اور انتہا تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں صرف بلوں کی منظوری اور قانون بنادینے سے مسائل حل نہیں ہوتے، اصل چیز ان بلوں اور قوانین کا نفاذ ہے، جو کسی بھی بل اور قانون کی منظوری سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، ورنہ وطنِ عزیز میں ایسے سابقہ بلوں اور قوانین کی جن پر مقنّنہ، عدلیہ اور حزبِ اختلاف سمیت عوام کو بھی کوئی اختلاف نہیں، کوئی کمی نہیں، جو آج تک سردخانے میں پڑے ہوئے ہیں، اور ان کا کوئی

پُرسانِ حال نہیں، نفاذ تو دور کی بات ہے۔

ہے مبارک باد کے قابل یہ امر		ہوگیا منظور حسبہ ایکٹ کل
اہلِ ایمان کی یہی ہے آرزو		کاش اب ہونے لگے اس پر عمل

(حاصل تمنائی، روزنامہ اسلام، 6 جولائی 2005ء)

بلدیاتی انتخابات

18 / اگست/ 2005ء کو ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کا اعلان ہو چکا ہے، اور ملک بھر میں انتخابات میں حصہ لینے والے نمایندوں کی طرف سے بھرپور تیاریاں عروج پر ہیں، شاید آیندہ چندروز میں اس میں مزید تیزی آجائے۔

مختلف اہلِ علم حضرات کی طرف سے بار بار ہمارے موجودہ جمہوری مروجہ سیاسی نظام اور طرزِ انتخاب نیز مروجہ ووٹنگ سسٹم کے مفاسد اور خرابیوں کی نشان دہی اور قابلِ اصلاح امور کی تقریر ہوچکی ہے، اس لیے اسے بالتفصیل بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں، البتہ موجودہ ووٹوں کا نظام جس کے تحت منتخب ہو کر وزرا اور حکمران آتے ہیں، اور ایک مدت تک (مثلاً پانچ پانچ سال) ملک میں حکمرانی کرتے ہیں، اس میں ووٹ کا صحیح استعمال ایک اہم ذمہ داری ہے، جس کا صحیح مصرف میں استعمال ضروری اور اس کے غلط استعمال نیز اس کو ضائع کرنے سے بچانا لازم ہے، اور اس کو ایک دنیاوی معاملہ سمجھ کر اس بارے میں کوتاہی برتنا سخت گناہ اور سنگین جرم ہے، جس کے نتائج ملک وملت اور آخرت کے علاوہ دنیا کے اعتبار سے بھی تباہ کن ہیں۔

اس لیے ہر شخص کو ووٹ کا صحیح صحیح استعمال کرنا چاہیے، اور مرد حضرات کے علاوہ عورتوں کو بھی باپردہ طریقہ پر رہتے ہوئے اہل شخص کے حق میں اپنے ووٹ کو استعمال کرنا چاہیے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ ''انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب'')

چودہ اگست

ملکِ پاکستان میں 14 / اگست کی تاریخ کو اس حیثیت سے خاص شہرت حاصل ہے کہ اس تاریخ میں پاکستان کا قیام وجود میں آیا تھا۔

14 / اگست کو ملک میں مختلف قسم کی سرکاری وغیر سرکاری سطح پر تقاریب منعقد ہوتی ہیں، اور اس دن کو ''یومِ تشکر'' کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ اس اعتبار سے تو یہ تاریخ خاص اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں پاکستان کو الگ ملک کی حیثیت سے وجود ملا تھا، اور طویل جدوجہد کے نتیجے اور لامتناہی قربانیوں کے صلہ میں ''مملکتِ پاکستان'' کی شکل میں اسلام کے نام پر ایک ملک وجود میں آیا تھا۔

لیکن نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد ہر سال اس تاریخ کے حوالے سے مختلف پروگرام منعقد کرتے وقت عام طور پر پاکستان کے قیام کے اصلی اور حقیقی مقصد کو حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں کی جاتی، اور مزید برآں اس موقع پر ہر سال ایسی سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، جو قیامِ پاکستان کے مقاصد سے واضح انحراف پر مبنی ہوتی ہیں، چنانچہ زرِ کثیر لگا کر آتش بازی، بے حیائی، شور شرابے اور ناچ گانے کی اجتماعی یا انفرادی وہ محفلیں سجائی جاتی ہیں، جن سے ایک باحیا اور ایمان دار مسلمان کی روح کانپ اٹھتی ہے، یقیناً اِن حرکات سے ہمارے اُن آبا و اجداد کی روحوں کو بھی ناگواری ہوتی ہوگی، جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے یہ ملک حاصل کیا اور کرایا تھا، لہٰذا چودہ اگست کی تاریخ مملکتِ پاکستان کے حقیقی جانشینوں اور باشندوں کو اس ملک کے قیام کے اصلی اور روحانی مقاصد کو حاصل کرنے اور ان کو ترقی دینے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/ 1426 ہجری اگست/ 2005ء، جلد 2 شمارہ 6)

(20)

جس کی لاٹھی اُس کی بھینس

ایک واقعہ بچپن میں بعض بزرگوں سے سُننے کو ملا تھا کہ ایک پرندہ جسے اردو زبان میں ''فاختہ'' کہا جاتا ہے، کسی درخت پر بیٹھ کر اپنی مخصوص آواز نکال رہا تھا، اسی دوران اس طرف سے ایک مسلمان کا گزر ہوا، یہ مسلمان اس پرندے کو حیرت سے کھڑا ہو کر دیکھنے لگا، کیوں کہ اس مسلمان نے سُنا ہوا تھا کہ یہ پرندہ اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کرتا ہے:

''سُبحان تیری قُدرت''۔

یہ مسلمان اس پرندے کو دیکھتا جاتا اور اس کی آواز سُن کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اللہ تعالیٰ کی شان کے بارے میں سوچتا جاتا تھا، اتنی دیر میں ادھر سے ایک اور آدمی کا گزر ہوا، یہ شخص ہندو مذہب سے تعلق رکھتا تھا، جب اس ہندو شخص نے مسلمان کو وہاں حیرت کے انداز میں کھڑا ہوا دیکھا، تو اس سے معلوم کیا کہ آپ یہاں کھڑے ہو کر کیا دیکھ رہے ہو؟

مسلمان نے اطمینان کی حالت میں جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کر رہا ہوں کہ کس طرح یہ پرندہ ''سُبحان تیری قُدرت'' کہہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر رہا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا مذہب بالکل برحق اور صحیح ہے۔

مسلمان کی یہ بات سن کر ہندو نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو، یہ ہرگز بھی یہ نہیں کہہ رہا جو تم سمجھ رہے ہو، یعنی ''سُبحان تیری قُدرت'' بلکہ یہ پرندہ تو ہمارے مذہب کی بات کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے:

''سیتا رام دَسْرَتھ''۔

ابھی مسلمان اور ہندو کے درمیان یہ مکالمہ جاری تھا کہ ادھر سے ایک سبزی فروش آ گیا، جو اپنی ریڑھی پر پیاز، لہسن اور ادرک وغیرہ فروخت کر رہا تھا، اس نے جب ایک مسلمان اور ہندو کو آپس میں بحث و مباحثہ کرتے ہوئے دیکھا، تو اس کی وجہ معلوم کی، مسلمان اور ہندو

دونوں نے اس ریڑھی والے شخص کے سامنے اپنا اپنا موقف رکھ دیا، اور ریڑھی والے شخص سے کہا کہ تم ہی انصاف کرو کہ کس کی بات صحیح ہے، اور کس کی غلط ہے؟

اس تیسرے ریڑھی والے شخص نے کہا کہ تم دونوں ہی غلط کہہ رہے ہو، یہ پرندہ تو دراصل یہ کہہ رہا ہے کہ:

''پیاز، لہسن، ادرک''۔

ابھی ان تینوں میں بحث ومباحثہ جاری تھا کہ ایک چوتھا شخص آ گیا، جو دراصل ایک قصائی تھا اور اپنے سر پر ٹوکرے میں گوشت وغیرہ لے کر جا رہا تھا، جب اس نے ان تینوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس کی وجہ معلوم کی، ان تینوں لوگوں میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا موقف بیان کر دیا۔

اس نے تینوں لوگوں کا موقف سُننے کے بعد جواب دیا کہ تم سارے بے وقوف ہو، اور سب غلط باتیں کر رہے ہو، یہ پرندہ تو دراصل میری برادری کا ہے، اور مجھے خطاب کر کے یہ کہہ رہا ہے کہ:

''سری، پائے ڈھک رکھ''۔

اب جھگڑنے والوں کی تعداد تین سے چار ہو گئی، اور اچھا خاصا شور ہو گیا، سب اپنے اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے اور مکالمے سے گزر کر مجادلے کی نوبت آ گئی تھی، کسی بھی طرح فیصلہ نہیں ہو رہا تھا، اور ہر ایک دوسرے سے اس کے موقف کے درست ہونے کی دلیل طلب کر رہا تھا کہ اتنے میں اُدھر سے ایک پانچواں دیہاتی، اَن پڑھ اور جٹ آدمی آ گیا، جس کا نام ''لاٹھی مار'' تھا، جب اس لاٹھی مار آدمی نے مذکورہ چار افراد کو مباحثہ ومجادلہ کرتے ہوئے دیکھا، تو اُن سے اس کی وجہ معلوم کی، ان چاروں افراد کی طرف سے ساری تفصیل اس کے سامنے رکھ دی گئی، اس نے پوری تفصیل سُننے کے بعد اپنا فیصلہ سُنایا کہ تم سب غلط کہہ رہے ہو، اور تم میں سے کسی کے پاس بھی اپنے دعوے کی کوئی مضبوط اور معقول دلیل نہیں ہے، حقیقت

اور واقعہ یہ ہے کہ یہ پرندہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ:

”تیل لگا کر لٹھ رکھ“۔

پہلے سے موجود چاروں اشخاص نے اس لاٹھی مار کی بھی پُر زور تردید کی، اور کہا کہ تم غلط بات کہتے ہو، اور تمھارے پاس اس کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے، اب ایک پرندے کی آواز کے بارے میں یہ پانچ قسم کے متضاد موقف جمع ہو گئے تھے۔

سُبحان تیری قُدرت............... (مسلمان کا موقف)

سیتارام دسرت.................... (ہندو کا موقف)

پیاز، لہسن، ادرک............... (سبزی فروش کا موقف)

سری، پائے ڈھک رکھ.......... (قصاب کا موقف)

تیل لگا کر لٹھ رکھ.................... (لاٹھی مار شخص کا موقف)

لاٹھی مار نے کہا کہ میرے پاس اس کی مضبوط اور قوی دلیل ہے، جو تم میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے، سب لوگوں نے کہا تو اپنی وہ دلیل ذرا جلدی سے پیش کرو، دیر کیوں کرتے ہو، تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ آپ کی دلیل میں کتنا وزن ہے، یہ سُنتے ہی لٹھ مار نے تیزی سے اپنی لاٹھی چاروں افراد پر استعمال کرنا شروع کردی، اور ان کو ایک ایک لاٹھی رسید کرنا شروع کردی، اور ساتھ ہی یہ بھی کہنا شروع کردیا کہ ”تیل لگا کر لٹھ رکھ“ تھوڑی ہی دیر میں تمام افراد نے اپنا اپنا موقف چھوڑ کر بیک زبان یہی کہنا شروع کردیا کہ واقعی اب بات سمجھ میں آئی، یہ پرندہ یہی کہہ رہا ہے کہ ”تیل لگا کر لٹھ رکھ“ اور لاٹھی مار آدمی کے موقف پر ڈنڈے کے زور سے تمام لوگوں کا فیصلہ اور اتفاق ہو گیا۔

ملاحظہ فرمایئے! کہ لاٹھی اور ڈنڈے نے اپنے زور پر سب کو قابو کرلیا۔

معلوم ہوا کہ لاٹھی اور ڈنڈے کے زور پر لٹھ مار آدمی دوسروں کو زیر کردیتا ہے، اس واقعے سے آپ حضرات کو کم از کم اتنا اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ ڈنڈے کی طاقت سے سب کچھ منوالیا

جاتا ہے، دھونس اور دباؤ سے ایک جھوٹ کو بھی سچ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، اسی تناظر میں یہ مشہور کہاوت بھی ہے: ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس''

آج آپ اپنے معاشرے میں چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھیں گے، تو آپ کو اس کہاوت کی سچائی کے نمونے دکھائی دیں گے۔

سیاست وحکومت کا معاملہ ہو یا ملازمت وافسری کا، استادی وشاگردی کا معاملہ ہو یا رسمی پیری مریدی کا، امیری وغریبی کا معاملہ ہو یا مالک ومزدور کا، کم وبیش ہر جگہ اس کی مثالیں نظر آئیں گی، اور آپ کو ظلم، طاقت اور ڈنڈے کے زور پر دوسرے کو دبانے اور منوانے کے واقعات کا ظہور ہوتا ہوا نظر آئے گا، لیکن حق وباطل کے اس معرکے میں حق پر قائم رہنے والے ایسے افراد کا بھی وجود ہوتا ہے، جو نہ کسی کے ڈنڈے سے ڈر کر اپنے حق موقف سے ہٹتے ہیں، اور نہ ہی دوسرے کے دبانے سے حق کا دامن چھوڑتے ہیں، اور اس طرح ''لِکُلِّ فِرْعَوْنَ مُوْسیٰ'''' ہر فرعون کے لیے موسیٰ'' ہونے کی مثال صادق آتی ہے۔

جب قدرت کا حکم ہوا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی نے اس وقت کی دنیا کے ظالم وجابر حکمرانوں کی حمایتی لاٹھیوں کو نگل کر ہضم کر دیا، ظالم وجابر اور ڈنڈے وطاقت کے زور پر اپنی بات منوانے والے فرعون کو مع اس کے لاؤ لشکر کے ایسے سمندر میں غرق کر دیا، جس سے نجات پانا، اس کی پوری جماعت کے لیے ناممکن ثابت ہوا۔

آج حکومت وطاقت کے بل بوتے پر اپنی غلط وصحیح ہر بات کو منوانے کی کوشش کرنا، اور اپنے خلاف اٹھائی جانے والی حق بات کو بھی بزورِ طاقت دبانے کی جستجو کرنا، عوام کے ایک مخصوص فتنہ پرست طبقے کی طرف سے بندوق کی طاقت کو اندھا دھند استعمال کرنا، بندوق کی نوک پر دن دہاڑے دوسرے کو لوٹ لینا، چند ٹکوں کی خاطر دوسرے کو دہشت گردی کی بھینٹ چڑھا کر موت کی نیند سلا دینا، یہ چیزیں روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں۔

طاقت کے بل بوتے پر، زور زبردستی اور دھونس چلا کر تمام قانونی، شرعی اور اخلاقی تقاضوں کو

بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی من مانی بات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا" قطع نظر اس سے کہ وہ بات صحیح ہے یا غلط" قانونِ فطرت سے بغاوت ہے، ظلم وجبر کے ڈنڈے کو بزورِ طاقت استعمال کرتے وقت اُس لامتناہی قُدرت کے فطری اور غیر محدود قوت کے مستحکم نظام سے آنکھیں بند کرلینا "جس کی طاقت تمام طاقتوں پر غالب ہے، جس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں، جس کی لاٹھی بے آواز اور لامتناہی طاقت کی مالک ہے" یہ طرزِ عمل انسان کو ایسے اندھے غار اور دَلدَل کی طرف لے جاتا ہے، جہاں سے واپس نکلنا کسی فرعونِ زمانہ کے اختیار اور بس میں نہیں ہوتا۔

اس لیے کسی بھی ملک کے حکمران ہوں یا عوام، کسی کو بھی اپنی طاقت کی لاٹھی کو اندھا دُھند استعمال کرتے ہوئے عصائے موسیٰ اور عصائے جادوگراں کے نمونے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، اور قدرتی طاقت کو سامنے رکھتے ہوئے قدم آگے بڑھانا چاہیے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی نے دوسری تمام لاٹھیوں کو یکلخت نگل کر جادو کے مصنوعی کھیل کا صفایا کردیا تھا، آج بھی بحکمِ الٰہی موسیٰ کی لاٹھی کی شکل میں کوئی قُدرتی اور غیبی لاٹھی برآمد ہوکر تمام ظالموں اور جابروں کی لاٹھیوں کا صفایا کرسکتی ہے، اور ظالموں وجابروں کو ظلم وستم اور بربریت کی پاداش میں فرعون، قارون، ہامان اور شداد کی طرح ایک دائمی اور نہ ختم ہونے والے عذاب کی گہری وادی میں دھکیل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مال ودولت، اقتدار اور کسی بھی عہدے ومنصب کے وقت، اپنے مستقبل کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہندوستان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے اس شعر سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ ؎

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیے گا		گو ہو کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
عیش میں جسے یادِ خدا نہ رہی		طیش میں جسے خوفِ خدا نہ رہا

(ماہنامہ "التبلیغ"، رجب/1426ہجری ستمبر/2005ء، جلد2 شمارہ7)

(21)

دین و دنیا ساتھ لے کر چلیں

آج ایک مخصوص طبقے کی طرف سے مکمل اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے اور کامل مسلمان بننے کو انتہا پسندی اور شدت پسندی سے تعبیر کرنے کا جو سلسلہ جاری ہے، اس کو اور بھی کئی پیرایوں میں خوب صورت اور مزین تعبیرات کا لیبل لگا کر عوام میں پھیلانے کے منصوبہ کی تکمیل ہو رہی ہے، چنانچہ ان ہی تعبیرات کا ایک حصہ یہ ہے کہ دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کی دعوت دی جائے، اور سادہ لوح مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ:

''دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے، جس دین کی خاطر دنیا کو پیچھے چھوڑا جائے ایسا دین مولویوں کا بنایا ہوا ہے، اور ہمیں مولویوں کا بنایا ہوا دین نہیں چاہیے''

اس قسم کے جملے یا الفاظ اس وقت بولے اور کہے جاتے ہیں، جب کسی موقع پر دین اور دنیا کے تقاضوں میں کسی چیز میں ٹکراؤ نظر آ رہا ہو، مثلاً شادی بیاہ کی رسمیں جو خاندان اور معاشرے میں ضروری سمجھی جاتی ہیں، اور شریعت کا حکم ان رسموں کے خلاف ہوتا ہے، اب اگر شریعت پر عمل کیا جائے، تو خاندان اور برادری والے ناراض ہوتے ہیں، اس قسم کے مواقع کے لیے دین کا تقاضا چھوڑ کر دنیا کا تقاضا پورا کرنے کی خاطر دین کی حقیقت سے ناشناسا لوگوں نے ''دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلنے'' کی نرالی منطق تراشی ہے۔

ان مشفق ناصحین کی یہ نصیحت سادہ لوح اور کم فہم مسلمانوں کو ظاہری طور پر بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے۔

لیکن اس موقع پر ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دین کبھی بھی انسان کو دنیا چھوڑنے کی دعوت نہیں دیتا، اور دنیا سے الگ تھلگ ہونے کو پسند نہیں کرتا۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں آنے اور بسنے والوں پر دین کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ وہی دنیا

کے صحیح وغلط استعمال کا راستہ بتاتا ہے، اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج اور فوائد ونقصانات سے انسان کو باخبر کرتا ہے۔

سب سے بڑی بات اس بارے میں یہ ہے کہ دین کے احکام کا نفاذ، دنیا میں آنے والوں اور یہاں بسنے والوں پر ہی عاید ہوتا ہے، کیوں کہ یہ دنیا دارُ العمل ہے۔

جب یہ دنیا ہی دارُ العمل ہے، تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں انسان دین پر عمل کرنے کے لیے آیا ہے، بلکہ اس دنیا کو دین پر عمل کرنے ہی کے لیے بنایا گیا ہے، جو انسان اس دنیا میں نہیں آتا، اس پر دین کا کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا، لہٰذا اس دنیا میں آنے کا تقاضا ہی دین پر عمل کرنا ہوا۔

انسانیت کے لیے دین کو مقرر اور طے کرنے والی ذات وہ ہے، جس نے اس پوری دنیا اور انسانیت کو پیدا فرمایا، اب اس ذات سے زیادہ بہتر نظامِ حیات اور کوئی نہیں دے سکتا۔

اور دین کا کوئی حکم اور کوئی تعلیم بھی ایسی نہیں، جس میں دنیا کو چھوڑنے اور اس کو خیر باد کہنے کا حکم دیا جاتا ہو اور دین کا کوئی کام ایسا نہیں کہ جس کو اس دنیا سے باہر نکل کر کرنے کا حکم ہو۔

دین تو دنیا میں انسان کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ ایک انسان بیوی، بچوں، رشتہ دار و اقارب کو چھوڑ کر جنگل میں جا کر پڑ جائے اور سب سے اپنے تعلقات بالکل ختم کرلے، اسی وجہ سے اسلام میں رہبانیت اور لوگوں سے بالکل الگ تھلگ زندگی گزارنے سے منع کیا گیا ہے۔[1]

دین کی رو سے تین دن سے زیادہ بلاضرورت کسی مسلمان بھائی سے ناراض ہو کر سلام وکلام

---

[1] نهت الشريعة عن الرهبانية -بمعناها الذى كان يمارسه رهبان النصارى -وهو الغلو فى العبادات، والتخلى عن أشغال الدنيا وترك ملاذها، واعتزال النساء، والفرار من مخالطة الناس، ولزوم الصوامع والديارات أو التعبد فى الغيران والكهوف، والسياحة فى الأرض على غير هدى بلحوقهم بالبرارى والجبال، وحمل أنفسهم على المشقات فى الامتناع من المطعم والمشرب والملبس والمنكح، وتعذيب النفس بالأعمال التعبدية الشاقة كأن يخصى نفسه أو يضع سلسلة فى عنقه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۱۷۴،ماده،رهبانية)

چھوڑ دینا بھی گناہ ہے، کیوں کہ اس سے اجتماعیت کی روح فنا ہوتی ہے، جو زندگی کے تمام تقاضوں اور سرگرمیوں کی روحِ رواں ہے۔

اسی دین میں خودکشی کرنے سے بھی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، اور نکاح کرنے کو اہم عبادت قرار دیا گیا ہے، دینِ اسلام میں بیوی، بچوں، والدین، رشتہ داروں، عام مسلمانوں، چھوٹوں، بڑوں، یہاں تک کہ کافروں اور جانوروں کے بھی حقوق بتادیے گئے ہیں۔

آخر علائق کے یہ سارے سلسلے اس دنیوی نظامِ زندگانی ہی کے تو شعبے ہیں۔

یہ دین کا جامع اور مکمل نظام ایسا ہے، جس میں بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک دنیا کی زندگانی سے متعلق ہر ہر موقع کی تعلیم دی گئی ہے۔

لہٰذا یہ سمجھنا کہ دین و دنیا ساتھ لے کر چلنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں دین کا دنیا سے ٹکراؤ ہوجائے، وہاں دین کو چھوڑ دیں اور دنیا کو اختیار کرلیں، یہ دین کے مقصد اور خود دنیا کے مقصد کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ دنیا میں آنے سے دین مقصود ہے اور دنیا میں آنا، اس مقصود کی تحصیل کا صرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اور اس طرح وسیلے اور ذریعے کو مقصود پر ترجیح دینا یا کم از کم ذریعے اور وسیلے کو مقصود کے برابر درجہ دے دینا لازم آتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ نظریہ، دنیا اور دین کے کسی قانون میں بھی درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان/1426ہجری اکتوبر/2005ء، جلد2 شمارہ8)

(22)

رمضان 2005ء کا ہولناک زلزلہ

مورخہ 3/رمضانُ المبارک 1426ھ، 8/اکتوبر 2005ء بروز ہفتہ صبح نو بجے کے قریب پاکستان کی شمالی پٹی کے اضلاع ایبٹ آباد، مانسہرہ، بٹگرام، کوہستان، شانگلہ، ضلع سوات اورآزادکشمیر کے اضلاع باغ، راولاکوٹ، اور صدر مقام مظفرآباداورجزوی طور پر کچھ دیگرعلاقوں میں جوقیامت خیززلزلہ آیا، اس کی تباہ کاریوں نے پورے ملک کوجھنجھوڑکررکھ دیا۔

اگرچہ یہ ہولناک زلزلہ صرف ان مذکورہ علاقوں تک محدودنہیں تھا، بلکہ اٹک کے آر پار دونوں جانب اورراولپنڈی ،اسلام آباد سے لے کر لاہورتک اور صوبہ سرحد(یا خیبر پختونخوا) اور پنجاب کے وسیع وعریض علاقوں تک اس کا پھیلاؤ تھا،لیکن حیرت انگیز طور پر جس طرح مذکورہ شمالی علاقے تباہی وبربادی کا شکار ہوئے، اس کے بالکل برعکس دوسرے زلزلہ زدہ علاقے نقصان سے محفوظ رہے، سوائے اکادکا حادثات کے، جیسے اسلام آباد میں مارگلہ ٹاورکا زمین بوس ہونا، جزوی طور پرایک بڑاحادثہ تھا،لیکن جس شدت کا یہ زلزلہ تھا وہ ہزارہ سے اِدھر اٹک پاراورراولپنڈی اسلام آباد وغیرہ شہروں میں بھی اپنے اثرات دکھاتا،توخاکم بدہن کئی ہنستے بستے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔

جس پر اللہ کاشکرگزار ہونا چاہیے۔

زلزلے کے ایک ہی جھٹکے سے ایک طرف زمین کے ایک حصہ میں تباہی وبربادی کے یہ محیرالعقول مناظرکہ پورے پورے شہر پلک جھپکنے کی دیر میں ملیامیٹ ہوکر''شہرِ خموشاں'' میں تبدیل ہوگئے ،اوردوسری طرف دیگر علاقوں اورشہروں میں اس جھٹکے کے ہوا کے جھونکے کی طرح آنے اورگزرجانے میں اگرچہ کچھ ظاہری اسباب اورطبعی وجوہات (مثلاً زلزلے کے

مرکز کا دور اور دور و آبادی و تعمیرات کا آپس میں متصل ہونا وغیرہ) بھی بیان کی جاتی ہیں، لیکن مجموعی طور پر ان وجوہات سے زیادہ اس میں قضاوقدر کے فیصلے اور قدرت کے حکمتِ بالغہ پر مبنی تکوینی نظام کا عمل و دخل ہے۔

انھی ایام میں دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی متعدد زلزلے آئے ہیں، ایران کے تباہ کن تاریخی زلزلے کو ابھی دو سال کا عرصہ بھی نہیں ہوا، اور سونامی کا تباہ کن سمندری زلزلہ وطوفان جس میں لاکھوں انسان ہلاک اور لاکھوں بے گھر و در بدر ہوئے ، اور علاقوں کے علاقے ملیامیٹ ہو گئے تھے، اس کو ابھی سال نہیں ہوا، اور امریکا میں خلیج میکسیکو وغیرہ کے ساحلوں پر تباہ کن سمندری طوفان تو پاکستان کے زلزلے کے قدم بہ قدم آیا ہے، جس نے اس طاقت ور ملک کے تسخیرِ کائنات کے دعووں کا پول کھول دیا۔

ان تمام حادثات وواقعات نے جس کا دائرہ پوری دنیا تک وسیع ہے، اور ترقی یافتہ سے لے کر پس ماندہ ممالک تک سب ان قدرتی آفات کی لپیٹ میں آ کر بے بس ولا چار ہوئے، اور ہو رہے ہیں۔

ان سے آج کی مادیت میں ڈوبی ہوئی انسانی نسلوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اس دنیا کا مالک کوئی اور ہے، اور انسان ٹیکنالوجی کی ترقی میں کتنا بھی آگے بڑھ جائے ، وہ قدرت کی طاقتوں کے سامنے بے بس ہے۔

دینِ اسلام ہی قدرت کے ان تصرفات اور کائنات کے سربستہ رازوں کو انسان کے سامنے واضح طریقے پر بیان کر کے مادی وروحانی عمل اور ردِ عمل اور قانونِ جزا وسزا کا منظّم ومربوط نظامِ قدرت کا تصور اور عقیدہ فراہم کرتا ہے۔

رمضان میں آنے والے موجودہ زلزلے میں ہمارے وطن میں اعداد وشمار کے مطابق ہونے والی انسانی ہلاکتیں ایک لاکھ کے قریب ہیں، لیکن خدشہ ہے کہ صحیح تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی ، اور زخمیوں ومعذوروں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ پورے پاکستان کے ہسپتالوں میں

زلزلہ کے متاثرین زیرِ علاج ہیں، زلزلے سے متاثر، موت وزندگی کی کش مکش میں مبتلا رہنے والوں کی تعداد بھی اتنی زیادہ ہے کہ اس کی صحیح تعیین کرنا مشکل ہے۔

اس تباہ کن، ہولناک اور خطرناک زلزلے کے نتیجے میں جہاں ایک طرف لاکھوں کی تعداد میں انسانی جانوں کی ہلاکت واقع ہوئی، تو دوسری طرف املاک کی تباہی اور بربادی بھی تاریخ میں امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔

اس ہولناک زلزلے کی وجہ سے رہایشی اور زرعی زمینوں میں جگہ جگہ دراڑیں پڑ گئیں، جس کی بناپر وہ پیداوار اور رہایش کے قابل نہیں رہیں، اور انسانی جانوں کے ساتھ ہزاروں مویشی بھی ہلاک ہوئے، اور ان دیہی علاقوں کی معیشت کا دارومدار مویشیوں اور زراعت ہی پر تھا، زلزلہ کی وجہ سے کئی کئی منزلہ عمارات زمین میں دھنس گئیں۔

زلزلہ آنے کے بعد متاثرہ علاقوں میں بجلی اور پانی نیز فون وغیرہ مواصلات کی سہولیات بھی ختم ہوگئی تھیں، جس کی وجہ سے ان علاقوں میں بچے کھچے لوگوں کو زندہ رہنے میں شدید مشکلات کا سامنا تھا۔

زلزلہ آنے کے ساتھ ہی سردی کی لہر اور اوپر سے بارش اور تیز ہوا کی وجہ سے کھلے آسمان تلے نہتے لوگوں کے لیے زندگی گزارنا مشکل ہوگیا، اور اکثر گزرگاہیں بھی استعمال کے قابل نہیں رہیں، زلزلے کی وجہ سے متعدد ہسپتالوں اور شفاخانوں کے منہدم اور تباہ ہونے کی وجہ سے مریضوں اور زخمیوں کے علاج ومعالجہ کی سہولیات بھی ختم ہوگئی تھیں، اس کے ساتھ زلزلہ کے متواتر جھٹکوں کی وجہ سے خوف وہراس الگ پھیلا ہوا تھا۔

عینی شاہدین کے مطابق حالیہ زلزلہ کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ زلزلہ نے متعدد مرتبہ لوگوں کو زمین سے کئی کئی فٹ اوپر اُچھالا، اور زلزلہ پورے پورے شہروں کو گھما کر ایک سمت سے دوسری سمت میں لے گیا۔

حاضرین نے زلزلے کی وحشت ناک گڑگڑاتی آواز کو اپنے کانوں سے سُنا، زلزلے کے

دوران ہر طرف چیخ پکار اور آہ بُکا کا ایک شور بپا تھا، لمحہ بھر میں ہنستے بستے گھرانے مٹی کے ڈھیر بن گئے اور خوب صورت بستیاں اُجڑ گئیں۔

بتلایا جاتا ہے کہ زلزلے کے وقت بے بسی اور بے کسی کا یہ عالَم تھا کہ ایک انسان کے سامنے اس کے معصوم بچے، بیوی، بہن، بھائی، والدین اور دوسرے قریبی رشتہ دار اور عزیز ملبے تلے دبے یا پھنسے چیخ و پکار کر رہے تھے، اور اپنے آپ کو بچانے اور وہاں سے نکالنے کی مدد چاہ رہے تھے، مگر وہ تنہا انسان کیا کرسکتا تھا، جس کے ہاتھ میں کوئی اوزار یا ہتھیار بھی نہ تھا، کلہاڑی، بیلچہ، ہتھوڑے جیسی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی ملبے تلے دب گئی تھیں، اور بالفرض یہ چیزیں دستیاب بھی ہوتیں، تو پوری پوری منزلوں کے وزن کو کیسے ہٹایا، بلکہ ہلایا جاسکتا تھا، اسی حالت میں چیخ و پکار، آہیں اور سسکیاں سُن سُن کر حیرانگی اور پریشانی میں وقت گزرتا گیا، اور آہستہ آہستہ چیخ و پکار اور آہوں اور سسکیوں کی آوازیں بند ہوتی چلی گئیں۔

ملبے تلے دبے انسانوں کو اتنی بھی قدرت نہ تھی کہ شدید بھوک اور پیاس کی حالت میں اپنے گھر اور قریب میں موجود کھانے پینے کی چیزوں کو حاصل اور استعمال کرسکیں، اور کھلی فضا میں سکھ کا سانس لے سکیں۔

اس کرب ناک اور دردناک حالت میں ہزاروں زندگیوں کا چراغ گُل ہوگیا، یہ حالات ایک طرح سے قیامت کا مختصر سا نمونہ پیش کر رہے تھے۔

زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں لاشیں اتنی زیادہ تعداد میں تھیں کہ ان کے کفن دفن کا بھی انتظام نہیں ہوسکا، پورے پورے گھرانے کے افراد کو اجتماعی گڑھوں میں دفن کیا گیا۔

بتلایا جاتا ہے کہ حالیہ زلزلے کے دوران کئی کئی دنوں تک بچے، بڑے، مرد و خواتین ملبے تلے موت و زندگی کی کش مکش میں مبتلا رہے، اور چیخ پکار کی آوازیں سنائی دیتی رہیں، ہفتہ بھر تک زندہ حالت میں ملبے میں پھنسے افراد کو نکالا جاتا رہا، زندہ بچ نکلنے والے چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی پیاس کی شدت کی وجہ سے جوس اور دودھ وغیرہ غیر معمولی مقدار میں پیا، اور ایک

واقعہ ایسا بھی سننے میں آیا کہ بائیس دن بعد ایک فرد کو زندہ حالت میں نکالا گیا۔

بہر حال اس قسم کے واقعات قدرت کی طرف سے ناممکن نہیں، اگرچہ ظاہری عقل سے بالاتر ضرور ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ قدرت بھی ان چند نمونوں سے ظاہر فرمادی کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی کو زندہ رکھنا چاہے، اس وقت تک اسے زندہ رہنا ہے، خواہ زندگی اور حیات کے ظاہری اسباب موجود نہ ہوں۔

زلزلے سے متاثر ہونے والی بے شمار خواتین و حضرات اور بچے ایسے ہیں کہ ان کے قریبی رشتہ داروں میں اب کوئی بھی زندہ نہیں ہے، اور ایسی بے سہارا خواتین اور بچوں کی کفالت کے بارے میں سیاسی و غیر سیاسی حلقوں کی طرف سے مختلف طرح کے دعوے جاری ہیں، پھر اس بڑے زلزلے کے بعد ماہِ رمضان کے پورے مہینے مسلسل آنے والے زلزلوں کے جھٹکوں سے خوف و ہراس کے سائے سروں پر منڈلاتے رہے، جس کی وجہ سے بہت سے حضرات ذہنی و نفسیاتی مریض بن گئے۔

حالیہ زلزلہ اور اس سے تباہی کے بعد نہ جانے کتنے وساوس واوہام زبانوں پر عام ہیں اور قدرت کے اس تکوینی امر پر مختلف قسم کے تبصرے ہر عام و خاص کی طرف سے سننے کو مل رہے ہیں، مگر ان میں سے بیش تر لوگ حکمِ ربی کے اصل رازوں کو سمجھنے اور حقائق کی گہرائیوں تک پہنچنے سے کوسوں دور ہیں۔

حالیہ زلزلے کے دوران ظاہری اسباب کے درجہ میں بروقت امداد نہ پہنچنے سے بھی ہلاکتوں میں اضافہ ہوا ہے، کئی کئی دنوں تک زندہ رہنے والے افراد امداد نہ پہنچنے کی وجہ سے یکے بعد دیگرے فوت ہوتے چلے گئے، اور ملک میں بھاری مشینریاں اور منظّم نظام نہ ہونے کی وجہ سے غیر ملکوں کی امداد کا انتظار رہا، مگر غیر ملکی امداد پہنچنے تک اتنا وقت گزر چکا تھا کہ ملبے تلے دبے اکثر افراد زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جدید مشینریوں اور ذرائع کا ہمارے ملک میں انتظام اور وجود

نہ ہونا شرم ناک بات ہے، اسی کے ساتھ عوام اور مختلف ممالک کی طرف سے حکومتِ پاکستان کو حاصل شدہ بھاری امداد کے اصل مصرف میں پوری طرح استعمال نہ ہونے ، اور انتظامیہ کی طرف سے خورد برد ہونے کے واقعات سے بھی کئی شکوک وشبہات عوام کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے ہیں، ان حالات میں ایک طبقہ وہ بھی ہے ، جو امدادی اشیاء کے فروخت کرنے میں پوری مہنگائی کے ساتھ دل کھول کر پیسے بٹورنے میں مصروف ہے۔

زلزلہ کے بعد غیر مسلم اور اسلام دشمن بعض تنظیموں کی طرف سے متاثرینِ زلزلہ سے ایسے ایسے بے سروپا سوالات کیے جاتے رہے، جن سے اسلام اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں گستاخی کا پہلو نظر آتا تھا۔

حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے اس قسم کے دعوے بھی میڈیا پر نشر ہوئے کہ ہم اس قدرتی آفت کا متفق ہو کر اور ڈٹ کر مقابلہ کریں گے وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے فقرے بلکہ دعوے قدرت کے فیصلے اور طاقت کے سامنے زیب نہیں دیتے۔

بعض لوگوں کی طرف سے یہ سوال بھی اُٹھایا گیا کہ اگر حالیہ زلزلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب اور گناہوں کے وبال کے طور پر تھا، تو اس میں ہلاک ہونے والے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا کیا قصور تھا؟

مگر یہ سوال اس لیے درست نہیں کہ اولاً تو جب اس طرح کا اجتماعی فیصلہ قدرت کی طرف سے ہوتا ہے، تو وہ دنیا میں عمومی انداز کی حیثیت سے رونما ہوتا ہے، اگرچہ آخرت کے اعتبار سے ہلاک ہونے والے تمام افراد کا حکم یکساں نہیں ہوتا، دوسرے بعض اوقات معصوم بچوں کا معصومیت کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جانا ہی ان کے اور ان کے والدین وغیرہ کے حق میں رحمت کا باعث ہوا کرتا ہے۔

زلزلے کے بعد بعض لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ کشمیر جیسے پس ماندہ علاقہ میں زلزلہ آنے کے مقابلے میں بڑے بڑے شہر جو ہر طرح کے گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں، زلزلے کے زیادہ مستحق

تھے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن قدرت کے فیصلے اور حکم کے سامنے اس طرح کے اعتراض کوئی معنیٰ نہیں رکھتے، اللہ کی ذات بہتر جانتی ہے کہ کس وقت، کس جگہ کیا فیصلہ ہونا چاہیے، اور کیا نہیں ہونا چاہیے، اور کس جگہ پہلے ہونا چاہیے، اور کس جگہ بعد میں۔

حالیہ زلزلے سے حاصل ہونے والے چند نتائج وفوائد

زلزلے سے صرف پچاس سیکنڈ پہلے اور بعد کی دنیا کے حالات میں جو فرق دیکھنے کو ملا، وہ عبرت وبصیرت حاصل کرلینے والوں کے لیے کافی سامان لیے ہوئے ہے۔

مؤرخہ 3/ رمضان المبارک 1426ھ بروز ہفتہ صبح آنے والے زلزلہ نے نہ صرف اہلِ پاکستان بلکہ پوری دنیا میں بسنے والے انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے لیے بہت سے سبق چھوڑ دیے ہیں، جن سے آنکھیں بند کرلینا بدقسمتی اور ناعاقبت اندیشی کی علامت ہے، اس لیے مختصراً حالیہ زلزلے سے حاصل ہونے والے چند نتائج کو ذکر کیا جاتا ہے:

(1)...... انسان کو اپنے انجام سے کبھی بھی غافل نہیں رہنا چاہیے، اور ڈرتے رہنا چاہیے کہ نہ جانے کس حال پر خاتمہ ہو، اور کفن دفن وغیرہ بھی نصیب ہو یا نہیں؟

(2)...... قیامت ایک بڑے زلزلے کے ساتھ قائم ہوگی، جو بہت ہولناک اور خطرناک چیز ہوگی، جس کی وجہ سے تمام روئے زمین کی چیزیں ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہوجائیں گی، لہٰذا ہمیں اس مختصر اور چھوٹے زلزلے کے نمونے کو دیکھ کر قیامت کے بڑے اور عظیم زلزلے کو یاد کرنا، اس کا استحضار کرنا، اور اس سے ڈرنا چاہیے۔

(3)...... احادیث وروایات کی رُو سے قیامت کے قریب زلزلوں کی کثرت ہوگی، اور آج کل زلزلوں کی کثرت ہے، دنیا کے مختلف خطوں میں مسلسل زلزلے

آ رہے ہیں، جس سے قربِ قیامت کے آثار واضح ہوتے جا رہے ہیں، اس سلسلے میں قرآن وحدیث میں بیان کی ہوئی پیشین گوئیوں کو ہمیں سامنے رکھنا چاہیے۔

(4)...... اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی، صحت، عافیت، گھر بار، کاروبار، مال ودولت، بیوی بچے وغیرہ کی جو لاکھوں نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، ان پر شکر کرنا چاہیے، اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ اور استعمال کرنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے کاموں سے بچنا چاہیے، شکر گزار بندوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل نہیں ہوا کرتا، دنیوی حوادثات ان کے لیے سرخروئی کا باعث بنتے ہیں۔

(5)...... ہماری اور ہمارے بیوی بچوں کی زندگی اور گھر بار، مال ودولت یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہے، اور جس طرح چاہے، ان میں تصرف کرنے اور ان کو واپس لینے کا مجاز ومختار ہے، زلزلے جیسی قدرتی آفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی آزمائش اور ان کی تنبیہ اور وارننگ کے لیے ہوتی ہیں، اس لیے ہمیں موجودہ زلزلے اور بڑی سے بڑی مصیبت اور پریشانی کے وقت صبر سے کام لینا چاہیے، اور بے صبری سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

(6)...... یہ زندگی اور حیات جس سے ہم اور آپ گزر رہے ہیں، ایک عارضی زندگی اور حیات ہے، بلکہ زندگی وحیات بخشنے والی ذات کی طرف سے امانت ہے، جو کسی بھی وقت اچانک اور آناً فاناً بھی واپس لی جاسکتی ہے، جس کا اگرچہ ایک وقت مقرر ہے، مگر ہمیں اس گھڑی کا علم نہیں، لہٰذا ہمیں اس کے لیے صبح شام اور دن ورات ہر وقت تیار رہنا چاہیے، اور کوئی لمحہ، کوئی گھڑی بھی غفلت میں نہیں گزارنا چاہیے، اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(7)...... زلزلہ کے دوران پیش آنے والے حالات وواقعات نے انسان کوقدرت کے سامنے اپنی محتاجی اور بے کسی و بے بسی کی حقیقت کو سمجھنے اور اس پر یقین کر لینے کی طرف متوجہ کیا، خوش قسمت انسانوں کو اپنے رب کے سامنے اپنی ذلت، حقارت، محتاجی، بے کسی، بے بسی، عاجزی اور انکساری کا اعتراف کرنے اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، بڑائی اور کبریائی کا یقین کرنے کی دولت حاصل ہوئی، لیکن کچھ بدبخت لوگ اس مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے بدظن یا مایوس ہوگئے، یا پھر انھوں نے نعوذ باللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کا انکار کردیا، اور اس طرح قدرت کی طرف سے اچھے اور بُرے، کامیاب اور ناکام لوگوں کا امتحان ہوگیا، کوئی اس مرحلے پر کامیاب ہوگیا، اور کوئی ناکام۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامیاب لوگوں کی فہرست میں شامل فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان

مورخہ: 9/ ذوالقعدۃ/ 1426ہجری

(ماہنامہ "التبلیغ" رمضان/شوال/1426ہجری نومبر/دسمبر/2005ء، جلد 2 شمارہ 9، 10)

(23)

قربانی اور متاثرینِ زلزلہ کا تعاون

عیدالاضحیٰ یا عیدِ قربان میں ابھی دو تین دن باقی تھے کہ ایک صاحب کا فون آیا، اور انھوں نے فرمایا کہ آپ سے ایک اہم مسئلے کے بارے میں رہنمائی چاہیے، میں نے عرض کیا کہ فرمایے، انھوں نے فرمایا:

''میں کشمیر کے زلزلے سے متاثرہ علاقہ کے امدادی کیمپ سے بات کر رہا ہوں، امدادی اشیا کی تقسیم کے حوالے سے مجھے بھی بعض اداروں کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں سپرد کی گئی ہیں، دراصل یہاں پر ایک مسئلہ تو پہلے سے یہ تھا کہ حکومت کی طرف سے متاثرینِ زلزلہ کو فرداً فرداً کچھ رقوم فراہم کی گئی تھیں، جن کی مقدار زکاۃ وقربانی کے نصاب سے زیادہ ہی تھی، اور شرعی مسئلہ جو آپ جیسے علماء ومفتی حضرات سے معلوم ہوا تھا، وہ یہ تھا کہ ان رقوم کے خرچ ہونے سے پہلے ایسے لوگوں پر قربانی واجب ہے، اور ایسے حضرات زکاۃ وصدقاتِ واجبہ کے بھی مستحق نہیں، مگر اس کے باوجود زکاۃ اور واجب صدقات کی مد سے لوگ تعاون فراہم کر رہے تھے۔

اب ایک اہم مسئلہ قربانی کے موقعے پر یہ پیش آ گیا ہے کہ بہت سے حضرات یا اداروں کی طرف سے متأثرینِ زلزلہ کو قربانی کی قیمت یا قربانی کے سالم جانور فراہم کیے جا رہے ہیں، مگر زیادہ تر یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ قربانی کے نام سے حاصل شدہ رقوم کو یہ لوگ اپنی دوسری ضروریات میں استعمال کر رہے ہیں، اسی طرح بیش تر حضرات حاصل شدہ قربانی کے جانور اونے پونے داموں میں فروخت کر کے ان کی قیمت اپنی دوسری ضروریات میں استعمال کر رہے ہیں، ان

کا کہنا ہے کہ ہمیں دو وقت کا کھانا تو کسی نہ کسی طرح حاصل ہو ہی رہا ہے، لہٰذا ہمیں اس وقت گوشت پوست کی ضرورت نہیں، بلکہ ہمیں تو رقم کی ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ۔

تو کیا ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی صورت میں ان لوگوں کی قربانی ادا ہو جائے گی، جنھوں نے قربانی کی رقم یا قربانی کا جانور فراہم کیا ہے، اور کیا اِن لوگوں کو قربانی کی رقم یا جانور کے ساتھ مذکورہ طرزِ عمل اختیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

میں نے ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' اور ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھتے ہوئے جواب دیا کہ قربانی کی رقم یا جانور کے ساتھ مذکورہ طرزِ عمل اختیار کرنا جائز نہیں، اور ایسے حضرات سخت گناہ گار ہیں، اسی کے ساتھ ان لوگوں کی شرعی قربانی بھی ادا نہیں ہوگی، جو اپنی قربانی کے لیے رقوم یا جانور فراہم کر رہے ہیں، اور ان کی طرف سے جانور ذبح نہیں کیے جا رہے۔

ان صاحب نے فرمایا کہ اس میں قربانی کرانے والوں کا کیا قصور ہے کہ ان کی قربانی ادا نہ ہو، میں نے عرض کیا کہ قربانی کے دنوں میں قربانی صرف مخصوص جانوروں کے ذبح کرنے سے ہی ادا ہوتی ہے، اور جانور ذبح کرنے کی بجائے وہ رقم کتنے ہی غریب اور ضرورت مندوں کے کام کیوں نہ آئے، اس سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔

لہٰذا آپ تعاون کرنے والوں اور تعاون حاصل کرنے والوں کو اس مسئلے سے آگاہ کریں، انھوں نے جواب میں فرمایا کہ صاحب! یہاں تو اتنی جہالت اور نفسا نفسی کا عالم ہے کہ کوئی کسی کی سنتا ہی نہیں، اور ہمیں تعاون کرنے والے متعلقہ افراد کے نام اور پتوں کا بھی علم نہیں ہوتا، ہمارے پاس تو امدادی اشیاء کے نام سے ملی جلی اشیاء پہنچتی ہیں، بسا اوقات یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں کون کون سی اشیاء، زکاۃ وصدقات کی مد سے ہیں، اور کون کون سی عطیات وغیرہ کی مد سے ہیں، اور کون سی رقوم قربانی کی مد سے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کو اپنی حد تک مسئلے سے آ گاہی اور اصلاحِ احوال کی کوشش اور دعا کرنی چاہیے۔

بہر حال سلام ودعاء کے بعد گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا۔

اس واقعے سے ایک دو دن پہلے ایک خاتون نے جو کہ کسی ویلفئیر اور رفاہی ادارہ کی طرف سے لوگوں سے متأثرینِ زلزلہ کے لیے امدادی اشیاء جمع کررہی تھیں، فون پر یہ مسئلہ معلوم کیا تھا کہ ان کے پاس کپڑوں کی شکل میں امدادی اشیاء کا ذخیرہ موجود ہے، مگر اب زلزلے سے متأثرہ ان علاقوں کے لوگوں کو کپڑوں کی ضرورت نہیں، جہاں کا حلقہ ان کے حصہ میں ہے، وہاں کپڑے بہت زیادہ مقدار میں پہنچ چکے ہیں اور اب وہاں کپڑے بھیجے جائیں تو لوگ ضائع کردیتے ہیں، اب ہمارے لیے ان کپڑوں کو متاثرینِ زلزلہ کے کاموں میں لانا مشکل ہورہا ہے، اور بازار یا کسی دوسری جگہ بھی ان کو فروخت کرکے خاطر خواہ اور کوئی قابلِ ذکر قیمت وصول نہیں ہوتی۔

اب ہم کیا ان کی قیمت کا اندازہ لگا کر وہ کپڑے اپنے پاس رکھ لیں، یعنی اپنی ملکیت میں لے آئیں، اور ان کی رقوم وہاں بھیج دیں، کیا ہم کو ایسا کرنا جائز ہوگا؟

میں نے ان کو اس سلسلے میں چند ہدایات اور پابندیوں کے ساتھ شرعاً اجازت دی تھی۔

بہر حال ہمیں تو پہلے ہی ان جیسی خرابیوں کے بارے میں کھٹک تھی، اور رمضان المبارک اور عیدالفطر کے موقعہ پر اور اس کے بعد مسلسل بدنظمی اور دین سے ناواقفیت کے جو مناظر سامنے آرہے تھے، ان کی وجہ سے ذہن کافی متاثر تھا، اور اپنے خدشات ومشاہدات کا اظہار ایک مضمون میں کیا تھا، لیکن قربانی سے متعلق ایک ذمہ دار کے ساتھ مذکورہ گفتگو کے بعد ہماری وہ کھٹک مزید قوی ہوگئی، اور اپنے طور پر جو کچھ زبانی کلامی یا فون پر ملنے والوں اور پوچھنے والوں کو اس مسئلے کی نزاکت اور اس سے متعلق شرعی پابندیوں اور شرائط کی اہمیت سے آ گاہی ممکن ہوئی، اس میں کوتاہی نہیں کی گئی لیکن ع

صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

جب اخبارات ورسائل اور میڈیا بیک زبان ایک ہی چیز کا اعلان کررہے ہوں، اور بعض دینی اداروں کی طرف سے بھی قربانی کے ذریعے سے غیر وضاحتی انداز میں متاثرینِ زلزلہ کے تعاون کی برابر اپیل کی جارہی ہو، ایسے وقت بھیڑ چال کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔

جب کسی دور میں منکرینِ حدیث کے ایک طبقے نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ:

> ''ہر سال قربانی کے موقع پر تین دنوں میں دنیا بھر میں مسلمانوں کا جو مال جانوروں کی قربانی پر خرچ ہوتا ہے اور اس سے کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اگر یہی رقم ملک وملت کے اجتماعی اور رفاہی کاموں میں لگائی جائے اور غریبوں کا تعاون کیا جائے تو ملک وملت کے کتنے کام سدھر جائیں، اور کتنے غریبوں کی تنگ دستی اور افلاس ختم ہوجائے''

تو مستند اہلِ علم حضرات نے پورے شدّ ومد کے ساتھ اس دعوے کی تردید کی تھی، اور اس موضوع پر مستقل مضامین اور رسائل شائع کیے گئے تھے، اور تحریری وتقریری طور پر قوم کو آگاہ کیا گیا تھا کہ یہ دعویٰ دین سے جہالت یا عداوت پر مبنی ہے، قربانی میں اصل مقصد رفاہی کاموں کی ضروریات پوری کرنا یا غریبوں کا تعاون کرنا نہیں ہے، بلکہ جانوروں کو ذبح کرنا اور خون بہانا ہے، خواہ وہ گوشت پوست کسی کے استعمال میں آئے یا نہ آئے۔

قربانی کے بجائے اگر کوئی لاکھوں کروڑوں روپے صدقہ کردے، وہ قربانی کا بدل نہیں بن سکتے، جس طرح زکاۃ وصدقات کا عمل نماز، روزے اور حج کا بدل نہیں بن سکتا، اسی طرح صدقہ، خیرات کا عمل بھی قربانی کا بدل نہیں بن سکتا، اور رہا رفاہی کاموں کی اہمیت وضرورت اور غریبوں کا تعاون، تو اس کے لیے شریعت نے زکاۃ وصدقات اور عطیات وغیرہ کی شکل میں عبادات مقرر کی ہیں اور ان کے ذریعے سے مذکورہ ضروریات پوری کرنے کی ترغیب

اور حکم دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مگراب پھر در پردہ یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ قربانی کا مقصد متأثرین کا تعاون ہے، اسی لیے بار بار کہا جارہا ہے کہ عیدالاضحیٰ وغیرہ کے مواقع پر اپنی خوشیوں میں متأثرینِ زلزلہ کو شریک کیجیے، اور وہ اس طرح کہ قربانی کے ذریعے سے ان کا تعاون کیجیے، چنانچہ اس قسم کے اعلانات اور اشتہارات سے متأثر ہوکر بہت سے سادہ لوح حضرات کے ذہن میں یہ غلط تصور پیدا ہورہا ہے کہ قربانی کا عمل بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کے تعاون کے لیے زکاۃ وصدقات اور خیرات کی طرح کا ایک عمل ہے، بس اس قدر فرق ہے کہ قربانی والا صدقہ مخصوص دنوں میں جانور کی شکل میں کیا جاتا ہے، اور عام صدقہ خیرات نقدی جنس وغیرہ کسی بھی چیز کے ساتھ کسی بھی زمانے میں کیا جاسکتا ہے۔

آج اگر قربانی اور دیگر صدقاتِ مالیہ کی اپنی اپنی متعینہ شرعی حدود وقیود اور اپنی اپنی جداگانہ شرعی حیثیت واہمیت سے جہالت ولاعلمی کی وجہ سے قربانی اور باقی عام صدقات کو یکساں سمجھنے تک کی نوبت آ گئی، تو کیا بعید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہنے کی صورت میں کل کو جانور ذبح کرنے کی قید بھی اڑ جائے، اور عام صدقہ خیرات کی طرح عید کی قربانی کے متبادل نقدی وغیرہ کے ساتھ غریبوں کے تعاون کو کافی سمجھا جانے لگے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔

جس طرح قربانی کے مخصوص ومتعین شرعی حکم میں لاعلمی کی وجہ سے مذکورہ مغالطہ آج کل پیدا ہورہا ہے، بالکل اس کے برعکس، عام صدقہ وخیرات میں ایک مغالطہ پہلے سے ہی ہمارے معاشرے میں رائج چلا آ رہا ہے، وہ یہ کہ قربانی کے برخلاف عام صدقہ وخیرات میں جنس اور چیز یا زمانے کی کوئی قید شریعت نے نہیں رکھی، لیکن عوام الناس میں صدقے کے لیے بکرے کی تخصیص اور مزید اس میں پھر کالے رنگ کی تخصیص کا التزام پایا جاتا ہے، اور اس صدقے کے بکرے کو وہ جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، اس لیے بیماری وغیرہ جانی ابتلاؤں کے موقع پر وہ اس طرح سے صدقہ کر کے اپنے تئیں گویا جان کا کفارہ ادا کرتے ہیں، تو عمومی

صدقے کے متعلق اپنی اس ذہنیت اور تصور کو جو بجائے خود غلط ہے، وہ قربانی کے عمل میں بھی جاری کرلیں گے کہ قربانی میں بھی جانور اپنی جان کی قربانی کے بدلے میں ہے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ قربانی کے اصل فلسفے اور مقصد سے آ گاہی حاصل کی جائے اور ''بھیڑ چال'' کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مفاسد کا سدِّ باب کیا جائے۔

جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قربانی کر کے اس کا گوشت خود استعمال کرنے سے افضل یہ ہے کہ غریبوں کو سارا گوشت دے دیا جائے، بلکہ قربانی کا سالم جانور ہی غریبوں کو تھما دیا جائے، اور اسی تأثر کی وجہ سے متاثرینِ زلزلہ کا انتخاب کیا گیا، تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ:

قربانی کا اصل مقصد گوشت وغیرہ حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کو پورا کرنے کے لیے مخصوص جانور کو قربانی کے دنوں میں ذبح کرنا اور خون بہانا ہے، یہی وجہ ہے کہ قربانی کا حکم پہلی امتوں میں بھی تھا، لیکن گوشت کھانے کی اجازت نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ قربانی کا گوشت اس امت کے لیے حلال کر دیا گیا، لہٰذا اگر کوئی ذرا بھی گوشت استعمال نہ کرے، یا کسی وقت گوشت کے استعمال ہونے کا کوئی مصرف نہ ہو، تب بھی قربانی کا حکم برقرار رہے گا۔

اسی طرح مستحب ہے کہ قربانی سے چند دن پہلے جانور خرید کر اس کو خوب کھلائے پلائے اور اُس کی خاطر مدارات کرے۔

اگر اچھے طریقے سے ذبح کرنا جانتا ہو، تو افضل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، خود تجربہ نہ رکھتا ہو، تو بہتر ہے کہ دوسرے سے ذبح کرائے، مگر خود بھی موجود رہے تو بہتر ہے۔

افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے رکھے، ایک حصہ اپنے رشتہ دار اور دوست واحباب میں تقسیم کرے، اور ایک حصہ

غریبوں میں تقسیم کرے۔

اس کے علاوہ عیدالاضحیٰ کی ایک سنت یہ ہے کہ کوئی عذر نہ ہو، تو عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھایا جائے، اور قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتدا کی جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب فضائل جب ہی حاصل ہوں گے، جب اپنے مقام پر خود قربانی کرے، نہ یہ کہ کہیں رقم یا جانور بھیج کر بے فکر ہو جائے، جب کہ اس میں اتنے خطرات بھی ہوں کہ قربانی کا فریضہ ہی سرے سے ادا نہ ہونے کا اندیشہ ہو (جیسا کے پیچھے تفصیل گزر چکی ہے)

نیز قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے ناخن نہ کاٹے اور سر، بغل اور زیرِ ناف، بلکہ بدن کے کسی حصے کے بال بھی نہ کاٹے۔

اسی طرح بہت سے اہلِ علم کے نزدیک قربانی کرانے والے اور جہاں قربانی کی جارہی ہے دونوں مقامات میں قربانی کے مخصوص وقت کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

دور دراز اور گم نام علاقوں میں قربانی کرانے کی صورت میں مذکورہ اُمور کا لحاظ مشکل ہوتا ہے۔

یہ تمام معروضات تو اس وقت مفید ہیں، جب کہ قربانی بھی کی گئی ہو، اور اگر قربانی کے بجائے قربانی کی رقم یا جانور کو کسی اور مصرف میں استعمال کر لیا گیا، تو پھر قربانی ہی ادا نہیں ہوگی۔

اُمید ہے کہ قارئین ان معروضات کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔

محمد رضوان

مورخہ 21 / ذوالحجہ/1426ہجری

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/ ذوالحجہ/1426ہجری جنوری/2006ء، جلد2 شمارہ11)

(24)

پُرتشدد مظاہرے، ہڑتالیں اور بائیکاٹ

آج کل مختلف مواقع پر مسلمانوں کی طرف سے پرتشدد مظاہرے اور ہڑتالیں ہوتی رہتی ہیں، اور اسی کے ساتھ بعض اوقات کافروں کی مصنوعات سے بائیکاٹ کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں، جس میں عوام بلکہ اہلِ علم کی بڑی تعداد شریک ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں سرکاری وغیر سرکاری املاک تباہ ہوتی ہیں، اور متعدد مسلمانوں کی جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں، اور مصنوعات کے بائیکاٹ کے نتیجے میں اپنی ملکیت کے قیمتی اموال تلف اور ضائع کیے جاتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور مواعظ وملفوظات میں مذکورہ اور مروجہ تحریکات کے متعلق کافی مواد موجود ہے، جس کی روشنی میں ان چیزوں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''اب تو وہ زمانہ ہے کہ ہر شخص کی رفتار گفتار اور لباس سے انگریزیت جھلکتی ہے، سادگی کا نام ہی نہیں رہا، زبان سے نصرانیت اور انگریزیت کی برائی کرتے ہیں اور دل میں وہی باتیں رچی ہیں، ان ہی جیسا لباس، ان ہی جیسی معاشرت اختیار کر رکھی ہے، مجھے تو ایک عالم کا قول پسند آیا کہ یہ لوگ نصرانیوں (یعنی عیسائیوں) کے مخالف ہیں اور نصرانیت (یعنی عیسائیت) کے حامی ہیں، بات تو کام کی کہی، واقعی یہی ہو رہا ہے، غضب تو یہ ہے کہ اس فتنہ سے بعض علماء بھی نہ بچ سکے اور نصوص (یعنی قرآن وحدیث کے واضح احکامات وارشادات) کے خلاف کرنا شروع کر دیا، ان کا طریقۂ کار بالکل نصوص کے خلاف ہو رہا ہے، لیکن کسی کا عمل تو حجت (و دلیل) نہیں، جب کوئی تدبیر تدابیرِ منصوصہ کے خلاف اختیار کی جاوے گی، اس کو تو ممنوع ہی کہا جاوے گا، بالخصوص جب کہ وہ فعل عبث یا مضر (یعنی بے کار یا نقصان

دہ) بھی ہو، تو اس کی حرمت میں پھر کیا شبہ ہوسکتا ہے، وہاں تو ''الضرورات تبیح المحظورات'' (یعنی ضرورت اور مجبوری کے وقت ممنوع کام بھی جائز ہو جاتے ہیں) کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا، مثلاً ہڑتال ہے، جلوس ہیں، ان میں وقت کا ضائع ہونا، روپیہ کا صرف ہونا، حاجت مند لوگوں کو (توڑ پھوڑ اور راستہ و کاروبارِ زندگی بند ہونے وغیرہ کی وجہ سے) تکلیف ہونا، نمازوں کا ضائع ہونا، کھلے مفاسد ہیں، تو یہ افعال کیسے جائز ہوسکتے ہیں؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امدادِ حق کی ہو (تو یہ چیزیں جائز ہونا چاہئیں) فرمایا کہ ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہنچتی، دوسرے نامشروع فعل (یعنی غیر شرعی کام) نیت سے مشروع (یعنی شریعت کے مطابق) نہیں ہو جاتا، یہ تو محض جاہ طلبی ہے کہ جلسے ہو رہے ہیں، جلوس نکل رہے ہیں، گلوں میں ہار پڑ رہے ہیں، اور یہ سب بددینوں ہی سے سبق حاصل کیے ہیں اور سب یورپ ہی کی تقلید ہے اور مزاحاً فرمایا کہ ہار (یعنی مغلوبیت) تو پہلے ہی گلوگیر ہے پھر کامیابی (جیت) کہاں'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۵ ص ۱۵۶، ۱۵۷ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'')

مطلب یہ ہے کہ آج کل جو مختلف جلسے، جلوس اور ہڑتالیں وغیرہ کی جاتی ہیں، اور ان کے نتیجے میں شریعت کے خلاف کام کیے جاتے ہیں، یہ چیزیں شرعاً جائز نہیں، اور یہ غیر مسلموں سے لی گئی ہیں، اور ان چیزوں سے حق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

ایک جگہ، حضرت کے ملفوظات میں ہے کہ:

''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر پچاس دنیوی مصلحتیں ہوں، اور ایک دینی مفسدہ ہو تو مفسدہ ہی غالب سمجھا جاوے گا، عرض کیا گیا کہ جن نصوص میں جہاد کا حکم ہے یا صبر کا، اس کے اعتبار سے حکم منصوص ہوتے ہوئے اپنی رائے سے اس کے خلاف ایک طریقہ کا اختیار کرنا کہ نہ وہ جہاد ہے، نہ صبر

ہے، یہ مسکوت عنہ (یعنی جس سے شریعت نے خاموشی اختیار کی ہو) ہوگا، یا اس کو منہی عنہ (یعنی ممنوع) کہیں گے؟ جواب میں فرمایا کہ باوجود ایسی ضرورتیں واقع ہونے کے متقدمین نے جب اس کو ترک کیا، اختیار نہیں کیا، تو یہ اجماع ہو گیا، اس کے ترک پر، اس لیے ممنوع ہوگا، یہ احتمال بھی نہ رہا کہ نصوص کو مأول یا معلل کہہ لیا جاوے" (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۵، ص ۱۵۶، ۱۵۷ "الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ")

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کام میں پچاس ظاہری فائدے نظر آ رہے ہوں، لیکن دینی اعتبار سے اس میں ایک بھی گناہ پایا جا رہا ہو، تو وہ کام گناہ والا ہی کہلائے گا، اور اس کو جائز نہیں کہا جائے گا، اور جہاد اور صبر کے علاوہ نت نئے طریقے، ہڑتالیں اور مظاہرے وغیرہ، غلط ہیں۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

"جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہ ہوئی ہو اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص ان کے خلاف نہ ہوں، وہ تو مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں، لیکن ان چیزوں کی تو حاجت ہمیشہ ہی پیش آتی رہی، پھر بھی نصوص میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہ ہوگا، منہی عنہ ہوگا کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا، اختیار نہیں کیا، تو اجماع ہوا، اس کے ترک پر، اس لیے ممنوع ہوگا۔

علاوہ ان سب باتوں کے ایک یہ بات باریک ہے، جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کے لیے حدود کی ضرورت ہے، ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے، سو اس کا تحفظ کون کرے گا یا کون کرائے گا؟ .... اگر تدابیرِ جدیدہ جائز بھی ہوں، تب بھی اس کی ضرورت ہے کہ کوئی امیر ہوتا کہ حدود کی رعایت خود بھی کرے اور دوسروں سے بھی کرائے بلا امیر کے کچھ نہیں ہو سکتا"

(ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۱، ص ۱۲۸، ۱۲۹ "الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ")

مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور کے احتجاج اور ہڑتالیں، خیرالقرون کے دور میں نہیں تھیں، حالانکہ ان کی اس وقت بھی ضرورت تھی، مگر ایسی چیزوں کو اس وقت اختیار نہیں کیا گیا، اس لیے یہ چیزیں شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں، اور اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر کام کے لیے حدود کی پابندی ضروری ہے، اور ان تحریکات میں حدود کی پابندی عموماً نہیں ہوتی، نہ کوئی سر پر بڑا ہوتا ہے، اگر ہوتا بھی ہو، تو وہ بھی حدود کی پابندی نہیں کراتا، یا اس کی بات پر عمل نہیں ہوتا، چنانچہ موجودہ ہڑتالوں اور مظاہروں میں جلاؤ گھیراؤ، زور زبردستی، اور راستوں کے بلاک وغیرہ ہونے کی وجہ سے حدود کی پاس داری نہیں۔

''ملفوظات'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان تحریکاتِ حاضرہ میں مصالح (فوائد) سے زائد مفاسد (نقصانات) ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مفسدہ (نقصان) ہو اور پچاس مصلحت (فوائد) ہوں، وہاں مفسدہ ہی غالب سمجھا جائے گا، نہ کہ جہاں مفاسد غالب ہوں، وہاں جواز کا حکم کیسے ہوسکتا ہے، طیب اور خبیث کا مجموعہ خبیث ہی ہوگا'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۵، ص۱۹۹ ''الافاضات الیومیة من الافادات القومیة'')

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''ان تحریکات میں شرکت کرنے والوں پر جو مجھ کو غصہ ہے، اس کا اصلی سبب ان کی محبت ہے، اس طرح سے کہ اپنے ہوکر پھر (شرعی) حدود سے تجاوز، ایسا کیوں کرتے ہیں، مجھ کو مقاصدِ شرعیہ اور سلطنتِ اسلامیہ اور مقاماتِ مقدسہ کی امداد اور تحفظ سے خدا نہ کرے کیسے اختلاف ہوسکتا ہے، اختلاف صرف طریقِ کار سے ہے کہ وہ ایسا اختیار کیا گیا کہ جس میں احکامِ شرعیہ کی پامالی کی گئی ہے'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۵، ص۲۰۱ ''الافاضات الیومیة من الافادات القومیة'')

معلوم ہوا کہ موجودہ تحریکات اور مظاہروں اور ہڑتالوں کا جو طریق اختیار کیا جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اصل اختلاف ان سے ہے، ان کے جو مقاصد ہیں، ان سے اختلاف نہیں۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''تحریکاتِ حاضرہ میں بڑا ہی ہڑبونگ لوگوں نے مچایا، باوجود اس کے کہ بابِ فتن حدیث میں موجود ہے اور تمام احکام بالتصریح (واضح طور پر) مذکور ہیں اور دونوں نمونے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرے ہیں، پھر زیادہ کلام کی گنجایش کہاں ہے بس یہ دیکھنا کافی ہے کہ اگر مظالم سے بچنے پر قادر نہیں ہو، اپنے کو مکی سمجھو، اور صبر کرو، اور اگر قادر ہو، مدنی سمجھو اور قدرت سے کام لو، مگر اب تو یہ ہو رہا ہے کہ یا تو مکی کی جگہ مکھی اور ذلیل بنیں گے اور یا مدنی کی جگہ بدنی اور پہلوان بنیں گے، اور خطرات میں پھنسیں گے، شارع (نبی علیہ السلام) نے ہر چیز کا انتظام کیا ہے''

(ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۲، ص۲۲۲ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'')

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر کام سنت کے مطابق کرنا چاہیے، بعض حالات میں مدنی دور کے احکام ہوتے ہیں، اور بعض میں مکی دور کے، مگر اب لوگ نہ مکی احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں، اور نہ مدنی دور کے مطابق، اور موجودہ مظاہرے اور ہڑتالیں عام طور پر ان دونوں قسم کے حالات سے میل نہیں کھاتیں۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''میں دیکھتا ہوں کہ ان نئی چیزوں میں اکثر میں نور نہیں، بلکہ ظلمت محسوس ہوتی ہے، اب یہ تحریکاتِ حاضرہ ہی ہیں، ان کے سوچنے سے قلب (دل) پر ظلمت اور کدورت معلوم ہوتی ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ اصولِ اسلام اور احکامِ اسلام پر اس کی بنیاد نہیں، اس لیے اس میں ظلمت ہے'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۳، ص۳۲۱ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'')

مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے مختلف تحریکات اور مظاہروں یا ہڑتالوں کی شکل میں جو نئی نئی چیزیں ایجاد کرلی ہیں، ان میں سے اکثر میں نور نہیں، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام پران کی بنیاد نہیں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

’’ہر کام اصول سے ہوسکتا ہے، بے اصول تو گھر کا بھی انتظام نہیں ہوسکتا، ملک کا تو کیا خاک انتظام ہوگا، یہ ہیں وہ اصولی باتیں جن پر مجھ کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور قسم قسم کے الزامات و بہتان میرے سر تھوپے جاتے ہیں اور لوگ مجھ سے خفا ہیں، اور وجہ خفا ہونے کی صرف یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اصول کے ماتحت کام کرو، جوش سے کام مت لو، ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا، حدودِ شرعیہ کی حفاظت رکھو، وہ ان باتوں کو اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں، میں کہتا ہوں اگر دین نہ رہا اور احکامِ اسلام کو پامال کرنے کے بعد کوئی کام بھی کیا تو وہ کام پھر دین کا نہ ہوگا، کیا یہ دین کی خیر خواہی اور ہم دردی کہلائی جاسکتی ہے؟

اے صاحبو! آج سے پہلے بھی تو اسلام اور مسلمانوں پر اس سے بڑے بڑے حوادث پیش آئے ہیں کہ اِس وقت اُس کا عشرِ عشیر بھی نہیں، مگر انھوں نے اُس حالت میں بھی اصولِ اسلام اور احکامِ اسلام کو نہیں چھوڑا، سلف کے کارناموں کو پیشِ نظر رکھ کر کچھ تو غیرت آنا چاہیے، تم تو معمولی معمولی باتوں میں احکامِ اسلام کو ترک کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہو، وہ حضرات عین قتال کے وقت بھی حدود کی حفاظت اور رعایت فرماتے تھے، جس پر آج ہم کو فخر ہے، اب تم ہی فیصلہ کرلو کہ وہ تھے خیر خواہِ اسلام، ہم دردِ اسلام، جاں بازِ اسلام یا تم؟ تحریکِ خلافت کے زمانے میں صاف الفاظ میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا وقت نہیں کام کرنے کا وقت ہے

(ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۱، ص ۱۳۳، ۱۳۴ ’’الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ‘‘)

مطلب یہ ہے کہ حالات کیسے بھی ہوں، مگر کام شرعی اصولوں کے مطابق ہی درست ہوسکتا ہے، اور مظاہروں اور ہڑتالوں وغیرہ کے دوران اصولوں کو نظر انداز کردینا درست نہیں۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''اب جو اِن باتوں پر تنبیہ کرے یا خاموش اور علاحدہ رہ کر خرافات کی شرکت سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرے، اُس پر لعن طعن سب وشتم کیا جاتا ہے، غرض اصل چیز رعایت ہے (شرعی) حدود کی پھر اگر اس میں کام یابی نہ ہو، تو صبر کریں، اجی جان دینا تو مشکل نہیں، مگر یہ تو اطمینان ہو کہ اپنے مصرف پر گئی جان بھی'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ا، ص ۱۳۴ ''الافاضات الیومیة من الافادات القومیة'')

مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی تحریکوں، مظاہروں اور ہڑتالوں پر جن میں شرعی احکام کی خلاف ورزی کی جائے، جو ان چیزوں پر تنبیہ کرتا ہے، اس کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے، اور جو ان چیزوں پر خاموشی اختیار کرے، بلکہ ان چیزوں میں شرکت کرے، اسے ہم درد وخیر خواہ سمجھا جاتا ہے، اور اگر کوئی ان چیزوں کی خاطر جان دے دے، اسے بہت بڑا مقام دیا جاتا ہے، جو کہ بے صبری کی نشانی ہے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''جتھوں کا جیل میں جانا، پٹنا، بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا، خودکشی کے مترادف ہے، اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے، تب بھی تو باوجود موجبِ فوائد ہونے کے جائز نہیں، چہ جائے کہ کوئی فائدہ بھی نہ پہنچے، تو اس کا درجہ ظاہر ہے یعنی اگر یہ معلوم ہوجائے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو کیا خودکشی کرنا جائز ہوجائے گا؟ اور یہ جیلوں میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کا مرادف نہیں ہے، اگر کوئی نفع بھی خودکشی پر مرتب ہو تو یہ خود ہی اتنا زبردست نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل ہی نہیں، حضرت ہر منفعت کا اعتبار نہیں، اس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی

شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے، اگر تم کنویں میں گر جاؤ، تو اُس کی جان بچانے کی غرض سے کیا کنویں میں گر جانا جائز ہوگا؟'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبرا، ص ۱۲۴ ''الافاضات الیومیة من الافادات القومیة'')

معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو نقصان و ہلاکت میں مبتلا کرنا درست نہیں، جیسا کہ آج کل کی ہڑتالوں اور مظاہروں وغیرہ میں ہوتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ:

''جتھے مقابلے کے لیے جاتے ہیں، اور گرفتار ہوتے ہیں، خاموش مقابلہ کرتے ہیں، اگر حکومت کی طرف سے تشدد بھی ہو، تو تب بھی جواب نہیں دیا جاتا، ان صورتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ:

''عقلی دو ہی احتمال ہیں یا تو مقابلے کی قوت ہے، یا قوت نہیں، اگر قوت ہے، تو گرفتار ہونے کے کیا معنیٰ؟ مقابلہ کرنا چاہیے، اور جب مقابلہ نہیں کر سکتے، تو یہ صورت عدمِ قوت (قوت نہ ہونے) کی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے تو عدمِ قوت (قوت نہ ہونے) کی حالت میں قصداً ایسی صورت اختیار کرنے کی کہ خود ضرب وحبس (قید اور مارپٹائی) میں مبتلا ہو، شریعت اجازت نہیں دیتی، بلکہ بجائے ایسے مخترع (خودساختہ) مقابلہ کے مکارہ (ناگوار اُمور) پر صبر سے کام لینا چاہیے، خلاصہ یہ کہ اگر قوت ہے مقابلہ کرو، اگر قوت نہیں صبر کرو، ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت منقول نہیں، تو کیا ان تدابیر کو مسکوت عنہ کہا جائے گا؟

فرمایا کہ مسکوت عنہ وہ ہوگا، جس چیز کی ضرورت خیر القرون میں واقع نہ ہوئی ہو، بلکہ خیر القرون کے بعد اس کی حاجت پیش آئی ہو، اور باوجود ضرورت پیش آنے کے یہ تدابیرِ خاص اختیار نہ کی گئیں، اس کو مسکوت عنہ نہ کہیں گے، منہی عنہ

کہیں گے۔ اس میں ہم لوگوں کو اجتہاد کی گنجایش نہیں، اب اس قاعدہ کے بعد یہ سمجھو کہ خیر القرون میں زیادہ وقت اسی قسم کا گزرا، اور بہت زیادہ ضرورتیں مخالفین کے مقابلے کی پیش آئیں، مگر باوجود ضرورت کے اور ضرورت بھی سخت ضرورت، پھر بھی ان تدابیر کو اختیار نہیں کیا گیا، تو یہ تدابیر منہی عنہ (ممنوع) ہوں گی، نہ کہ مسکوت عنہ'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۵، ص ۱۹۴، ۱۹۵ ''الافاضات الیومیة من الافادات القومیة'')

مزید فرماتے ہیں:

''خیر القرون میں دو ہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ اور عدمِ قوت (قوت نہ ہونے) کے وقت صبر، اس کے سِوا سب من گھڑت تدابیر ہیں، اس لیے ان میں خیر و برکت نہیں ہوسکتی اور جب خیر و برکت نہ ہو اور مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہوجائیں، تو اس کام یابی پر کیا خوشی، جو اللہ اور رسول کی مرضی کے خلاف تدابیر اختیار کر کے کام یابی حاصل کی جائے، اور ''حسی'' کام یابی کا ہوجانا (ظاہری) تو کوئی کمال کی بات نہیں، اس لیے کہ ایسی کام یابی کافروں کو بھی ہوجاتی ہے، اور مسلمانوں کی اصل کام یابی تو وہ ہے کہ چاہے غلامی ہو، مگر خدا راضی ہو، اور اگر حکومت ہوئی اور اُن کی مرضی کے خلاف ہوئی، وہ راضی نہ ہوئے تو فرعون کی حکومت اور تمھاری حکومت میں کیا فرق ہوا، بس ان کے راضی کرنے کی فکر کرو، ان سے صحیح معنیٰ میں تعلق کو جوڑو، احکام اور احکامِ اسلام کی پابندی کرو، ان بتوں کا اتباع تو بہت دن کر کے دیکھ لیا، اب خدا کے سامنے سر رکھ کر اور اس سے اپنی حاجت اور ضروریات کو مانگ کر بھی دیکھ لو کہ کیا ہوتا ہے؟ (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۵، ص ۱۹۵، ۱۹۶ ''الافاضات الیومیة من الافادات القومیة'')

مطلب واضح ہے کہ شریعت نے ہر حالت کے احکام متعین کر دیے ہیں، ان کو نظر انداز کر کے

مظاہروں، ہڑتالوں اور مختلف من گھڑت تحریکوں کی شکل میں نئے نئے طریقے نکالنا درست نہیں۔

ایک زمانے میں طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہو جانے سے ہندوستان کے شہر دہلی میں ایک جلسے میں یہ کہا گیا کہ اٹلی کے ساتھ تجارتی لڑائی کریں، اٹلی ساخت کے کل سامان کا استعمال چھوڑ دیں اور خرید وفروخت ترک کر دیں، جو ایسا نہیں کرے گا وہ کافر ہے، اس سلسلے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے فتویٰ طلب کیا گیا، جس کا آپ نے درجِ ذیل جواب تحریر فرمایا:

''کافر ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں، اور بلکہ بیع ناجائز بھی نہیں، لیکن افضل یہی ہے، بشرطیکہ اپنا ضرر اور اتلافِ مال نہ ہو، ورنہ افضل کیا، جائز بھی نہیں'' (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۸۸)

معلوم ہوا کہ اگر خدانخواستہ کوئی کافر قوم مسلمانوں کے ملک پر قابض ہو جائے، تب بھی اُس قوم کی مصنوعات کی خرید وفروخت گناہ نہیں، زیادہ سے زیادہ اُن مصنوعات کی خرید وفروخت کا ترک کرنا افضل ہے، لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اس کی وجہ سے اپنا کوئی نقصان نہ ہو، اور مال ضائع نہ ہو، ورنہ افضل تو کیا، جائز بھی نہیں۔

مگر افسوس کہ آج بہت سے اہلِ علم حضرات بھی ان چیزوں کا علم نہیں رکھتے، اور وہ بھیڑ چال اور عوامی ہوا کے رخ پر بہہ جاتے ہیں، اور اس طرح کے حالات میں طرح طرح کی جذباتی باتیں کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' محرم/1427ہجری فروری/2006ء، جلد3 شمارہ1)

(25)

بسنت، قابلِ توجہ پہلو

گزشتہ کئی سالوں سے ملکِ پاکستان میں موسمِ بہار کے آغاز پر بسنت کے عنوان سے ایک تہوار بہت زور وشور کے ساتھ منایا جارہا ہے، ہر سال اس تہوار کے نتیجے میں متعدد اموات واقع ہوجاتی ہیں، کبھی پتنگ اڑانے یا پتنگ اور ڈور لوٹنے کے چکر میں، حادثات ہونے سے اور کبھی دھار دار ڈور سے گلے کٹنے کے نتیجے میں، اور پتنگ بازی کے نتیجے میں زخمی ہونے والوں کی تعداد تو کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

امسال بسنت کے تہوار سے کافی پہلے اگرچہ قانونی طور پر پتنگ بازی پر پابندی عاید کردی گئی تھی، مگر بسنت کا تہوار شروع ہونے سے کچھ پہلے حکومت کی طرف سے محدود وقت کے لیے بسنت کے نام پر پتنگ بازی کی اجازت دے دی گئی، اگرچہ حکومت کی طرف سے مہلت دی گئی تاریخ کا ابھی آغاز بھی نہ ہوا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی زور وشور کے ساتھ پتنگ بازی کا آغاز ہوگیا، اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ دھار دار ڈور کے گلے پر پھرنے سے متعدد اموات واقع ہوگئیں، ہلاک ہونے والوں میں اکثر بچے شامل تھے۔

یہ کچھ اندھیر نگری بپا ہونے پر بھی حکومت اور متعلقہ انتظامی اداروں کو صحیح معنوں میں احساسِ زیاں نہ ہوا۔

البتہ عوام میں شدید بے چینی واضطراب پیدا ہوا، چنانچہ بسنت کے مرکزی شہر لاہور میں لوگوں کی طرف سے ہڑتال اور مظاہروں کی شکل میں پتنگ بازی کے خلاف ردِعمل سامنے آیا۔

جس وقت پتنگ بازی کے نتیجے میں اموات واقع ہونے کا سلسلہ جاری تھا، اسی وقت اس موضوع پر مختلف قسم کے مذاکرات اور مباحثات کا بازار گرم تھا، جس میں پتنگ بازی

اور بسنت کے حق میں اور اس کے خلاف لوگوں کی آراء سامنے آرہی تھیں۔

کچھ لوگ پتنگ بازی کے حق میں رائے فراہم کررہے تھے، جو کہ عقل ونقل کی روشنی میں بالکل ہی غلط رائے تھی، جب کہ ایک طبقہ اس تہوار کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی خرابیوں کی اصلاح کا حامی تھا، مثلاً یہ کہ پتنگ بازی کے عمل کو آبادی سے باہر منتقل کیا جائے اور دھاردار ڈور وغیرہ کے استعمال کے خلاف سخت قانون بنادیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

جب کہ اس قسم کے قوانین سے فتنوں کا سدِ باب نہیں ہوتا، اور پتنگ بازی کے گناہ سے نجات حاصل نہیں ہوتی۔

لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی بھی تھی، جو یک طرفہ طور پر پتنگ بازی اور بسنت کے خلاف رائے فراہم کررہے تھے اور ہڑتال ومظاہروں کے ذریعے اس رسم کے خلاف آواز اٹھارہے تھے، یہی لوگ اس وقت ہماری بحث کا موضوع ہیں، لیکن ان لوگوں میں بھی ایسے حضرات کی تعداد بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی، جو اس عمل کی شرعی نقطۂ نظر سے قباحت اور برائی کو سامنے رکھتے ہوئے، اس کے خلاف آواز اٹھارہے ہوں، ورنہ اکثر وبیش تر افراد کے بیانات اور انداز سے دنیاوی نقصانات کا اظہار ہوتا تھا، کیوں کہ بسنت یا پتنگ بازی کے خلاف جو آواز اٹھ رہی تھی، اس کا محرک اور داعیہ اموات اور ہلاکتوں کا واقع ہونا تھا، اس رسم کے نتیجے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا ٹوٹنا، اور گناہوں میں مبتلا ہونا نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ صاحب اتنی ہلاکتیں ہورہی ہیں، اس لیے اس خونی کھیل کو بند ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ ان لوگوں کے نزدیک بسنت کے غلط ہونے کی بنیاد ہلاکتوں کا واقع ہونا تھی، اس لیے اسی کے ساتھ ان لوگوں کا خیال یہ بھی تھا کہ موسمِ بہار کے موقع پر اگر بسنت کے عنوان سے کوئی تہوار منانا ہی ہے، تو اس کے لیے اور بھی کئی طریقے ہوسکتے ہیں، جن سے لوگوں کا جانی نقصان نہ ہو، مثلاً گانے بجانے اور موسیقی کے پروگرام جگہ جگہ منعقد کیے جائیں، اور لوگ ان

میں شریک ہوکر اپنے جذبات کی تسکین کریں، اس قسم کے پروگراموں سے کوئی ہلاک تو نہیں ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

افسوس! آج مسلمانوں کی ترجیحات کا پیمانہ ہی بدل گیا کہ جب تک دنیا کا کوئی فائدہ یا نقصان سامنے نہ آئے، اور ظاہر نہ ہو، اس وقت تک کسی چیز کو قبول یا ترک کرنے کے لیے تیار نہیں، ہر چیز کی قبولیت اور رد کرنے کا دارومدار دنیا کے ظاہری اور عارضی فائدہ یا نقصان پر رکھ لیا ہے، جب تک کسی چیز کا کوئی نقصان دنیا کے اعتبار سے نقدی سامنے نہ آئے، اس وقت تک اس کام کو چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے، یہ تو خالص مادیت پرستی ہے، ورنہ اگر اخلاص ہوتا اور آخرت کا خوف ہوتا، تو ہلاکتوں کے واقع ہونے سے پہلے بھی ضرورت تھی کہ بسنت جیسے ہندوانی تہوار اور پتنگ بازی جیسی کئی گناہوں پر مشتمل رسم کی اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی سے بچنے اور آخرت کی تباہی سے حفاظت کی غرض سے مخالفت کرتے، اس کے خلاف آواز اٹھاتے، اور بسنت کے تہوار کو پتنگ بازی سے بدل کر موسیقی اور گانے بجانے کے پروگراموں کے ساتھ منعقد کرنے کا ہرگز مشورہ نہ دیتے، کیوں کہ اگر بسنت اور پتنگ بازی، گناہ اور آخرت کی تباہی کا ذریعہ ہے، تو موسیقی اور گانا بجانا بھی گناہ ہے۔

پھر ہمارے یہاں اس قسم کی باتیں کرتے وقت یہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی کہ اگر بسنت کا تہوار کسی اور انداز میں بھی منایا جائے، تب بھی اس تہوار کے ہندوانہ ہونے کی حقیقت تو نہیں بدلے گی، مگر کیوں کہ ہمارے بحث ومباحثے اور غوروفکر کا سارا محور دنیا ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

ایک مسلمان کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ جس کام میں اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی آتی ہو، اس کو بالکل چھوڑ دے، خواہ اس میں ہزارہا فائدے نظر آئیں، اور اگر کسی کام سے اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل ہوتی ہو، تو اس کو انجام دے، خواہ اس کی خاطر ساری دنیا ہی کیوں نہ خفا ہو جائے۔

اور قابلِ صد افسوس بات یہ ہے کہ پتنگ بازی اور بسنت کے تہوار کی رنگ رلیاں ہمارے ملک میں عین اس وقت بڑی شد و مد کے ساتھ منائی جارہی تھیں، جب کہ یورپ کے ممالک میں شانِ رسالت پر توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے خلاف ملک بھر میں سخت ردعمل اور احتجاجات کا سلسلہ جاری تھا، لیکن ہماری قوم اس چیز سے آنکھیں بند کیے ہوئے تھی کہ بسنت کا تہوار بھی تو دراصل ایک گستاخِ رسول کی یادگار میں ایجاد ہوا تھا۔

(تفصیل وحوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہو: (1) پنجاب آخری مغل دور حکومت (Punjab Under the later last Mughals) مصنف: ہندو مورخ جناب ڈاکٹر ایس۔ بی نجار (Dr.S.B. Nijjar) (2) تاریخ گوردوارہ شہید گنج، مصنف: گیانی خزان سنگھ سابق لیکچرار اورینٹل کالج لاہور (3) ٹرانسفر میشن آف سکھازم، مصنف: ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ (4) کتاب الہند، مصنف: علامہ ابوریحان البیرونی (5) تفصیلی حوالہ جات کے لیے دیکھئے ''بسنت کیا ہے'' مطبوعہ: دارالافتاء والارشاد: ناظم آباد کراچی۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری قوم اپنے عظیم نبی کی تعظیم وتکریم کا کام بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتی ہے کہ کافر قوم کا نبی کی تعظیم وتکریم کی خلاف ورزی کرنا، تو اس کو قابلِ اعتراض معلوم ہوتا ہے، لیکن خود جن حرکتوں میں مبتلا ہونے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا اظہار ہوتا ہے، ان کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم کرلیا جاتا ہے۔

کیا مسلمان اپنے اس طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کریں گے؟

محمد رضوان

27/ صفر المظفر/ 1427 ہجری

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' صفر/ 1427 ہجری مارچ/ 2006ء، جلد 3 شمارہ 2)

(26)

دین میں رائے زنی کرنے کا خطرناک مرض

آج کل کثرت سے دیکھنے وسننے میں آرہا ہے کہ علم وتحقیق کے بغیر دین کے بارے میں ہر عام وخاص کی طرف سے بحث ومباحثے اور خیال آرائیوں کا بازار گرم ہے، خواہ کوئی عقیدہ کا مسئلہ ہو، یا نماز وروزہ کا مسئلہ، اور خواہ کوئی حلال وحرام کا معاملہ ہو، یا اخلاق ومعاشرت کا موضوع ہو، جو مسئلہ بھی کسی محفل ومجلس میں زیرِ بحث آتا ہے، ہر عامی وجاہل اس میں بڑی دلیری کے ساتھ دلچسپی لیتا، اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، اور کسی نہ کسی حیثیت سے اس میں اپنے من گھڑت اجتہاد کا حصہ شامل کرنے کا متمنی اور متلاشی نظر آتا ہے۔

بعض اوقات دین کے بارے میں بحث ومباحثے اور گفت وشنید کا یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ ہر شخص دین کے مسئلے پر حاشیہ پر حاشیہ چڑھاتا جاتا ہے، اس طرح کسی بھی دینی مسئلے کی وہ گت بنادی جاتی ہے کہ ’’**الامان الحفیظ**‘‘

لوگوں کی یہ جرأت زیادہ تر دین کے بارے میں ہی سامنے آتی ہے، دنیا کے دوسرے علوم وفنون میں اس طرح کی جرأت کرنے کی ہر کس وناکس کو ہمت نہیں ہوتی۔

چنانچہ ڈاکٹری یا انجینئرنگ کے شعبے میں عام طور پر ناواقف شخص کو اس طرح زبان درازی کی ہمت نہیں ہوتی، مگر دین کا معاملہ اتنا سستا اور ہلکا سمجھ لیا گیا ہے کہ نہ اس کے لیے علم کی ضرورت سمجھی جاتی اور نہ کسی ماہر عالم کی رہنمائی کی، ڈاکٹر سے لے کر موچی تک اس میں دیدہ دلیری اور سینہ زوری سے کام لیتا ہے۔

حالانکہ دین کے بارے میں علم کے بغیر بحث ومباحثے اور اظہارِ خیال کا کرنا گناہ ہے، اور دین کا معاملہ دنیا کے مقابلے میں بہت نازک ہے، اگر دنیا کے کسی معاملہ میں غلط رائے بھی قائم ہو جائے، اور کوئی غلط تبصرہ بھی ہو جائے، تو اس کا اتنا نقصان نہیں، جتنا دین کے معاملہ میں

رائے زنی کرنے کا نقصان ہے، کیوں کہ دنیا کا معاملہ تو زیادہ تر دنیا ہی میں ختم ہو جاتا ہے، مگر دین کا معاملہ دنیا میں ختم نہیں ہوتا، بلکہ آخرت تک جاری رہنے والا ہے۔

بلاتحقیق دین میں رائے زنی کا مرض عام ہو جانے کے نتیجے میں آج ہر شخص مجتہد بنا بیٹھا ہے، اور دین کے احکام کا آپریشن کرنے میں لگا ہوا ہے۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ستر سے زیادہ فرقے ہو جائیں گے، اُن فرقوں میں سب سے بڑے فتنہ ساز میری امت میں وہ لوگ ہوں گے، جو دینی معاملات میں رائے زنی اور قیاس آرائی سے کام لیں گے اور وہ حرام کو حلال قرار دیں گے اور حلال کو حرام قرار دیں گے۔ [1]

---

[1] عن عوف بن مالک رضی الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ستفترق أمتي على بضع وسبعين فرقة أعظمها فتنة على أمتي قوم يقيسون الأمور برأيهم يحرمون الحلال، ويحلون الحرام (مسند البزار، رقم الحديث ٢٧٥٥، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٩٠ ،مستدرک حاکم، رقم الحديث ٨٣٢٥)

قال الهيثمی:رواه الطبرانی فی الكبير والبزار، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٨٤١، باب القياس والتقليد)

وقال الحاکم:هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه "

وأخبرنا أحمد بن قاسم، ويعيش بن سعيد، قالا :نا قاسم بن أصبغ، ثنا محمد بن إسماعيل الترمذی، ثنا نعيم بن حماد، ثنا ابن المبارک، ثنا عيسى بن يونس، ثنا حريز، عن عبد الرحمن بن جبير بن نفير، عن أبيه، عن عوف بن مالک الأشجعی، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :تفترق أمتي على بضع وسبعين فرقة، أعظمها فتنة على أمتي قوم يقيسون الأمور برأيهم فيحللون الحرام ويحرمون الحلال وروى عن يحيى بن معين أنه قال :حديث عوف بن مالک الذی يرويه عيسى بن يونس ليس له أصل، ونحوه عن أحمد بن حنبل رحمه الله قال أبو عمر :هذا هو القياس على غير أصل والكلام فی الدين بالتخرص والظن، ألا ترى إلى قوله فی الحديث :يحلون الحرام ويحرمون الحلال ومعلوم أن الحلال ما فی كتاب الله أو سنة رسوله تحليله، والحرام ما فی كتاب الله أو سنة رسول الله تحريمه، فمن جهل ذلک وقال فيما سئل عنه بغير علم وقاس برأيه حرم ما أحل الله بجهله وأحل ما حرم الله من حيث لم يعلم، فهذا هو الذی قاس الأمور برأيه فضل وأضل ومن رد الفروع فی علمه إلى أصولها فلم يقل برأيه (جامع بيان العلم وفضله، رقم الحديث ١٩٩٧)

ذرائع ابلاغ پر نا اہل نئے مجتہدین کی آمد

یہ صورتِ حال عوام الناس کی عام مجلسوں اور محفلوں کے علاوہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعے سے بھی کھلے طور پر سامنے آ رہی ہے، چنانچہ آج کل ذرائع ابلاغ پر جو دین کے بارے میں پروگرام نشر کیے جا رہے ہیں، ان میں تو دین کا مذاق بنایا جاتا ہے، ہمارے یہاں ذرائع ابلاغ پر دین کے عنوان سے نشر ہونے والے دین کے پروگراموں کا ظاہر اتنا جاذبِ نظر اور پر کشش ہوتا ہے کہ اچھے اچھے دین دار لوگ بھی اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں، اور دین کے عنوان سے چکنی چپڑی اور نفس کی من پسند باتیں پیش کرنے والے مداریوں کے عقیدت مند ہو کر اپنے دین وایمان کی سودے بازی کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے پروگرام ہمارے ہاں کھلے عام نشر کیے جا رہے ہیں، اور لوگ ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں، اور ان میں دل چسپی لے رہے ہیں۔

حالانکہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ بے خبری میں کس موقعے پر ان کے عقیدے میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے، اور کس موقعے پر ان کے ایمان میں دراڑ پڑ گئی ہے، اور کتنے غلط مسائل کہ جن کو انھوں نے دین سمجھ کر قبول کر لیا ہے، جن پر عاقبت سنوارنے کے لیے عمل درآمد کریں گے، لیکن در حقیقت وہ عاقبت خراب کرنے والے اعمال ہیں۔

نہ ان کو یہ معلوم کہ کتنے غلط مسائل کانوں میں پڑنے کی وجہ سے دین کے اہم احکام میں خلل واقع ہو گیا ہے، کتنے لوگوں کے نکاح متاثر ہو گئے ہیں اور کتنے لوگوں کی آمدنی میں حرام ونا جائز کا عنصر شامل ہو گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب نا اہل لوگ دین کے ذمہ دار اور قوم کے رہنما ور ہبر بن جائیں گے، اور ہر کس وناکس دین میں رائے زنی کرے گا، تو گفت وشنید کرنے والے دونوں فریق اللہ تعالیٰ

کے اِس فرمان کے ہی مصداق بنیں گے کہ:

لَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (سورة المائدة ، رقم الآية ۷۷)

ترجمہ: تم ان لوگوں کے خیالات کا اتباع نہ کرو کہ جو لوگ تم سے پہلے خود بھی گم راہ ہوئے، اور دوسروں کو بھی انھوں نے گمراہ کر رکھا تھا، یہ لوگ دراصل سیدھے راستہ سے ہٹ گئے (سورہ مائدہ)

اس لیے دین کے بارے میں اپنے بے باکانہ طرزِ عمل کی اصلاح کرنا چاہیے، اور علم و تحقیق کے بغیر دین کے بارے میں رائے زنی اور بحث و مباحثہ اور اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

اور ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرنا چاہیے کہ:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورة النحل، رقم الآية ۴۳)

ترجمہ: اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ ذکر (یعنی اہلِ علم) سے سوال کرو (سورہ نحل)

اسی کے ساتھ ہمیں دین کے نام پر سامنے آنے والے راہزنوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے، اور میڈیا پر آنے والے ان نااہل لوگوں پر اطمینان نہیں کرنا چاہیے، اور ان کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

اس وقت بہت سے لوگ اپنے خیالات و تصورات اور اوہام کو نفس کی پیروی کی خاطر دین کا رنگ دے کر اپنی اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بن رہے ہیں، یہ لوگ بظاہر تو مسلمانوں کو اپنے معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کی سوچ اور فکر کا محور مغربی افکار کے ارد گرد گھومتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آخری زمانے میں بڑے بڑے مکار اور جھوٹے لوگ پیدا ہوں گے، جو تمہیں وہ باتیں سنائیں گے، جو نہ تم نے اور نہ تمھارے آباء و اجداد نے سنی ہوں گی، تم ان

سے بچنا اور انھیں اپنے سے بچانا، وہ تمہیں گم راہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں'' (مسلم) [1]

مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایسے لوگ پیدا گے، جو جھوٹی جھوٹی باتیں کریں گے، اور نئے نئے احکام جاری کریں گے اور غلط عقیدے ایجاد کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مشاہدہ آج میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر دین کے نام سے پیش کیے جانے والے پروگراموں کی صورت میں بھی ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری امتِ مسلمہ کی اس قسم کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1427ہجری اپریل/2006ء، جلد3 شمارہ3)

---

[1] أخبرني مسلم بن يسار، أنه سمع أبا هريرة، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يكون في آخر الزمان دجالون كذابون، يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم، ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم، لا يضلونكم، ولا يفتنونكم(مسلم،رقم الحديث ''7'')

(27)

موجودہ حالات میں کیا کریں؟

اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں کو سنگین حالات درپیش ہیں، اور غیر مسلموں کی طرف سے آئے دن مسلمانوں کے خلاف منظّم طریقہ پر مختلف حربے استعمال ہوتے رہتے ہیں، اور مسلمانوں کے جذبات کو مختلف طریقوں سے اُبھارا جاتا ہے، کبھی گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی جاتی ہے، اور مسلمانوں کی طرف سے اُن کے ردِّ عمل میں جلوس، ہڑتالوں، بائیکاٹ اور چیزوں کی توڑ پھوڑ اور مختلف تدابیر اور اقدامات کیے جاتے ہیں، مگر اِن کا کوئی خاطر خواہ فائدہ اور اثر دِکھائی نہیں دیتا، بلکہ اس کے برعکس حالات اور زیادہ سنگین سے سنگین تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اِس پر سب مسلمانوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

بجائے اس کے کہ اس اہم اور نازک موضوع پر خود لب کشائی کی جائے، اُمت کے ایک عظیم حکیم اور نبض شناس بزرگ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں اس موضوع پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

”سب خرابیوں کے ذمے دار خود مسلمان ہی ہیں، یہ خود ہی (شرعی) احکام سے اعراض کیے (منہ موڑے) ہوئے ہیں، پھر جب خود ہی ان کے قلوب (یعنی دلوں) میں احکامِ شرعیہ کی وقعت وعظمت نہیں اور خود ہی ان کی پابندی واحترام نہیں کرتے تو دوسری قومیں کیا احترام کریں گی، اور ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ مثلاً نماز کی پابندی مسلمانوں میں نہیں، ڈاڑھی منڈانا ان کا شعار (اور طریقہ) ہوگیا ......

ہماری شکایت واقع میں اپنا قصور دوسروں کے سر منڈھنا ہے، اگر مسلمان فی الحقیقت مسلمان بن جائیں، تو پھر آپ دیکھیں کہ ایک دم کایا پلٹ ہوجائے

اورسب ان کے سامنے سر جھکا دیں......اگر یہ (مسلمان) خود احکامِ اسلام اور شعائرِ اسلام (یعنی اسلام کی نشانیوں، طریقوں، فرائض اور عبادات) کے پابند ہوجائیں دوسروں پر خود بہ خود اثر ہو، یہ بھی ایک نہایت زبردست تبلیغ ہے'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۲، ص ۱۰۵، ۱۰۶ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ''، ملفوظ نمبر ۱۳۸، ملخصاً)

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''آج کل مسلمانوں کی حالت عجیب ہے، دوسروں سے اسلام، احکامِ اسلام کی وقعت وعظمت اور احترام کے خواہش مند ہیں، اور خود احکامِ اسلام وشریعتِ مقدسہ کی وقعت اور عظمت قلوب (یعنی دلوں) میں نہیں رہی'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۸، ص ۳۳۱ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'' ملفوظ نمبر ۴۶۹)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''سب سے بڑی بات قابلِ ذکر بلکہ قابلِ شکایت یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں سے تو اسلام کی عزت کے خواہاں ہیں، اور خود اسلام اور احکامِ اسلام کو پامال کرتے ہیں، ایک زمانے میں نمازوں کے وقت میں جلسے ہوتے رہے، کچھ پروا نہیں، رمضان المبارک میں عام شاہراہوں پر میزوں پر کھانے چُنے گئے اور کُرسیوں پر کھائے گئے، یہ حرکات کہاں تک جائز ہیں'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۳، ص ۶۹، ۷۰ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'' ملفوظ نمبر ۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو خود اسلام اور احکامِ اسلام کی عزت اور وقعت چھوڑ کر غیر مسلموں سے وقعت اور عزت کا خواہاں ہونا درست طرزِ عمل نہیں۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''جو اصلی تدبیر ہے، اس کی طرف اس وقت تک بھی کسی کو خیال نہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے اعمال کی اصلاح میں لگ جائیں، اگر ایسا کریں تو چند روز میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دشمن خائف ہوجائیں اور مخترع (یعنی من گھڑت) طریقوں کے متعلق

فرمایا کہ ایسے وقت میں شریعت میں دو ہی صورتیں ہیں، قوت کے وقت مقابلے، اور عجز کے وقت صبر، خدا معلوم یہ تیسری صورت بخوشی گرفتار ہوجانے کی کہاں سے نکالی ہے؟ (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۱، ص۳۲ ’’الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ‘‘ ملفوظ نمبر۸)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

’’برکت، تدابیرِ منصوصہ (یعنی قرآن وحدیث میں بیان کردہ طریقوں) پر عمل کرنے سے میسر ہوسکتی ہے، اور یہ ہڑتال اور جلوس یہ سب یورپ ہی سے سبق حاصل کیا ہے، یہ سب انھیں کی تدابیر ہیں، جن کے خلاف تم جد وجہد کررہے ہو‘‘ (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۴، ص۵۸ ’’الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ‘‘ ملفوظ نمبر۶۴)

مزید فرماتے ہیں:

’’جو کام کرنے کے ہیں، ان کی طرف تو کبھی التفات (خیال) بھی نہیں ہوتا، اور یہ بائیکاٹ وغیرہ ان سے کام چلتا ہے؟ اگر انبیاء علیہم السلام بھی نِرے بائیکاٹ سے کام لیتے تو ہرگز دین کی اشاعت نہ ہوتی، کام تو کام کے طریقے اور ہر موقع پر اس کے مناسب عمل سے ہوتا ہے، دیکھ لیجیے جب تک قوت جمع نہ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے صبر اور حِلم سے کام لیا، جہاد کی بھی اجازت نہ ہوئی، جب قوت جمع ہوگئی، جہاد بھی فرض ہوگیا اور تلوار سے کام لیا گیا، پھر اتنا بڑا کام کہ اظہر من الشّمس (یعنی سورج سے بھی زیادہ ظاہر) ہے، یہ سب برکت مناسب طریقے پر عمل کرنے کی تھی‘‘ (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۳، ص۷۰، ۷۱ ’’الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ‘‘ ملفوظ نمبر۶۹)

نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں:

’’جیل خانہ چلے گئے، دو چار مہینے رہ آئے، آخر اس کا نتیجہ ہی کیا، جب کسی چیز پر قدرت نہیں، تو کیوں آدمی اپنے کو پریشانی میں ڈالے، ہاں ایک نتیجہ تو جیل خانہ

میں جانے سے ضرور نکل آتا ہے کہ شہرت ہو جاتی ہے، فلاں صاحب ایسے ہیں ویسے ہیں، مگر یہ کوئی دینی مقصد نہیں، اس کا تعلق صرف جاہ (یعنی نام اونچا کرنے) سے ہے، جو خود ایک مستقل (روحانی ودینی) مرض ہے، جو قابلِ اصلاح ہے، ان اہلِ جاہ (یعنی نام اور شہرت کے طلب گاروں) میں خلوص کا نام نہیں۔ بس اس پر مرتے ہیں کہ نام ہو پھر کام کہاں؟ اسی لیے تو میں مولویوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ ان کو چاہیے کہ ان فضولیات کو چھوڑیں اور ان کاموں میں لگیں کہ (مسلمانوں کی فلاح صلاح اور ترقی کے لیے) اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں (لوگوں کو پیش آمدہ مسائل میں) فتوے دیں، تبلیغ کریں، پڑھیں پڑھاویں، جاہلوں کے ساتھ ہو کر تضیعِ اوقات نہ کریں'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۷، ص ۵۲ ''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'' ملفوظ نمبر ۴۳)

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''غور سے معلوم ہوا کہ یہ نئی روشنی والے اس شورش (فتنہ، فساد اور ہنگامہ) کے اندر بھی یورپ کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ طریقہ یورپ ہی کا ہے کہ جو کام کرتے ہیں، بڑھا چڑھا کر لوگوں کو دکھلا کر کرتے ہیں۔ اگر کسی قوم سے مخالفت ہوگی، تو اہلِ یورپ اس کی بنائی ہوئی چیزیں استعمال نہیں کریں گے، اور جو پہلے سے گھر میں ہوں، ان کو جلا پھونک دیتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں اٹلی کی مخالفت میں ہمارے نوجوان تعلیم یافتوں نے بہت سے کپڑے ٹوپیاں وغیرہ جلا دیں، کیوں کہ وہ مال اٹلی کا بنا ہوا تھا۔ ہم کو تو یہ بات پسند نہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ اہلِ شریعت میں تہذیب نہیں، اس وقت تو شریعت سے بعید (دُور) ہونے والوں کی تہذیب معلوم ہوگئی، دوسرے ٹوپی وغیرہ کا جلانا اضاعتِ مال (یعنی مال کو ضائع کرنا) ہے، جو شرعاً وعقلاً کسی طرح جائز نہیں۔

اسی طرح اخبار نویسوں نے بھی بہت زیادہ لوگوں کو پریشان کر دیا ہے، ایسے ایسے مضامین لکھتے ہیں، جس سے خواہ مخواہ دیکھنے والے کو جوش آئے، کیوں کہ ان لوگوں

کو تجارت مقصود ہے، ایسے مضامین سے ان کے اخبار کی اشاعت خوب ہوجاتی ہے، یہ لوگ اہلِ دنیا ہیں، اہلِ دین کا طریقہ تو رضا بر قضا ہے۔

دل آرامے کہ داری دل درو بند   دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

وہ (یعنی اہلِ دین) کتاب وسنت کو دیکھتے ہیں، اُن کو تو کوئی (دنیا کی) تجارت مقصود نہیں، جو خواہ مخواہ جوش وخروش ظاہر کریں، یہ سب باتیں صبر ومتانت کے خلاف ہیں۔اور شریعت میں ایک تاکید یہ کی گئی ہے کہ مصیبت میں یاس (مایوسی) نہ ہو، حق تعالیٰ سے امیدوار رہنا چاہیے، کیوں کہ اسباب سے فوق (اوپر) بھی تو کوئی چیز ہے۔ تو یاس (مایوسی) کی بات تو وہ کہے جس کا دین تقدیر پر نہ ہو محض تدبیر پر ہو، یہ سب آداب ہیں ضراء یعنی مصیبت کے'' (وعظ ''حقوق السرّآء والضرّآء'' ص۲۶، مطبوعہ: تھانہ بھون، وخطباتِ حکیم الامت ج۱۴ص ۳۸۳، بعنوان ''حقوق وفرائض'')

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''اگر مسلمان اصولِ صحیحہ اور احکامِ شرعیہ کا اتباع کریں ، تو ساری دنیا بھی مل کر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا اسی ڈبے میں چند دیہاتی مسلمان بیٹھے ہوئے تحریکاتِ حاضرہ کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے تھے، اور اپنی اپنی کہہ رہے تھے، میں بھی سن رہا تھا، ایک ان میں سے خاموش بیٹھا سن رہا تھا، جب سب اپنی اپنی کہہ چکے، تو وہ شخص بولا، اپنی اپنی تو تم کہہ چکے، اب میری بھی سن لو، کیوں اتنے بکھیڑے کیے اگر مسلمان دو باتوں کی پابندی کر لیں ساری دنیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، ایک بولا کہ بتلاو وہ کیا بات ہے؟ کہتا ہے کہ: ''ایک رہو اور نیک رہو، دیکھیں پھر کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے'' کیسی عجیب بات کہہ گیا، آبِ زر (سونے کے پانی) سے لکھنے کے قابل ہے، دو جملوں میں تمام احکامِ شرعیہ کا خلاصہ بیان کر گیا'' (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۵، ص۳۶۲''الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ'' ملفوظ نمبر۴۱۵)

مزید فرماتے ہیں:

’’یہ وقت مسلمانوں کی غفلت کا نہیں، مگر مشکل تو یہ ہے کہ اگر مسلمان غفلت سے بیدار ہوتے ہیں، تو اس کے مصداق ہوجاتے ہیں ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم تونے تو کیا کی

یعنی اس بیداری میں نہ اتباع (شرعی) احکام کا ہوتا ہے، نہ باہمی اتفاق ہوتا ہے، اسی نااتفاقی کے متعلق ایک انگریز حاکم نے ایک بات خوب کہی کہ ہندوؤں کے دو دشمن، ایک مسلمان اور ایک انگریز۔ انگریزوں کے دو دشمن، ایک ہندو اور ایک مسلمان، اور مسلمانوں کے تین دشمن، ایک ہندو ایک انگریز ایک خود مسلمان‘‘

(ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر۲، ص ۳۷۹ ’’الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ‘‘ ملفوظ نمبر ۳۷۹)

نیز فرماتے ہیں:

’’مسلمانوں کا سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی حامی اور مددگار نہیں، اور ان کو اور کسی کی ضرورت بھی نہیں، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر مسلمانوں میں نظم (یعنی انتظام وبندوبست) ہو، اور دین ہو، تو تمام دنیا کی غیر مسلم اقوام اس ضعف (وکم زوری) کی حالت میں بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، لیکن مسلمان ویسے تو بہت کچھ گڑبڑ کرتے ہیں، مگر جو اصل تدبیر ہے، اور کام کی تدبیر ہے، جس سے پہلوں کو کام یابی میسر ہوچکی ہے، وہ نہیں کرتے، وہ تدبیر یہ ہے کہ اپنے خدا کو راضی کرنے کی فکر کریں، مگر اب تو بڑی تدابیر ان مشرکوں (وکافروں) کی تعلیم (اور طریقوں) پر عمل کرنا ہے، ان (کافروں) کو لوگ عاقل سمجھتے ہیں، بھلا ایسا شخص کیا عاقل ہوگا، جس کو انجام کی خبر نہیں، اگر ایسے لوگ عاقل ہوتے، تو آخرت کی فکر کرتے، پہلے ایمان لاتے، ہاں آکِل (یعنی کھانے پینے والے) ہیں، روپیہ اور ملک کی فکر ہے، سو

ایسے پہلے بھی بڑے بڑے گزر چکے، جو خدائی کا دعویٰ تک کر گئے۔ شداد، نمرود، فرعون، قارون، وہ کون سی چیز ہے، جو (ان میں) نہ تھی، جس کے نہ ہونے سے بدعقل اور بدفہم کہلائے، بس یہی دین نہ تھا، تو ان (موجودہ) لوگوں کو تو دنیا میں اتنی ثروت (یعنی عیش وآرام اور مال دولت کی فراوانی) نصیب نہیں، جیسے پہلوں کو نصیب ہو چکی۔ کماقال تعالیٰ: **ولقد مکّنّٰھم فیماان مکنّاکم فیه** (الآیۃ)

(اور ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی)

مگر ان کا جو انجام ہوا "**خسر الدنیا والآخرۃ**" (دنیا وآخرت کی ذلت ورُسوائی) وہ اظہر من الشّمس (یعنی سورج سے بھی زیادہ ظاہر) ہے" (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۱، ص ۳۱۵، ۳۱۶ "الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ" ملفوظ نمبر ۴۱۸)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"میں اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں، اور خود بھی اس پر عامل (وکاربند) ہوں کہ حق تعالیٰ سے اپنی بہبود اور فلاح کی دعا کریں، اور یہ بڑا عمل ہے، اور اس سے بڑا عمل یہ ہے کہ خدا کے راضی کرنے کی فکر میں لگ جائیں، اگر مسلمان ایسا کریں، تو چند روز میں ان شاء اللہ کایا پلٹ ہو جائے، حقیقی مالک، مُلک کے حق تعالیٰ ہی ہیں، تو مُلک جن کی مِلک ہے، انھیں سے مانگو، اور اس کا صحیح طریق یہی ہے کہ ان کو راضی کرو۔ اور راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گزشتہ نافرمانیوں سے تائب ہو کر آیندہ کے لیے عزم (یعنی پختہ ارادہ) اعمالِ صالحہ کا کرو۔

دیکھو پھر کیا ہوتا ہے، کیوں کہ تدابیر بھی وہی ذہنوں میں پیدا فرماتے ہیں، اور پھر ان تدابیر کو مؤثر بھی وہی بناتے ہیں، تو ان کو راضی رکھنے سے تدبیریں بھی صحیح اور مؤثر سمجھ میں آتی ہیں، اور یہ بات یقین کے درجے کی ہے کہ اگر مسلمان ایسا کریں، تو ان کے تمام مصائب اور آلام ختم ہو جائیں۔

یہ مصائب کا سامنا، خدا کو ناراض کرنے ہی کی بدولت ہو رہا ہے، اور جو تدابیر اس وقت اختیار کر رکھی ہیں، چونکہ ان کا اکثر حصہ غیر مشروع (یعنی غیر شرعی) ہے، اس لیے بجائے کسی کامیابی کے، اور اُلٹی ذلت اور ناکامی گلوگیر ہو جاتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ (انگریزوں کی) شروع سلطنت کے زمانے میں اس کا مشورہ ہوا تھا کہ ہندوستان کو نکما بنانا چاہیے، اور اس کی تدبیر یہ نکلی کہ مذہبی حمیت (یعنی اپنے مذہب کی غیرت) کو برباد کر دینا چاہیے۔

بس میں اسی حمیت (یعنی مذہبی غیرت) کو کہتا ہوں کہ اپنے اندر پیدا کرو۔ لیجیے کیا اثر ہوتا ہے، اس وقت کثرت سے لوگوں کو مذہب سے بے گانہ کر دیا گیا ہے، یہ نہایت باریک حربہ ہے، بس اس کے مقابلے میں کرنے کا کام یہ ہے کہ مذہب کی اہمیت قلوب (یعنی دلوں) میں پیدا کی جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں، ان کو تو مسلمان کرتے نہیں، دوسرے جھگڑوں اور قصوں میں پڑ کر اپنا مال اور اپنی جان، اپنا وقت برباد کر رہے ہیں، حقیقی تدابیر سے بھاگتے ہیں۔

صاحبو! اگر اعتقاد سے نہیں کرتے، تو آزمانے ہی کے طریق پر کر کے دیکھ لو، اسی کو (مولانا روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔

سال ہا تو سنگ بودی دل خراش　　　آزموں را یک زمانے خاک باش

(برسوں تک تو سخت پتھر بنا رہا، آزمائش کے لیے کچھ روز خاک ہو کر بھی دیکھ)

ان رسمی تدابیر کو چھوڑو، برسوں کر کے دیکھ لیں خاک نہ ہوا، اب ذرا خاک میں سر رکھ کر بھی دیکھ لو، حکمتِ یونانی کا نسخہ تو بہت زمانہ تک استعمال کر لیا، اب حکمتِ ایمانی بھی استعمال کر کے دیکھ لو، ان شاء اللہ تعالیٰ تمام امراض کافور ہو جائیں گے، اور میں تدابیرِ ظاہرہ کا مخالف نہیں ہوں، بشرطیکہ غیر مشروع (غیر شرعی) نہ ہوں شکایت تو اس کی ہے کہ تدابیرِ ظاہری کے اس قدر پیچھے کیوں پڑ گئے کہ حقیقت سے

بھی دور جا پڑے، اس لیے ضرورت ہے کہ اب طبِ ایمانی کا نسخہ استعمال کرو (مولانا روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔

تا چند بخوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں را ہم بہ خواں

(یونانیوں کی حکمت کب تک پڑھو گے ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھ لو)

خلاصہ یہ ہے کہ طبیبِ جسمانی کی تدابیر پر تو عمل کر چکے، اور اس کا نتیجہ بھی دیکھ چکے، اب طبیبِ روحانی یعنی جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے نسخوں پر عمل کر کے دیکھو، کیوں کہ یہ مرض ان طبیبانِ ظاہری کی سمجھ سے باہر ہے، تو ان کی تدبیر کیسے کافی ہوگی؟

اسی کی نظیر میں مولانا (روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند آں عمارت نیست ویران کردہ اند

بہ خبر بودند از حالِ دروں استعیذ اللہ مما یفترون

(مردِ غیبی نے کہا کہ جو دوا ان لوگوں نے کی ہے وہ مرض کو بڑھانے والی تھی۔ تن درست کرنے والی نہ تھی۔ وہ لوگ اندرونی حالت سے بے خبر تھے جو دوائیں وہ گھڑ رہے تھے ان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)

دیکھیے صحابۂ کرام کی جمعیت (یعنی جماعت) کچھ ایسی زائد نہ تھی، مادی اسباب پاس نہ تھے، مگر طبیبِ روحانی کے نسخوں پر ان کا عمل تھا، دیکھ لو، کیا سے کیا کر کے دکھا گئے، یرموک (کی جنگ) میں جب اول روز، لشکرِ اسلام کے مقابلے میں ''جبلہ بن ایہم غسانی'' ساٹھ ہزار لشکر لے کر آیا ہے، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں اول تیس آدمی، پھر دوسروں کے کہنے سننے سے ساٹھ آدمی، منتخب کر کے میدان میں لے گئے، جبلہ یہ سمجھا کہ خالد بن ولید صلح کے لیے آئے ہیں وہ دیکھ کر ہنسا، حضرت خالد بن ولید نے اعلانِ جنگ کر دیا، شام تک تلوار چلی، کفار کی ساٹھ ہزار جمعیت کو ہزیمت (وشکست) ہوئی، اور میدان چھوڑ کر بھاگے، صحابہ میں

سے پانچ یا چھ تو شہید ہوئے، اور پانچ گرفتار ہوئے، جب لاشیں بھی نہیں ملیں، جب گرفتاری کا گمان ہوا، تو چھ لاکھ کے لشکر میں جو باہان ارمنی کے زیرِ کمان تھا، ان کے چھوڑانے کے لیے سو سپاہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے، اور باہان کی اطلاع واجازت کے بعد جب آگے بڑھے، تو تخت کے قریب دیبا وحریر (ریشم کے کپڑے) کا فرش تھا، حضرت خالد بن ولید نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کو الٹ دو، باہان ارمنی نے کہا کہ میں نے تو آپ کی عزت کی، اور حریر کا فرش بچھانے کا حکم دیا، آپ نے اس کی کچھ قدر نہ کی، آپ نے فرمایا کہ: **والارض فرشنٰھا فنعم الماھدون** . خدا کا فرش تیرے فرش سے اچھا ہے، باہان ارمنی نے کہا کہ ہم اور تم بھائی بھائی ہوجائیں، حضرت خالد بن ولید نے فرمایا کہ اسلام قبول کرلے، ہم اور تو بھائی بھائی ہوجائیں گے، اور اگر اسلام قبول نہ کرے گا، تو وہ دن مجھ کو قریب نظر آتا ہے کہ تیری گردن میں رسی ہوگی، اور لوگ کھینچ کر تجھ کو امیر المومنین کے سامنے کھڑا کریں گے، یہ سن کر باہان ارمنی آگ ہوگیا، اور حکم دیا کہ ان کو پکڑو، حضرت خالد بن ولید نے تلوار کھینچ کر ساتھیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم بھی تیار ہوجاؤ اور اس کی جرّار کرّار (یعنی بھاری بھرکم اور خطرناک) فوج کی طرف نظر نہ کرو، اور اس وقت آپس میں ایک دوسرے کو نہ دیکھو، اب ان شاء اللہ آبِ کوثر پر ملاقات ہوگی، بس باہان ڈھیلا ہوگیا، اور کہنے لگا میں تو ہنستا (اور مذاق کرتا) تھا۔

تو یہ کیا چیز تھی؟ وہی حمیتِ مذہبی تھی۔ بس اعدائے دین (یعنی دشمنانِ دین) تدابیر سے اس کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اب خود لوگ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر آمادہ ہیں‘‘ (ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۵، ص ۵۰ تا ۵۳ ’’الافاضات الیومیة من الافادات القومیة‘‘ ملفوظ نمبر ۴۵)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

’’بدون (بغیر) حق جل علیٰ شانہٗ کو راضی کیے ہوئے اور مشروع تدابیر (یعنی شرعی طریقوں) کو اختیار کیے ہوئے، مسلمانوں کو فلاح اور بہبود میسر ہونا محال (اور ناممکن) ہے، اس کا صرف ایک ہی علاج ہے، جو میں تم کو بتلا چکا ہوں کہ اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی فکر اور مشروع تدابیر (یعنی شرعی طریقوں) کو اختیار کرو، اپنے دوست دشمن کو پہچانو، سلیقے اور طریقے سے کام کرو اور جو کام بھی کرو، متحد ہو کر کرو، ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے اپنے کو چھوٹا سمجھے، اور یہ چھوٹا سمجھنا ہی صورت اتفاق کی ہے، اور آج کل کی یہ ساری خرابیاں بڑے بننے کی ہیں، اور یہ سب ضروری تفصیل ہے، تدابیرِ مشروعہ (یعنی شرعی طریقوں) کی، ان کو اختیار کرو، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ فتح اور نصرت تمہاری لونڈی، غلام (کی طرح ماتحت) بن کر تمہارے ساتھ ہوگی، کیا تم نے اپنے سلف (اور پہلے بڑوں) کے کارنامے نہیں سنے کہ مادیات کا ان کے پاس نام ونشان نہ تھا، ہر طرح کی بے سروسامانی تھی، مگر بڑے بڑے قیصر وکسریٰ اور بڑی بڑی جماعتیں منظّم غیر مسلم اقوام کی ان سے لرزاں اور ترساں (خائف) تھیں، آخر کیا چیز ان کے پاس تھی؟ وہ صرف ایک ہی چیز تھی، جس کا نام تعلق مع اللہ ہے، اُن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق تھا، بس سب اس کی برکت تھی، ہمارے اندر اسی کی کمی ہے، اس لیے ذلیل اور خوار ہیں۔

حق تعالیٰ فہمِ سلیم عطا فرمائیں کہ صحیح طریق پر چلیں اور دارین کی فلاح پر فائز ہوں

(ملفوظات حکیم الامت، جلد نمبر ۵، ص ۱۱۴ ’’الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ‘‘ ملفوظ نمبر ۱۱۶)

مذکورہ ارشادات اور فرمودات کی روشنی میں موجودہ حالات میں مسلمانوں کو غور کرنے اور اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، بشرطیکہ اخلاص ہو، ضد نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ’’التبلیغ‘‘ ربیع الآخر/1427ہجری مئی/2006ء، جلد 3 شمارہ 4)

(28)

اپنے آپ کو میڈیا کے حوالہ نہ کیجیے

پہلے زمانے میں آج کل کی طرح روزمرّہ شائع ہونے والے اخباروں کا وجود نہیں تھا، ایک جگہ کی خبریں دوسری جگہ تک شاذ و نادر ہی پہنچتی تھیں، اور جو پہنچتی تھیں، تو اس کے پہنچتے پہنچتے کافی وقت گزر جایا کرتا تھا۔

مگر جب سے اخباروں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس وقت سے روزمرہ کے اعتبار سے دنیا میں رونما ہونے والے مفید و غیر مفید، مُضر و غیر مُضر واقعات وحادثات کا اخباروں کے ذریعے سے عام لوگوں کو علم ہو جاتا ہے، اگرچہ اس دور میں عالمی خبروں، تبصروں، حالات وواقعات سے باخبر اور آگاہ ہونے کا ذریعہ صرف اخباروں تک محدود نہیں رہا، بلکہ الیکٹرانک میڈیا بھی پچھلی نصف صدی سے اس میدان میں سرپٹ گھوڑے دوڑا رہا ہے۔

لیکن پرنٹ میڈیا کی دنیا میں آج بھی معاشرے میں اخباروں کو جو مقام حاصل ہے، وہ مختلف وجوہات سے دوسرے ذرائع کے مقابلے میں ایک حیثیت سے نمایاں اور امتیازی نوعیت کا حامل ہے۔

1323ھ میں یعنی آج سے تقریباً سو سال پہلے ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ:

آج کل لوگوں کی طبیعتوں اور مزاجوں میں اخبار پڑھنے، اور اخبار دیکھنے کا ذوق وشوق اتنا پھیل گیا ہے کہ وہ غذا کی طرح، بلکہ غذا سے بھی زیادہ ہوگیا ہے، کہ کسی وقت غذا کے بغیر تو صبر کیا جاسکتا ہے، مگر اخبار دیکھے بغیر صبر نہیں آتا، اخبار دیکھنے میں انہماک اتنا زیادہ بڑھ گیا ہے کہ دینی کتابوں اور دینی مضامین کے دیکھنے کی طرف تو ذرا توجہ اور دھیان نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کی ضرورت بھی ذہنوں میں نہیں رہی، اور اخباروں میں اشتغال وانہماک کا یہ عالَم ہے کہ دوسری دینی ضروریات

سے بھی غفلت ہو جاتی ہے، اور اخباروں میں منہمک ہو کر اور اخباروں سے اپنا رشتہ جوڑ کر اپنے دین اور دنیا کا نقصان برداشت کر لیا جاتا ہے، مال بھی ضائع ہوتا ہے اور وقت بھی، جو انسان کے لیے مال سے بڑھ کر قیمتی سرمایہ ہے (رسالہ اخبار بینی، مؤلفہ حکیم الامت رحمہ اللہ)

یہ نقشہ اب سے سو سال پہلے کی حالت کا کھینچا گیا ہے، جب کہ اخباروں کی اتنی کثرت نہ تھی جتنی کہ آج ہے، ان کے اثرات آج کی نسبت محدود تھے۔

اخبارات کے فسادات کی نیرنگیوں کو بیان کرتے ہوئے بہت مدّت پہلے ایک صاحبِ علم نے یہ بات فرمائی تھی کہ:

"علم کا فتنہ ہمیشہ جہل کے فتنے سے زیادہ شدید ہوتا ہے، اخباری فتنہ کیوں کہ علمی فتنے کے رنگ میں ہوتا ہے، اس لیے اس کا نقصان بھی اسلامی دنیا کو زیادہ پہنچا ہے" (ملاحظہ ہو: صحافت اور اس کی شرعی حدود صفحہ ۳۳، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات، پاکستان)

قوم کے ایک بڑے مفکر نے اب سے تقریباً تیس سال پہلے فرمایا تھا کہ:

"ہماری صحافت نے نئی نسل کا مزاج بگاڑنے، اس کے اخلاق خراب کرنے اور اسے نفسانی خواہشات کا غلام بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی" (ایضاً ص ۹)

اور آج جب کہ پہلے کے مقابلے میں اخبارات کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی ہے، کوئی گھر، کوئی دفتر، کوئی دکان اور کوئی جگہ شاید ہی اخبار سے خالی نظر آتی ہو، یہاں تک کہ بس، اور جہاز وغیرہ میں سفر کے دوران ایک نہیں، بلکہ ایک سے زیادہ اخبار مہیا کرنا مسافروں کا حق سمجھا جانے لگا ہے۔

کسی ہوٹل پر جائیں، تو کھانے کی میز پر اخبار سجا ہوا نظر آتا ہے، ڈاکٹر کے کلینک سے لے کر حجام کی دکان اور نان فروش کی بھٹی تک، اخبارات سے خالی نہیں رہی، اور یہ وبا اب خالص دینی و مذہبی اداروں میں بھی پہنچ چکی ہے، بعض جگہ استاد سے لے کر طالب علم تک بلا کھٹک

ہر ایک اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق، اخبار بینی میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔

گھروں اور دفتروں میں صبح سویرے سب سے پہلے پہنچنے والی چیز ایک اخبار ہی ہے، رات کے آخری حصہ میں تہجد کے مبارک وقت میں جس وقت کہ اکثر آبادی رات دیر گئے تک رنگ رلیاں منا کر سورہی ہوتی ہے، عین اس وقت اخبار شائع کرنے والے اداروں کے اردگرد اخبار فروشوں کے رَش اور ہجوم کا یہ عالَم ہوتا ہے کہ دیکھ کر لگتا ہے کوئی بڑا اجتماع ہورہا ہے۔

صبح کو جتنی جلدی بھی جو اخبار شائع ہوتا، اور مطلوبہ جگہ تک جتنے سویرے پہنچتا ہے، وہ اتنا ہی مقبول سمجھا جاتا ہے۔

صبح آنکھ کُھلتے ہی اخبار کے شوقین اکثر لوگوں میں سے جس کو دیکھو وہ سب سے پہلے ''وضو، نماز، تلاوت اور ذکر کے بجائے'' اخبار بینی کی جستجو میں لگا نظر آتا ہے۔

دینی ذہن رکھنے والا کوئی تہجد گزار شخص ہو، یا بالکل ٹھیٹھ دنیادار شخص ہو، ہر عام وخاص کی اخبار بینی کے ساتھ غیر معمولی دل چسپی اور شغف بڑھ گیا ہے، شاذ ونادر ہی شاید کوئی پڑھا لکھا اللہ کا بندہ اخبار بینی کی عادت سے بچا ہوا ہو، جو پڑھے لکھے نہیں، وہ سن کر یا معلوم کر کے اپنی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔

پھر اخبار بینی کے مستقل عادی لوگوں کا معاملہ صرف سرسری انداز میں اخبار دیکھنے تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ جب تک رطب ویابس، جھوٹی، سچی، غیبت، بہتان، عیب جوئی، سیاسی، اور اور کاروباری، خبروں سے لے کر بے حیائی اور فحاشی تک کی خبروں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ نہیں کرلیا جاتا، اور ہر ہر خبر کو اپنے دل ودماغ میں پوری طرح نہیں بٹھالیا جاتا، بلکہ پراگندہ نہیں کرلیا جاتا، اس وقت تک اخبار بینی کا حق ادا کرنا نہیں سمجھا جاتا، اور اگر کبھی اتفاقی مجبوری کی وجہ سے ایک یا زیادہ دن اخبار بینی کا موقع نہ مل سکے، اس وقت بھی اپنی تسکین کے لیے دوسرے لوگوں سے اخباری دنیا کی خبروں کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

اور پھر اسی پر اکتفا نہیں ہوتا، معاملہ اس سے بھی کئی قدم آگے بڑھ کر اخبار میں شائع شدہ خبروں پر تبصروں، اظہارِ خیالات، اور اس کی خاطر مستقل بحث مباحثوں اور مجلس آرائیوں کا بازار گرم رہتا ہے، اور دوسری طرف دین سے ناواقفیت اور جہالت کا یہ عالَم ہے کہ اخبار بینی کے اکثر شائقین کو، نماز، روزے کے فرض درجے کے احکام کا بھی علم نہیں، اوپر سے مصروفیت اور مشغولی کا بہانہ بھی کیا جاتا ہے۔

یاد رکھیے کہ اخباروں کا انداز اور طور وطریق، معاشرے کی تعمیر وتخریب میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اور اخبارات کے ذریعے سے کسی بھی قوم کی اصلاح کو فساد سے یا فساد کو اصلاح سے تبدیل کرنا سہل ہوا کرتا ہے۔

بدقسمتی سے آج کے دور میں عام اخبارات کے مضامین، قوم کی تعمیر کے بجائے تخریب کو اور اصلاح کے بجائے فساد کو زیادہ ہوا دینے میں مصروفِ عمل ہیں۔

ممکن ہے کہ بہت سے اخبارات کے ذمہ داران نیک نیتی کے ساتھ قوم کی تعمیر واصلاح کا جذبہ لے کر یہ خدمت انجام دے رہے ہوں، لیکن عام اخبارات کے اندازِ فکر وطور طریق اور عوامی مقبولیت وپسندیدگی کے لگے بندھے، اور رسمی وروایتی معیار کے پیشِ نظر اس خدمت کو حقیقی اصلاح وتعمیر سے تعبیر کرنا، مشکل ہے۔

رسّی کو سانپ اور بھیڑ کو بھیڑیا بنا کر پیش کرنا، آج کی اخباری دنیا میں ایک مقبول صحافت اور صحافیانہ مہارت کی علامت ومعیار سمجھا جانے لگا ہے۔

گزشتہ دنوں ہمارے ایک جاننے والے میرے پاس تشریف لائے، انھوں نے بتلایا کہ:

''اُن کی مسجد میں قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق جمع ہو گئے تھے، جس کے بارے میں انھوں نے کسی سے شرعی مسئلہ معلوم کر کے، ان اوراق کو ایک جگہ جمع کر کے راولپنڈی شہر کے سواں اڈّہ کے قریب سواں نامی دریا میں ڈال دیا، اس وقت سواں نامی دریا میں پانی کی مقدار زیادہ تھی، چند دنوں کے بعد اس میں پانی کم

ہو گیا، اور اُن اوراق میں سے کچھ صفحات دریا کے کنارے پر نظر آنے لگے، اس بات کی ایک خاص اخبار کی ٹیم کو اطلاع دی گئی، چنانچہ فوراً متعلقہ اخبار کی ٹیم موقع پر پہنچ گئی اور جا کر ان اوراق کی تصاویر لی گئیں، اور اس واقعے کو توہینِ قرآن کے عنوان سے اہتمام کے ساتھ اخبار میں شائع کیا گیا، اور عوام کی طرف سے قرآن مجید کی توہین اور بے حُرمتی پر مظاہرے کیے گئے، توڑ پھوڑ کر کے املاک کو نقصان پہنچایا گیا، اور حکومتِ وقت سے مطالبہ کیا گیا کہ توہینِ قرآن کے مجرمین کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے وغیرہ وغیرہ۔

اور ہم لوگ اندر ہی اندر ڈر رہے اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعاء کر رہے تھے۔

کسی طرح یہ مسئلہ ٹھنڈا ہوا، جس پر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا''۔

قارئینِ کرام ملاحظہ فرمایے کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو بے احترامی اور بے ادبی سے بچانے کے لیے اتنی جدوجہد کی کہ پہلے بعض اہلِ علم حضرات سے شرعی مسئلہ معلوم کیا، اور پھر شہر سے قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو جمع کر کے ایک خاص جگہ لے جا کر شریعت کا حکم پورا کرتے ہوئے ان کو بے ادبی و بے حرمتی سے بچانے کے لیے پاک وصاف پانی میں لے جا کر محفوظ کر دیا، پھر حِکمتِ الٰہی سے کسی وقت وہ اوراق دریا کے کنارے آ گئے، تو وہی ادب واحترام کرنے والے لوگ اخباری دنیا اور اس کے واسطے سے اخبار بینی کے شائقین عوام کی نظروں میں قرآن مجید کی گُستاخی اور توہین کرنے والے بن گئے، اور مذکورہ اخبار والے جن کا مقصد دین کی تبلیغ واشاعت اور حفاظت نہیں تھا، بلکہ اپنی دکان چمکانا اور عجیب وغریب جذباتی خبریں شائع کر کے زیادہ سے زیادہ خریدار تیار کرنا تھا، انھوں نے اپنا دنیاوی مقصد پورا کر لیا۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ شرعی اعتبار سے جو حکم زبانی کلام کرنے کا ہے، وہی حکم قلم سے لکھنے کا ہے۔

اور جو حکم کسی بات کے سُننے کا ہے، وہی حکم کسی لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا ہے، لہٰذا جس چیز کا زبان سے کلام کرنا، اور کان سے سُننا گناہ ہے، اُس چیز کا لکھنا، چھاپنا اور پڑھنا بھی گناہ ہے، اور جس طرح زبان سے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بہتان لگانا اور کسی کا تمسخر اُڑانا، عیب جوئی اور تجسس کرنا، اور بلا تحقیق کسی بات کو کسی کی طرف منسوب کر دینا، یہ سب چیزیں گُناہ ہیں، اسی طرح ان چیزوں کا بِلا شرعی ضرورت کے کان سے سُننا اور اخبارات وغیرہ میں شائع کرنا، اور اخبار وغیرہ میں پڑھنا بھی گناہ ہے۔

لیکن افسوس کہ اخباری دنیا میں ان گناہوں کو نہ تو گناہ سمجھا جاتا، اور نہ ان گناہوں سے روکنے کی طرف توجہ کی جاتی، جس کی وجہ سے جس کے دل میں جو آتا ہے، وہ بلا قید و بند اخبار بینی کے شوق کی تکمیل میں مادر پدر آزاد ہو رہا ہے، اور شترِ بے مہار کی طرح اخباروں پر ٹوٹا پڑا ہے۔

اگر ذرا سا ذہن خالی کر کے اور طبیعت کو عدل و انصاف کے تابع بنا کر میڈیا کے ساتھ لوگوں کی دل چسپی اور اس میں توغّل کا جائزہ لیا جائے، تو یہ کہنے میں ذرا مبالغہ محسوس نہیں ہوگا کہ آج بہت سے لوگوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا، اور زندگی کا اہم مشغلہ پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا کے استعمال کو بنا لیا، اور مال و دولت و زندگی کا قیمتی سرمایہ اخباری دنیا کے حوالے کر دیا ہے۔

جب کہ میڈیا کے ساتھ اس طرزِ عمل کا شرعی نقطۂ نظر سے جواز مشکل نظر آتا ہے۔

کیوں کہ اخبار بینی، نماز روزہ کی طرح کا کوئی اہم دینی و شرعی حکم تو ہے نہیں، زیادہ سے زیادہ بعض شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ جائز عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن عوامی سطح پر نہ تو اخبار بینی کی شرائط اور حدود و قیود کی رعایت ہے، اور رعایت تو بعد کی چیز ہے، ان شرائط کا اکثر عوام کو علم بھی نہیں، اور اگر علم بھی ہو، تو آزادی پسند عوام سے ان شرائط اور حدود و قیود کی رعایت ایک مشکل سی بات ہے، خصوصاً جبکہ اخباری دنیا میں قدم قدم پر بے حیائی، فحاشی، جھوٹ، فریب، غیبت اور بہتان تراشی جیسے سینکڑوں فتنے بھی جمع ہوں،

اوران چیزوں کے بغیر اخبار کو اخبار ہی نہ سمجھا جاتا ہو، ان حالات میں خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

ہمیں اخبارات کے مفید پہلوؤں سے انکار نہیں، لیکن ہماری بحث اس وقت اس سے ہے کہ بہ حیثیتِ مجموعی عوامی نقطۂ نظر سے ان فوائد کی نسبت ، مفاسد کے مقابلے میں کیا ہے؟

ہزار میں سے ایک آدھ اخبار کا بعض یا اکثر مفاسد سے پاک ہونا، اور بعض گِنے چُنے افراد کا شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے بوقتِ ضرورت اخبار بینی کا معاملہ، عام لوگوں کے مجموعی طرزِ عمل سے مختلف چیز ہے۔

سواُمید ہے کہ ہماری مندرجہ بالا گزارشات کے پیشِ نظر نیک نیت و منصف قارئین کو فیصلہ کر کے اپنے آپ کو اخباری دنیا کے دنیاوی واُخروی نقصانات سے بچاتے ہوئے، دینی واصلاحی مضامین ورسائل کے مطالعہ اور اللہ کے ذکر وتلاوت یا کسی دوسرے مفید کام میں مشغول رکھنا کوئی مشکل نہ ہوگا۔ [1]

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

محمد رضوان

25 / جمادی الاولیٰ / 1427 ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ / 1427 ہجری جون / 2006ء، جلد 3 شمارہ 5)

---

[1] یہ اداریہ لگ بھگ 12 سال پہلے کا ہے، اس عرصے میں الیکٹرانک میڈیا کے پرائیویٹ، چینلوں، موبائل، نیٹ اور فیس بک کی صورت میں سوشل میڈیا کی جو ایک نئی دنیا وجود میں آچکی ہے، اور برقی لہروں کی تسخیر شدہ ان محاذوں اور میدانوں میں جو دھما چوکڑی اور ہاہا کار مچی ہوئی ہے، اور ایک طوفان بے تمیزی نے کیا اخلاق، کیا اقدار، کیا مذہب، کیا روایات اور کیا شرم وحیا، ہر چیز کی دھجیاں بکھیر دی ہیں، اس صورتِ حال میں کاغذ پر پرنٹ اخبارات ورسائل تو بہت پیچھے رہ گئے، اوران کے منفی اثرات کو ان الیکٹرانکی میڈیا کے اثرات ومفرات سے شاید آٹے میں نمک کی نسبت ہو۔
رہے نام اللہ کا

(29)

احکامِ الٰہی وحدودِ الٰہی پر زبان درازی

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اعمال میں آگے بڑھو، کیوں کہ ایسے فتنے ہوں گے، جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے کہ آدمی صبح کے وقت مؤمن ہوگا، اور شام کے وقت کافر ہوجائے گا، اور کوئی شام کے وقت مؤمن ہوگا، تو صبح کے وقت کافر ہوجائے گا، اور وہ اپنے دین کو دنیا کے حقیر وذلیل سامان کے بدلہ میں بیچ ڈالے گا (صحیح مسلم، کتاب الایمان) [1]

آج صبح کو مومن اور شام کو کافر ہونے اور شام کو مؤمن اور صبح کو کافر ہونے، اور ذلیل دنیا کی خاطر دین کو بیچنے کی صورتوں اور شکلوں کا ظہور ہونا شروع ہوگیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چودہ سو سال پہلے فرمائی گئی، اس پیشین گوئی کا عملی طور پر آغاز ہوگیا ہے، جس کی مختلف شکلیں اور صورتیں موجودہ معاشرے میں پائی جارہی ہیں، چنانچہ روشن خیالی، اعتدال پسندی وغیرہ جیسے عنوانات کے ساتھ ایک مخصوص طبقہ دین کو موم کی ناک سمجھ کر، دین کا آپریشن کرنے میں مصروف ہے، جس نے اپنی جدوجہد کا ہدف اور ٹارگٹ براہِ راست دینِ اسلام کو بنا رکھا ہے، دینی احکام کا انکار اور دین میں بے تکی تاویلات، بلکہ تمسخر کا انداز اس طبقے کی طرف سے سامنے آتا رہتا ہے۔

گزشتہ دنوں اخبار میں ایک دنیوی بڑے عہدے والے شخص کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ:

’’اُس نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے عورت کی عدت کے حوالے سے

---

[1] عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :بادروا بالأعمال فتنا كقطع الليل المظلم، يصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافرا، أو يمسي مؤمنا ويصبح كافرا، يبيع دينه بعرض من الدنيا(مسلم، رقم الحديث ١١٨ ”١٨٦“)

اسلام کے احکامات کوفضول اور بلا جواز قرار دیا ،اور کہا کہ اسلام کا مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دینا،اور عورت کومحروم رکھنا،سراسر ظلم ہے، آج سائنسی دور میں ڈی ۔این ۔اے (D N A) ٹیسٹ موجود ہے،تو عدت ایک ظالمانہ قانون ہے‘‘(روزنامہ نوائے وقت، 4 جولائی 2006 درذیل:سرراہے،رنگین اندرونی صفحہ)

ملاحظہ فرمایے کہ !اسلام کے ایک اہم حکم ’’عورت کی عدت‘‘ کوفضول ،بلا جواز اور ظالمانہ قرار دینے ،اورمرد کو بیک وقت چار شادیوں کی اجازت ،اورعورت کو بیک وقت چار شوہروں سے محروم رکھنے کو،ظلم کہنے والے کا ایمان کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے ،اللہ تعالیٰ کے واضح احکامات کی طرف ظلم کی نسبت کرنا،دراصل (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کوظالم قرار دینا ہے،اوراللہ تعالیٰ کی طرف ایسی نسبت کرنے والے شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

اسی طرح ہمارے یہاں آج کل اسلامی حدود پر چرچے ہورہے ہیں، بڑے بڑے اسکالر کہلائے جانے والے ’’جنھیں اسلام کے فرضِ عین احکامات کا بھی علم نہیں‘‘ اسلامی حدود پر زبان درازی کررہے ہیں،اور نہ جانے کیا کیا،اول فول جومنہ میں آرہا ہے، کہے جارہے ہیں،اورزیادہ تر یہ لوگ حدودِ الٰہی پراپنی بحث کا آغاز،خواتین اورصِنفِ نازک کوعنوان بنا کر کرتے ہیں۔

اگراس معاملے کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کی جائے ،تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اسلام دشمن طاقتوں کی منشا پر ہورہا ہے، جس پر مستشرقین کے پیش کیے ہوئے اُلٹے سیدھے مادّی دلائل کا خول بھی چڑھا ہوا ہے۔

باطلین اوراسلام دشمن طاقتوں کی بھرپور کوشش ہے کہ ہرشعبے اورمیدان میں عورت کو نہ صرف یہ کہ مرد کے برابر درجہ دلوایا جائے ، بلکہ مرد حضرات کوناقص العقل خواتین کا غلام اور ماتحت بنا کر حماقت وبے حیائی کا ناپاک کھیل کھیلا جائے۔

اسی لیے ان دشمنانِ دین کی طرف سے کبھی آزادیِ نسواں کے عنوان سے، کبھی حقوقِ نسواں کے عنوان سے، اور کبھی مرد وزَن کے درمیان مساوات کے عنوان سے، نعرے لگا کر مہم چلائی جاتی ہے۔

اس مہم کے تحت کبھی عورت ومرد کی شہادت وگواہی کے اسلامی فرق کو غیر منصفانہ قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، تو کبھی عورت ومرد کی دیت میں اسلامی فرق کو غلط قرار دینے کی جسارت کی جاتی ہے، اور کبھی نکاح وطلاق کے اختیارات پر بحث کر کے عورت کو مرد کے برابر لا کھڑا کرنے کا ناپاک کھیل کھیلا جاتا ہے۔

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں

چوں کہ آج کل ہمارے ذرائع ابلاغ میں اسلامی حدود پر بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہے، اس لیے پہلے اسلامی حدود اور سزاؤں کا اجمالی جائزہ لے لینا، اور ان کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی تمام سزاؤں کو تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے، لیکن شریعتِ مطہّرہ میں ہر قسم کے جرائم کو ایک نام یا ایک درجہ نہیں دیا گیا، بلکہ شریعت نے سزاؤں کی تین قسمیں رکھی ہیں:

(1) تعزیرات (2) قصاص (3) حدود

جن جرائم کی کوئی سزا شریعت نے متعین نہیں کی، بلکہ وقت کے حکمرانوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے، کہ وہ مناسبِ حال ان میں کمی وزیادتی کرنے کے مجاز ہیں، ان سزاؤں کو شرعی نقطۂ نظر سے ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے، اس قسم کی سزاؤں کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور ان میں حسبِ زمانہ وحسبِ ضرورت، شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے کمی وزیادتی کرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔

اور جن جرائم کی سزائیں شریعت نے متعین کر دی ہیں، وہ دو قسم کی ہیں۔

ایک قسم وہ ہے، جس میں ''اللہ کا حق'' غالب اورزیادہ نمایاں ہے، ان جرائم کی سزا کو شریعت کی مخصوص زبان میں ''حد'' کہا جاتا ہے، جس کی جمع ''حدود'' ہے۔

دوسری قسم وہ ہے، جس میں ''بندے کا حق'' غالب اورزیادہ نمایاں ہے، اس جرم کی سزا کو شریعت کی مخصوص زبان میں ''قصاص'' کہا جاتا ہے۔

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی مقرر کی جاسکتی ہیں، اور سخت سے سخت بھی، اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکامِ وقت کے اختیارات وسیع ہیں۔

قصاص میں کیوں کہ بندے کا حق غالب اور نمایاں ہے، اس لیے قصاص کو معاف کرنے کا اختیار مقتول کے ولی کو حاصل ہے، وہ چاہے تو قصاص لے سکتا ہے، اور چاہے تو معاف بھی کرسکتا ہے۔

لیکن ''حدود'' میں کسی حکومت یا کسی حاکم وامیر کو ذرہ برابر تغیر وتبدل یا کمی وبیشی کا اختیار واجازت نہیں ہے، اور زمان ومکان کے بدلنے سے ان کا حکم مختلف نہیں ہوتا، نہ کسی حکومت وسلطنت اور حاکم وامیر کو انھیں معاف کرنے کا حق ہے۔

اسلامی شریعت میں حدود درجِ ذیل جرائم سے متعلق ہیں:

(1) ڈاکہ (2) چوری (3) زنا (4) زنا کی تہمت (5) شراب نوشی (6) ارتداد

ان مذکورہ جرائم کی سزاؤں کو ''حدود'' کہا جاتا ہے، شریعت نے ان جرائم کی سزاؤں کو مقرر ومتعین کردیا ہے، یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم وامیر اور جج، کم یا معاف نہیں کرسکتا، اسی طرح توبہ کرلینے سے بھی مجرم ان سزاؤں سے بری نہیں ہوسکتا، خواہ توبہ گرفتاری سے پہلے کرے، یا بعد میں، البتہ توبہ کرنے سے آخرت کا گناہ معاف ہوجاتا ہے۔

اسی طرح ''ارتداد'' کی سزا بھی، ایمان لانے سے ختم ہوجاتی ہے۔

اور اگر ڈاکو گرفتاری سے پہلے توبہ کرلے، اور معاملات سے اس کی توبہ پر اطمینان ہوجائے تو اس سے یہ حد ختم ہوجاتی ہے، گرفتاری کے بعد توبہ کرنے سے یہ بھی ختم نہیں ہوتی۔

حدود میں کسی کا نہ تو سفارش کرنا جائز ہے، اور نہ سفارش کا سننا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

حدود کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ اگر متعلقہ شخص اور صاحبِ حق خود بھی مجرم کو معاف کردے، تب بھی معاف نہیں ہوتی، چنانچہ چوری ثابت ہونے کے بعد اگر مال کا مالک معاف کردے تو چوری کی سزا ختم نہیں ہوگی، اگر زانی مرد کو زانی عورت یا زانی عورت کو زانی مرد معاف کردے، تب بھی زنا کی سزا ختم نہیں ہوگی، اور جس پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہے، اگر وہ شخص معاف کردے، تب بھی یہ سزا ختم نہیں ہوگی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''تفسیر معارف القرآن عثمانی، جلد۳صفحہ۱۱۶تا۱۱۹)

کیا رحم دلی کی بنیاد پر حدود میں رعایت کا حق حاصل ہے؟

آج بعض لوگ ''جن میں بعض حکمران بھی شامل ہیں'' رحم دلی کو بنیاد بنا کر اسلامی حدود کے نفاذ میں رعایت کا راستہ نکالنے کی کوشش کررہے ہیں، خاص طور پر خواتین کو صنفِ نازک خیال کرتے ہوئے، اُن کے لیے اسلامی حدود کے نفاذ میں رعایت کی زیادہ کوشش کررہے ہیں، اور رحم دلی خاص طور پر صِنفِ نازک کے معاملے میں ایسا خوش نما اور مزین عنوان ہے، جس سے بعض دین دار لوگ بھی متأثر ہوکر اس کی حمایت کرنے میں لگ جاتے ہیں، جو کہ سراسر غلط ہے (جیسا کہ پیچھے معلوم ہوچکا)

اللہ تعالیٰ نے زنا کی حد جاری کرنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة النور، رقم الآية ۲)

ترجمہ: زانی اور زانیہ کو سزا دیتے وقت اُن دونوں مرد وعورت پر اللہ کے معاملے میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے (کہ رحم کھا کر چھوڑ دو یا سزا میں کمی کردو) اگر تم اللہ

پراور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اوران دونوں مردوعورت کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو وہاں موجود رہنا چاہیے (تا کہ اُن کی رُسوائی ہواور دیکھنے سُننے والوں کوعبرت ہو) (سورہ نور)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ جس کا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہو، اس کو دین کے فریضے کی ادائیگی میں مجرموں پر ترس کھانا جائز نہیں، خواہ مجرم مرد ہو، یا عورت اور مجرموں پر رحم وترس کھانے اور درگزر کرنے کا نتیجہ ساری مخلوق کے ساتھ بے رحمی و بے دردی ہے۔

اب ہر عقل مند یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ایک شخص پر ترس کھا کر ساری مخلوق کے ساتھ بے رحمی اور زیادتی کا معاملہ کرنا، کون سے قانون کی رُو سے درست ہے؟

اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورة المائدة، رقم الآية ۳۸)

ترجمہ: اور جو مرد چوری کرے اور (اسی طرح) جو عورت چوری کرے، تو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے سے) کاٹ ڈالو، ان کے اس چوری کے کردار کے بدلے میں (اور یہ حکم) اللہ کی طرف سے بطور سزا کے ہے، اور اللہ بڑی قوت والا ہے (جو سزا چاہے مقرر فرمادے اور) بڑی حکمت والا ہے (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتا ہے) (سورہ مائدہ)

معلوم ہوا کہ چوری کی سزا مرد اور عورت کے لیے برابر ہے، اور یہ سزا اُن کی بدکرداری کا بدلہ ہے۔

لہٰذا رحم دلی اور ترس کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ کی حدود سے کسی کو بَری کرنا قرآن مجید کی واضح مخالفت ہے، جو ایک مسلمان کی شان کے ہرگز لائق نہیں۔

کیا اسلامی سزائیں سخت ہیں؟

بعض لوگ اعتراض کے طور پر کہتے ہیں کہ شرعی سزائیں بہت سخت اور ایک مہذب ملک اور مہذب معاشرے کے لیے نامناسب ہیں۔

لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ اسلامی تعلیمات ہی ملک اور معاشرے کو مہذب بناتی ہیں، اور اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی سے بدامنی، بدتہذیبی اور بدتمیزی پھیلتی ہے۔

اسلامی سزاؤں کو سخت سمجھنا بھی بہت بڑی حماقت ہے، کیوں کہ اسلامی سزائیں انسان کو صحیح انسان بنانے اور انسانیت کو امن وامان بخشنے کا ذریعہ ہیں، اور اگر ان سزاؤں کا ان کے جرائم سے ہی مقابلہ کیا جائے، تو تب بھی جرائم کی بدی اور برائی ان کی سزاؤں سے کہیں زیادہ سخت ہے، اور اگر پھر بھی اسلامی سزائیں سخت معلوم ہوں، تو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کسی مہلک اور خطرناک بیماری سے بچنے کے لیے سخت آپریشن کے علاوہ کوئی اور علاج کارآمد نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس سخت آپریشن کا تجویز، اور اختیار کرنا ہی عقل مندی کہلاتا ہے۔

اگر انسان کے کسی عضوِ جسم میں بیماری کے ایسے جراثیم گھر کرلیں کہ اُن کو اُس عضوِ جسم سے جُدا کرنا ممکن نہ رہے، تو ایسی صورت میں اُس عضو کا انسانی جسم سے الگ کردینا ہی عافیت اور عقل مندی اور دوسرے سینکڑوں اعضاء کی حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے، اور اگر ایسا نہ کیا جائے، تو یہ جراثیم رفتہ رفتہ انسان کے جسم کے دوسرے اعضاء میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، اور ایک وقت آتا ہے کہ پورے جسم کی تباہی وبربادی کا باعث بنتے ہیں۔

بالکل اسی طرح معاشرے کے بعض جرائم کا معاملہ ہے کہ اگر سخت سزا جاری نہ کی جائے، تو اُن جرائم کے جراثیم معاشرے کے دوسرے افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، اور اس طرح دوسروں کی بھی تباہی وبربادی کا باعث بنتے ہیں، اس لیے شریعت نے معاشرے کے بعض خاص خاص افراد پر مضبوط ومستحکم سزائیں جاری کرکے معاشرے کے ہزاروں اور

لاکھوں افراد کو زہریلے جراثیم سے بچانے کا انتظام کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اور جس معاشرے میں اسلامی سزاؤں کو کامل اور صحیح طریقے پر نافذ وجاری کیا جاتا ہے، تو وہ معاشرہ پوری طرح امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

اور یہ ظاہری سختی بھی صرف حدود کے معاملے تک محدود ہے، اور حدود صرف پانچ جرائم کے ساتھ خاص ہیں، جیسا کہ تفصیلاً پیچھے آپ نے معلوم کرلیا۔

حدود کی سزاؤں خاص طور پر زنا (جس کی سزا حدود کی دوسری قسموں سے زیادہ سخت ہے) کے معاملہ میں بھی شریعت نے باضابطہ جرم کے ثبوت کے لیے شرائط اتنی سخت اور کڑی رکھ دی ہیں کہ اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے، بلکہ ان شرائط میں ذرا سا شبہ بھی پیدا ہوجائے، تو حد ختم اور ساقط ہوجاتی ہے، اور پھر وہ سزا حدود سے نکل کر تعزیر میں داخل ہوجاتی ہے۔

شریعت کے اس پورے نظام اور قانون پر غور کیا جائے، تو یہ نہایت ہی معتدل ہے، اور اس میں ایک منصف اور نیک نیت انسان کے لیے ذرا شبہے کی گنجایش نہیں، ہاں اگر کوئی عدل وانصاف کی نعمت سے محروم ہو، یا اس نے اسلامی تعلیمات کے متعلق دشمنانِ اسلام اور خصوصاً مستشرقین کی طرف سے بغض وعناد کا سبق پڑھ رکھا ہو، تو پھر اس کا کیا علاج ہے؟

اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1427ہجری جولائی/2006ء، جلد3 شمارہ6)

(30)

بجلی کی قلت یا استعمال کی کثرت؟

امسال موسمِ گرما میں پاکستان کے مختلف علاقوں، خصوصاً کراچی اور سندھ میں بجلی کی قلت کا شدید احساس رہا، اور کثرت سے بجلی کی بندش کا سلسلہ جاری رہا، جس پر کراچی وغیرہ میں عوامی سطح پر سخت ردِّ عمل ہوا، اور بعض موقعوں پر پُرتشدد واقعات بھی پیش آئے۔

بجلی کی قلت کی شکایت ہمارے ملک میں ہر سال رہتی ہے، جس کا اظہار اور احساس موسمِ گرما میں بڑھ جاتا ہے۔

یوں تو بجلی کی قلت کی بنیادی وجہ ہمارے یہاں پانی کے ذخائر اور ڈیموں کی کمی کو قرار دیا جاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ہمارے یہاں صحیح منصوبہ بندی نہ ہونے اور ملکی و اجتماعی تقاضوں کے سیاسی و صوبائی تعصّبات و اختلافات کے بھینٹ چڑھ جانے کی وجہ سے مدتِ دراز سے، آبی ذخائر کی کمی میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، اور ہمارے حکمرانوں کو خواہ وہ حزبِ اقتدار سے تعلق رکھتے ہوں، یا حزبِ اختلاف سے اس دیرینہ اور اجتماعی مسئلے کا ایسا جامع حل تلاش کرنا ضروری ہے، جس میں دوسروں کے تحفّظات کا بھی خاطر خواہ لحاظ کیا جائے، اس قسم کے قومی و ملکی اور اجتماعی مسائل کے حل کے وقت، تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے ذاتی اختلافات اور مفادات کو پسِ پشت ڈال دینا چاہیے۔

اور جب تک اپنی اَنا کو فنا کر کے اجتماعی مفادات پر اجتماعی موقف اختیار نہیں کیا جائے گا، اس اجتماعی اہم مسئلے کو عملی جامہ پہنانا مشکل نظر آتا ہے۔

اگرچہ اس پہلو کا تعلق تو زیادہ تر حکمرانوں اور سیاست دانوں سے ہے۔

لیکن اس اہم مسئلے کا ایک پہلو وہ ہے، جس کا تعلق عوام سے ہے، اور بجلی کی قلت اور کمی کے احساس میں اس عوامی پہلو کا بھی بہت زیادہ دخل ہے، اور وہ ہے عوام کا بجلی کا بے تکا اور بے

ڈھنگا استعمال، چنانچہ ہمارے یہاں اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتوں کی طرح بجلی کی نعمت کی ناقدری اور ضیاع میں بھی کافی حد تک غلو پایا جاتا ہے، بلاضرورت پنکھے، بلب چلتے چھوڑے رکھنا، ایک بلب اور ٹیوب لائٹ کے بجائے کئی کئی بلب اور ٹیوب لائٹیں جلانا، اور غیر ضروری روشنی کیے رکھنا، بہت سے لوگوں کی ایسی عادت ہوگئی ہے کہ اس کی خلاف ورزی ہونے پر روشنی کو بھی اندھیرے سے تعبیر کیا جاتا ہے، ذرا ذرا سی تقریب وغیرہ کے بہانے سے بلاضرورت لائٹنگ، اور زیادہ توانائی اور بڑے واٹ کے بلب روشن کیے بغیر کسی تقریب کو تقریب ہی نہیں سمجھا جاتا۔

غیر ضروری روشنی کو بند کرنے کی صورت میں خالی بیٹھے رہنے کو بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے نظر خراب ہوجاتی ہے، اور لکھنے پڑھنے کی ضرورت پیش آجائے، تو پھر تو بلا مبالغہ نابینا ہونے کے خطرہ کا اظہار کیا جاتا ہے، اگرچہ اتنی روشنی موجود ہو، جو لکھنے پڑھنے اور دوسری ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہو۔

لیکن اگر ایک صدی پیچھے نظر دوڑا کر دیکھیں، جب کہ بجلی نہیں تھی، اس وقت بھی تو چراغ وغیرہ کی روشنی میں انسان اپنی تمام ضروریات پوری کر لیتے تھے، لکھنے پڑھنے کے کام بھی چلتے تھے، اور سینے پرونے کے معاملات بھی انجام دیئے جاتے تھے، اور اگر گزشتہ صدی کے لوگوں کی نظروں کو زیادہ مضبوط اور قوی سمجھا جائے، تو آج بھی ایسے علاقے موجود ہیں، جہاں یا تو بجلی کی رسائی نہیں، اور اگر ہے بھی، تو بجلی کی آمد بہت کم اور بندش زیادہ ہوتی ہے، ایسے علاقوں کے لوگ بھی تو آخر اسی دور میں رہ کر اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔

اصل وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جس قسم کے ماحول کا عادی بنالے، اس کا مزاج ویسا ہی بن جاتا ہے، ہم لوگوں نے کیوں کہ اپنا مزاج بگاڑ لیا ہے، اس لیے ہمیں بقدرِ ضرورت بجلی اور روشنی ہوتے ہوئے بھی روشنی کی کمی کا احساس رہتا ہے۔

دوسری طرف بجلی موجود ہوتے ہوئے، قدرت کی طرف سے پیدا کی ہوئی دن کی فطری روشنی

سے فائدہ اٹھانے کے رجحان میں بھی کافی حد تک کمی آ گئی ہے، جو کام سورج اور دن کی روشنی میں بخیر وخوبی انجام دیا جا سکتا ہے، اسے بلا وجہ رات کے لیے مؤخر کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

بجلی کے استعمال سے رات دن کے فطری فرق کا لحاظ بھی ختم ہوتا دکھائی دے رہا ہے، چنانچہ بڑے شہروں میں رات کے آخری حصہ تک بجلی کی روشنی میں مشغولیات جاری رکھ کر دن کی روشنی کا بڑا حصہ فارغ رہ کر یا بستر پر پڑ کر گزار دیا جاتا ہے، شادی بیاہ کی تقریبات قصداً وعمداً رات کے حصہ میں انجام دینے کو ترجیح دی جاتی ہے، بڑے شہروں کی مارکیٹوں اور بازاروں کی صبح بارہ بجے کے بعد ہونے لگی ہے، اور کئی کاروبار تو ایسے ہیں ، جو رات کے وقت ہی جاری رہتے ہیں، دن بھر جو اصل رونق کا وقت ہے، اس وقت وہ کاروباری مراکز ویرانے کا سماں پیش کرتے ہیں ، اور رات کے وقت جو اصل سناٹے کا وقت تھا، ان مقامات پر رونق نظر آتی ہے، اور میلہ سا لگا رہتا ہے۔

یہ صورتِ حال اس مادی دور کا ایسا المیہ ہے، جو اسلام کے مزاج اور مسلمان معاشرے کی طرزِ زندگی سے کچھ بھی مَیل نہیں کھاتا۔

ماہرین کے مطابق دن اور سورج کی روشنی فطری ہونے کی وجہ سے انسانی صحت اور نظر کے لیے انتہائی مفید اور اس کے مقابلے میں بجلی کی مصنوعی روشنی مفید کے بجائے مضر قرار دی گئی ہے۔

مگر لوگوں کو ان چیزوں سے کیا سروکار، انھوں نے تو اپنی خواہشات کی پیروی اور اتباع کرنا ہوتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجلی کی روشنی، جو ایک ضرورت کی چیز تھی، اس میں اب کافی حد تک فیشن اور تفریح کا عنصر شامل ہو گیا ہے۔

آج بھی اگر ہم لوگ اپنی معاشرتی زندگی کو فطری طریقے کے قریب کریں، اور بجلی کے فضول وبے جا استعمال سے اپنے آپ کو بچائیں ،تو شاید موجودہ بجلی کی پیداواری مقدار کم ہونے کے بجائے زیادہ محسوس ہو، اور ہمیں اس نتیجے پر پہنچنے میں مشکل محسوس نہ ہو کہ اگر ایک طرف

مسئلہ بجلی کی پیداوار کی قلت کا ہے، تو دوسری طرف اس سے بڑا مسئلہ بجلی کے استعمال کی کثرت اور اس کے بے مقصد ضیاع کا بھی ہے۔

پھر بجلی کا جتنا زیادہ استعمال ہوتا ہے، اس کا اثر صرف اس کی پیداواری مقدار کے کم پڑ جانے کی شکایت ہی کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ بجلی کے بھاری بھرکم بلوں کی قیمت بھی چکانا پڑتی ہے، دوسری طرف ہمارے یہاں بجلی کے اداروں کی طرف سے یہ ضابطہ مقرر ہے کہ بجلی کی استعمالی مقدار میں جتنا اضافہ ہوتا ہے، اسی تناسب سے یونٹوں کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اور اس بار اور بوجھ کو ہر صارف اپنے کاندھوں پر ہی اٹھاتا ہے، اس کے باوجود بجلی کا استعمال بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کے قاعدہ کے مطابق نہیں ہوتا، اگر استعمال کی مقدار میں اضافہ کے باعث یونٹوں کی قیمتوں میں مروجہ اضافے کا ضابطہ مقرر نہ ہوتا، تو شاید ناقدری اور بے جا استعمال میں اور اضافہ ہو جاتا، اس لیے ہمیں جہاں ایک طرف آبی ذخائر میں اضافہ کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے،، اسی کے ساتھ دوسری طرف بجلی کے استعمال کا صحیح صحیح اور ٹھیک استعمال کرنے کی بھی ضرورت ہے، اس کے لیے مختصر لفظوں میں ہر شخص اپنے ذہن میں یہ ضابطہ بٹھا سکتا ہے کہ:

> ”بجلی کا استعمال بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کیا جائے، بلاضرورت استعمال اور ضرورت سے زیادہ استعمال سے بچا جائے“

اگر ملک کے عام باشندوں کے اختیار میں یہ چیزیں نہیں ہیں کہ وہ آبی ذخائر میں اضافہ کرسکیں، بڑے بڑے ڈیم تعمیر کرسکیں، بجلی کی پیداوار میں اضافہ کریں، تو یقیناً یہ چیز تو ہر ایک کے اختیار میں ہے کہ وہ بجلی کے فضول استعمال اور ضیاع سے بچنے کی کوشش کرے، جہاں بلاضرورت بلب وغیرہ جلتا ہوا دیکھے، اسے بند کردے، بلاضرورت پنکھا یا کوئی دوسری برقی چیز چلتی ہوئی دیکھے، اسے بند کردے، جہاں تھوڑے استعمال سے کام چل سکتا ہو، وہاں زیادہ استعمال سے اپنے آپ کو بچائے، جو کام دن اور سورج کی قدرتی اور فطری روشنی میں ہوسکتا

ہے (جس کا نہ بل ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کے استعمال اور اس سے فائدہ اٹھانے سے کمی واقع ہونے کا خطرہ ہے) وہ کام سورج اور دن کی روشنی میں انجام دے، دن کے وقت کمرے میں بیٹھ کر جہاں روشنی کھڑکی اور دروازہ کھول کر یا پردہ ہٹا کر حاصل کی جاسکتی ہو، وہاں تھوڑی سی توجہ اور ہمت کر کے فطری وقدرتی روشنی سے اپنی ضرورت پوری کر لے اور ایسے موقع پر بجلی کی مصنوعی روشنی پر وہ بوجھ نہ ڈالے۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام کام کوئی بھی مشکل نہیں، لیکن ان چیزوں کا احساس اس وقت تک ہونا مشکل ہے، جب تک ہمارے دل ودماغ میں بجلی کے بے جا استعمال اور فضول ضیاع کے دنیوی اور اخروی نقصانات کا صحیح نقشہ بیٹھ نہ جائے، بلکہ راسخ نہ ہوجائے، اس کے لیے ہمیں اپنے آپ کو غفلت سے نکالنے کی ضرورت ہوگی اور بگڑے ہوئے معاشرے کی ہوا کے رخ پر چلنے کے بجائے مخالف سمت میں چلنا ہوگا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہماری غفلت دور ہو اور ہر چیز کے نتائج وعواقب کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ہمیں ہمت حاصل ہو۔

محمد رضوان

24 / رجب المرجب / 1427 ہجری

آتش بازی کا مظاہرہ یا مقابلہ؟

آج کل دینِ اسلام بلکہ حقیقی تہذیب وتمدن سے دوری کی وجہ سے مسلمانوں نے ایسی چیزوں کو تہذیب سمجھ کر اپنا لیا ہے، جو بقول ایک بزرگ ”تہذیب کے بجائے تعذیب ہوتی ہیں“

مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں جن کو تہذیب سمجھا جاتا ہے، وہ انسان کے حق میں عذاب کی حیثیت رکھتی ہیں، اور وہ چیزیں آخرت کے اعتبار سے تو عذاب ہوتی ہی ہیں، دنیا کے لحاظ

سے بھی عذاب اور تکلیف کا باعث بنتی ہیں، ان ہی میں سے ایک ''تہذیب'' بمعنیٰ ''تعذیب'' آج کل کی جانے والی آتش بازی کی رسم ہے۔

یہ آتش بازی کیا ہے؟ دراصل جان ومال اوراس سے بڑھ کر ایمان بازی ہے، یعنی جان ومال اور ایمان کو داؤ اور بازی پر لگا دینے والی بات ہے۔

پہلے تو صرف شادی بیاہ کے موقع پر یا بعض مخصوص دنوں میں بچوں کی طرف سے آتش بازی کا کھیل کھیلا جاتا تھا، مگر اب اس بدبخت رسم میں بہت کچھ ترقی ہوگئی ہے، ذرا ذرا سے بہانے بنا کر آتش بازی کی رسم میں جان ومال سے کھیلا جاتا ہے، بعض غیر سنجیدہ سیاسی لوگوں نے تو آتش بازی کی رسم میں حد ہی کردی ہے، انھوں نے آتش بازی کو مداری کی ڈگ ڈگی سمجھ لیا ہے، جہاں کوئی جلسہ جلوس منعقد کیا جاتا ہے، فوراً آتش بازی کی سوجھتی ہے۔

اس مرتبہ راولپنڈی جیسے شہر میں چودہ اگست کے موقع پر کچھ بڑی سیاسی پارٹیوں نے آتش بازی کا مظاہرہ کیا، اس سے پہلے تو بعض محدود شخصیات کی طرف سے چودہ اگست کے موقع پر رات کو آتش بازی کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے، مگر اس مرتبہ یہ مظاہرہ مقابلے کی شکل اختیار کر گیا۔

ہر پارٹی نے دوسرے کو اس رسم میں نیچا دکھانے اور اپنے آپ کو دوسرے کے مقابلے میں اس گناہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کی، اور چند منٹوں میں لاکھوں روپیہ راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں اچھے اور نیک کام میں دوسرے کی تقلید اور اس سے آگے بڑھنے کے بجائے برے کاموں میں ہی تقلید کرنے اور مقابلہ بازی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں زیادہ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ مہینوں پہلے ''آتش بازی کا شاندار مظاہرہ'' کے اعلانات اور اس کی تشہیر کی جاتی ہے، بینرآویزاں کیے جاتے ہیں، ہر طرح کے ذرائع ابلاغ کو استعمال کر کے بچے بچے کے دل ودماغ میں آتش بازی کی اہمیت وعظمت کو بٹھانے

اوراس کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کے نتیجے میں امیر وغریب اور بچے بڑے، عورت ومرد کے دماغ سے اس رسم کے گناہ ہونے کا تصور ختم ہوتا جارہا ہے، یہ تو چوری اور سینہ زوری والا معاملہ ہے، گناہ کی تشہیر وتبلیغ کرنا، اس کا اظہار کرنا اور اس پر فخر وتفاخر اور عزت وعظمت کا لیبل لگانا، دنیا وآخرت کے اعتبار سے تباہ کن معاملہ ہے۔

اس مرحلے پر وہ عوام الناس جو اس آتش بازی کے مظاہرہ کو دیکھتے، اور لطف اندوز ہوتے ہیں، اور رات گئے تک اس رسمِ بد کے منظر کو دیکھنے کی خاطر جاگتے ہیں، وہ بھی اس جرم میں شریک ہیں، کیوں کہ یہ مظاہرہ تو ہوتا ہی تماش بینوں کے لیے ہے، اگر تماش بین مظاہرہ کو دیکھنے کے لیے مہیا نہ ہوں، تو وہ مظاہرہ مظاہرہ کہاں رہے گا۔

لہٰذا اس قسم کی رسمِ بد کے مناظر کو دیکھنے اور شوق رکھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اللہ اور آخرت کا خوف کریں اور کھلے آسمان تلے اس آسمان کی طرف جانے والی آتش بازی کی ملعون رسم کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو دعوت نہ دیں، ورنہ آتش بازی کے مظاہروں اور مقابلوں کو منعقد کرنے والوں کے ساتھ، یہ لوگ بھی وبال میں شریک ومبتلا سمجھے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان

24/ رجب المرجب/ 1427 ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب/ 1427 ہجری اگست/ 2006ء، جلد 3 شمارہ 7)

(31)

رمضان کی آمد پر ایک المناک سانحہ کی یاد

گزشتہ سال ہمارے ملک میں رمضان المبارک 1426ھ کا آغاز ایک ایسے واقعہ اور سانحہ کے ساتھ ہوا تھا، جس کے زخم ابھی تک پوری طرح مندمل نہیں ہوئے، یعنی ''خطرناک اور المناک زلزلہ'' جس کا تصور کرنے سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

لیکن ہماری آج کل کی معاشرتی زندگی، مادیت کا ایسا گورکھ دھندا بن چکی ہے کہ ہم اسی کو سلجھانے میں پوری طرح مگن ہیں، اور اس قسم کے واقعات اور سانحات کے حقیقی اسباب ونتائج کو بہت جلد فراموش کر دیتے ہیں، اور ایک طرح سے دوبارہ حاصل ہونے والی زندگی کی قدر و قیمت کا احساس ہمارے دلوں میں دیرپا قائم نہیں رہ پاتا۔

گزشتہ رمضان المبارک کا تقریباً پورا مہینہ ہی ملک کے بیشتر حصوں میں زندگی اور موت کی کش مکش کے سائے تلے گزرا تھا، مختلف اوقات میں آنے والے چار ہزار کے لگ بھگ زلزلوں کے جھٹکوں نے انسانیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، ایک تحقیق کے مطابق ڈاکٹروں کے پاس نفسیاتی مریضوں کی آمد کی تعداد بھی غیر معمولی شمار کی گئی تھی، جو زلزلوں کے مسلسل آنے والے جھٹکوں کی وجہ سے ذہنی ونفسیاتی دباؤ میں مبتلا تھی، زلزلے کے سانحے کی زد میں آنے والے انسانیت کے ایسے عجیب وغریب مناظر کئی ماہ تک مسلسل سامنے آتے رہے، جن میں ہر دریافت ہونے والا واقعہ پہلے سے زیادہ حیران کن تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وکبریائی اور بڑائی کے ایسے ایسے مناظر دنیا کے سامنے ظاہر فرمائے، جو عبرت وبصیرت کی آنکھ رکھنے والے انسان کے لیے آیاتِ بینات سے کم حیثیت نہیں رکھتے تھے، لیکن مادیت پرستی کے بت نے ان سب کو مادی اسباب کی بھینٹ چڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کے نتیجے میں آنکھوں کی نعمت رکھنے والے نابینا، کانوں سے

سننے کی طاقت رکھنے والے بہرے اور عقل کی نعمت رکھنے والے بے عقل ہو گئے۔

زلزلے کو تنبیہِ خداوندی یا عذابِ خداوندی سمجھنے کے بجائے سائنسی تحقیقات وتدقیقات اور مادی اسباب وانتظامات وغیرہ کی طرف اس کی نسبتیں کی جاتی رہیں، اور نتیجتاً عبرت وبصیرت پکڑ کر اپنی حالت کو درست کرنے کے بجائے کچھ مزید بدتر ہی ہوتی چلی گئی۔

نہ غفلت میں کمی آئی، نہ گناہوں کا زور ٹوٹا، نہ دنیا کی محبت دلوں سے نکلی، نہ فحاشی وعریانی میں کمی واقع ہوئی۔

رمضان المبارک 1427ھ کی حالیہ آمد پوری دنیا میں بسنے والے انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں اور اہلِ پاکستان کو بداعمالیوں اور گناہوں سے آلودہ زندگی سے بچنے کی یاد دلاتی ہے، اور خبردار کرتی ہے کہ اگر رمضان المبارک کے رحمتوں وبرکتوں سے بھرے ہوئے مہینے میں بھی گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ رحمت کو زحمت سے بدل دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک وہ خود ہی اپنے اچھے یا برے عمل سے اپنی حالت کو بدلوانے کی مستحق نہ بنا لے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ اس مرتبہ رمضان المبارک کا آغاز اعمالِ صالحہ، اور توبۂ صادقہ کے ساتھ کیا جائے، تاکہ ہم سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں اور غضب سے بچیں۔

سانحے کے بعد بچ رہنے والے متاثرینِ زلزلہ کو عبرت ونصیحت دلانے اور ان کی اصلاح وتربیت کا سامان کرنے کے بجائے، بدقسمتی سے گانے بجانے اور موسیقی کے پروگرام منعقد کر کے متاثرینِ زلزلہ کے غموں کو دور کرنے کے بہانے، ان کو مختلف قسم کی عیاشیوں وفحاشیوں کا عادی بنایا گیا۔

اور اس سے بڑھ کر متاثرینِ زلزلہ کے نام پر مختلف امدادی اشیاء حاصل کر کے اور متاثرینِ زلزلہ کو کیمپوں میں بٹھا کر، ان کو کام وکاج سے مصنوعی مفلوج واپاہج بنا دیا گیا، چنانچہ بہت سے کیمپوں میں مقیم لوگوں کو ٹی وی فراہم کر کے ڈش لگا دی گئی، اور صبح سے شام تک کے لیے

فضول و بے ہودہ پروگراموں سے ان کا رشتہ جوڑ دیا گیا۔

معلوم نہیں کب تک ان لوگوں کو مصنوعی اپاہج سمجھ کر قوم سے امداد مانگی جاتی رہے گی، اور کب جا کر ان کو کام کاج کے مواقع فراہم کر کے محنت و مزدوری میں مشغول کیا جائے گا۔

یہ طرزِ عمل ملک وملت کے لیے کسی طرح بھی مفید معلوم نہیں ہوتا، تعمیری وامدادی کاموں کے لیے ملک بھر، اور دیگر ممالک سے مہنگی ترین اجرتوں پر جو مزدور فراہم کر کے، ان کی اجرت کا بوجھ اپنے اوپر مسلط کیا گیا، اور کیا جا رہا ہے، اگر کیمپوں میں فضول پڑے ہوئے تن درست اوراعضاء صحیح سلامت رکھنے والے لوگوں سے کام کاج لیا جاتا، اوران ہی کو اجرت فراہم کی جاتی، تو نہ تو یہ افراد ملک وملت پر بوجھ بنتے اور نہ ہی اپاہج اور کاہل بننے کی نوبت آتی، اور نہ ہی امداد کے نام پر قوم اور دنیا کے سامنے کاسۂ گدائی پھیلانا پڑتا۔

گزشتہ رمضان المبارک میں پوری قوم نے جس طرح اندھادھند زکاۃ وصدقات سے متاثرینِ زلزلہ کے نام پر تعاون کر کے، بھیڑ چال کا ثبوت پیش کیا تھا، بعید نہیں کہ اس مرتبہ بھی رمضان میں دوبارہ بعض عناصر متحرک ہو کر قوم سے زکاۃ وصدقات بٹور کر اپنے مذموم عزائم پورے کریں۔

قوم کو جذبات کی رو میں بہہ کر بغیر سوچے سمجھے کوئی بھی ایسا قدم اٹھانے سے پرہیز کرنا چاہیے، جو ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق بنے، خصوصاً زکاۃ وصدقاتِ واجبہ جیسے شرعی فرائض، اور دینی طور پر باعثِ فضیلت عمل بجالانے کے لیے میڈیا، یا بعض مخصوص مفاد پرست عناصر کی پروپیگنڈا مہم سے متاثر ہو کر اپنے مالی تعاون اور زکاۃ وغیرہ کو بے جا و بے مصرف ضائع نہ کرنا چاہیے۔

شرعی فرائض اور دینی اعتبار سے قابلِ اجر کام، اسی وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور شرعاً معتبر قرار دیئے جا سکتے ہیں، جب اس باب میں شریعت کے اصولوں اور مقررہ شرعی ضابطوں اور شرائط کو ملحوظ رکھ کر ہی وہ کام کیا جائے، چنانچہ زکاۃ، صدقات وخیرات کی شکل میں مالی

تعاون کی جو بھی فرض یا نفل درجے کی شکلیں ہیں، ان کی بجا آوری کے لیے بھی شرعی ضابطے ہیں، ان شرعی ضابطوں کی رعایت کر کے ہی یہ عمل عبادت بن سکتا ہے، اور شرعاً ان کی بجا آوری معتبر ہوسکتی ہے، مثلاً زکاۃ کے بارے میں عام طور پر مسلمان یہ جانتے ہیں کہ یہ ہر کارِ خیر میں نہیں لگتی، بلکہ اس کے مخصوص مصارف ہیں، اور ان مصارف میں زکاۃ وصدقاتِ واجبہ کا لگانا شرعاً اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ زکاۃ کے ان مصارف کا بیان اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی سورہ توبہ میں واضح فرما دیا ہے۔

حالانکہ دوسرے احکام کی تفصیلات بلکہ خود زکاۃ کے نصاب وغیرہ کی تفصیلات بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نہیں بیان فرمائیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے احادیث میں بیان فرمائی ہیں، اس لیے رمضان میں جو لوگ زکاۃ صدقات کی ادائیگی کریں گے، تو ان کے ذمہ اس کے شرعی مصارف تک پہنچانا بھی اتنا ہی اہم ہوگا، جتنا کہ خود ان کی ادائیگی اہم ہے، ورنہ بات وہی ہوگی ''نیکی برباد گناہ لازم'' اور اسی کے ساتھ مفاد پرست عناصر، قوم کے مذہبی جذبات سے کھیلتے رہیں گے اور متاثرین کے تعاون کا نعرہ لگا کر قوم کے اس مذہبی فریضے پر ڈاکا ڈالتے رہیں گے۔

اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین

محمد رضوان

23/ شعبان المعظم/ 1427ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شعبان/ 1427ہجری ستمبر/ 2006ء، جلد 3 شمارہ 8)

(32)

عورت اور دولت

دنیا میں دو چیزیں ایسی ہیں کہ جو اس عالَم کی بقا، اس کی تعمیر و ترقی اور اس کی رونق میں ایک بڑے ستون کا درجہ رکھتی ہیں، وہ دو چیزیں یہ ہیں۔

ایک عورت۔

دوسرے دولت۔

لیکن بعض اوقات یہی دو چیزیں دنیا میں فساد، خون ریزی اور طرح طرح کے فتنوں کا سبب بھی بن جاتی ہیں، فرق اتنا ہے کہ جب ان دونوں چیزوں کو اپنے اصل مقام اور مرکز وموقف پر رکھ کر استعمال کیا جاتا ہے، تو ایک مثالی معاشرہ تشکیل پاتا ہے، جو ہر قسم کی بے اعتدالی سے پاک ہوتا ہے اور اس میں ہر انسان کے حقوق کی رعایت ہوتی ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آج دنیا میں ان دونوں چیزوں کے استعمال میں مختلف قسم کی بے اعتدالیاں سامنے آرہی ہیں، جس کی وجہ سے دنیا سخت پریشان ہے، اور عورت و دولت کے حاصل کرنے، اس کو بڑھانے اور ترقی دینے کے لیے نت نئے قانون تجویز کیے جارہے ہیں، اور پوری دنیا میں ان دونوں چیزوں کی وجہ سے ایک بھونچال سا مچا ہوا ہے، حقوقِ نسواں اور معاشی اصلاحات کے عنوانات سے دنیا میں مختلف ادارے قائم ہیں، جو رات دن اس موضوع پر اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرنے، اور مسائل کے حل ڈھونڈنے میں مصروف ہیں، لیکن ان سب کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ؏

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اسلام نے انسان کو جو نظامِ زندگی دیا ہے، اس میں ان دونوں چیزوں کو اپنے اپنے صحیح مقام پر ایسا رکھا گیا ہے کہ ان کے فوائد وثمرات زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں، اور فتنے وفساد کا نام

ونشان نہ رہے۔

(1)......عورت

جہاں تک عورت کا تعلق ہے، تو اسلام نے عورت کے متعلق ایسے رہنما اصول پیش کیے ہیں کہ ان کو اختیار کرنے کے نتیجے میں عورت صحیح معنیٰ میں عورت کہلائی جاسکتی ہے، اور اس سے صحیح طریقے پر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اور عورت معاشرے کی ترقی اور رونق کا باعث ہوسکتی ہے۔

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حیثیت گھریلو استعمال کی چیزوں سے زیادہ نہ تھی، جانوروں کی طرح اسے خریدا اور بیچا جاتا تھا، اسے اپنی شادی بیاہ میں کسی قسم کا اختیار نہ تھا، بلکہ اس کے ذمہ دار اولیاء جس کے حوالے اُسے کردیتے اُسے مجبوراً اُس کی تحویل میں جانا پڑتا، عورت کو اپنے رشتہ داروں کی میراث میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا، بلکہ عورت خود گھریلو اشیاء کی طرح وراثت کا مال سمجھی جاتی تھی، کیوں کہ اسے مَردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور وہ کسی چیز کی مالکہ نہیں سمجھی جاتی تھی۔

بلکہ اگر کوئی چیز عورت کی ملکیت ہوتی بھی، تو اس کے شوہر کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ اس کی چیز کو جہاں چاہے، اور جیسے چاہے استعمال کر ڈالے، عورت کو پوچھنے اور بازپُرس کرنے کا بھی اختیار نہ تھا، حد یہ ہے کہ یورپ کے وہ ملک جو آج دنیا کے سب سے زیادہ متمدن اور حقوقِ نسواں و آزادیِ نسواں کے علم بردار سمجھے جاتے ہیں، اُن میں بعض لوگ اس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ عورت کے انسان ہونے کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے جانوروں کا درجہ دیتے تھے۔

اسی طرح اسلام سے پہلے عورت کا دین اور مذہب سے بھی کوئی تعلق نہ تھا، نہ اس کو عبادت کے قابل سمجھا جاتا، نہ جنت کے، حتیٰ کہ رومؔا کی بعض مجلسوں میں آپس کے مشورے سے یہ طے کیا گیا تھا کہ عورت ایک ناپاک جانور ہے، جس میں انسانیت والی روح نہیں، اور ان

کے یہاں باپ کے لیے اپنی لڑکی کا قتل بلکہ قبر میں زندہ دفن کردینا بھی جائز سمجھا جاتا تھا، اورمزید یہ کہ ایسا کرنے والے باپ کی، معاشرے میں مزید عزت کی جاتی تھی۔

بعض قوموں میں یہ بھی تھا کہ اگرکوئی عورت کوقتل کردے،تو بدلے میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اور نہ ہی خون بہا، اور اگر شوہر مرجائے،تواس کی زندہ بیوی کوبھی اس کے ساتھ جلا دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کونبوت ملنے سے پہلے 586 عیسوی میں فرانس نے عورت پر یہ احسان کیا کہ بہت لمبے مشوروں اور طویل بحث ومباحثہ کے بعد یہ قرارداد پاس کی:

''عورت ہے تو انسان، مگر وہ صرف مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے''

الغرض دنیا اوراس میں رہنے والی اقوام ومذاہب نے عورت کے ساتھ وہ سلوک اور برتاؤ کیا ہوا تھا کہ جسے سُن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اس بے چاری مخلوق کے لیے نہ عقل کا استعمال کیا جاتا، اورنہ عدل وانصاف سے کام لیا جاتا تھا۔

عورت کے ان مظلومانہ حالات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوتمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کوایسا دین عطا فرمایا، جس نے دنیا کی آنکھیں کھول دیں، انسان کوانسان کی قدر کرنا سکھلایا، عدل وانصاف کا قانون جاری کیا، جس طرح مَردوں کے حقوق عورتوں پرلازم کیے، اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پرلازم کیے، عورت کوآزاد اور خودمختار بنایا، وہ اپنی جان اور مال کی ایسی ہی مالک قرار دی گئی، جیسے مرد اپنی جان اور مال کے مالک ہیں، کوئی شخص خواہ باپ، دادا ہی ہو، بالغ عورت کوکسی شخص کے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا اوراگر بغیر عورت کی اجازت کے نکاح کردیا گیا، تو وہ نکاح اس عورت کی اجازت پر موقوف رکھا گیا، اوراگر وہ عورت اس نکاح کونامنظور کردے، تو ایسے نکاح کوباطل قرار دیا گیا۔

اسلام نے جس طرح عورت کو اپنی جان کا مالک بنایا، ایسے ہی اسے اپنے مال کا مالک بھی بنایا، چنانچہ اس کے مال میں کسی مرد کو بغیر اس کی رضا واجازت کے کسی قسم کے تصرف کا کوئی حق نہیں چھوڑا گیا، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد عدت گزار کر، وہ خود مختار ہے، جہاں چاہے نکاح کرے، کوئی اس پر جبر نہیں کرسکتا، اپنے رشتہ داروں کی میراث میں عورت کو بھی ایسا ہی حصہ دار بنایا گیا، جیسا کہ مَردوں کو۔

عورت پر خرچ کرنے اور اس کے راضی اور خوش رکھنے کو اسلام میں ایک عبادت قرار دیا گیا، حتیٰ کہ جو حقوق شوہر پر اپنی بیوی کے لازم ہوتے ہیں، اگر شوہر ان کو ادا نہیں کرتا تو عورت اسلامی عدالت کے ذریعے اپنے حقوق کا شوہر سے مطالبہ کرسکتی ہے، جس کے بعد اسلامی عدالت شوہر کو اس کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کرے گی۔

اسلام کا اعتدال دیکھیے کہ جیسے اسلام نے عورت کو ظلم سے نجات دلائی، اسی طرح اسے کُھلے مہار بھی نہیں چھوڑا، بلکہ اسے مَردوں کی نگرانی اور سرپرستی میں رکھا، اور اس کی تمام ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری مرد پر ڈالی، عورت پر یہ لازم کرنا کہ وہ اپنے گزارے اور معاش کا خود بندوبست کرے، عورت کی حق تلفی اور اس پر ظلم وزیادتی ہے۔

عورت کی ساخت، اس کی گھریلو ذمہ داریاں اور اولاد کی تربیت کا عظیمُ الشان کام جو فطرتاً اسی کے لائق ہے، اور وہی اس کے بوجھ کو اُٹھا سکتی ہے، مزید کسی ذمہ داری کو عورت پر ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے۔

اس کے علاوہ مَردوں کی قیادت اور نگرانی سے نکل کر، عورت پورے انسانی معاشرے کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، جس سے دنیا میں فساد، خون ریزی اور طرح طرح کے فتنے پیدا ہونا لازمی اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اس لیے قرآن مجید میں جہاں مَردوں پر عورتوں کے حقوق بیان ہوئے ہیں، وہاں یہ بھی ارشاد ہے کہ:

”وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ“

یعنی ”مَردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے“

نیز ارشاد ہے کہ:

”اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النَّاسِ“

کہ ”مَرد عورتوں کے نگران اور ذمہ دار ہیں“

مگر جس طرح اسلام سے پہلے کے زمانۂ جاہلیت میں دنیا کی قومیں اس غلطی کا شکار تھیں کہ عورتوں کو ایک گھریلو سامان اور چوپائے کی حیثیت میں رکھا ہوا تھا، اسی طرح اسلام پھیلنے کے بعد اس کے زمانۂ انحطاط میں ایک اور جاہلیت کا دور شروع ہوا، اس میں پہلی غلطی کا ردِّعمل اس کے بالمقابل اور مخالف دوسری غلطی کی صورت میں کیا جارہا ہے کہ عورتوں پر مَردوں کی قیادت اور نگرانی سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی کوششیں کی جاری ہیں، جن کے نتیجے میں بے حیائی، بے غیرتی اور فحاشی عام ہوگئی، دنیا جھگڑوں اور فساد کا گھر بن گئی، قتل وخون ریزی کی اتنی کثرت ہوگئی کہ اسلام سے پہلے کی جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

عرب کا مشہور مقولہ ہے:

”الجاهل امامفرط اومفرِّط“

”یعنی جاہل کبھی اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتا، کبھی بہت کمی کرتا ہے، اور کبھی بہت زیادتی پر اُتر آتا ہے“

یہی حال اس وقت آزادیِ نسواں کی علم بردار قوموں کا ہے کہ ایک زمانہ میں تو یہ عورت کو انسان کہنے اور سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے، اور آگے بڑھے تو یہاں تک پہنچے کہ مَردوں کی قیادت اور نگرانی سے بھی عورت کو آزاد کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے، حالانکہ عورت کا مَردوں کی نگرانی میں رہنا، فتنوں کے سدباب اور مصلحت اور حکمت کے عین مطابق تھا، چنانچہ آج عورتوں کے مَردوں کی نگرانی سے نکلنے کے برے نتائج آئے دن دیکھنے میں آرہے ہیں، جب تک عورت کے معاملے میں اسلامی اصولوں پر عمل نہ کیا جائے

گا، اس وقت تک فتنوں سے حفاظت نہیں ہوسکتی، اور امن اور کامیابی کو حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ انسانیت افراط وتفریط کے اندھیروں میں ہی بھٹکتی رہے گی۔

آج کی حکومتیں دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے آئے روز نئے قانون بناتی ہیں، اس کے لیے نئے ادارے قائم کرتی ہیں، اور کروڑوں روپے اُن پر خرچ کرتی ہیں، لیکن فتنے جس چشمے سے پھوٹ رہے ہیں، اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

اگر آج کوئی خالیُ الذہن اور انصاف واعتدال پسند کمیشن اس تحقیق کے لیے قائم کیا جائے کہ فساد وخون ریزی، اور باہمی جنگ وجدل کے اسباب کی تحقیق کرے، تو خیال یہ ہے کہ ایسے جرائم کا سبب عورت اور اس کی بے مہار آزادی نکلے گا، مگر آج کی دنیا میں نفس پرستی کے غلبے نے بڑے بڑے حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کیا ہوا ہے، نفسانی خواہشات کے خلاف کسی دواء کو گوارا نہیں کیا جاتا، اس وقت عالمِ کفر کی طرف سے حقوقِ نسواں وآزادیِ نسواں کا عنوان لگا کر عورت کو شترِ بے مہار کی طرح کھلا چھوڑنے کی کوششیں ہورہی ہیں، جن سے متأثر ہوکر بعض سادہ لوح مسلمان ان کی اندھی تقلید کیے جارہے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ اپنے گھر یعنی اسلام میں عورت کے حقوق کا کتنا تحفظ کیا گیا ہے، اور اسلام نے عورت کو صحیح معنیٰ میں عورت اور گھر کی ملکہ کا عہدہ دیا ہے۔

اسلام کی یہ تعلیمات جس طرح خود قابلِ عمل ہیں، اسی طرح غیر مسلموں کے لیے بھی عبرت وبصیرت رکھتی ہیں، مگر افسوس کہ ہم خود تو ان تعلیمات پر کیا عمل کرتے اور ان تعلیمات کو کافروں کے سامنے کیا پیش کرتے، اُلٹا غیر مسلموں سے ہی سبق پڑھنے، اور ان کی تقلید کرتے ہوئے، اُن کی ہاں میں ہاں ملا کر آگے بڑھ کر دہرے جرم کا ارتکاب کررہے ہیں۔

(2)......دولت

جہاں تک دوسری چیز یعنی دولت کا تعلق ہے، تو دولت بھی ایک ایسی چیز ہے، جس کا تعلق

زندگی کے ہر شعبے سے ہے، چنانچہ پوری دنیا کی اجتماعی، معیشت سے لے کر ایک فرد کی نجی زندگی تک سب کو ہی اس سے واسطہ پڑتا ہے، اس وجہ سے آج کی دنیا کے دساتیر میں سب سے اہم چیز ''معاشی مسائل و معاملات کو'' سمجھا جاتا ہے، اور دولت کے استعمال سے دنیا کی ہر قوم بحث کرتی ہے، اسلام نے بھی اپنے ماننے والوں کی اس بارے میں رہنمائی کی ہے۔

اسلام نے دولت حاصل کرنے کے ذرائع اور خرچ کرنے کے طریقے اور تقسیمِ دولت کا ایسا عادلانہ نظام پیش کیا ہے، جس کی دنیا میں کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ،اور اسلام کا معاشی نظام ہی اصل اور صحیح معاشی نظام کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

اسلامی اور غیر اسلامی نظام ہائے معیشت کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے کہ غیر اسلامی معیشت کا بنیادی مسئلہ اور انتہائی کامیابی صرف دنیا کی ترقی ہے، جب کہ اسلامی معیشت میں یہ چیزیں ضمناً تو شامل ہیں، لیکن انسان کی زندگی کا اصل مقصد اور مسئلہ نہیں، کیوں کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ اس مال و دولت کا اصل مالک درحقیقت ،اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انسان کو بھی اس مال و دولت کی ایک درجہ میں ملکیت دی ہے، لہٰذا اس مال و دولت کے اصل مالک کی رضامندی، اور اس کے حکم کے مطابق ہی اسے استعمال کیا جائے۔

اس کے برخلاف غیر اسلامی معیشت کے نظاموں میں زیادہ مشہور دو نظام رہے، ایک سرمایہ داری اور ایک اشتراکیت، یہ دونوں نظام باہم متضاد اور افراط و تفریط پر مبنی ہیں، اشتراکی نظام نے تو پچھلی صدی میں اپنا دم خم دکھا کر، اور انسانیت کی مٹی پلید کر کے آج خود اپنے مرکز سوویت روس میں دَم توڑ دیا ہے، ان باطل نظاموں کے مقابلے میں اسلامی نظام غایت درجہ معتدل، اور افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہے، جو عقلی اور فطری اصولوں پر مبنی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام سے مراد ایسا نظام ہے، جس کی بنیاد آزاد اور خود مختار ملکیت پر ہے، جس نے جو کمایا وہی اُس دولت کا حق دار ہے، کسی دوسرے حتّٰی کہ حکومت اور مذہب کا بھی اس دولت میں کوئی حق نہیں ، بلاامتیاز حلال وحرام ،اور بلافرق جائز و ناجائز ،جس طرح ممکن ہو، مال

ودولت کو جمع کرلیا جائے، اور مال وزر کی طاقت سے جس قدر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جاسکے، وہ حاصل کرلیا جائے، اور اس نفع میں سے مزدور کو جتنا کم سے کم دیا جاسکے، اتنا ہی کم دیا جائے، تاکہ سرمایہ دار کی حکومت اور برتری مزدور پر قائم رہے، اور مزدور کسی وقت سرمایہ دار کے شکنجے سے نہ نکل سکے۔

اور اس نظام کی بنیاد تمام تر ''سود'' پر قائم ہے، تمام غیر اسلامی بینک اسی سودی کاروبار کے لیے ہیں، اور غیر محدود سرمایہ کی فراہمی اس نظام کا ہدف رہتا ہے، جو جس قدر سرمایہ کا مالک ہے، وہ اسی درجے کا سردار ہے، اور مزدور اس کے سامنے مجبور اور لاچار ہے، اس لیے کہ یہ طبقہ تمام وسائلِ آمدنی اور ذرائعِ معاش پر قابض ہے، اس لیے غریب اس کے سامنے لاچار ہوگئے، اس نظام میں تحصیلِ دولت کے لیے کسی قسم کی مذہبی اور اخلاقی پابندی نہیں ''سود'' ہو یا ''قمار'' ہو، یعنی جُوا ہو، جس طرح دولت حاصل کرسکو کرتے رہو۔

جس طرح یہ گروہ تحصیلِ دولت میں مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے، اسی طرح وہ خرچ کرنے میں بھی مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے، جس طرح چاہو کماؤ، اور اپنی عیش وعشرت کے لیے جس طرح چاہو اڑاؤ، کسی کو دخل اندازی کا اختیار نہیں۔

دوسری طرف اشتراکیت یا سوشلزم دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی بالکل ضد ہے، جب غرباء سرمایہ داری نظام کے ظلم اور تشدد سے تنگ آ گئے، اور دیکھا کہ سرمایہ دار تو ہر اعتبار سے خودمختار ہے، اور بے چارہ مزدور بے بس اور بالکل مجبور اور لاچار ہے، تو سرمایہ داری سے اس قدر متنفر اور بے زار ہوئے کہ سرمایہ داری سے انتقام کے لیے ایک نیا نظام قائم کیا، جس کا نام اشتراکیت رکھا، اور جوشِ عداوت ونفرت میں انفرادی اور شخصی ملکیت کو ممنوع قرار دیا، اور اس کے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ اشتراکیت کا پہلا اصول ہوا۔

اور پھر دوسرا اصول یہ قائم کیا کہ ملک کی دولت مساوی طور پر تقسیم ہونا چاہیے، اور کسی فرد کو بھی دولت پر خودمختارانہ تصرف کا کوئی حق باقی نہ رہنا چاہیے، ملکی آمدنی کے تمام وسائل خواہ وہ

صنعت وحرفت سے متعلق ہوں، یا زراعت سے متعلق ہوں، وہ سب حکومت کی ملک تصور کیے جائیں، اوراس مقصد کے حصول کے لیے جھوٹ اور ہر مکروفریب سب کو جائز قرار دیا جائے۔

الغرض اشتراکیت کے دواصول سب سے اہم ہیں، ایک یہ کہ ذاتی ملکیت کوئی چیز نہیں، اشتراکیت کا مقصد یہ ہے کہ ملک سے انفرادی ملکیت کا خاتمہ کردیا جائے، اوراجتماعی ملکیت قائم کردی جائے، اور آج کل کی اصطلاح میں اس کا نام قومی ملکیت ہے، اورقومی خزانہ ہی ملک کا رزاق ہے۔

یہ اشتراکی نظام ملک کے تمام افراد کی املاک پر قبضہ کرکے ریاست اورحکومت کو سب سے بڑا سرمایہ دار بنادیتا ہے، ایک اژدھا جو چھوٹے سانپوں کو نگل کر بڑا سانپ بن جاتا ہے۔

اشتراکی نظام کا دوسرا اصول یہ ہے کہ ملک کی دولت، تمام اہلِ ملک پر برابر تقسیم ہونی چاہیے، کسی کو کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں ہونا چاہیے، معاشی لحاظ سے تمام افرادِ ملک میں مساوات ہونی چاہیے۔

یہ دواصول تو مزدور طبقے نے اپنے دفاع کی حدتک قائم کیے، اوراس دفاع کا مقصد یہ تھا کہ کھیتوں کے کاشت کاروں، اورکارخانہ کے مزدوروں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ دوڑ ہو، مزدور کا راج قائم ہو۔

اشتراکیت کے پہلے دونوں اصول عقل اورفطرت کے خلاف ہیں، جس کو عنقریب ہم بیان کریں گے، اور تیسرا اصول بھی غلط ہے، جو پہلے دواصولوں کا نتیجہ ہے، اشتراکی نظام، مذہب اوراخلاق سے غایت درجہ بعید ہے، اوراہلِ اشتراک یعنی کمیونسٹ، مذہب کے نام سے متنفر اور بےزار ہوتے ہیں، حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کے بھی قائل نہیں، چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک اوررزاق سمجھیں۔

پہلا فرقہ (سرمایہ دار) اگرچہ حصولِ زر میں حلال وحرام کا قائل نہیں، مگر اللہ تعالیٰ اورآسمانی

مذہب کا تو قائل ہے، اور دوسرا گروہ (اشتراکی) سرے سے اللہ تعالیٰ کا منکر ہے اور کسی آسمانی مذہب کا قائل نہیں، البتہ اپنے نفسانی مذہب کا قائل ہے، جو اس کے نفس نے بنایا ہے۔

غریبوں اور مزدوروں نے جب سرمایہ داروں کی عیش وعشرت اور پرشوکت زندگی کو دیکھا تو حرص اور طمع نے ان کی نظروں کو چکا چوند بنا دیا، اس لیے ان بھوکے اور بے صبرے اور لالچی فقیروں نے جب اشتراکی نعرہ سنا، تو اس کی دل فریب آواز پر ایسے مفتون ہوئے کہ دولت مندوں کے دشمن ہوگئے۔

اشتراکیت، اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہونے کی وجہ سے خلافِ فطرت نظام تھا، اس لیے ایک صدی کے اندر اندر اپنے انجام کو پہنچا۔

اسلام میں نظریہ اشتراکیت کی کوئی گنجایش نہیں، یہ نظریہ سراسر عقل کے خلاف ہے، اس گروہ کا قبلہ وکعبہ پیٹ ہے، اور ہر وقت پیٹ ہی کا نعرہ ہے، اور ہر طرف سے شکم شکم کی آواز ہے، تمام مسائلِ زندگی کی ابتداء اور انتہاء یہی پیٹ ہے۔

سرمایہ داری نظام کا محور، نفسانی خواہشات اور لذت اور عیش وعشرت کی زندگی ہے۔

ہر دو گروہ حرص وطمع کا شکار ہیں اور اپنے اپنے طریقے سے لوٹ کھسوٹ میں پوری طرح مگن ہیں، اختلاف فقط صورت کا ہے، سرمایہ داری نظام میں حرص کی صورت ذرا خوب صورت ہے اور اشتراکیت میں بدنما ہے، کیونکہ اشتراکیت میں لوٹ مار اور مار دھاڑ ہے، جو بظاہر سرمایہ داری میں نہیں۔

ان دو نظاموں کے علاوہ غیر اسلامی نظام ہائے معیشت نے ایک تیسرا نظام بھی متعارف کروایا، جو جاگیردارانہ نظام کہلوایا، اس کے نتیجے میں ایک جاگیردار طبقہ ہی سارے سیاہ وسفید کا مالک بن سکتا ہے، اور کاشت کار ہر حیثیت سے اس طبقہ کا غلام، حتّٰی کہ حکومت بھی اس جاگیردار طبقہ کے معاملات میں دخل اندازی کا اختیار نہیں رکھتی، یہ نظام بھی بہت سے

فتنوں اور بے اعتدالیوں کو جنم دینے کا باعث ہے۔

اسلامی نظام

اسلامی نظام اس افراط اور تفریط کے درمیان ایک معتدل راہ ہے، اسلام شخصی اور انفرادی ملکیتوں کو جائز اور معتبر بناتا ہے، اور واجب الاحترام قرار دیتا ہے، اور دوسرے کی ملکیت میں تعدی اور دست درازی کو حرام قرار دیتا ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث ذاتی ملکیت کے احکام سے بھرے پڑے ہیں۔

اسلام نے شخصی اور ذاتی ملکیت کو جائز اور معتبر قرار دیا، مگر مال ودولت پر حقوق وفرائض بھی عاید کیے ہیں۔

اسلام سرمایہ دارانہ نظام کی طرح ملکیتِ مطلقہ کی اجازت نہیں دیتا کہ مالک پر کوئی زکاۃ اور عشر اور کسی قسم کا کوئی فریضہ عاید نہ ہو، اور مالک کو بالکل اختیار ہو کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے۔

پس یاد رکھیے! جب تک عورت اور دولت کے اصل مالک اور خالق کے پیش کردہ اور طے کیے ہوئے اُصولوں کو اختیار نہیں کیا جائے گا، کبھی بھی ان دونوں چیزوں کے اصل منافع اور فوائد حاصل نہیں کیے جاسکیں گے، اور باطل نظاموں کے زیرِ سایہ انسانیت سسکتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

محمد رضوان

13 / رمضان المبارک / 1427 ہجری

(ماہ نامہ ''التبلیغ''، رمضان/ 1427 ہجری اکتوبر/ 2006ء، جلد 3 شمارہ 9)

(33)

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے

سے متعلق چند وضاحتیں

رمضانُ المبارک 1427ھ اور اس کے بعد عید الفطر 1427ھ کے چاند کے موقع پر پاکستانی قوم غیر معمولی انتشار وافتراق اور خلفشار سے دوچار ہوئی، خاص طور پر عید الفطر کے چاند کے موقع پر صورتِ حال زیادہ پیچیدہ اور سنگین ہوگئی، اور پاکستان میں عام روایت سے ہٹ کر دو کے بجائے تین عیدیں ہوئیں، بعض علاقوں میں مسلسل تین دن نمازِ عید ادا کی گئی، صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) کے علاوہ پنجاب وغیرہ جیسے صوبے میں بھی کئی علماء نے اپنی مساجد میں رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے سے ایک یا دو دن پہلے ہی رمضان وشوال کے آغاز کا فیصلہ صادر فرما دیا۔

اس صورت حال کے تناظر میں وزیر اعظم شوکت عزیز نے وزارتِ مذہبی اُمور کو ہدایت کی ہے کہ وہ چاند دیکھنے کے لیے جلد از جلد پائے دار میکنزم تیار کرے، وفاقی وزیر مذہبی اُمور محمد اعجازُ الحق نے کہا ہے کہ جلد ہی بین الصوبائی کمیٹیوں کا اجلاس طلب کیا جائے گا، جن کی سفارشات وفاقی کابینہ کو بھجوائی جائیں گی ، اور سفارشات کا جائزہ لینے کے بعد منظوری دی جائے گی، اعجاز الحق نے صوبہ سرحد میں تین عیدیں منانے پر افسوس کا اظہار کیا، انھوں نے کہا کہ ملک میں عید یک جہتی اور خوشی کی علامت ہے، اسے اکٹھے منانا چاہیے، اور ملک میں ایک ہی دن میں عید نہ منانے سے بیرونی ممالک میں ایک غلط تأثر جاتا ہے کہ مسلمان ایک

دن عید نہیں منا سکتے، انھوں نے کہا کہ اس بات کا بھی فیصلہ متوقع ہے کہ پاکستان میں آیندہ سال سعودی عرب اور دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ عید منانا چاہیے

(ملاحظہ ہو: روزنامہ اسلام، راولپنڈی، پیر، چھ شوال ۱۴۲۷ھ، 30/ اکتوبر 2006 صفحہ نمبر 1و6)

ان سنگین حالات میں اندیشہ ہے کہ کوئی بڑی تبدیلی فتنے کی شکل میں پیدا نہ ہوجائے، اور شرعی اُصولوں کی رہی سہی پاس داری بھی ختم نہ ہوجائے۔

ایسی انتشار واختلاف کی فضاء میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں جاری ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مولوی حضرات کبھی بھی اتفاق نہیں کرسکتے، اس لیے چاند کے اعلان، اور رؤیتِ ہلال کی شہادت حاصل کرنے کا اختیار علماء کو نہیں ہونا چاہیے، اور اسی لیے ہلال کمیٹی میں جو علماء حضرات ہیں، ان کو برطرف کردینا چاہیے۔

حالانکہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے ارکان، مختلف مسلکوں سے تعلق رکھنے کے باوجود عموماً اتفاق رائے سے چاند کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کو بالکل ختم کردینا چاہئے، اور اس کے بجائے حکومت یا عدالت کو خود چاند اور آغازِ ماہ کا اعلان کرنا چاہیے، جیسا کہ سعودیہ میں ہوتا ہے۔

جب کہ قوم درحقیقت کو انتشار سے بچانے کا حل اس کمیٹی کو ختم یا برطرف کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کمیٹی کے فیصلے کو موثر اور اہم بنانا، اور اس کمیٹی کے بالمقابل دیگر عناصر کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔

جب کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کو شہادتیں حاصل کرنے کا سلسلہ ختم کردینا چاہیے، اس کمیٹی کے پاس جب چاند دیکھنے کے مادی وسائل موجود ہیں، تو خود ہی چاند دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

مگر ہمارے خیال میں چونکہ کمیٹی کا موجودہ طرزِ عمل شرعی اصولوں کے مطابق ہے، اس لیے اس کو شہادتیں حاصل کرنے کا طریقہ ختم کرنے کی تجویز دینا درست نہیں۔

کچھ حضرات اختلافِ مطالع کی بحث میں لگ کر اس سے مسئلہ ھٰذا کو سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔

لیکن اختلافِ مطالع کی بحث میں لگ کر اس مسئلے کو حل کرنا بھی زیادہ موثر نظر نہیں آتا۔

کچھ لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ سعودی عرب پورے مسلمانوں کا مرکز ہے، پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس کے ساتھ رمضان اور اپنے تہوار منانے چاہییں۔

مگر علماء و ماہرینِ فن کی طرف سے سعودی عرب میں مروجہ فیصلہ ہلال کے طریقۂ کار کے شرعی وفنی اُصولوں کے خلاف ہونے کی نشان دہی کی جاتی رہی ہے۔

اس لیے اہلِ پاکستان کو سعودی عرب میں مروجہ نظام کی اتباع کی رائے نہیں دی جاسکتی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، احسن الفتاویٰ جلد۴ صفحہ ۴۲۶ تا صفحہ ۴۲۸، ماہ نامہ ''الصیانۃ'' لاہور، رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ، اکتوبر 2006، صفحہ ۵، ہفت روزہ ضربِ مؤمن، ۱۸ تا ۲۴ شوال ۱۴۲۷ھ، مطابق ۱۰ تا ۱۶ نومبر ۲۰۰۶ء رنگین صفحہ)

کچھ لوگ ہمیشہ سے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو حکومت کی منشا کے مطابق فیصلہ کرتے رہنے یا اسی جیسے دوسرے الزامات لگاتے آئے ہیں، مگر آزاد اور خارجی ذرائع سے اس قسم کے الزامات کی تصدیق کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کے اجتماعی اور ہمہ گیری مسئلے پر کبھی بھی سب لوگوں کے شکوک وشبہات کو ختم نہیں کیا جاسکتا، اگر چہ کوئی کمیٹی خالص اولیاء وصلحاء کی جماعت پر تشکیل دے دی جائے۔

متعدد و مستند اہلِ علم حضرات، مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے موجودہ طریقِ کار اور اس کے فیصلوں کی تائید وتوثیق فرما چکے اور دلائل کے ساتھ اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کر چکے ہیں۔

ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ (سابق خطیب: مرکزی لال مسجد، اسلام آباد) مدتِ دراز تک اس کمیٹی کے رکن اور چیئر مین رہے ہیں، اور کمیٹی کے طریقِ کار و طرزِ عمل کو درست قرار دیتے رہے ہیں۔

مولانا مفتی محمد طیب صاحب زید مجدہٗ (مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد) مرکزی

رؤیتِ ہلال کمیٹی کی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’بہت سے اسلامی اعمال کو شریعتِ اسلامیہ نے رویتِ ہلال کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے حکومتِ پاکستان کی تشکیل کردہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی شرعی فیصلے کررہی ہے، پاکستان کی کمیٹی عالمِ اسلام کی کمیٹیوں میں سے بہترین کمیٹی ہے، جس میں جید علمائے کرام ماہرینِ فلکیات شامل ہیں اور محکمہ موسمیات کا پورا تعاون اسے حاصل ہوتا ہے، اس بناء پر اس کمیٹی کے اکثر فیصلے حقائق سے بہت زیادہ مطابقت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ملک میں رمضان شریف کی ابتداء اور عید کی ادائیگی میں انتشار کی فضا بنتی رہتی ہے......

......حکومتِ پاکستان سے درخواست ہے کہ اس معاملے کو علماء کا باہمی مذہبی اختلافی مسئلہ سمجھ کر ان کے کندھوں پر ڈال کر لاتعلق نہ ہوں، بلکہ یہ ادارہ حکومت کی تشکیل کردہ ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی ہے، اس کا فیصلہ حکومت کا ہی فیصلہ ہے، لہٰذا جس طرح دیگر حکومتی فیصلوں کو پوری حکومتی مشینری کا تعاون حاصل ہوتا ہے، اسی طرح حکومت کو اس ادارے کی آزادی برقرار رکھتے ہوئے مکمل پشت پناہی کرنا چاہیے۔

مسئلے کی اصل بنیاد یہی ہے کہ ابھی تک اس ادارے کے فیصلوں کو اعلیٰ عدالتی فیصلے سمجھ کر احترام کیا گیا ہے، نہ ہی تعاون کی کوئی حکومتی کوشش سامنے آئی ہے‘‘(ماہ نامہ ’’الصیانۃ‘‘ لاہور، رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ، اکتوبر 2006، صفحہ۴ و۶، در ذیل ’’پیغامِ حق‘‘ مضمون ’’رؤیتِ ہلال میں پاکستانی قوم میں اختلاف کے اسباب اور ازالہ کی تدابیر‘‘)

مولانا موصوف نے اپنے مذکورہ مضمون میں پاکستانی قوم میں اختلاف کے اسباب اور ان سے بچنے کی تدابیر بھی پیش فرمائی ہیں جو کافی حوصلہ افزا معلوم ہوتی ہیں۔

مولانا سید محمود میاں صاحب زید مجدہٗ (مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور) موجودہ مرکزی رویتِ ہلال

کمیٹی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’اس موقع پر بعض لوگوں نے رؤیتِ ہلال کمیٹی کو بھی بلا جواز تنقید کا نشانہ بنایا ہے، سچ تو یہ ہے کہ موجودہ ناخوش گوار صورتِ حال نے رؤیتِ ہلال کمیٹی کی اہمیت وافادیت کو مزید اجاگر کردیا ہے، ان کے فیصلوں کو تسلیم کرنے والے صوبہ پنجاب اور سندھ میں کوئی قابلِ ذکر ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آتا، سب ایک ہی دن ہنسی خوشی اطمینان کے ساتھ اپنے مذہبی امور انجام دیتے ہیں............مناسب ہوگا کہ اس موقع پر علمائے کرام، مرکزی اور صوبائی حکومتیں عوام کو رؤیتِ ہلال کمیٹی کی اہمیت، اس کا دائرۂ کار اور طریقۂ کار سے متعارف کرواکر یہ باور کرائیں کہ یہ کمیٹی ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے چاروں صوبوں کے ذمہ دار غیر تنخواہ یافتہ اعزازی ارکان کے علمائے کرام پر مشتمل ہوتی ہے، اور بغیر کسی دباؤ کے شرعی اصولوں کے تحت آزادانہ فیصلہ کرتی ہے، دانستہ غلطی کی صورت میں اللہ کے یہاں جواب دہ ہوگی، اور ملک میں موجود علمائے کرام بھی ان کا مواخذہ کریں گے، نادانستہ غلطی کی صورت میں اللہ کے یہاں بھی گرفت نہیں ہے اور دنیا میں بھی کوئی سزا نہیں ہے، غلط فیصلہ کی صورت میں جن روزوں کا نقصان ہوجاتا ہے، قضا کی شکل میں اس کا تدارک کیا جاسکتا ہے، لہٰذا عوام الناس کو چاہیے کہ یہ معاملہ علمائے کرام کی سرکردگی میں قائم کمیٹی ہی کے حوالہ رکھیں، اور اس کے فیصلوں پر عمل کریں (ماہ نامہ انوارِ مدینہ، شوال المکرّم ۱۴۲۷ھ، نومبر 2006ء، صفحہ ۴، ۵)

مولانا سید محمود میاں صاحب زید مجدہٗ نے اپنے مذکورہ مضمون کی ابتدا میں صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) میں بعض متشدد اور غیر متدین افراد کی طرف سے مقامی علماء کو چاند کے اعلان پر جبر کرنے کے متعدد واقعات بھی نقل فرمائے ہیں، قرائن وشواہد سے اس قسم کے واقعات کی تائید کرنا بے جا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) کے بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ مرکزی ہلال کمیٹی شہادتِ شرعیہ کو رد کر کے فنی بنیادوں پر زیادہ تر اپنے فیصلے کا مدار رکھتی ہے، یا شہادت کو فنی اصولوں پر پرکھتی ہے، اور شریعت نے فنی باریکیوں کا بندوں کو مکلّف نہیں کیا، کیوں کہ اس میں بندوں کے لیے دشواری اور تنگی ہے، شریعت کی طرف سے اصل مدار چاند کے نظر آنے پر ہے، اس لیے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا طریقۂ کار غیر شرعی ہے، مرکزی ہلال کمیٹی باوجود شہادتِ شرعیہ حاصل ہوجانے کے چاند کا اعلان نہیں کرتی، صوبہ سرحد سے ہمیشہ متعدد شرعی وضع قطع کے متدین لوگ رؤیتِ ہلال کی شہادت دیتے ہیں، مگر کمیٹی ان شہادتوں کو فنی بنیادوں پر رد کر دیتی ہے۔

لہٰذا ایسے موقع پر مقامی علماء کو شرعاً شہادتِ شرعیہ حاصل ہوجانے کے بعد چاند کے اعلان کا حق حاصل ہوتا ہے، اور اس سلسلے میں پاکستان کے تمام صوبوں والوں پر مرکزی ہلال کمیٹی کے اعلان کی پابندی شرعاً لازم نہیں ہے۔

جب کہ ہلال کمیٹی کے ارکان کا کہنا یہ ہے کہ:

> ہماری مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہمیشہ مختلف مقامات پر اور اَدل بَدل کر مختلف صوبوں میں ہوتا رہا ہے، خود اس کمیٹی کو باوجود جدید وسائل حاصل ہونے، اور باوجود صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) میں کمیٹی کا اجلاس ہونے کے چاند نظر نہیں آتا، اور سرحد کے علاوہ ملک کے دیگر صوبوں سے بھی معتبر شہادت نہیں پہنچتی، سب سے پہلے چاند ہمیشہ صرف سرحد میں ہی نظر آتا ہے، اور عموماً وہاں مہینہ بھی انتیس کا شمار کیا جاتا ہے، موسم بھی بہت سی مرتبہ ابَر آلود نہیں ہوتا، کہ دیگر صوبوں میں بسنے والے لاکھوں لوگوں کو چاند دکھائی نہ دے اور سرحد سے شہادتیں بھی ایسے انداز اور اوقات کی پہنچتی ہیں کہ وہ فنی اعتبار سے مخدوش ہوتی ہیں، بعض اوقات فنی اعتبار سے چاند کی ولادت اور وجود بھی نہیں ہوتا، تو وجود سے پہلے ثبوت کیسے ہوسکتا ہے؟ اور مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی صرف فنی یا فلکی بنیادوں پر رؤیتِ ہلال

کا فیصلہ صادر نہیں کرتی، البتہ اس کو رؤیتِ ہلال کی شہادت کے قابلِ اعتبار یا مجروح ہونے میں ایک درجے کا مُمِد و معاون سمجھتی ہے جس میں کوئی قباحت نہیں۔

اور بے شک شریعت نے بنیادی طور پر بندوں کو فنی باریکیوں کا مکلّف نہیں کیا، لیکن اگر کوئی فن ترقی کر جانے کی وجہ سے باریک نہ رہا ہو، اور اُس کی عام شہرت ہو چکی ہو، اور ذرائع اور وسائل بھی دنیا میں معروف اور مشہور ہوں، اور ان کے مطابق بہت سے دنیاوی اور دینی امور و معاملات بھی انجام دیے جا رہے ہوں، تو اس میں امت کو تنگی میں ڈالنا لازم نہیں آتا، اور نہ شریعت اس کی نفی کرتی ہے۔

جیسا کہ آج کے دور میں چاند اور سورج کے طلوع و غروب کے اوقات انتہائی صحت کے ساتھ کمپیوٹر کے ذریعے معلوم ہو سکتے ہیں، اب اگر کوئی شخص یہ گواہی دے رہا ہو کہ میں نے چاند سوا چھ بجے دیکھا ہے، حالانکہ حساب کے مطابق چاند اس جگہ اس دن 5 بجکر 59 منٹ پر غروب ہو چکا ہو، اس گواہی کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

بعینہٖ اسی طرح ہم فنِ فلکیات کے حسابات کے ذریعے گواہی دینے والے کی گواہی کو پرکھتے ہیں، اس پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے؟

اور جو حدیث شریف میں موجود ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، یہ مسئلہ تو واضح اور منصوص ہے، لیکن چاند دیکھنے کی گواہی کا یہ درجہ نہیں، کیوں کہ اس میں صحیح اور غلط ہونے کا احتمال ہوتا ہے، اوّلاً تو گواہی دینے والے کے سچے یا جھوٹے ہونے دونوں چیزوں کا احتمال ہے، دوسرے چاند دیکھنے میں غلطی بھی ہو سکتی ہے، چاند دیکھتے وقت جب کسی کے ذہن پر چاند کا تصور غالب ہو جائے تو اسے ہر طرف چاند ہی چاند نظر آتے ہیں، آنکھ کے سامنے کوئی بال

چاند محسوس ہوسکتا ہے، یا دور کسی درخت اور ابر وغیرہ کی مخصوص ھیئت وغیرہ سے چاند کا دھوکا ہوسکتا ہے۔

اور جس طرح خود چاند کے طلوع وغروب ہونے کی گواہی کے مقابلے میں چاند کے طلوع وغروب کے حسابات زیادہ یقینی ہیں کیوں کہ چاند کی یہ گواہی تو ایک فرد کا مشاہدہ ہے، جب کہ ان حسابات کا صحیح ہونا لاکھوں لوگوں اور ماہرینِ فن کا مشاہدہ ہے، ان ہی حسابات کے طلوع وغروب پر تو سارے حضرات نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور کھولتے ہیں، اسی طرح چاند کے طلوع وغروب کے اوقات کا حساب کر کے اگر ہم ان کو مشاہدات پر رکھ لیں، اور وہ بالکل صحیح ثابت ہوں، تو ان نقشوں سے استفادہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

پھر جب کہ صوبہ سرحد (موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا) کی چاند کی شہادتوں کا معاملہ بار بار غیر معمولی مخدوش، خلافِ واقعہ یا مبنی علی الکذب ہونا ثابت ہو چکا ہو، تو اصولی انداز میں جب تک دیگر ذرائع سے تقویت وتائید حاصل نہ ہو، سرحد کی مروّجہ شہادتوں کو قابلِ اعتنا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور ثقہ ہونے کے لیے کسی کا صرف ڈاڑھی رکھ لینا، یا عمامہ پہن لینا کافی نہیں، جب تک دیگر ذرائع سے ثقاہت ثابت نہ ہو جائے، خصوصاً ایسے مقامات کہ جہاں عموماً، داڑھی رکھنا اور عمامہ وغیرہ پہننا روایتی ومعاشرتی رواج کی شکل اختیار کر گیا ہو، جس کی ایک علامت یہ ہے کہ ان چند اعمال کے پابند حضرات دوسرے بڑے بڑے اہم اعمال میں بالکل پابند نہ ہوں، مثلاً دھوکا دہی، قتل وغارت گری، اور جھوٹ وغلط بیانی وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ چاند کی شہادت کو پرکھنا، ایک تو اس طور پر ہے کہ شہادت دینے والا ثقہ ہے کہ نہیں؟ دوسرے خود واقعے کی تحقیق کرنے کے طور پر ہے کہ چاند فی الواقع

دیکھا گیا ہے کہ نہیں؟ جس کا متوقع اور امکانی حالات کے تناظر میں جائزہ لیا جائے گا، ان دونوں طریقوں سے شہادتوں کو پرکھنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ہفت روزہ ضربِ مؤمن، ۱۸ تا ۲۴ شوال ۱۴۲۷ھ، مطابق ۱۰ تا ۱۶ نومبر ۲۰۰۶ء رنگین صفحہ و "کشفِ ہلال صفحہ ۱۴۰ تا ۱۵۱" مصنفہ: جناب سید شبیر احمد کاکا خیل صاحب)

اگر نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ غور کیا جائے، تو پاکستان کی موجودہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا موجودہ نظام ہماری معلومات کے مطابق، دنیا بھر کے فیصلۂ رؤیتِ ہلال کے دوسرے نظاموں سے غنیمت اور شرعی تقاضوں کے بہت قریب معلوم ہوتا ہے۔

انتشار وافتراق کے دور میں مختلف بڑے مسلکوں کے نمایندوں کو کمیٹی میں شامل کرنا، حکومت کا اس محکمہ کو آزاد رکھنا، فنی ذرائع اور جدید آلات کو رؤیتِ ہلال میں معین ومُمِد بنانا، اور فیصلہ رؤیت کی معتبر شرعی شہادت پر کرنا، وغیرہ جیسے اہم پہلو شاید ہی دنیا میں پائے جانے والے کسی دوسرے رؤیتِ ہلال کے وسیع نظام میں موجود ہوں، جب کہ آج کل معاشرے کے حالات ایسے ہیں کہ شاید ایک ہی مسلک کے چند علماء اس قسم کے کسی ایک موقف پر مشکل سے اتفاق کرتے ہوں، موجودہ ہلال کمیٹی کا وجود نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا، لیکن جب خود بعض علماء اور مقتدا حضرات ہی اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے اس کمیٹی کے علی الرغم عوام کو اپنے فیصلہ سنا کر متنفر کرتے ہوں، تو پھر عوام سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

رؤیتِ ہلال کے فیصلہ کا دیانت سے زیادہ قضا اور اجتماعیت کے پہلو سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اگر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو پاکستان کی ولایتِ عامّہ کی جہت سے اس سلسلے میں قضا کا درجہ حاصل ہو، تو اس کے برخلاف اور بالمقابل اُن علماء کا بلکہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی سے نچلے درجہ کی زونل کمیٹیوں کا اعلان وفیصلہ کرنا، جن کو ولایتِ عامہ کی جہت سے قضا کا منصب حاصل نہ ہو، کیا حیثیت رکھتا ہے؟

ہمارے خیال میں نہ اس طرح کا اعلان وفیصلہ کرنا شرعاً جائز ہے، اور نہ ہی اس کی کوئی

حیثیت ہے، جس طرح حدود وقصاص جاری کرنے کے لیے علماء یا غیر مجوزہ عدالت کے سامنے شرعی طریقہ پر ثبوت کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے منصبِ قضاء کی ضرورت ہے، خصوصاً جب کہ رمضان وعید کے چاند کے فیصلہ کا اثر اجتماعی طور پر حدود وقصاص کے مقابلے میں زیادہ وسیع حیثیت رکھتا ہے۔

بعض علماء نے ایسے وقت یہ کہہ کر فیصلہ فرمادیا کہ جن لوگوں کو جس کے اعلان وفیصلہ پر اعتماد ہو، خواہ کمیٹی کے یا اس کے برخلاف مقامی علماء کے اعلان وفیصلہ پر، اُن کو رمضان وعید کے حوالے سے اپنے اسی اعتماد کے مطابق عمل کرنا جائز یا ضروری ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا قضا کے مسائل میں اس طرح گنجایش دینے کا شرعی نقطہ نظر سے جواز نظر آتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں ورنہ تو حدود وقصاص کے فیصلوں کے لیے بھی قاضی کی ضرورت نہ ہوگی، اور اگر بالفرض جواز تسلیم بھی کرلیا جائے، تو اگر ایک ہی شہر اور محلّہ وعلاقہ میں، بلکہ ایک ہی گھر کے مختلف افراد میں اعتماد واعتبار کا محمل مختلف ہوگا، تو کیسی فضا قائم ہوگی؟ اور کیا اس طرح رمضان وعید کے حقیقی مقاصد ومنافع کو حاصل کیا جاسکے گا، اور اجتماعی طور پر ہر ہر مقام پر نمازِ عید کی ادائیگی کو انجام دیا جاسکے گا؟ بعید نہیں کہ ایسی صورتِ حال میں نعوذ باللہ قتل وغارت گری کی نوبت آجائے، جیسا کہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) کے بعض علاقوں میں بعض اوقات ایسی صورتِ حال کا سامنا ہوتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں کے اہلِ علم حضرات مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی سے متعلق اپنے شکوک وشبہات کا دلائل کے تناظر میں نیک نیتی کے ساتھ جائزہ لیں اور اپنے موقف پر نظرِ ثانی کریں، اور قوم کو کسی بڑے انتشار سے بچانے کے لیے اپنے اندر اجتماعیت پیدا کریں، اور عوامی سطح پر چلنے والی ''اختلاف برائے اختلاف'' کی رِیت و روایت کو ختم کرنے میں اپنا اثر ورسوخ اور کردار ادا کریں۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شوال/ 1427 ہجری نومبر/ 2006ء، جلد 3 شمارہ 10)

(34)

کیا پاکستان کے قوانین قرآن وسُنَّت سے متصادم ہیں؟

کچھ مدت سے وطنِ عزیز کے مقتدر حلقوں کی جانب سے برملا یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ پاکستان میں قرآن وسنت کے خلاف اور متصادم کسی قانون یا بل کے منظور اور پاس ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ دعویٰ اتنا خوش آینداور خوش کن ہے کہ اس کوسن کر قیام پاکستان کی وہ پاکیزہ جدوجہد اور قربانیوں کا وہ مقصد یاد آجاتا ہے، جس کے لیے لاکھوں شہداء نے اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کیا تھا، اور مختصر لفظوں میں آج تک لوگوں کے ذہنوں میں اس عظیم مقصد کے تحت لگائے جانے والے اس نعرہ کی گونج باقی ہے کہ:

پاکستان کا مطلب کیا، لاالٰہ الااللہ

بعض مقتدر حلقوں کی جانب سے یہ دعویٰ ایک ایسے موقع پر کیا جارہا ہے، جب کہ تحفظ حقوقِ نسواں کے نام سے ایک بل کی منظوری دی جاچکی ہے، اور ایک دوسرے بل کی منظوری پر غور وفکر جاری ہے۔

اس سلسلے میں پہلے تو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تحفظِ حقوقِ نسواں کے نام سے حالیہ بل جو منظور کیا گیا ہے، اس سے پہلے یا تو وہ قرآن وسنت کے خلاف تھا، اور اب اس کو قرآن وسنت کے موافق کیا گیا ہے، اور یا پھر وہ پہلے قرآن وسنت کے موافق تھا، اور اب اس کو قرآن وسنت کے خلاف بنادیا گیا ہے۔

پہلی صورت میں لازم آتا ہے کہ ہمارے ملک میں قرآن وسنت کے خلاف کسی قانون کے منظور یا پاس ہونے کا تصور موجود ہونے کے ساتھ ساتھ بعض عملی مثالیں پہلے سے قوانین کی صورت میں موجود ہیں، کیوں کہ جو قانون ایک مدتِ دراز تک نافذ وجاری رہا، اس کے

متعلق ظاہر ہے کہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کسی قانون کے منظور اور پاس ہونے کا تصور تو نہیں کیا جاسکتا، البتہ یقین کیا جاسکتا ہے، اور دوسری صورت میں بھی لازم آتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف نئے اور جدید کسی قانون کے منظور اور کسی بل کے پاس ہونے کا تصور تو نہیں کیا جاسکتا، البتہ یقین کیا جاسکتا ہے، اور دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی تصور کر لی جائے، تو اس سوال کا واضح جواب دینے کی ذمہ داری پھر بھی برقرار رہتی ہے کہ پہلے دور کے بل کو منظور کرنے والے حضرات کے دلوں میں اس بل کی مخالفت کرنے والوں سے زیادہ دین کا جذبہ تھا یا کم؟

موجودہ بل کے قرآن وسنت کے خلاف یا موافق ہونے پر ابھی تک اتنا کچھ کہا اور سنا جاچکا ہے کہ ہم اس موضوع پر مزید لب کشائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف خیال کرتے ہیں۔

البتہ ہم نے جو موجودہ بل کے متعلق دونوں صورتیں پیش کی ہیں، ان پر مذکورہ مقتدر حلقوں کو دعوتِ فکر ضرور دیں گے، تاکہ وہ اس پر اچھی طرح غور فرمالیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ دعویٰ بغیر سوچے سمجھے کر دیا گیا ہے اور اس کے نتیجے اور مآل پر ابھی تک غور نہیں کیا جاسکا۔

بعض مقتدر حلقوں کی جانب سے جو یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ پاکستان میں قرآن وسنت کے خلاف کسی قانون کے منظور اور قرآن وسنت سے متصادم کسی بل کے پاس ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ہم ان حضرات کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ یہ جذبہ بہت قابلِ قدر ہے، اور ایسے جذبہ رکھنے والے حضرات سے توقع بلکہ یقین رکھا جاسکتا ہے کہ وہ جو قوانین بھی اپنے ملک میں قرآن وسنت کے خلاف پائیں گے، ان کو ضرور قرآن وسنت کے موافق بنانے کی کوشش کریں گے، اسی کوشش اور عدمِ کوشش سے اس چیز کا امتحان بھی بہت آسانی کے ساتھ ہوسکے گا کہ مذکورہ دعوے میں کتنی صداقت ہے؟

کیوں کہ ہمارے لیے یہ بات تو ممکن نہیں کہ دستورِ پاکستان کے تمام قوانین کا فرداً فرداً جائزہ لے کر کوئی رائے قائم کرسکیں، لیکن چند عائلی مسائل پر مختصر روشنی ڈالیں گے، تاکہ ان مسائل

کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینا ممکن ہو کہ ہمارے یہاں کسی قانون کا قرآن وسنت کے خلاف ہونا ممکن ہے۔

طلاق کے احکام

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ عائلی مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''احکامِ طلاق کے سلسلے میں آرڈی نینس نے جو قوانین وضع کیے ہیں، وہ تقریباً ہر قدم پر، قرآن کریم اور سنتِ نبویہ سے متصادم ہیں (ہمارے عائلی مسائل ،ص ۱۱۸ دفعہ نمبر ۷، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

اور نکاح اور طلاق کے سلسلے میں قرآن وسنت کے موقف کو چند اصولی باتوں کی روشنی میں واضح فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

''اس کے بعد آپ آرڈی نینس کو دیکھیے'' آرڈیننس کی اس دفعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جب طلاق دے دی جائے ،تو شوہر کو یونین کونسل کے چیئرمین کو اس امر کی اطلاع دینی ہوگی، چنانچہ اس اطلاع کے موصول ہونے پر چیئرمین فریقین کے نمائندوں کی مدد سے مصالحت کرانے کی کوشش کرے گا، اس کوشش کے ناکام ہوجانے کے بعد چیئرمین کو طلاق کی اطلاع کے بعد سے نوے دن بعد یا بیوی کے حاملہ ہونے کی صورت میں نوے دن اور وضع حمل میں سے طویل ترین مدت کے بعد جدائی عمل میں لائی جائے گی، اس سے پہلے طلاق موثر نہ ہوگی، اس مدت میں ثالث کے علاوہ شوہر کے لیے بھی طلاق کے فیصلہ کو ختم کردینے کا اختیار ہوگا، اور تین ماہ یا وضع حمل کے بعد جب جدائی عمل میں آجائے ،تو شوہر اپنی بیوی سے دوبارہ شادی کرسکے گا، لیکن تیسری مرتبہ مذکورہ بالا طریقہ پر طلاق کے موثر ہونے کی صورت میں یہ حق باقی نہ رہے گا، چیئرمین کو طلاق کی اطلاع نہ دینا، قابلِ تعزیر جرم

قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے قیدِ محض یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی“

مذکورہ آرڈی نینس کا تفصیل سے موازنہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آرڈی نینس قرآن وسنت سے چھ چیزوں میں ٹکرا رہا ہے:

(1)...... آرڈیننس میں طلاق کے بعد ثالثی کے ذریعے مصالحت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اور قرآن کریم نے طلاق سے پہلے مصالحت کی فکر کرنے کو کہا ہے۔

(2)...... آرڈیننس میں عدت گزرنے تک طلاق کو بالکل بے اثر قرار دیا گیا ہے، حالانکہ قرآن وسنت کی رو سے طلاق کا ایک اثر (پہلے شوہر کے لیے حرام ہونا) تو ہر حال میں طلاق کا لفظ بولتے ہی شروع ہوجاتا ہے، اور اگر شوہر نے بیوی سے خلوت کیے بغیر طلاق دے دی ہے، تو دوسرا اثر یعنی دوسروں سے نکاح کرنے کا جواز بھی فوراً مرتب ہوجاتا ہے۔

(3)...... آرڈی نینس میں عدت کا شمار، چیئرمین کو طلاق کی اطلاع کے بعد سے کیا گیا ہے، حالانکہ قرآن وسنت کی رو سے اس کا شمار طلاق کے تلفظ کے فوراً بعد سے شروع ہوجاتا ہے۔

(4)...... بیوی کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں آرڈی نینس نے عدت کی مدت نوے دن مقرر کردی ہے، حالانکہ قرآن کریم نے تین ایامِ ماہواری بتلائی ہے، خواہ وہ کتنے دن میں بھی ہوں۔

(5)...... بیوی کے حاملہ ہونے کی صورت میں آرڈی نینس نے، عدت نوے دن اور وضع حمل میں سے طویل تر مدت کو قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن کریم حاملہ کی عدت علی الاطلاق وضع حمل بیان کرتا ہے، خواہ وہ ایک ہی دن میں ہوجائے۔

(6)...... آرڈیننس میں عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرنا ہر صورت میں جائز رکھا ہے، بجز اس کے کہ نکاح تین مرتبہ علاحدہ علاحدہ فسخ

ہو چکا ہو، یعنی ایک مرتبہ طلاق کے بعد رجوع کر لیا گیا، یا تجدیدِ نکاح کر لی گئی، پھر دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہو، اب تیسری مرتبہ طلاق دے گا، تو پھر دوبارہ نکاح بغیر دوسرے شخص سے شادی کیے جائز نہ ہوگا، اس صورت کے علاوہ ہر صورت میں آرڈی نینس نے شوہرِ اوّل سے نکاح کو جائز رکھا ہے......اس کے خلاف آپ نے پڑھا کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں بھی ویسا ہی اثر رکھتی ہیں، جیسا کہ الگ الگ دی ہوئی طلاقیں......اوراس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ اربعہ کا اجماع ہے، بعض اسلامی فرقے جو اس مسئلے میں پوری امت سے مختلف رائے رکھتے ہیں، ان کے نزدیک بھی اگر تین طلاقیں تین مختلف طہروں میں دی جائیں تو پہلے شوہر سے نکاح جائز نہیں رہتا، مگر آرڈی نینس کی رُو سے اس صورت میں بھی اسے جائز رکھا گیا ہے (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰، دفعہ نمبر 7، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

خلع کا قانون

1967ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے بعض جج صاحبان نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر عدالت تحقیق کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچے کہ میاں بیوی کے درمیان تنازع اور اختلاف ہے، بیوی شوہر کے ساتھ رہنے پر رضا مند نہیں تو عدالت، شوہر کی رضا مندی کے بغیر خلع کرا سکتی ہے۔ اور ہماری عدالتوں سے اسی کے مطابق فیصلے جاری ہوتے ہیں، حالانکہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ''خلع'' شوہر اور بیوی کا ایک باہمی معاملہ ہے، جو فریقین کی رضا مندی پر موقوف ہے۔

اس موضوع پر کئی اہلِ علم حضرات نے تفصیلی مقالہ جات اور رسائل تحریر کیے ہیں اور دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ خلع شوہر کی رضا مندی کے بغیر درست اور معتبر نہیں (دلائل کے لیے ملاحظہ ہو ''اسلام میں خلع کی حقیقت'' از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم)

پوتے کی میراث

پوتے کی میراث کا قانون ہمارے ملک میں کیا ہے، اس سلسلے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ فرماتے ہیں:

دفعہ چار پر غور فرمائیں، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

''اگر وراثت کے شروع ہونے سے پہلے مورث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت واقع ہو جائے، تو ایسے لڑکے یا لڑکی کے بچوں کو (اگر کوئی ہوں) بہ حصہ رسدی وہی حصہ ملے گا جو اس لڑکے یا لڑکی کو (جیسی صورت ہو) زندہ ہونے کی صورت میں ملتا''

یہ مسئلہ ''یتیم پوتے کی میراث'' کے نام سے مشہور ہے، منکرینِ حدیث نے اسے کئی بار اُٹھایا، اور عائلی قوانین کے نفاذ سے بہت پہلے علماء نے اس پر سیر حاصل بحث کر کے اسے اس قدر نکھار دیا تھا کہ اس کے بعد کسی بھی حق پسند اور سلیم الفکر انسان کو اس میں شبہ پیدا نہ ہونا چاہیے تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف کوئی توجہ دیئے بغیر، ایک صریح خلافِ شریعت حکم کو قانونی حیثیت دے دی گئی (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۲۵، بعنوان: پوتے کی میراث، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

اور بھی کئی علماء نے پوتے کی میراث کے اس مذکورہ قانون کے قرآن وسنت کے خلاف اور قرآن وسنت سے متصادم ہونے پر مستقل رسائل اور مقالے تحریر فرمائے ہیں۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مرحوم کی جو اولاد اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھی، تو اس فوت شدہ اولاد کی اولاد کو مرحوم (دادا) کے بیٹے کے ہوتے ہوئے میراث کا حق نہیں پہنچتا۔

ایک سے زیادہ شادیاں کرنا

ہمارے ملک میں پہلے سے موجود بیوی کی باضابطہ اجازت کے بغیر ضرورت پڑنے پر بھی دوسری شادی کی قانوناً اجازت نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

زید مجدہٗ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، تو وہ ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لیے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکے گا، ساتھ ہی اسے دوسری شادی کرنے کی وجوہ بھی بیان کرنی ہوں گی، ثالثی کونسل یہ تحقیق کرے گی کہ آیا یہ دوسری شادی پہلی بیوی کی رضامندی سے ہو رہی ہے یا نہیں؟ جو شخص اس طرح اجازت لیے بغیر شادی کرلے، وہ ایک سال تک کی قید یا پانچ ہزار تک کا جرمانہ، یا دونوں سزاؤں کا مستحق ہوگا، نیز اسے پہلی بیوی یا بیویوں کو مہر فوراً دینا پڑے گا، خواہ وہ معجّل ہو یا مؤجل۔

تعددِ ازواج پر یہ غیر معمولی پابندیاں اس ذہنیت کی نشان دہی کرتی ہیں کہ واضعینِ قانون کی نظر میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ایک برائی ہے، جسے صرف مجبوری کے حالات ہی میں اختیار کیا جا سکتا ہے، یہ ذہنیت قرآن وسنت اور تمام امت کے تعامل کے پیشِ نظر کہاں تک درست اور حق بجانب ہے؟ ذیل کے دلائل سے معلوم ہوگا (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۶۲، دفعہ ۶، تعددِ ازواج، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

آگے مفتی صاحب موصوف نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ایک مسلمان چار تک شادیاں کر سکتا ہے، لیکن ساتھ ہی اسے عدل وانصاف کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا، اور اگر وہ عدل وانصاف نہ کر سکے، تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے، لہٰذا ہر حال میں خواہ کسی کو ضرورت ہو یا نہ ہو اور خواہ عدل وانصاف قائم کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو، دوسری شادی پر پابندی لگانا اور بیوی کی رضامندی پر اس کو موقوف رکھنا درست موقف نہیں۔

نکاح کی عمر

نکاح کی عمر کے قانون کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ

فرماتے ہیں:

اس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکے اور سولہ سال سے کم لڑکی کا نکاح قانوناً ممنوع ہوگا۔اس دفعہ کا مقصد غالبًا ان مفاسد کو دُور کرنا ہے کہ جو کم سنی کی شادیوں کی وجہ سے پیش آتے ہیں، جہاں تک اس مقصد کی صحت اور افادیت کا تعلق ہے، وہ بلا شبہ اپنی جگہ پر مسلَّم ہے، لیکن جیسا کہ ہم آگے تفصیل کے ساتھ عرض کریں گے، ان مفاسد کا صحیح حل یہ نہیں کہ سرے سے کمسنی کی شادیوں کو ممنوع قرار دے دیا جائے، کیوں کہ بسا اوقات ایک شخص مختلف وجوہ کی بناء پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنے کم سن بچوں کی شادی فوراً کرادے، اسی مصلحت کے پیشِ نظر اسلامی شریعت نے کم سنی کی شادیوں کو ممنوع قرار نہیں دیا۔لیکن ہمت افزائی بھی نہیں کی (ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۱۵۷، دفعہ ۱۲، عمر نکاح، مطبوعہ: دار الاشاعت کراچی)

یہ قانون جس اطلاق اور عموم کے ساتھ بنایا گیا ہے، یہ بھی شریعت کے مطابق نہیں۔

قرآن وسنت کے خلاف یا قرآن وسنت سے متصادم ہونے کے بارے میں چند قوانین بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' صرف حوالہ اور مثال کے طور پر پیش کیے گئے ہیں، ہمارے مقتدر حضرات جو قرآن وسنت سے کسی قانون کے خلاف اور متصادم نہ ہونے کے مدعی ہیں، اگر وہ نیک نیتی اور انصاف کے ساتھ غور وفکر فرمائیں گے تو اس قسم کے قوانین کو قرآن وسنت کے موافق بنانے میں وہ اپنا کردار ادا کرسکتے ہیں، ہاں نیک نیتی، اور اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کی منصبی ذمہ داریوں کا احساس اور دین کی فکر ہونا شرط ہے۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/ 1427ہجری دسمبر/2006ء، جلد3 شمارہ11)

(35)

مذہبی ہم آہنگی اور انتہا پسندی

ایک عرصے سے بعض حلقوں کی جانب سے یہ بازگشت سنائی دے رہی ہے کہ:

انتہا پسندی سے اسلام اور مذہبی دنیا کو سخت اور سنگین خطرات لاحق ہیں، اس وقت بین المذاہب ہم آہنگی کی سخت ضرورت ہے۔

اس قسم کے الفاظ کے ذریعے سے یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ دنیا میں جتنے مذاہب بھی پائے جاتے ہیں، ان سب کو سچ اور حق سمجھنا ضروری ہے، جو لوگ اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکے دار سمجھ کر دوسرے مذاہب کو غلط قرار دیتے ہیں، یا دوسروں کو اسلام کے غلط اور کم زور ترجمان سمجھتے ہیں، انہیں کسی حال میں اس انتہاء پسندی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ہم اعتدال پسندی اور روشن خیالی کو اختیار کر کے ہی اکیسویں صدی کے چیلنجوں سے نمٹ سکتے ہیں، اور مذہبی انتہا پسندی کے عناصر کو ہر قدم پر کچل دیا جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اس بات میں ذرّہ برابر شک کی گنجایش نہیں کہ حقیقی اعتدال پسندی اور روشن خیالی اور وسعتِ نظری، کی جتنی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے، دنیا میں پائے جانے والے کسی مذہب میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام کی اول سے لے کر آخر تک ساری تعلیمات حقیقی اعتدال پر مبنی ہیں، اسلام کی تعلیمات سے ذرا آگے یا پیچھے ہٹنا اور ان میں کانٹ چھانٹ اور کتر بیونت کرنا، دراصل اعتدال سے ہٹنا اور انتہا پسندی وشدت پسندی کی طرف جانا ہے۔

اسی طرح اسلام کے جتنے عقائد ونظریات ہیں، وہ سب کے سب انسان کے دل ودماغ کو روشن اور منور کرنے کے لیے ہیں، ہدایت ہی دراصل حقیقی روشنی ہے، اور اس کے مقابلے میں

ان نظریات وعقائد کو چھوڑ کر دوسرے عقائد ونظریات کو اختیار کرنا ضلالت اور تاریکی ہے۔

پس جو شخص بھی اسلام کی تعلیمات پر جتنی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ نظریاتی وعملی طور پر کاربند ہوگا، وہ اسی درجہ کا حقیقی اعتدال پسند اور روشن خیال قرار دیا جائے گا، اور جو شخص اسلام کی تعلیمات سے جس درجے ہٹا ہوا ہوگا، وہ اسی درجہ کا تاریک خیال اور انتہا پسند اور اعتدال پسندی سے ہٹا ہوا سمجھا جائے گا۔

لہٰذا جو حضرات اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام پر اعتدال پسندی اور مضبوطی کے ساتھ کاربند ہوں، ان پر انتہا پسندی کا الزام عاید کرنا زیادتی ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص مذہبی تعلیمات اور اس کے احکامات میں غلو کرتا ہے اور ان میں اپنی طرف سے خواہ مخواہ کی قیدیں اور شرطیں لگاتا ہے، یا فروعی اختلافی واجتہادی مسائل کو قطعی واجماعی قرار دیتا ہے، تو وہ واقعی انتہاء پسند ہے، جس کو شریعت خود بھی اعتدال سے ہٹنے والا قرار دیتی ہے، اس میں کسی کے فتوے کی ضرورت نہیں، لیکن انتہا پسندی اور شدت پسندی جیسے الفاظ کی آڑ اور سہارا لے کر مذہبی احکامات میں کتر بیونت اور کانٹ چھانٹ کرنے اور اسلامی احکامات کو ان کے درجات سے گھٹانے کی اسلام کسی کو اجازت نہیں دیتا، خواہ وہ کوئی عالمِ دین ہو، یا کوئی حکمران ہو۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کسی کو اسلام اور دینی مذہب پر اجارہ داری اور ٹھیکے داری قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، تو یہ بات بلاشبہ درست ہے۔

لیکن اسلام پر جاگیرداری اور ٹھیکے داری کے اگر یہ معنٰی ہیں کہ اسلام کے صحیح اور ٹھیک احکامات کی ترجمانی اور اس کے مقابلے میں غلط اور غیر اسلامی نظریات واعمال کی نشان دہی کرنے اور بالفاظِ دیگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی، تو یہ دعوٰی خود اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے، اور اس دینی وشرعی اہم ذمہ داری پر جاگیرداری اور ٹھیکے داری کا الزام لگانا ہی دراصل خود اسلام پر جاگیرداری اور ٹھیکے داری قائم کرنا ہے، کیوں کہ

اسلام کے صحیح اور غلط تقاضوں کی نشان دہی کرنا دراصل ایک ذمہ داری اور نگرانی ہے، اس کو ٹھیکیداری اور جاگیرداری کا نام دینا ہی غلط ہے۔

اور یہ بات کسی بھی عقل مند سے مخفی نہیں کہ ہر شعبے اور فن کے ماہرین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس شعبے اور اس فن کی حفاظت کے لیے صحیح اور غلط اصولوں کی نشان دہی کریں، اور اس فن اور شعبے کے حقیقی اور اس کے مقابلے میں نام نہاد ماہرین کی وضاحت کریں، اور صحیح اور غلط تحقیق کا تعین کریں، کیوں کہ اس شعبے اور فن سے تعلق اور نسبت اور ذمہ داری کا تقاضا یہی ہے۔

چنانچہ عدالت میں ہونے والے فیصلوں کے متعلق صحیح اور غلط کی نشان دہی کرنا، ججوں اور وکیلوں کی ذمہ داری سمجھا اور قرار دیا جاتا ہے، کیوں کہ یہی اس فن اور شعبے کے ماہرین ہیں۔

طب اور ڈاکٹری اور انجینئرنگ کے فن میں سامنے آنے والے غلط اور صحیح موقف اور تحقیق کی نشان دہی کرنا، ماہر ڈاکٹروں اور انجینئروں کی ذمہ داری قرار دی جاتی ہے، کیوں کہ یہی اس فن کے ماہرین ہیں۔

تو دنیا کے کسی بھی فن اور شعبے کے ماہرین کی طرف سے اس شعبے میں کیے جانے والے اقدامات کے متعلق غلط اور صحیح کی نشان دہی کرنے والوں پر، جس طرح جاگیرداری اور اجارہ داری کا الزام عاید کرنا، دنیا کے قاعدے اور قانون میں غلط ہے، اور جس طرح دنیا کے کسی فن سے تعلق نہ رکھنے والے لوگ اگر اس فن کے بارے میں کوئی رائے قائم کریں، اور متعلقہ فن کے ماہرین اس کو غلط قرار دیں، لیکن غیر متعلقہ لوگ ماہرینِ فن پر اجارہ اور جاگیرداری کا الزام لگائیں، مثلاً کوئی موچی، انجینئرنگ کے فن دان ماہرین کی رائے کو غلط کہے، جس طرح اس کو غلط قرار دیا جاتا ہے، بعینہٖ یہی معاملہ دین اور مذہب کا بھی ہے کہ جن لوگوں کا یہ شعبہ نہ ہو، مثلاً دینی احکام سے نابلد سیاسی وغیر سیاسی لوگ، ان کا دین و مذہب کے ماہرین، مثلاً اہلِ حق و معتدل علماء پر جاگیرداری اور ٹھیکے داری کا الزام عاید کرنا بھی غلط ہے۔

بہر حال ذمہ داری اور جاگیرداری یا ٹھیکے داری الگ الگ چیزیں ہیں، ان کا مفہوم ایک دوسرے سے مختلف ہے، اوران کے مفہوم کو باہم خلط وملط کرنا غلط ہے۔

اور جہاں تک مذہبی ہم آہنگی کا تعلق ہے، تو بین المذاہب ہم آہنگی کے گول مول الفاظ کی وضاحت ضروری ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اوراس کا کیا مطلب ہے؟

اگر یہ مراداور یہ مطلب ہو، جیسا کہ مستشرقین کا کہنا ہے:

> دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب صحیح اور برحق ہیں، اور جس شخص کا بھی جس مذہب سے تعلق ہو، اس کا یہ تعلق بالکل صحیح ہے، اوراس کواس کے مذہب سے نفرت دلا کر کسی دوسرے مذہب کی طرف دعوت دینا، یا ایک مذہب کے مقابلے میں دوسرے مذہب کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دینا غلط ہے، اورعربی میں اسی مفہوم کو ''تقاربِ ادیان'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

تو یہ مطلب اور یہ مراد کم ازکم اسلام کی واضح تعلیمات کے تو بالکل خلاف ہے، اگر چہ دوسرے مذاہب کے موافق ہو، قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَام (سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ ۱۹)

ترجمہ: بےشک اصل دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے (سورہ آلِ عمران)

اوردوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْه (سورۃ آل عمران، رقم الآیۃ ۸۵)

ترجمہ: اور جو بھی تلاش کرے گا اسلام کے علاوہ دوسرے دین کو، تواس کو قبول نہیں کیا جائے گا (سورہ آلِ عمران)

پس مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جوانسان کو حقیقی وابدی کامیابی کی طرف بلاتا ہے اوراس کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں، ان کے ساتھ تعلق رکھ کرانسان ابدی اور حقیقی ناکامی میں مبتلا ہوتا ہے، مذہب اسلام کے علاوہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا اگراسی مذہب پر

ایمان رکھتے ہوئے فوت ہو جاتا ہے، تو اس کے لیے آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکامی اور عذاب اور رسوائی ہے، تو دوسرے مذاہب کو حق قرار دینا، یہ دراصل دوسرے مذہب والوں کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی ہے اور گویا کہ ان کو جہنم اور عذاب کی دعوت دینا ہے، جب کہ مذہب اسلام ساری انسانیت کو جہنم سے بچا کر جنت کی دعوت دیتا ہے۔

آج کل میڈیا کے ذریعے سے بعض اسلامی چہرے تقابلِ ادیان کے عنوان سے کام کر رہے ہیں، ان کا یہ کام بظاہر تو بڑا خوش نما اور مزین معلوم ہوتا ہے کہ جس مذہب سے تعلق رکھنے والا بھی ان سے کسی اسلامی معاملے کے متعلق سوال و گفتگو کرتا ہے، تو وہ اس کے جواب میں اسی مذہب کے حوالے سے اسلام کی اس بات کا جواب دیتا ہے، جس سے مسلمان خوش ہوتے ہیں کہ اسلام کی ہر بات کو دوسرے مذہب سے ثابت کیا جا رہا ہے۔

لیکن ذرا اس بات کی گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوگا کہ اس میٹھے اور شیریں انداز اور طرزِ عمل میں کتنا خطرناک زہر شامل ہے۔

چنانچہ جب اسلام کی ہر بات کو دوسرے ہر مذہب سے ثابت کیا جائے گا، تو اس کا نتیجہ اور مآل سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب برحق ہیں، اور تمام مذاہب میں وہ سب باتیں پائی جاتی ہیں، جو مذہبِ اسلام میں موجود ہیں۔

حالانکہ اولاً تو تمام مذاہب ہی آسمانی نہیں ہیں، وہ سرے سے ہی خودساختہ ہیں، اور اسلام کے علاوہ جو مذاہب آسمانی بھی ہیں، ان سب میں تحریف ہو چکی ہے، اور کوئی مذہب بھی اپنی اصلی اور حقیقی حالت پر باقی نہیں رہا۔

لہٰذا ان لوگوں کے طرزِ عمل کے بارے میں ہم یہی کہنے پر مجبور ہیں کہ اوپر سے میٹھے اور شیریں انداز میں یہ ''تقابلِ ادیان'' کی شکل وصورت لیے ہوئے ہے، لیکن اندر سے اس کا زہر وہی ہے، یعنی ''تقاربِ ادیان'' اور تقاربِ ادیان کے فتنہ ہی کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ مذہبی ہم آہنگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

پھر مذہبی انتہا پسندی کا جو نعرہ دنیا میں لگایا جارہا ہے، ان لوگوں کے نزدیک اس کا مصداق اور مورد صرف مذہبِ اسلام اور سچے، پکے مسلمان ہیں، حالانکہ دنیا میں سینکڑوں اور ہزاروں مذاہب پائے جاتے ہیں، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں انتہا پسندی کیوں نظر نہیں آتی؟ اور انتہا پسندی کا الزام ہمیشہ اور ہر جگہ مذہب اِسلام کے ساتھ ہی کیوں جوڑا جاتا، اور منتھی کیا جاتا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ کافروں نے عموماً اور مستشرقین (ORIENTALIST) نے خصوصاً دینِ اسلام اور مذہبِ اِسلام کے بارے میں جب دیکھا کہ دینِ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے، جو زندگی کے تمام مراحل کا حل پیش کرتا ہے اور پوری زندگی کا نظام اور ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے، اور مذہبِ اسلام میں کسی بھی اعتبار اور کسی بھی جہت سے کوئی نقص اور کمی نہیں، جو شخص مذہبِ اسلام کے ساتھ پوری طرح وابستہ ہوتا ہے، اس کو دوسرے مذہب والوں کا بہکانا، پھسلانا یا اپنی سازشوں کا حصہ بنانا، یا کسی بھی طرح اپنے ماتحت اور تابع بنانا مشکل ہوتا ہے، اور مذہبِ اسلام ہی دنیا کا ایسا واحد مذہب ہے، جو دنیا میں تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے، اور ہر مذہب اور ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد واشخاص اس کی طرف رجوع کررہے اور مذہبِ اسلام کو قبول کررہے ہیں۔

اس سے ان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو ایک دن وہ آئے گا کہ دنیا پر مذہبِ اسلام والوں کا غلبہ ہوگا، اور ہم مغلوب ہوجائیں گے۔

اس لیے اس کے سدِّ باب کے لیے انھوں نے یہ راہ نکالی کہ مذہبی انتہا پسندی کا شوشہ چھوڑ کر سچے اور پکے مسلمانوں کو بدنام کیا جائے، اور مسلمانوں کے مقتدر حلقوں کو کسی طرح دھوکے میں مبتلا کرکے ان کے خلاف اقدامات کیے جائیں۔

افسوس کہ مسلمانوں کے بہت سے مقتدر حلقے مستشرقین اور کافروں کی اس سازش کا شکار ہوئے، اور خود مسلمان ہوکر اپنے ہی اسلامی اور سچے و پکے مسلمان بھائیوں کے خلاف قولی

وفعلی اقدامات کرنے لگے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے مقتدر اور غیر مقتدر حلقے، سب دشمنانِ اسلام کی ان چالبازیوں سے ہوشیار رہیں، اور اپنے ہی ہاتھوں سے سچے و پکے مسلمان بھائیوں کے خلاف اقدامات کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کی حرکت سے بچیں۔

البتہ ہم یہ بات کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ اسلام کے نام پر بعض نام نہاد شدت پسند بھی اس دور میں موجود ہیں، جن کو متعدد احادیث میں خوارج قرار دیا گیا ہے، ان کی نشان دہی کی بھی ضرورت ہے، جو اسلام کے لیے نہ صرف یہ کہ بدنام کنندہ ہیں، بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی سخت نقصان دہ ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو بیداری اور دور بینی کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ" ذوالحجہ/ 1427ہجری جنوری/ 2007ء، جلد3 شمارہ12)

(36)

مساجدُ اللہ کے انہدام کا مسئلہ

کچھ عرصہ قبل اسلام آباد میں سرکاری ادارے ''سی-ڈی-اے'' کی طرف سے ایک مسجد کو منہدم کرنے اور بعض دیگر مساجد کے انہدام کے سلسلے میں نوٹس جاری کرنے کے نتیجے میں حکومتی اہل کاروں اور عوام، خصوصاً دینی حلقوں کے درمیان سخت کشیدگی کی فضا قائم رہی، اوراسی کے ردِّعمل میں اسلام آباد کے بچیوں کے ایک دینی مدرسے کی طالبات نے بطور احتجاج سرکاری عمارت کو قبضے میں لیے رکھا، جوعلماء اور سیاسی عمائدین وانتظامیہ کے درمیان طویل مذکرات کے بعد ختم کر دیا گیا۔

ہمارے ملک میں مساجد کے انہدام وانتقال کا یہ مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے، حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف علاقوں کی مساجد کو منہدم یا منتقل کیے جانے کا سلسلہ جاری رہا ہے، اگرچہ وہ سلسلہ براہِ راست مساجد ومدارس کو ٹارگٹ بنا کر نہ ہو۔

لیکن پہلے اور موجودہ سلسلوں میں ایک نمایاں فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مختلف اوقات میں جو مساجد کو منتقل یا منہدم کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے اقدامات کیے جاتے رہے ہیں، وہ عموماً اور اکثر وبیشتر گزرگاہوں کو وسیع اور کھلے کیے جانے یا راہ داری بنانے وغیرہ جیسے منصوبوں کے تحت تھے، جن کے بارے میں یہ کہنا مشکل تھا کہ حکومت مساجد ومدارس کو ٹارگٹ بنا کر ایک خاص منصوبہ کے تحت یہ اقدام کر رہی ہے۔

لیکن گزشتہ ایک عرصہ سے بطورِ خاص اسلام آباد شہر میں دینی مدارس ومساجد کے انہدام وانتقال کے عملی سلسلے میں حکومتی اقدامات ،اوراس سلسلے میں مساجد ومدارس کو ملنے والے نوٹسوں سے دینی حلقوں کی طرف سے شدت کے ساتھ یہ بات محسوس کی جا رہی ہے کہ حکومت ایک خاص منصوبہ کے تحت مساجد ومدارس کو یا تو کم زور کرنا چاہتی ہے، یا پھر ان کو

ایسے علاقوں اور خطوں میں منتقل کرنا چاہتی ہے، جس سے ان کا عوام سے رابطہ کم زور پڑ جائے، اور ان کی جدوجہد اور تبلیغ کے اثرات وثمرات محدود ہو کر رہ جائیں، اور عوام تک ان کی رسائی مشکل سے مشکل تر ہو جائے، کیوں کہ دینی حلقوں کی طرف سے حکومتی اقدامات وبیانات کے تناظر میں یہ خدشہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ موجودہ حکومت، علمائے کرام کے عوام سے رابطہ پر خوش دکھائی نہیں دیتی، اور اس کی دینی مدارس ومساجد میں آزادانہ طریقے پر دین کے متعلق ہونے والی سعی اور جدوجہد پر کڑی نظر ہے۔

اسلام آباد جیسے اہم شہر میں جو ملک کا دارالحکومت ہے، عوامی اور مرکزی مقامات پر مساجد ومدارس کے لیے مشکلات پیدا کرنا، اور ان کی راہ میں روڑے اٹکانا، اور ان کے معاشرے پر اثرات وثمرات کو ختم یا کم کرنا، دینی حلقوں اور علماء کے لیے سخت تشویش واضطراب کا باعث ہے، کیوں کہ ایک جہت سے کسی بھی دارالحکومت کے اثرات کا پورے ملک پر اثر پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ ''مساجدُ اللہ'' دراصل اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں، اور مساجد خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہیں، ان میں کسی بھی غیر اللہ کے مالکانہ حقوق نہیں ہوتے، اور مساجد دائمی اور ابدی طور پر وقف ہوتی ہیں، ان کے وقف رہنے کا کوئی ٹائم ٹیبل اور وقت متعین ومحدود نہیں ہوتا، اور مسجد کی جگہ کو مسجد کی حیثیت سے ممکن حد تک قائم ودائم رکھنا، اور کسی دوسرے تصرف میں نہ لانا ضروری ہوتا ہے۔

پھر یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ مسجد چہار دیواری، عمارات اور درو دیوار، یا نقش ونگار اور گنبد ومینار کا نام نہیں اور نہ شرعی مسجد بننے کے لیے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ان کے بغیر بھی زمین کا کوئی حصہ شرعی مسجد بن سکتا ہے، مسجد دراصل اس بقعۂ ارض اور زمین کے اس حصہ کا نام ہے، جسے مسجد کے لیے وقف لِللّٰہ کیا گیا ہے، جب ایک مرتبہ کوئی جگہ شرعی مسجد بن گئی تو تعمیر اور درو دیوار، گنبد ومینار کے ہونے نہ ہونے، قائم رہنے نہ رہنے سے اس کی شرعی حیثیت متاثر نہیں ہو جایا کرتی۔

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً ’’بیتُ اللہ‘‘ زمین کے ایک خاص حصے کا نام ہے، وہ خاص حصہ بیتُ اللہ ہے، اگر خدانخواستہ کسی وقت اس حصہ میں بیتُ اللہ کے درودیوار قائم نہ رہیں (جیسا کہ پہلے بھی ایسے حالات بیتُ اللہ پر پیش آتے رہے ہیں، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بھی بیتُ اللہ کی اپنے زمانہ میں تعمیر فرمائی) تو تب بھی اس جگہ کا حکم، بیتُ اللہ ہونے کا برقرار رہے گا، اور نماز پڑھنے کے لیے وہ حصہ اور جہت قبلہ وکعبہ ہی قرار دی اور سمجھی جائے گی، کیوں کہ بیتُ اللہ اس خاص بقعۂ زمین کا نام ہے، جو تحت الثریٰ سے لے کر عنانِ آسمان تک ہے۔

اسی طرح شرعی مسجد کا بھی معاملہ ہے، لہٰذا جب کوئی جگہ ایک مرتبہ شرعی اصولوں کے مطابق مسجد بن جائے، تو اس کے بعد اس کو کسی اور جگہ منتقل کرنا یا سرے سے منہدم وختم کرنا شرعاً جائز ہی نہیں۔

رہا حکومت کی طرف سے بعض اعذار کا مسئلہ، مثلاً راستہ بنانے اور کشادہ کرنے کی ضرورت کے لیے مساجد کو وہاں سے ختم یا منتقل کرنا، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ جو مسجد شرعاً مسجد ہی نہ بنی ہو، مثلاً عوامی راستہ کے حصہ میں مسجد بنالی گئی ہو یا کسی کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر مسجد کے نام سے کوئی حصہ مخصوص کرلیا گیا ہو، تو اس جگہ کی حیثیت کو ختم کرنے میں کلام ہوسکتا ہے۔

لیکن جو جگہ ایک مرتبہ شرعی اصولوں کے مطابق مسجد بن چکی ہو، اس میں جمہور فقہاء وعلماء کے نزدیک اس طرح کا تصرف کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔

بلکہ ایک مسلمانوں کا ملک ہونے کی حیثیت سے راستے کی وسعت اور اس طرح کے دیگر اعذار کی بنیاد پر جب تک ممکن ہو، مسلم حکومت وانتظامیہ کے لیے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، مثلاً پاکستان کے شہر کراچی میں

قائدِاعظم محمد علی جناح کا مزاراور لاہور شہر میں علامہ اقبال صاحب مرحوم کا مزار واقع ہے، اب اگر حکومت کے منصوبہ کے تحت ان مزاروں کی جگہ کوئی راستہ آرہا ہو، تو مسلم حکومت کبھی بھی جب تک ممکن ہو، اس چیز کو گوارا نہیں کرسکتی کہ ان مزارات کو وہاں سے ختم کردیا جائے، جب کہ شرعی اعتبار سے ضرورت کے وقت پرانی قبروں کو ختم کرکے اس جگہ کو کسی اور مصرف میں لانے کی گنجایش ہے، مگر شرعی مسجد کی جگہ اس طرح کی گنجایش نہیں۔

یہ سب کلام تو شرعی اعتبار سے مساجد کے متعلق تھا، مگر مزارات کے معاملہ میں حکومتی سطح پر ہمیں بالکل اس کے برعکس صورتِ حال نظر آتی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان مسلم حکمرانوں اور انتظامیہ کو مسجد کی شرعی حیثیت سے واقفیت حاصل نہیں، یا پھر مسجد کی عظمت کا صحیح احساس دلوں میں نہیں ہے، ورنہ جس طرح کسی خاص مزار کو کسی منصوبہ میں حائل ہونے کے وقت اس منصوبہ کو تبدیل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح مسجد کے معاملہ میں بھی منصوبہ تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا آج ہماری نظروں میں مساجدُ اللہ اور اللہ کے گھر کی وہ وقعت اور حیثیت بھی نہیں رہی، جو قائدِاعظم اور علامہ اقبال مرحوم کے مزار کی ہے؟

لہٰذا ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو مساجدُ اللہ کی شرعی حیثیت کو سمجھنے اور ان کی عظمت کو اپنے دلوں میں جگہ دینے کی ضرورت ہے۔

آخر اس ملک میں عیسائیوں کے گرجاؤں، ہندوؤں کے مندروں، اہلِ تشیع کے امام بارگاہوں، قادیانیوں کے جماعت خانوں اور سکھوں کے گوردواروں کی بھی مجموعی طور پر بڑے شہروں میں معقول تعداد ہے، لیکن کسی ماسٹر پلان کی راہ میں یہ عبادت خانے سدِ راہ نہیں بنتے، پھر یہ نزلہ، مسلمانوں کی مساجد اور اللہ کے گھروں پر کیوں گرتا ہے؟

اور اگر خدانخواستہ مساجدُ اللہ کی مخالفت اور ان کو ختم کرنا ہی کسی کے نزدیک اس کے منصوبہ کا حصہ ہو، تو یہ طرزِ عمل ملک وملت کے لیے نہایت خطرناک ہے۔

مساجد، اسلام کے شعائر میں سے ہیں، جن کے وجود اور بقاء سے اسلام زندہ وتابندہ ہے، بجائے اس کے کہ مسلم حکومت بطور خود مساجد کے قیام وتعمیر کے سلسلے میں اپنی شرعی ذمہ داریوں کو پورا کرے، اگر عوام خود اپنی مدد آپ کے تحت اس فریضے کو ادا کرتے ہیں، تو مسلم حکومت کی طرف سے اس راہ میں رکاوٹ ڈالنے اور غیر آباد کرنے کی کوشش کرنا، انتہائی نامناسب اور غیر معقول طرزِ عمل ہے، جس کا وبال سخت ہے۔

ساتھ ہی حکومت کے غیر شرعی اقدامات کے ردِّ عمل اور ان کے سدِّ باب کے لیے اہلِ علم حضرات کو بھی اس طرف متوجہ ہونا ضروری ہے کہ انہیں اس سلسلے میں شرعی حدود وقیود اور اپنے مذہب کی ہدایات سے آزاد ہوکر راستہ تلاش کرنے سے گریز واجتناب کرنا چاہیے، اور ہر ایسے طریقہ سے بچنا چاہیے، جو اہلِ علم کی بدنامی کا باعث ہو، نیز مساجد ومدارس میں وعظ وتبلیغ اور تدریس کے ایسے انداز سے بھی بچنا چاہیے، جو حکمت وبصیرت اور مختصراً یہ کہ ''موعظتِ حسنہ'' کے خلاف ہو، اور اس کی وجہ سے ملک وملت میں فرقہ واریت یا شدت پسندی کو ہوا ملے، نیز مساجد کی بناوتعمیر کی جگہ کا انتخاب کرتے وقت شرعی تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فرائض کو سمجھنے اور شرعی حدود وقیود کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

10/صفر المظفر/1428ھجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' محرم/صفر 1428ھجری فروری/مارچ/2007ء، جلد 4 شمارہ 1، 2)

(37)

ہجوم کی وجہ سے حج کی صحیح ادائیگی میں دشواری

اگرایک طرف ہرسال حجاجِ کرام کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد کا سیلاب ہے، تو دوسری طرف حج کے احکام اور مناسک کی صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک ادائیگی کا سلسلہ بھی کم زور پڑتا جارہا ہے، اسی طرح اگرایک طرف انتظامی سہولیات اور جدید وسائل کی فراہمی کی وجہ سے حج کے سفر کی آمدورفت اور قیام وطعام میں بہت سی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں، تو دوسری طرف حج کے احکام ومناسک کی غیر روایتی اور غیر رسمی انداز میں ان کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک ادائیگی مشکل، بلکہ کچھ چیزوں میں ناممکن سی محسوس ہونے لگی ہے۔

اوراس بات میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ آج کل حج کرنے والوں کی تعداد، عام تو بہت ہورہی ہے، مگر حج کی ادائیگی تام (مکمل اور صحیح) نہیں ہورہی۔

حیرت وتعجب کی بات یہ ہے کہ حج جوکہ اسلام کا آخری اور تکمیلی اور سب سے عظیم رکن ہے، اس کے تام (یعنی مکمل اور صحیح) کرنے کی حقیقی کوششوں کی طرف، بہت سے علمی حلقوں کی بھی صحیح توجہ نہیں ہورہی۔

چنانچہ حجاجِ کرام کی بڑی تعداد ہرسال ایسی مشاہدے میں آتی ہے، جس کو حج کے احکام ومناسک کا علم تو درکنار، نماز، روزے کے فرائض کا بھی علم نہیں ہوتا، اوروہ ایک سے زیادہ مرتبہ حج کرکے واپس تشریف لے آتے ہیں۔

خواتین کے لیے سفراورحج وعمرہ کے مناسک کی ادائیگی میں حکم یہ ہے کہ وہ ممکنہ حد تک نامحرم اوراجنبی لوگوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں، لیکن اس وقت یہ پابندیاں مشکل معلوم ہورہی ہیں، قدم قدم پر بے پردگی اور بدنظری میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ نامحرموں کے ساتھ جسم سے جسم لگنے کی نوبت آتی ہے۔

طواف کے دوران ہر چکر میں ایک مرتبہ حجرِ اسود کا استلام سنت ہے، اور اس میں اصل حکم، حجرِ اسود کو براہِ راست منہ سے بوسہ دینے کا ہے، رَش کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہوسکے، تو کسی چیز کو حجرِ اسود پر لگا کر اس کو چومنا، یا دور سے اشارہ کر کے ہتھیلیوں کو چوم لینا، اس کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے، لیکن ہجوم کی وجہ سے سنت کے مطابق استلام کرنا بھی نہ صرف یہ کہ مشکل ہوجاتا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ کئی قسم کی بے اعتدالیاں بھی لازم آتی ہیں۔

طواف کے پہلے تین چکروں میں مرد حضرات کو رَمل کرنا سنت ہے، مگر رَش اور ہجوم کے زمانہ میں طواف کرنے والے حضرات کا جسم باہم ملا رہتا ہے، اور ان کو اس سنت کے ادا کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔

طواف، بیت اللہ کے جتنا قریب رہ کر کیا جائے، اتنی جلدی یہ عمل پورا ہوجاتا ہے اور جتنا فاصلہ زیادہ ہو، اتنا ہی وقت اور محنت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، ہجوم اور رَش کے باعث بیت اللہ کے قریب رہ کر طواف کرنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دور سے اور دوسری وتیسری منزل تک پرے سے بہت سے لوگوں کو طواف کرنا پڑتا ہے، اور مریض ومعذور اور بوڑھے لوگوں کو اس میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔

یہی حال سعی کے عمل میں بھی ہوتا ہے کہ رَش اور ہجوم کے باعث سعی کے عمل کو انجام دینا انتہائی دشوار ہوجاتا ہے، اور دوسری، تیسری منزل تک سعی کرنے والوں کا سلسلہ پہنچا ہوا ہوتا ہے، اور پھر بھی سعی کا سنت کے مطابق اداء کرنا دشوار ہوتا ہے۔

رَش اور ہجوم کے باعث مکہ ومدینہ میں قیام غیر معمولی مہنگا ہوگیا ہے، اور قرب وجوار میں سستی رہائشوں کا ملنا انتہائی دشوار ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہجوم اور رَش کا زمانہ نہیں ہوتا، تو رہائش اچھی اور سستی اور قریب میں حاصل ہوجاتی ہے۔

رَش اور ہجوم کے وقت حرمین شریفین میں نماز کی ادائیگی بہت مشکل ہوجاتی ہے، بلکہ بعض اوقات تو حرمین شریفین میں داخلہ اور خارجہ بھی مشکل ہوجاتا ہے، اور بعض اوقات یہاں تک

نوبت پہنچ جاتی ہے کہ نماز کے فرائض مثلاً رکوع وسجود کی ادائیگی میں بھی دشواری پیش آتی ہے۔

آج کل رَش اور ہجوم کے غیر معمولی زیادہ ہوجانے کے باعث بہت سے حاجیوں کو خیمے، منیٰ کی حدود سے باہر فراہم کیے جاتے ہیں، جب کہ آٹھ ذی الحجہ کی فجر تک منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا سنت ہے، اور تین رات منیٰ میں قیام کرنا سنت اور بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہے، بہت سے لوگوں کی یہ سنت رَش اور ہجوم کی وجہ سے رہ جاتی ہے۔

عرفات میں بھی رَش کے باعث بہت سے آداب وسنن کی بجاآوری بہت مشکل ہوجاتی ہے، وضوخانوں میں بھی اتنا رَش ہوتا ہے کہ قضائے حاجت اور وضو کا عمل بھی انتہائی دشوار ہوجاتا ہے۔

مزدلفہ میں حنفیہ کے نزدیک دسویں رات کا قیام سنت جب کہ صبح صادق کے بعد وقوف واجب اور صبح صادق سے پہلے مزدلفہ پہنچنے والے کے لیے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں جمع کرکے پڑھنا واجب ہے، رَش اور ہجوم کے باعث ان تمام احکام کی بجاآوری بھی مشکل ہورہی ہے۔

ہر سال رَمی کے دوران رَش اور ہجوم کے باعث متعدد اموات واقع ہوتی ہیں، اور حجاجِ کرام کی بہت بڑی تعداد اس خطرہ کے پیشِ نظر جمرات پر رَمی کرنے کے واجب عمل کو چھوڑنے کے جرم میں مبتلا ہوتی ہے۔

حجِ تمتع اور حجِ قران کرنے والوں کو دمِ شکر کے طور پر قربانی کرنا واجب ہے، اور دسویں تاریخ میں پہلے ایک جمرہ کو رمی، اس کے بعد مذکورہ قربانی اور پھر بال کٹا یا منڈا کر احرام سے نکلنا، سنت اور بعض نزدیک واجب ہے۔

مگر ہجوم کے باعث یہ تمام مناسک مسنون طریقہ پر ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، اور خلاف ورزی کی نوبت آتی ہے۔

غرضیکہ حج کا شاید ہی کوئی رُکن ایسا ہو، جسے اس کے صحیح اور مکمل تقاضوں کے مطابق ادا کرنا مشکل نہ ہو رہا ہو، لیکن دوسری طرف حجاجِ کرام کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اس مشکل کے حل کے لیے سرِ دست چند تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

(1)......موجودہ حالات کے پیشِ نظر کثرت سے نفلی حج کرنے والے حجاجِ کرام کو ترغیب دی جائے کہ نفل حج میں رقم خرچ کرنے کے بجائے اس رقم کو غریبوں پر صدقہ کر دیں۔

(2)...... شہرت، فخر، تفاخر اور ریا کاری جو بہت سے لوگوں کے پیشِ نظر ہو گئی ہے، اس سے اپنے آپ کو بچائیں، اور عبادت کی اصل اور حقیقی روح جو کہ اخلاص ہے، اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

(3)...... حج کے احکام و مناسک کی اہمیت اور ان کا علم حاصل کریں، تب حج پر جائیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ"، ربیع الاول/1428ہجری اپریل/2007ء، جلد 4 شمارہ 3)

(38)

طالباتِ جامعہ حفصہ و لال مسجد اسلام آباد انتظامیہ کا طرزِ عمل

گزشتہ کئی ہفتوں سے اسلام آباد میں جامعہ حفصہ اور لال مسجد کی انتظامیہ وطالبات اور حکومت کے درمیان محاذ آرائی اور کشیدگی کی فضا کے پورے ملک پر اثرات نظر آ رہے ہیں۔ بلکہ پوری دنیا کے میڈیا پر دینی مدارس، طلبا وطالبات اور اہلِ علم حضرات موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں، اسی کے ساتھ بہت سے عوام کی طرف سے بھی جامعہ حفصہ و لال مسجد کی انتظامیہ اور طالبات کے اقدامات کے صحیح وغلط ہونے کے بارے میں مسلسل سوالات کیے جا رہے ہیں، اور وہ اس معاملہ کی حقیقت اور شرعی حیثیت اور اس سلسلے میں اہلِ حق علماء اور اکابر کے موقف سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں۔

اگرچہ اس سلسلے میں متعدد اکابر و بزرگانِ دین اور اہلِ علم شخصیات کی طرف سے اچھی طرح وضاحت ہو چکی ہے، لیکن شاید بہت سے حضرات تک ابھی یہ وضاحت نہیں پہنچ سکی، اس لیے ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ان صاحبِ تجربہ وتقویٰ اور جامعہ حفصہ کی طالبات اور منتظمین سے زیادہ صاحبِ علم، صاحبِ تجربہ وتقویٰ اور صاحبِ فتویٰ، ہستیوں کے موقف کو قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں۔

﴿1﴾...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب (صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان) فرماتے ہیں:

”وفاق المدارس نے اپنی عاملہ کا اجلاس اسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اسلام آباد میں طلب کیا، عاملہ نے متفقہ طور پر (مولانا عبدالعزیز صاحب منتظم جامعہ حفصہ سے قبضہ کی ہوئی) لائبریری کو چھوڑنے کی درخواست کی، اور کہا کہ آپ کے مقصد کو حاصل کرنے لیے قوت کا ہونا انتہائی ضروری ہے، جو آپ کے پاس موجود نہیں

اور حکومت جس کا آپ مقابلہ کر رہے ہیں، قوت کے تمام وسائل پر قابض ہے، اس لیے نقصانِ عظیم کا سنگین خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے۔ [1]

جامعہ فریدیہ کے اساتذہ سے ملاقات کے ذریعے ان کا نقطۂ نظر معلوم کیا گیا، تو ایک دو کے علاوہ تمام اساتذہ نے اپنی انتظامیہ کی رائے سے اختلاف ظاہر کیا، اور کہا کہ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ حضرات اپنی ضد چھوڑ دیں، لیکن انھوں نے ہماری بات نہیں مانی............

جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کی انتظامیہ نے وفاق المدارس سے بھی تعلق ختم کر دیا اور وفاق نے بھی اس کے فیصلے مسترد کرنے کی بناء پر الحاق کو ختم کر دینا ضروری قرار دیا۔

پنڈی اور اسلام آباد کے علماء پر برملا عدمِ اعتماد کا اظہار کیا، اور اپنی طرح دوسرے جذباتی اور سطحی سوچ رکھنے والے لوگوں کو خود رائی اور خود فریبی کی دلدل میں لا کھڑا کیا، مخلص اور خیر خواہ اکابر علماء، جو اِن کے ہی نہیں ان کے والد مرحوم کے بھی اساتذہ کے درجے میں ہیں، ان کی درخواست کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا گیا، بلکہ مفتی محمد تقی عثمانی جو جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کے مہتمم مولوی عبدالعزیز کے مرشد اور شیخ ہیں، ان کی بھی کسی بات کا اثر نہیں لیا گیا۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے مولوی عبدالعزیز سے کہا کہ آپ کو جو کچھ کہنا ہے، وہ کہیں، چنانچہ انھوں نے تقریباً آدھ گھنٹہ اپنا نقطۂ نظر بیان کیا، اس کے بعد مولانا عثمانی نے ایک ایک بات کا جواب دیا، اور فیصلہ کیا کہ مولوی عبدالعزیز تم جو کرنے جا رہے ہو، اس سے تمھارا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اور تمھارا یہ اقدام نہ شرعاً درست ہے، نہ عقلاً، نہ قانوناً، اس سلسلے میں جو نقصانات ہوں گے، ان کا خون تمھاری

---

[1] بعد میں ان حضرات کی طرف سے نقصانِ عظیم کے نتائج، دنیا نے دیکھے، کاش کہ اس وقت ہی، بزرگوں کی ان ہدایات پر عمل ہو جاتا۔

گردن پر ہوگا، لیکن مولوی عبدالعزیز پھر بھی نہیں مانے۔ [1]

جامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے نوجوانوں کو یہ سوچ دی ہے کہ اپنی رائے کے سامنے بڑوں اور بزرگوں کی رائے کو بے دھڑک رَد کیا جاسکتا ہے، جو ظاہر ہے کہ مہلک اور تباہ کن سوچ ہے، جس معاشرے میں یہ سوچ پنپتی اور پرورش پاتی ہے، وہ تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہمارے یہاں یہی انداز ہے، اس لیے وہاں اساتذہ اور انتظامیہ کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات روزمرہ میں شامل ہیں، ہمارے اسلاف اور اکابر کا یہ طرز نہیں ہے اور جس نے اس طرز کی مخالفت کی ہے، وہ نقصان میں رہا اور خفت اٹھائی ہے۔ [2]

جامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے اپنی طالبات اور طلبا پر یہ ظلم بھی کیا ہے کہ ان کا تعلیمی سال برباد کر کے رکھ دیا، اس شورش میں تعلیم کا ضیاع یقینی ہے، تعلیم کے لیے یکسوئی لازمی شرط ہے، جو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں، جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کا دعویٰ ہے کہ ہماری یہ تحریک اسلامی نظام کے لیے ہے اور ہم اس کے بغیر چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں، اے کاش...... ایسا ہوتا (روزنامہ اسلام صفحہ 4، 8 اپریل 2007ء) [3]

﴿2﴾...... مولانا زاہد الراشدی صاحب اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ مولانا عبدالعزیز اور ان کے رفقاء نے اس کے لیے نہ

---

[1] ''قلندر ہرچہ گوید، دیدہ گوید'' کا مصداق بن کر، ان حضرات کی ہدایات پر عمل نہ کرنے کے نقصانات، بعد میں ظاہر ہوئے۔

[2] ان حضرات کی اس ہدایت کی مخالفت کے نتائج بھی سب نے دیکھے، لیکن ان باتوں کو اس وقت کے جذباتی حضرات نے غلط قرار دیا۔

[3] یہ تو آپریشن سے پہلے کی بات ہے، جب اس تحریر کے شائع ہونے کے بعد اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا آپریشن ہوا، تو سب نے اپنی آنکھوں سے وہ مناظر دیکھے، جن کو ان اکابر نے پہلے بھانپ لیا تھا، کاش کہ ان اکابر کی ہدایت پر عمل کرلیا جاتا، تو عظیم اور سنگین نقصانات سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

صرف حکومتِ وقت سے بلاوجہ محاذ آرائی اور تصادم کا راستہ اختیار کیا، بلکہ اپنی دینی قیادت اور اکابر کی ہدایت ومشاورت سے انحراف کو بھی ضروری سمجھا، جس نے اس ساری جدوجہد کو شکوک اور شبہات کے دھندلکوں کی نذر کر دیا ہے۔

ہمارے خیال میں اب بھی وقت ہے کہ مولانا عبدالعزیز اور ان کے رفقاء اپنے سابقہ رویے پر اپنے بزرگوں سے معذرت کرتے ہوئے معاملات کی باگ ڈور انھی بزرگوں کے ہاتھ میں دے دیں، جو اِن کے پاس خود چل کر اسلام آباد آئے تھے، تو بگڑی ہوئی بات پھر بن سکتی ہے'' (روزنامہ اسلام بعنوان ''نوائے حق'' 10 اپریل 2007ء صفحہ نمبر 4)

﴿3﴾......مولانا موصوف اپنے ایک اور مضمون میں اس سلسلے میں وفاق المدارس العربیہ کے مورخہ 18,19 اپریل 2007ء کے اعلامیہ کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جامعہ حفصہ اسلام آباد کے لائبریری پر قبضہ کے حوالے سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلسِ عاملہ اپنے اس موقف کا اعادہ ضروری سمجھتی ہے کہ جہاں تک جامعہ حفصہ اسلام آباد کی طالبات اور لال مسجد کی انتظامیہ کے ان مطالبات کا تعلق ہے کہ:

(1) ملک میں اسلامی نظامی کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔

(2) اسلام آباد میں گرائی جانے والی مساجد کو فوری طور پر دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

(3) بدکاری اور فواحش کے اڈے ختم کیے جائیں اور

(4) نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ کی خلافِ اسلام دفعات منسوخ کی جائیں۔

یہ مطالبات نہ صرف یہ کہ درست اور ضروری ہیں، بلکہ ملک کے عوام کے دل کی آواز ہیں، اور دستورِ پاکستان کا ناگزیر تقاضا ہیں، اس لیے یہ اجلاس ان مطالبات

کی مکمل حمایت کرتے ہوئے حکومت پر زور دیتا ہے کہ وہ اپنے اسلامی اور دستوری فرائض کی پاس داری کرتے ہوئے، ان کی منظوری کا اعلان کرے، اور ان پر عمل درآمد کے لیے عملی اقدامات کا آغاز کرے۔

البتہ اس سلسلے میں جامعہ حفصہ اسلام آباد کی طالبات اور لال مسجد کے منتظمین نے جو طریقِ کار اختیار کیا ہے، اسے یہ اجلاس درست نہیں سمجھتا، اور اس کے لیے نہ صرف وفاق المدارس العربیہ کی اعلیٰ قیادت خود اسلام آباد جا کر متعلقہ حضرات سے متعدد بار بات چیت کر چکی ہے، بلکہ ''وفاق'' کے فیصلہ اور موقف سے انحراف کے باعث جامعہ حفصہ کا ''وفاق'' کے ساتھ الحاق بھی ختم کیا جا چکا ہے۔

یہ اجلاس وفاق المدارس کی اعلیٰ قیادت کے موقف اور فیصلہ سے جامعہ حفصہ اسلام آباد اور لال مسجد کے منتظمین کے اس انحراف کو افسوسناک قرار دیتا ہے''

(روزنامہ اسلام، بعنوان ''نوائے حق'' 22 اپریل 2007ء صفحہ نمبر 4)

امید ہے کہ موجودہ حالات میں اکابر اہلِ علم حضرات کا موقف صحیح طرح سمجھ آ گیا ہوگا۔ [1]

اللہ تعالیٰ راہِ حق واعتدال پر چلنے توفیق عطاء فرمائے۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ''، ربیع الآخر/1428ہجری مئی/2007ء، جلد 4 شمارہ 4)

---

[1] یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ مذکورہ تحریر ''جامعہ حفصہ، اسلام آباد'' اور ''لال مسجد'' میں آپریشن سے پہلے شائع ہوئی تھی، بعد میں اس کے نتائج سو فیصد، وہی نکلے، جس کا اکابرو بزرگوں کو سنگین خطرہ تھا۔

(39)

مسائلِ حج پر ایک عظیم الشان فقہی مجلسِ مذاکرہ

مؤرخہ 13، 14 ربیع الآخر 1428ھ بمطابق 1، 2 مئی 2007ء بروز منگل وبدھ، جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں ایک عظیم الشان فقہی مجلسِ مذاکرہ ومشاورہ منعقد ہوئی، جس کا اہتمام جامعہ ھٰذا کے منتظمین، خصوصاً جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہم نے کیا تھا۔

اس مجلس کے انعقاد کا اعلان منتظمین جامعہ کی طرف سے کافی پہلے ہو چکا تھا، اور منتظمینِ جامعہ کی طرف سے مجلس میں شرکت کے لیے بڑی تعداد میں مندوبین کو شرکت ومقالات کی تیاری کے سلسلے میں دعوت نامے بھی جاری ہو چکے تھے۔

یہ مجلس دراصل ایک فقہی مذاکرہ ومشاورہ کے طور پر منعقد کی گئی تھی، جس میں حج سے متعلق بعض اہم مسائل پر اجتماعی غور وفکر ہونا تھا۔

اس مجلس کے لیے جن مسائل پر اہلِ علم وفقہ اور خاص کر اربابِ افتاء ودار الإفتاء کو غور وفکر اور مقالات پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

وہ مجموعی اور بنیادی طور پر درجِ ذیل دو مسائل تھے:

(1)...... موجودہ زمانے میں حجاجِ کرام کے لیے منیٰ ومزدلفہ میں قصر واقامت اوران مقامات کے اقامت کے سلسلے میں مکہ شہر کے تابع ہونے نہ ہونے کا مسئلہ۔

(2)...... حجاجِ کرام کی بڑی تعداد اور رش کے زمانہ میں دس ذی الحجہ کو حج کے تین اہم اعمال (رمی، قربانی، حلق یا قصر) میں ترتیب کے واجب ہونے نہ ہونے کا مسئلہ۔

اوراسی دوسرے مسئلے کے ضمن میں سعودی بینک سے حج کی قربانی کرانے کے جائز وناجائز ہونے کا مسئلہ بھی تھا“

اگرچہ رمضانُ المبارک میں حنبلی مسلک سے تعلق رکھنے والے وہ امام کہ جو وتروں میں دوسری رکعت پرسلام پھیر دیتے ہیں، اُن کی اقتدا میں حنفی مسلک سے تعلق رکھنے والے مقتدی کی نماز کے درست ہونے نہ ہونے کے مسئلے پر بھی اس مجلس میں بحث کا امکان تھا، لیکن وقت کی تنگی اورمقالات کی کثرت کے باعث یہ مسئلہ زیرِ بحث نہیں آ سکا۔

البتہ پہلے دومسائل پرمجلس میں بحث ہوئی۔

مجلس میں شریک ہونے والے مندوبین کی تعداد تقریباً 58 علمی شخصیات پر مشتمل تھی، جن میں ملک بھر کے علاوہ چار مندوبین بیرون ملک ”جنوبی افریقا، بنگلہ دیش، مکہ مکرمہ“ سے بھی تشریف لائے تھے۔

مکہ مکرمہ، سعودی عرب سے مولانا سیف الرحمٰن صاحب المہند مدرس مدرسہ صولتیہ، اور مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب، اور بنگلہ دیش سے مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب اورجنوبی افریقا سے مولانا مفتی رضاء الحق صاحب نے شرکت فرمائی۔

ملک کی معروف فقہی شخصیات میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اورمولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے علاوہ صوبہ سرحد(موجودہ خیبر پختون خوا) پنجاب، بلوچستان اور سندھ، چاروں صوبوں کے اہم مدارس ودینی اداروں سے علمی شخصیات نے مجلس کو رونق بخشی۔

مندوبین کی آمد ورفت اور قیام وطعام کا جامعہ کی طرف سے عمدہ اورقابلِ قدر انتظام کیا گیا، مہمانوں کے استقبال اور ضیافت میں غیر معمولی اکرام مشاہدے میں آیا، جس پر جامعہ کے کارکنان، وخدام خصوصاً جامعہ کے صدر محترم اوراس مجلس کے روحِ رواں اورخاص منتظم مفتی امداداللہ صاحب قابلِ صد مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللّٰھم زِد فزِد.

اس فقہی مجلس کا انعقاد جامعہ کے قریب مدرسۃُ البنات کے ذیلی ہال میں کیا گیا تھا، جہاں

جملہ مندوبین وشرکا کی نشستوں کوسلیقہ کے ساتھ نامزد کر کے متعین کیا گیا تھا، اور ہر شریک کو گفتگو کرنے کے لیے مستقل مائیک کی سہولت بھی مہیا کی گئی تھی۔

اس مجلس کی پہلی نشست یکم مئی بروز منگل صبح نو بجے منعقد ہوئی، جس کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔

جس کے بعد جامعہ کے صدر جناب حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب نے مجلس کے انعقاد کی ضرورت واہمیت پر مختصر روشنی ڈالی ،اورمندوبین کی دوردراز سے شرکت وتشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

بحث میں حصہ لینے کی ترتیب کچھ یوں تھی:

> مجلس کے منتظمین کی طرف سے مقالہ نگار حضرات کے مقالوں کے موقف ومدعا کو اجمالی انداز میں یک جا جمع کرلیا گیا تھا، جس کے لیے منتظمِ مجلس کی طرف سے نمبروار نام کے ساتھ ان کا متعلقہ مسائل پر اجمالی موقف پیش کر کے متعلقہ شخصیت کو اپنے موقف پر مختصر زبانی روشنی ڈالنے کا موقع فراہم کیا جاتا تھا۔

پہلی نشست میں یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا، ظہر تک یہ مجلس جاری رہی، ظہر کے بعد طعام وآرام کا وقت فراہم کیا گیا اور دوسری نشست شام پانچ بجے منعقد ہو کر بعد عشاء تک جاری رہی، درمیان میں نمازوں کے اوقات میں نماز بھی باجماعت ادا کی گئی۔

اس مجلس کی تیسری اور آخری نشست اگلے روز صبح نو بجے منعقد ہوئی جو ظہر تک جاری رہی۔

اس مجلس میں صدر وفاق المدارس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے بھی شرکت فرمائی، اور چند کلمات ارشاد فرمائے۔

چونکہ مجلس میں زیرِ بحث آنے والے مسائل پر شرکا کے موقف میں اختلاف تھا، اس لیے ایسے اجمالی موقف کو نکالنا مشکل معلوم ہو رہا تھا، جس پر تمام شرکا کا اتفاق ہو سکے۔

غیر معمولی غور وفکر کے بعد چند اکابر کی مشاورت سے ایک دس رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی، جس

میں باہم مختلف موقف رکھنے والی شخصیات کو بطورِ خاص شامل کیا گیا تھا، اس کمیٹی میں قابلِ ذکر شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی تھی۔

دس رکنی اس کمیٹی نے کافی غور وخوض کے بعد زیرِ بحث مسائل پر اپنی طرف سے تحریر مرتب کر کے شرکا کی خدمت میں پیش کی، جسے تمام شرکا کو پڑھ کر سنایا گیا، اور تھوڑی بہت ترمیم واضافہ کے بعد کمیٹی کی طرف سے اس کو حتمی شکل دے دی گئی۔

پہلے مسئلے پر کیوں کہ غیر معمولی اختلاف تھا، اور اس میں کچھ اُمور کی علمی اور واقعاتی تحقیق کی بھی ضرورت تھی، اس لیے اس مسئلے کو اُن علمی اور واقعاتی تحقیق مکمل ہونے پر معلق چھوڑ دیا گیا، اور کمیٹی نے یہ بھی طے کیا کہ منیٰ، مزدلفہ کے مکہ کی آبادی کے ساتھ تعلق واتصال اور وہاں کا عرف معلوم کرنے کے لیے ایک وفد وہاں بھیجا جائے گا، جو بعد مشاہدہ ومعائنہ اپنی رائے سے جلد ہی آگاہ کرے گا، جس کے بعد اس رائے کو شرکا کی خدمت میں ارسال کر دیا جائے گا۔

دس ذی الحجہ کے اعمال کی ترتیب کے متعلق مندجہ ذیل قرارداد، دس رکنی کمیٹی کی مشاورت سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اپنے قلم سے تحریر فرمائی:

> رَمی، ذبح اور حلق میں ترتیب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور باقی حضرات کے نزدیک سنت، لہٰذا تمام حجاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اس ترتیب کا پورا لحاظ رکھیں، بالخصوص ذبح سے پہلے حلق نہ کریں، کیوں کہ نصِ قرآنی:
>
> ”وَ لَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ“
>
> اس کو بالکل ناجائز قرار دیتی ہے، اور اس غرض کے لیے حج کے گروپس کو تاکید کی جائے کہ وہ اپنے گروپ کے لوگوں کے لیے قربانی کا انتظام کریں، تاکہ قربانی یقینی طور پر حلق سے پہلے ہو، تاہم اگر کسی شخص سے ناواقفیت، یا کسی شدید عذر کے

تحت مذکورہ بالا ترتیب کی مخالفت (ہو) تو وہ توبہ و استغفار کرے اور صاحبِ وسعت ہو تو دَم بھی دے، البتہ جو غریب حاجی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کے لیے صاحبین اور جمہور کے مذہب پر عمل کی گنجائش ہے'' [1]

نیز اس کمیٹی کی طرف سے سعودی بینک سے (دَمِ تمتع، وقران) کے متعلق بینک کے ذمہ داران اور آزاد ذرائع سے ان کی قربانی کے طریقۂ کار سے متعلق چند اُمور کی تحقیق کرنے لیے چند سوالات مرتب کیے گئے، اور ان اُمور کی تحقیق ہونے تک اس سلسلے میں مزید کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے اجتناب کیا گیا۔

البتہ اس مجلس میں مناقشہ کی تشنگی اکثر شرکا کو باقی رہی۔

اور اس طرح یہ دو روزہ بابرکت فقہی مجلسِ مذاکرہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی مبارک ومؤثر دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

جامعہ کی طرف سے مندوبین کو اس فقہی مجلسِ مذاکرہ کے اختتام پر چند مخصوص قیمتی کتابوں وغیرہ کی شکل میں تحائف بھی پیش کیے گئے۔

یہ مجلس اس اعتبار سے قابلِ قدر تھی کہ کم از کم میری یادداشت کی حد تک ہمارے ملک میں ایک بڑے علمی ودینی ادارہ کی طرف سے وسیع پیمانہ پر منعقد کی گئی، یہ پہلی مجلس تھی، جس میں اکابر کی صحبت سے اصاغر کو استفادے کا موقع ملا، اور کسمپرسی اور انتشار وافتراق کے دور میں علماء کو باہم مذاکرات کی دولت نصیب ہوئی۔

اگر اس قسم کی مجالس کا ملکی سطح پر وقتاً فوقتاً انعقاد ہوتا رہے، اور مجلس کے کام کو مؤثر بنانے کے

---

[1] ملحوظ رہے کہ ایامِ نحر کے مذکورہ اعمال میں ترتیب کے وجوب کا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم واجب ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگردانِ رشید حضرت امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم واجب نہیں۔

اور موجودہ حالت میں اور دلائل کے پیشِ نظر بعض حضرات کی رائے ترتیب کے سنت ہونے کی ہے، بندہ کا اپنا ذاتی موقف بھی یہی ہے، جس کی تفصیل بندہ نے اپنے ایک مستقل مضمون میں ذکر کر دی ہے۔ محمد رضوان۔

لیے ایک لائحۂ عمل مرتب کرلیا جائے، تو بہت سے اہم اور امت کے اجتماعی پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسائل کے حل ہونے میں مدد اور سہولت حاصل ہوسکتی ہے۔

بندے کو اس مجلس میں شریک ہوکر اس قسم کی فقہی مجلسِ مذاکرہ کے کام کو مؤثر و مفید اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے جو ترتیب ذہن میں آئی، وہ ذیل میں عرض کی جاتی ہے:

اس قسم کی مجلسِ مذاکرہ کے لیے پہلے سے چند فقہی ذوق رکھنے والے اکابر و محققین پر مشتمل چندرکنی کمیٹی تشکیل دے دی جائے، جو جملہ مقالہ نگار حضرات کے مقالہ جات کو اپنے موقف سے قطع نظر کرتے ہوئے، ملاحظہ کرکے ان کے دعوے اور دلائل کا خلاصہ جمع کرے، اور پھر اس کمیٹی کے تجویز کردہ طریقہ کے مطابق قابلِ تحقیق و تنقیح نکات پر بحث ومناقشہ کی شرکا کو دعوت دی جائے، اور پھر یہی کمیٹی مناقشہ اور بحث و تمحیص کے بعد قرارداد تحریر کرکے شرکا کی خدمت میں پیش کرے۔

اس طریقۂ کار پر عمل کرنے سے بندے کے خیال میں تضیعِ اوقات اور کئی دیگر قابلِ احتراز اُمور سے حفاظت کے ساتھ ساتھ، کام کے تام اور عام ہونے میں بھی کافی حد تک مدد حاصل ہوسکتی ہے، اور تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہوسکتا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کے پیچیدہ واہم مسائل پر امت کو اجتماعی غور وفکر کے لیے زیادہ سے زیادہ موثر و مفید مواقع نصیب فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1428ہجری جون/2007ء، جلد4 شمارہ5)

(40)

کیا قدرتی آفات وبلیات کی روک تھام ممکن ہے؟

پوری دنیا عموماً اور وطنِ عزیز ''پاکستان'' خصوصاً، گزشتہ چند سالوں سے قدرتی آفات، اور ناگہانی بلیات کی زد میں ہے۔

ایک آفت ومصیبت کے اثرات ختم بلکہ کم نہیں ہوتے کہ اس سے بڑی آفت ومصیبت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔

تقریباً پونے دوسال پہلے آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) میں تباہ کن زلزلہ سے پورا ملک شدید متاثر ہوا۔

ابھی اس کمر توڑ اور عظیم سانحے کے زخم پوری طرح مندمل نہ ہوئے تھے کہ اس سال موسمِ سرما میں معمول سے کہیں زیادہ بارشوں اور برف باریوں کے نتیجے میں ملک کے بالائی حصوں میں کاروبارِ زندگی بری طرح متاثر ہوا، اور ریکارڈ توڑ برف باری سے غیر معمولی جانی ومالی نقصان ہوا، اور گلیشیر کے گرنے، پگھلنے سے کئی علاقے متاثر ہوئے۔

اس کے بعد موجودہ عشرے کے آغاز پر ملک کو مسلسل خشک سالی اور پانی کے بحران کا سامنا رہا، موسم کی بے اعتدالی کے باعث پہاڑوں پر موجودہ برف کے تودے گرنے اور برف کے پگھلنے سے شمال مغرب کے کئی علاقے تباہ ومتاثر ہوئے۔

بالائی علاقوں سے آنے والے دریاؤں میں زبردست سیلاب اور طغیانی آئی، جس کے نتیجے میں سینکڑوں آبادی والے علاقے، سیلاب میں بہہ گئے، اور تیار فصلیں تباہ ہوگئیں۔

پھر اس کے بعد مون سون کی حالیہ بارشوں اور طوفان سے ملک کے جنوبی علاقوں میں زبردست تباہی ہوئی۔

ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ایک ہی دن کی بادوباراں وطوفان سے تین سو سے

زائد افراد موت کا لقمہ بن گئے اور زبردست سمندری طوفان کی پیشین گوئیوں سے لوگوں میں خوف وہراس پھیلا رہا، طوفانی بارش اور تیز وتند ہوا کے اثر سے درخت جڑوں سے اکھڑ گئے اور بجلی کے کھمبے اور تار ٹوٹ گئے ، جگہ جگہ پانی بھرے رہنے اور اندھیرے کی وجہ سے نظامِ زندگی میں خلل وتعطل پیش آتا رہا۔

ابھی چند دنوں سے کراچی شہر ہی کے بارے میں سمندری طوفان کی پیشین گوئی کی گئی ، اور لوگوں کو باور کرایا گیا کہ وہ سمندری حدود سے فاصلے پر چلے جائیں اور قریبی وکم زور بلڈنگوں کو خالی کر دیں، اور ساتھ ہی ساتھ بعض رہائشی علاقوں کے متعلق پیشین گوئی کی گئی کہ سمندری طوفان کے باعث، ان علاقوں میں اٹھارہ فٹ کی بلندی تک پانی جمع ہوسکتا ہے، اس خطرہ کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔

ملک کے رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبے ''بلوچستان'' اور سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) کے بعض علاقوں میں زبردست تباہی اور آزمایش کا سامنا ہے، لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں، تیار شدہ کھڑی فصلیں سیلاب سے ضائع ہوگئی ہیں، لاکھوں افراد کا گھر بار، ساز وسامان پانی میں بہہ چکا، یا ناکارہ ہو چکا ہے، اور تا حال لوگوں کی بڑی تعداد کھلے آسمان تلے رات گزار رہی ہے۔

ایسے مواقع پر حکمران ہمیشہ یہ کہہ کر بات ختم کر دیتے ہیں کہ:

''یہ قدرتی آفات وبلیات ہیں، جن کو روکنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں''

دوسری طرف سائنس دان ان آفات وبلیات کے ظاہری موسمیاتی ، ارضیاتی اور سائنسی اسباب وعوامل بتلا کر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

یہ تمام باتیں اپنی جگہ ہیں، ہمیں ان سے بحث نہیں، اور بحث کی اس لیے ضرورت بھی نہیں کہ مادیت پرستی کے اس موجودہ دور میں ان چیزوں پر بحث کی اتنی گرم بازاری ہے کہ مزید سننے سے تضیعِ اوقات کے علاوہ روحانیت کے مزید کم زور ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس لیے موجودہ صورتِ حال میں ہم ان قدرتی آفات وبلیات کے باطنی وروحانی عوامل واسباب پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیات، صحیح احادیث وروایات، بزرگانِ دین کے ارشادات، تاریخی واقعات اور ماضی کے تجربات ومشاہدات، اس چیز پر روزِ روشن کی طرح گواہ ہیں کہ روئے زمین پر رونما ہونے والے حادثات، قدرتی آفات اور ناگہانی آفات ومصائب کا انسانی زندگی کے اعمال وافعال سے بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔

گزشتہ کئی قومیں بھی بداعمالیوں کے باعث زلزلوں اور طوفانوں کے ذریعے ہلاک کی جاچکی ہیں، جن کے واقعات قرآن وحدیث میں عبرت وبصیرت کے لیے موجود ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں بداعمالیوں کے عام ہوجانے کے باعث چودہ سوسال پہلے مختلف قسم کے عذابات کی پیشین گوئیاں بیان فرمادی ہیں، جن میں زلزلے اور طوفانوں کا بطورِ خاص ذکر ہے، اور ساتھ ہی مخصوص بداعمالیوں کی بھی نشان دہی فرمادی ہے۔

اور احادیث میں بیان کی ہوئی بداعمالیاں آج ہمارے ملک ومعاشرہ میں عام ہیں، موسیقی، بے حیائی، عریانی، فحاشی، شراب نوشی، ناچ گانا، بخل، سود، جوا، رشوت، کم ناپنا، کم تولنا، جھوٹ، دھوکا دہی، قتل وغارت گری، غصب، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی وغیرہ وغیرہ، وہ کون سا گناہ نہیں، جو اِس معاشرے میں موجود نہ ہو، اور روز بروز ان گناہوں میں اضافہ ہی محسوس ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

یہ گناہ اور اس کے نتیجے میں قدرتی آفات وبلیات جہاں ایک طرف قربِ قیامت کا پتہ دے رہی ہیں، وہاں انسانوں کو توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کی بھی دعوت دے رہی ہیں۔

افسوس کہ ان قدرتی آفات وبلیات جن کے روکنے اور ان سے محفوظ رہنے کا نسخہ چودہ سو سال پہلے انسانوں کو دے دیا گیا تھا، اور اچھے وبرے اعمال کی شکل میں ان کو اختیار بھی فراہم

کر دیا گیا تھا، اس کی طرف تو توجہ نہیں کی جا رہی، اور آفات و بلیات کا شور مچایا جا رہا ہے، جب آگ لگی ہوئی ہو تو نرا شور مچا دینے سے وہ آگ بجھا نہیں کرتی، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ آگ کو ایندھن بھی وافر مقدار میں فراہم ہو رہا ہو۔

یہی حال ہماری بداعمالیوں کے ایندھن اور آفات و بلیات کی آگ کا بھی ہے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ.

اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اپنے اعمال کی اصلاح اور توبہ واستغفار کا اہتمام کر کے قدرتی آفات و بلیات کی روک تھام ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1428ہجری جولائی/2007ء، جلد4 شمارہ6)

---

(41)

اسلام آباد میں سائلنس آپریشن کے بعد

وطنِ عزیز میں جنرل مشرف صاحب کی موجودہ حکومت کی طرف سے اسلام آباد لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں آٹھ دن تک سائلنس آپریشن جاری رہنے کے بعد ختم ہونے کو تقریباً ایک ماہ ہونے والا ہے۔

لیکن جس طرح آپریشن سے پہلے دینی مدارس اور علماء، ذرائع ابلاغ پر موضوعِ بحث بنے ہوئے تھے، اسی طرح آپریشن ہونے کے بعد بھی نہ صرف ملک بھر میں بلکہ پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ پر تا حال دینی مدارس وعلماء، زیرِ بحث ہیں اور جس کی زبان وقلم پر جو کچھ آرہا ہے وہ کہنے اور لکھنے سے گریز نہیں کررہا۔

آج کل تو ہمارے یہاں جو سانحہ یا واقعہ بھی وجود پذیر ہوتا ہے، اس پر تبصرے وتجزیے کرنے میں ہر ایک ہی اپنے آپ کو مجتہد اور عقلِ کُل کا مالک خیال کرتا ہے۔

افسوس اس چیز کا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں اس طرح کا یہ پہلا موقع ہے کہ اتنے جارحانہ، کھلے اور اجتماعی انداز میں دینی مدارس، مساجد اور طلبا وعلماء کو موضوعِ بحث بنا کر ہر شخص اس بہتے دریا میں ہاتھ دھونے کی کوشش کررہا ہے۔

اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑا روحانی نقصان ہے، جس کے نتائج کا مسلمانوں کو ابھی تک پوری طرح احساس نہیں۔

اگر لال مسجد و جامعہ حفصہ کے واقعہ کو ایک واقعے کے طور پر لیا جاتا، اور اس واقعہ کے منفی ومثبت پہلوؤں میں دیگر مدارس وعلماء کو شامل نہ کیا جاتا، تو معاملہ اتنا آگے نہ بڑھتا، لیکن اس واقعہ کو بنیاد بنا کر تمام دینی مدارس اور علماء وطلبا کو تنقید کا ہدف، ٹارگٹ اور موضوعِ بحث بنایا جا رہا ہے، جو کہ درست طرزِ عمل نہیں۔

مساجد، دینی مدارس و جامعات اور علماء و طلبا کا احترام اور اس کی عظمت ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

لہٰذا مدارس و جامعات اور مساجد، وعلماء کی شان میں زبان درازی کا سلسلے بند ہونا ضروری ہے۔

لال مسجد و جامعہ حفصہ انتظامیہ کے طرزِ عمل کو اگر کوئی درست نہیں مانتا، مگر ان کے موقف ومطالبات سے اتفاق رکھتا ہے، تو یہ کوئی بُری بات نہیں، اس کی بار بار وضاحت خود وفاق المدارس کی اعلیٰ قیادت اور اہلِ علم اکابر حضرات کی طرف سے بھی کی جا چکی ہے اور اب تک کی جا رہی ہے۔

دوسری طرف جنرل مشرف صاحب کی حکومت نے لال مسجد و جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کے طرزِ عمل پر جو جارحانہ ردِّ عمل اختیار کیا اور نہتے معصوم بچوں اور خواتین پر ظلم وستم کی جو سیاہ تاریخ رقم کی، اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے، وہ کم ہے۔

ایک مسلمان ملک کے حکمرانوں کا علماء، دینی طلبا و طالبات اور مدرسہ و مسجد کے خلاف طاقت کا اس طرح اندھا دھند استعمال، اور اس سلسلے میں اسلامی ملک کی ان افواج کا استعمال، جو کافروں سے جہاد اور ملکی دفاع کرنے کے لیے مقرر ہیں، کوئی نیک فال نہیں۔

ان سب چیزوں کے علاوہ ایک فضا جو اس وقت ملک میں قائم کر دی گئی ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی حملے، بم دھماکے وغیرہ کا حادثہ رونما ہو، اس کو لال مسجد سے جوڑ دیا جائے، یا دیگر دینی مدارس وعلماء سے اس کو وابستہ کر دیا جائے، یہ بھی سخت قابلِ تشویش صورتِ حال ہے۔

کیوں کہ اس قسم کا ماحول بن جانے اور فضا قائم ہو جانے کے بعد درپردہ اس ماحول اور فضاء کی آڑ و اوٹ میں کئی عناصر اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے اور ذاتی جھگڑے نمٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

جیسا کہ ماضی میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ذاتی جھگڑے نمٹانے کے لیے بے شمار

لوگوں کو موت کی بھینٹ چڑھایا گیا، ملک دشمن عناصر نے در پردہ خوب دہشت گردی کر کے خون کی ہولی کھیلی، اور ہماری قیادت ایک خاص ذہن بن جانے اور خاص فضا قائم ہو جانے کے باعث ایسے ہر موقعے پر کسی بے گناہ مخصوص جماعت یا طبقے کے افراد کو اس کا ہدَف بناتی اور ملزم ٹھہراتی رہی۔

اس صورتِ حال پر اہلِ علم و اہلِ سیاست و قیادت سمیت سب مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

تا کہ ہر قسم کی بے اعتدالی سے محفوظ رہا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال کو سمجھنے اور اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1428ہجری اگست/2007ء، جلد4 شمارہ7)

(42)

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی حیثیت

رمضانُ المبارک کے بابرکت مہینے کی آمد آمد ہے، گزشتہ سال رمضانُ المبارک 1427ھ / 2006ء اور اس کے بعد عیدالفطر 1427ھ/ 2006ء کے چاند کے موقع پر ہمارے ملک میں غیر معمولی انتشار وافتراق اور خلفشار سامنے آیا تھا۔

خصوصاً عیدالفطر کے چاند کے موقع پر یہ کیفیت زیادہ سنگین ہوگئی، اور پاکستان کے بعض حصوں میں تین دن عیدیں ہوئیں۔

ہمارے ملک میں خاص طور پر صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) والوں کا تقریباً ہر سال ہی مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ساتھ اختلاف ہوتا ہے، اور ہمیشہ کم از کم ایک دن پہلے کے فرق کے ساتھ رمضان کا آغاز کیا جاتا ہے، اور اسی فرق کے ساتھ بعض علاقوں میں عید منائی جاتی ہے، اور حیرت اس پر ہے کہ دیگر مہینوں میں یہ اختلاف سامنے نہیں آتا، صرف رمضان اور عید کے مہینوں پر ہی اس صوبہ کے لوگوں کو اختلاف ہوتا ہے، جب کہ باقی تین صوبوں میں اس قسم کی صورتِ حال پیدا نہیں ہوتی، اور عام طور پر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق بغیر کسی اختلاف وانتشار کے اجتماعی طور پر رمضان کا آغاز واختتام اور عیدین کے معمولات انجام دیے جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں حکومت کی طرف سے پورے ملکِ پاکستان کے لیے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم ہے۔

لیکن اس کی شرعی حیثیت سے ابھی بعض اہلِ علم کو بھی واقفیت نہیں، چہ جائے کہ عوامُ الناس کو واقفیت ہو۔

اس لیے اہلِ علم حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی شرعی حیثیت طے کرکے اس سے عوامُ

الناس کو آگاہ کریں۔

اسی غرض سے مورخہ 29 / جمادی الاخریٰ 1428ھ۔15 / جولائی 2007ء بروز اتوار ادارہ غفران، راولپنڈی میں پاکستان کی مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے اوراس کی شرعی حیثیت پر بعض اہلِ علم حضرات کا اجتماعی طور پر غوروفکر کے لیے ایک مختصر اجتماع ہوا، جس میں غوروفکر کے بعد مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہی اجلاس متعلقہ رؤیت ہلال منعقدہ مورخہ 29/6/28ھ 15/7/07ء اتوار

ادارہ غفران میں منعقد ہونے والے اس اجلاس میں یہ بات منقح ہوئی، جس پر شرکا کو اتفاق واطمینان ہے کہ:

مملکتِ خداداد پاکستان کی موجودہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی جو رمضان وعیدین اوردیگر قمری مہینوں کے چاند کے نظر آنے کا فیصلہ کرتی ہے، اس کی حیثیت قضائے قاضی کی ہے، جو ملک کے باشندگان کے لیے حجتِ شرعیہ ہے، اس لیے اس کے برخلاف باشندگانِ ملک کا انفراداً یا کسی متوازی کمیٹی کے فیصلے کی بنیاد پر چاند کی رؤیت کا عمومی فیصلہ صادر کرنا، بالخصوص عید کروا کر روزہ چھڑانا درست نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی واضح ہے کہ زونل کمیٹی کے پاس رؤیت کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

(1)......دستخط

(مولانا) محمد زاہد (صاحب، نائب مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)

(2)......دستخط

انجینئر (ر) بشیر احمد بگوی (صاحب، ماہرِ فنِ میراث وفلکیات)

(3)......دستخط

(مفتی) محمد رضوان (صاحب، مدیر ومفتی ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی)

(4)......دستخط

(مفتی) محمد انس (صاحب مہریہ کالونی پشاور روڈ، راولپنڈی)

(5)......دستخط

(مفتی) ریاض محمد (صاحب، دارلافتاء دارالعلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی)

(6)......دستخط

(مفتی) شکیل احمد غفرلہ الصمد (صاحب، استاذ و مفتی جامعہ محمدیہ، چائنہ چوک، اسلام آباد)

(7)......دستخط

(مفتی) محمد امجد حسین (صاحب، معین مفتی واستاذ، ادارہ غفران، راولپنڈی)

(8)......دستخط

(مفتی) محمد یونس (صاحب، معین مفتی واستاذ، ادارہ غفران، راولپنڈی)

(9)......دستخط

(مولانا) طارق محمود (صاحب، استاذ ورفیق دارالافتاء ادارہ غفران، راولپنڈی)

(10)......دستخط

(مولانا) عبدالسلام (صاحب، استاذ ادارہ غفران وناظم ماہنامہ التبلیغ، راولپنڈی)

(11)......دستخط

(مولانا) محمد ابرار حسین ستی (صاحب، استاذ ورفیق دارالافتاء، ادارہ غفران، راولپنڈی)

(12)......دستخط

(مولانا) محمد ناصر (صاحب، استاذ ورفیق دارالافتاء ادارہ غفران، راولپنڈی)

(13)......دستخط

(مولانا) طاہر محمود قریشی (صاحب، استاذ ادارہ غفران، راولپنڈی)

(14)......دستخط

(مولانا) امتیاز احمد (صاحب، استاذ ادارہ غفران، راولپنڈی)

(15)......دستخط

زونل کمیٹی کا کوئی چیئرمین نہیں ہوتا اور کوئی زونل کمیٹی خود چاند کا فیصلہ نہیں کرسکتی، یہی حال ڈسٹرکٹ کمیٹیوں کا ہے۔

شبیر احمد عفی عنہ (کاکاخیل صاحب انجینئر ورکن مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان)

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/1428ہجری ستمبر/2007ء، جلد4 شمارہ8)

(43)

زکاۃ کے مادی وروحانی مصارف کا فرق

''زکاۃ'' شریعت کا اہم فریضہ ہے، جو شریعت کی طرف سے مخصوص مال داروں پر فرض کیا گیا ہے، اوراس کا مقصد مال کی محبت کم کرنا اورغریبوں ونا داروں کا تعاون کرنا ہے، اسی لیے اس میں جمہور کے نزدیک غریب کو مالک بنانا شرط قرار دیا گیا ہے، پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ زکاۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اگراس میں کوئی اور بھی کارِخیر شامل ہو جائے، تو اس کا ثواب دوبالا ہوجاتا ہے۔

مثلاً اگر اپنے غریب ومستحق رشتہ داروں کو زکاۃ دی جائے، تو اس میں دہرا ثواب ہے، ایک تو خود زکاۃ ادا کرنے کا، جو ہر صحیح مصرف میں ادا کرنے سے بہر حال ملتا ہی ہے، اور دوسرا ثواب رشتہ داروں کے ساتھ احسان وصلہ رحمی کرنے کا، اسی وجہ سے غریب ومستحق رشتہ دار کو زکاۃ دینا دہرا ثواب قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر زکاۃ کسی ایسے صحیح مصرف میں لگائی جائے کہ اس میں کوئی اور دینی فائدہ اوراس سے بڑھ کر صدقۂ جاریہ ہونے کا پہلو بھی شامل ہو جائے، تو وہ بھی ثواب کو چند دو چند کرنے کا باعث ہوگا، اوراسی وجہ سے دینی مدارس کے غریب ومستحق طلبا پر اپنی زکاۃ کو خرچ کرنا دہرے ثواب کا باعث ہے، چنانچہ یہاں بھی ایک ثواب تو خود زکاۃ کی ادائیگی کا ہے، اور دوسرا ثواب نیک لوگوں پر خرچ کرنے کا ہے، جو اللہ کے راستہ میں اللہ اوراس کے رسول کے احکامات اوردین کی تعلیم کے حصول کے لیے نکلے ہوئے ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ زکاۃ کی جو رقم نیک ہستیوں اوراس سے بڑھ کر اللہ اوراس کے رسول کے مہمانوں پر اوردین کی تعلیم کے حصول کے لیے خرچ ہوگی، اس کا ثواب اوراجران خوبیوں اور فضیلتوں سے خالی مواقع اور عام مستحقین پر خرچ کرنے کی بنسبت بہت بڑھ جائے گا۔

پھر اس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ دین کی تعلیم حاصل کر کے طالب علم زندگی بھر جو دین کی خدمت کریں گے، اور جہاں جہاں بھی ان کی تبلیغ اور دینی جدوجہد کا فیض واسطہ در واسطہ پہنچے گا، اس ثواب میں زکاۃ دینے والوں کو بھی اجر حاصل ہوگا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ دینی تعلیم کا سلسلہ واسطہ در واسطہ اور نسل در نسل ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور شروع اسلام سے اس کا سلسلہ جاری ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ قربِ قیامت تک جاری رہے گا، جس مرحلے میں بھی اشاعتِ دین کے اس جاری وساری سلسلے میں کوئی شامل وشریک ہوگا، آئندہ زمانہ پھر (تا قربِ قیامت) وہ اس صدقۂ جاریہ میں شریک اور حصہ دار بن جائے گا۔

الحمد للہ تعالیٰ برصغیر پاک وہند میں صدیوں سے مسلمان اس فضیلت اور اجر وثواب سے واقف ہیں اور اس پر عمل کرتے اور اس میں حصہ دار بنتے چلے آرہے ہیں کہ وہ زکاۃ وصدقات وغیرہ سے دینی مدارس کے طلبا کو ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن چند سالوں سے مسلمانوں کے اس رجحان میں کمی دکھائی دے رہی ہے، اس کی ایک وجہ تو مادیت پرستی کا غلبہ ہے کہ مادیت پرستوں نے صرف کھانے پینے اور اس ظاہری زندگی کو ہی سب کچھ سمجھا ہوا ہے، اس لیے انھوں نے سارا زور اسی پر لگایا ہوا ہے، اور خدمتِ خلق اور سوشل سروس کے ادارے رات دن غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور بیماروں کے تعاون کا نام لے کر مسلمانوں کے ذہنوں سے مادیت وروحانیت کے فرق کو مٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، روحانی ودینی خدمات کو چھوڑ کر ان کا سارا زور ہی ان مادی چیزوں پر لگا ہوا ہے، اور اب یہ وبا ایسی پھیلنی شروع ہوگئی ہے کہ بعض دینی ذہن رکھنے والے بڑے طبقے کی توجہ بھی اپنے روحانی امور سے ہٹ کر مادیت کی طرف ہوتی جارہی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ علم حضرات زکاۃ کے روحانی ومادی اس فرق اور اس میں فضیلت کے درجات کے تفاوت کی طرف خود بھی متوجہ ہوں، اور عوامُ الناس اور اپنے حلقہ

احباب وارادت کو بھی متوجہ فرمائیں۔

عوامُ الناس کو بھی چاہیے کہ وہ دینی مدارس وجامعات کی اہمیت وضرورت کا احساس اپنے ذہنوں میں برقرار رکھیں، اور دینی مدارس وجامعات، جو اس پُرفتن دور میں بھی کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ اور قالَ اللہ وقالَ الرسول کی خدمت میں مصروف ہیں، اور حفاظت واشاعتِ دین کا اس دور میں (اسباب کی حد تک) امتیازی ذریعہ ہیں، زکاۃ وصدقات اور عطیات وغیرہ کے مصارف کے اعتبار سے ان کو اوّلیت وترجیح دیں۔

مگر شرط یہ ہے کہ اپنی طرف سے تحقیق واطمینان کرلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ غفلت ولاعلمی میں نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں زکاۃ وصدقات پہنچ کر اہل اور صحیح مدارس کی حق تلفی ہوجائے، کیوں کہ آج کل دوسرے شعبوں کی طرح اس میدان میں بھی نااہل لوگوں کی بہتات اور کثرت ہوتی جارہی ہے، اور بعض اسلام اور ملک دشمن عناصر، یہاں تک کہ تخریب کار اور دہشت گرد بھی دوسرا روپ اختیار کرکے سادہ لوح مسلمانوں کی زکاۃ وصدقات پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رمضان المبارک/1428ہجری اکتوبر/2007ء، جلد4 شمارہ9)

(44)

2008ء کے انتخابات اور اقتدار کی تبدیلی

اس وقت ہمارا ملک جن تشویش ناک حالات سے گزر رہا ہے، ان سے عام وخاص سب واقف ہیں، ملک میں داخلی وخارجی اتنے فتنے مسلّط ہیں کہ ان سے نجات کا راستہ نظر نہیں آ رہا۔

ہوش رُبا مہنگائی سے عام لوگوں کی کمر ٹوٹ گئی ہے، اور اس میں روز بروز اضافہ ہی محسوس ہو رہا ہے۔

ملکی خزانہ کی لوٹ مار کرنے والوں کو پناہ وتحفظ دیا جا رہا ہے۔

ملک میں خودکش حملے روز بروز بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

فوج اور عوام میں عملاً ٹکراؤ کی کیفیت واضح ہے، اور ملک میں بعض حساس حصوں میں باہم حملوں کا تبادلہ بھی جاری ہے، اگر جزوی طور پر یہ خانہ جنگی نہیں، تو اور اس کو کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

غیر ملکی افواج منہ کھولے، ملک کے داخلی حصّوں میں حملے کے مواقع تلاش کر رہی ہیں۔

سیاسی جماعتوں میں کھچاؤ اور تناؤ کی وجہ سے ملکی معیشت بُری طرح متاثر ہو رہی ہے۔

سیاست میں فوج کی مداخلت کی وجہ سے عوام میں فوج سے نفرت کا رُجحان بڑھ رہا ہے، اور ان حالات میں ملک میں نئے انتخابات اور اقتدار کی تبدیلی کی باتیں ہو رہی ہیں۔

اس موقع پر دینی وملّی خیر خواہی کے تحت ہم قارئین کے سامنے چند گزارشات پیش کر رہے ہیں:

(1)......سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صرف اقتدار کی تبدیلی اور سیاسی چہروں کا بدل جانا، مسائل کا اصل حل نہیں ہے۔

ہماری قوم عام طور پر اقتدار کی تبدیلی اور نئے حکمرانوں کی آمد پر غیر معمولی اُمیدیں وابستہ

کر کے بیٹھ جاتی ہے، اور سمجھتی ہے کہ آنے والے حکمران یقیناً موجودہ حکمرانوں سے کچھ بہتر ہی ہوں گے، اور جب چند دن نئے حکمرانوں سے واسطہ پڑتا ہے، تو پُرانے حکمرانوں کی یاد ستانے لگتی ہے؟ یا پھر نئے حکمرانوں کی تلاش شروع کر دیتی ہے۔

ایک حکمران کے آنے پر جس طرح شُکرانہ کے نوافل پڑھتی اور مٹھائی تقسیم کرتی ہے، یہی عمل اس حکمران سے نجات حاصل کرنے پر دہراتی ہے۔

یہ سوچ اور طرزِ عمل قابلِ اصلاح ہے، اس میں ہوش سے زیادہ جوش اور دُور بینی ودُور اندیشی سے زیادہ سطحی سوچ کو دَخَل ہے۔

اس طرح نئے آنے والے حکمرانوں سے موجودہ حکمرانوں کے مقابلے میں زیادہ اُمیدیں وابستہ کر کے خوش فہمی میں مبتلا ہونا درست نہیں۔

(2)...... آج کل ہمارے ملک میں انتخابات کا عمل ووٹوں کے ذریعے سے ہوتا ہے، اور ووٹوں کے ذریعے سے ہی انتخاب پر بعض لوگوں کی ساری توجہات رہتی ہیں، جب کہ عملاً حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ ووٹ کا صحیح استعمال بھی ایک ذمہ داری ہے، جس پر گفتگو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ، آگے چل کر کریں گے۔

لیکن اچھے اور بُرے حکمرانوں کے انتخاب میں سارا دَخَل ووٹوں کا سمجھنا بھی درست نہیں، کیوں کہ اچھے اور بُرے اعمال کے اَثرات کی شکل میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھے اور بُرے حکمرانوں کا انتخاب ہوتا ہے۔

اگر کسی قوم کا عمل اچھا اور نیک ہوتا ہے اور وہ قوم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے کاموں سے بچ کر توبہ واستغفار میں مصروف ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو نیک صالح اور منصف ورَحم دِل حکمران عطا فرماتا ہے، اور اس کے برعکس جو قوم اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے اعمال اختیار کرتی ہے، اور گناہوں کی دَلدَل میں زندگی گزراتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ظالم اور فاسق وفاجر حکمرانوں کو مسلّط فرمادیتا ہے۔

اس لیے نئے انتخابات سے پہلے ضرورت ہے کہ پوری قوم اور جس جس کو بھی توفیق ہو، وہ اپنے آپ کو گناہوں سے الگ کر کے توبہ واستغفار کے عمل کو تیز کرے، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کی طرف اپنی زندگی کا رُخ تبدیل کرے۔

ہمارے یہاں ایک عرصے سے ایسے گناہ عام ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو دعوت دینے والے ہیں، اور ان گناہوں کے نتیجے میں ظالم اور فاسق حکمران مسلّط کیے جاتے ہیں، ان میں موسیقی، بے حیائی جیسے گناہ سرِ فہرست ہیں، ٹیلی ویژن اور کیبل وغیرہ کے واسطے سے گھر گھر موسیقی اور بے حیائی پہنچائی جا رہی ہے۔

لہٰذا اگر ہم نیک صالح، اور منصف وعادل حکمرانوں کو منتخب کرانا چاہتے ہیں، تو سب سے پہلا اور بنیادی کام یہ کرنا ہوگا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والے گناہوں سے بچائیں، اور سچی و پکی توبہ واستغفار کریں۔

(3)...... ہمارے یہاں جو سیاسی اور مروَّجہ جمہوری نظامِ عمل رائج ہے، اس میں کافی کچھ اصلاحات کی ضرورت ہے۔

مگر اس کو سرِ دست تبدیل کرنا تو ہمارے اختیار سے باہر ہے، پس جب تک اس نظام کی اصلاح نہیں ہوتی، اور مروَّجہ نظام جاری ہے، تو اسباب کے درجہ میں ہمارے لیے ووٹ کا استعمال اور صحیح استعمال بھی ایک ذمّہ داری ہے۔

آج کل بہت سے لوگ تو ووٹ کے حق کو استعمال ہی نہیں کرتے، اور ووٹ کے ہر حال میں استعمال کو غلط اور بُرا سمجھتے ہیں، جو کہ درست نہیں۔

ووٹ کو استعمال کرنا چاہیے، اور اس کو گناہ نہیں سمجھنا چاہیے، کیوں کہ موجودہ حالات میں ہمارے لیے ووٹ کا استعمال، اسباب کے درجے میں ضروری ہو چکا ہے۔

افسوس کہ شریف طبقہ تو ووٹ ڈالنے کو شرافت اور اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، اور دین دار طبقہ دین کے خلاف سمجھتا ہے، جس کی وجہ سے شریف اور نیک ودین دار طبقوں کے ووٹوں کی

بڑی تعداد ضائع چلی جاتی ہے، اور دوسری طرف فاسق وفاجر اور بد دین، بلکہ ملک وملت کا دشمن طبقہ ووٹ کے استعمال میں زیادہ پیش پیش نظر آتا ہے، اور وہ اپنے جیسے لوگوں کے حق میں ووٹ دینے کو ترجیح دیتا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرے میں زیادہ شریر اور فاسق وفاجر، بلکہ ملک وملت کے دشمن حکمرانوں کو ووٹوں میں عام طور پر برتری حاصل ہو جاتی ہے، اور یہ حکمران سال ہا سال تک پورے معاشرے کو ظلم وستم کی چکّی میں پیستے اور فسق وفجور، فحاشی اور بے حیائی کی بھٹی میں جلاتے ہیں، جس سے ووٹ استعمال نہ کرنے والے شرفاء اور نیک لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

لہٰذا بحالاتِ موجودہ شرفاء ومہذب اور دین دار طبقے کا ووٹ کو استعمال نہ کرنا باعثِ جرم ہے۔

پھر ایک طبقہ، ووٹ کا استعمال تو کرتا ہے، لیکن اس کے استعمال میں معیار اپنے ذاتی مفاد، یا عصبیت، و برادری اور نسل پرستی کو بناتا ہے، جو کہ کسی بھی طرح درست نہیں۔

ووٹ کے استعمال کے لیے انتخاب، ذاتی مفادات، برادری اور عصبیت سے بالاتر ہو کر وسیع تر قومی واسلامی مفادات کی خاطر ہونا چاہیے۔

بالفرض اگر ملک وملت کی خیر خواہ کوئی شخصیت سامنے نہیں، تب بھی کم بُرائی والے کو اس نیت سے ووٹ دینا، تاکہ زیادہ بُرائی والے کا زور توڑا جا سکے، انتخاب کا ایک کم سے کم شرعی معیار ہے، اس لیے ایسی صورت میں بھی ووٹ کا استعمال اپنی قبر وآخرت کو سامنے رکھ کر حاضرین میں سے کم شَر والے کے لیے ہونا چاہیے۔

اور اگر خیر وشَر کا مقابلہ ہو تو بہر حال خیر کو شریر پر ترجیح ہوا ہی کرتی ہے۔

اُمید ہے کہ قوم سرِ دست ان ہدایات کو بروئے کار لائے گی، تو اس کے اچھے نتائج سے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرمائے گا۔ اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین

15/ شوال المکرّم/ 1428 ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/ 1428 ہجری نومبر/ 2007ء، جلد 4 شمارہ 10)

(45)

ظالم حکمرانوں سے نجات کا غیر سیاسی راستہ

آج کے دَور کی مادی سیاست کی دنیا میں جہاں ایک طرف تو حزبِ اقتدار کہلائے جانے والے حکومت سے وابستہ طبقے کی طرف سے حکومت کے ہر جائز وناجائز کام کی تائید وحمایت کرنے، اور ظالمانہ اقدامات پر بھی سمجھتے بوجھتے ہوئے نہ صرف خاموشی اختیار کرنے، بلکہ غلط اور ناجائز کام اور بعض اوقات دین کی تحریف تک کے کاموں کو دور دراز کی تاویلیں نکال کر اور اُلٹی سیدھی دلیلیں گھڑ کر سندِ جواز اور درست قرار دینے میں مصروف رہنے کو اپنی حکومت و اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہو۔

اور دوسری طرف حزبِ اختلاف اور اپوزیشن کہلائے جانے والا طبقہ حکومت کے ہر اچھے، بُرے اور جائز وناجائز کام پر تنقید میں ہی مصروف رہتا ہو، اور میڈیا پر حکمرانوں کی شان میں ہر طرح کے تمسخر واستہزا کو اپنا مشغلہ بنائے رکھنا، میڈیا کی آزادی قرار دیا جاتا ہو، اور منبر و محراب سے بھی حکمرانوں کے خلاف صدائیں بلند ہوں، اور عوامی دنیا میں رات دن موضوعِ بحث ہی حکمرانوں کی ذات ہو، مگر اس کے باوجود تنقید اور اختلاف کے تمام راستے اور سیاسی و قانونی تمام کارروائیاں بعض اوقات بالکل ناکام اور مردہ دکھائی دیتی ہوں، اور حکمرانوں کے ظلم وستم میں روز بروز اضافہ ہی محسوس ہوتا دکھائی دیتا ہو۔

ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے ہر مصیبت اور پریشانی کا حل پیش کیا ہے، تو کیا اسلام میں ان حالات کا بھی کوئی حل ہے، جس کو اختیار کر کے حکمرانوں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کی جاسکتی ہو؟

تو اگر اس سوال کا بہ حیثیت مسلمان کوئی جواب چاہتا ہے، تو اس کا جواب اثبات میں ہے، نفی میں نہیں۔

جواب یہ ہے کہ واقعی اسلام نے ان ناگفتہ بہ حالات میں بھی مسلمانوں کو اکیلا نہیں چھوڑا، اوراس کا حل پیش کیا ہے، مگر وہ حل سننے سے پہلے اپنے دل ودماغ کو مادیت کے بت سے خالی کرلینا ضروری ہے۔

کیوں کہ آج کے اس مادیت پرستی کے دَور میں بعض روحانی باتیں، لوگوں کو ایک افسانہ سے زیادہ معلوم نہیں ہوتیں، اور مادیت کا بت اس طرح ان کے دل ودماغ کو پکڑ اور جکڑ لیتا ہے کہ اس کے علاوہ کسی چیز کو سننا اور سمجھنا سب انہیں بے کار معلوم ہونے لگتا ہے۔

حالانکہ ہمارے دین کی تعلیمات کی اصل بنیاد ہی روحانیت پر ہے۔

تو آیئے اپنے آپ کو مادّی سیاست سے خالیُ الذہن کر کے وہ حل ملاحظہ کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکمرانوں کو نصیحت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کے لیے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ کام علانیہ انداز میں کیا جائے۔

چنانچہ حضرت عیاض بن غنم کی سند سے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّنْصَحَ لِسُلْطَانٍ بِأَمْرٍ، فَلَا يُبْدِ لَهُ عَلَانِيَةً، وَلٰكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهٖ، فَيَخْلُوَ بِهٖ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ، وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدّٰى الَّذِیْ عَلَيْهِ لَهُ (مسند احمد)[1]

ترجمہ: جو شخص کسی معاملے میں بادشاہ (وحکمران) کو نصیحت کرنا چاہے تو اس کو یہ نصیحت علانیہ طور پر (یعنی دوسروں کے سامنے) نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خلوت (وتنہائی) میں لے جائے، پھر اگر بادشاہ (وحکمران) اس کی نصیحت کو

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۳۳۳، مسند الشامیین للطبرانی، رقم الحدیث ۹۷۷.

قال شعیب الارنووط:

صحیح لغیرہ دون قولہ :من أراد أن یَنْصَحَ لسلطان بأمرٍ ..فحسن لغیرہ (حاشیۃ مسند احمد)

وقال الھیثمی:

رواہ أحمد، ورجالہ ثقات إلا أنی لم أجد لشریح من عیاض وھشام سماعا وإن کان تابعیا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۱۶۱، باب النصیحۃ للأئمۃ و کیفیتھا)

قبول کرلے تو بہت اچھا، ورنہ اس کی ذمہ داری پوری ہوگئی (مسنداحمد)

”ہاتھ پکڑ کر علاحدگی اور تنہائی میں لے جانے“ کا مقصد یہ ہے کہ اس کو علانیہ کے بجائے پوشیدہ نصیحت ومشورہ دے، تاکہ رعایا کے سامنے اس کی سبکی نہ ہو، اور اس کا وقار اور رعب و عظمت قائم رہے، جو اس کے منصب کے تقاضوں کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

اور تاکہ وہ نصیحت کو بآسانی قبول کرے، اور مقابلے، محاذ آرائی اور ضد ونفسانیت پر نہ اتر آئے، جس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا، اور سب سے پہلے نقصان، خود نصیحت ومشورہ دینے والے کا ہوگا۔

اور یہ مضمون ان احادیث کے مطابق ہے، جن میں ایک مومن کو دوسرے مومن کا آئینہ بتلایا گیا ہے۔ [1]

جس طرح آئینہ صرف اپنے سامنے موجود شخص پر اس کا عیب ظاہر کر دیتا ہے، مگر کسی دوسرے کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، یہی حالت ایک مومن کی دوسرے کے حق میں بھی ہونی چاہیے۔

مگر آج صورتِ حال اس کے برعکس ہے کہ حکمرانوں کو ساری دنیا کے سامنے برا بھلا کہنے اور سب وشتم کرنے کو اصلاحِ احوال کی کوشش اور جرائت وحرّیت کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :المؤمن مرآة المؤمن.
وهذا الحديث لا نعلم رواه عن شريك إلا محمد بن عمار، ولا نعلم يروى عن أنس إلا من هذا الوجه(مسند البزار، رقم الحديث ٦١٩٣، المعجم الاوسط للطبراني،رقم الحديث ٢١١٤)

قال الهيثمي:رواه البزار والطبراني في الأوسط، وفيه عثمان بن محمد من ولد ربيعة بن أبي عبد الرحمن، قال ابن القطان :الغالب على حديثه الوهم، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٢١٢٠)

عن أبي هريرة، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، قال" :المؤمِنُ مرآةُ المؤمِنِ، والمؤمِنُ أخو المؤمن :يكُفُّ عليه ضَيْعَتَه، ويَحُوطُه مِن وَرائه(سنن أبي داود، رقم الحديث ٤٩١٨)

قال شعيب الارنووط: إسناده حسن من أجل كثير بن زيد (حاشية سنن ابى داود)

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: سَیَکُوْنُ بَعْدِیْ سُلْطَانٌ فَأَعِزُّوْہُ مَنِ الْتَمَسَ ذُلَّہٗ ثَغَرَ ثُغْرَۃً فِی الْإِسْلَامِ وَلَمْ یُقْبَلْ مِنْہُ تَوْبَۃٌ حَتّٰی یُعِیْدَھَا کَمَا کَانَتْ (السنۃ لابنِ ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۷۹) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میرے بعد بادشاہ (وحکمران) ہوں گے، تو تم ان کا اعزاز (واحترام) کرو، جس نے بادشاہ (وحکمران) کو ذلیل کرنے کی کوشش کی، تو اس نے اسلام میں ایسی دراڑ پیدا کردی کہ اس سے اس گناہ کی اس وقت تک توبہ قبول نہیں کی جائے گی، جب تک کہ وہ اس کو پہلی حالت پر نہ لے آئے (ابنِ ابی عاصم)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوا الْوُلَاۃَ فَإِنَّھُمْ إِنْ أَحْسَنُوْا کَانَ لَھُمُ الْأَجْرُ وَعَلَیْکُمُ الشُّکْرُ وَإِنْ أَسَاءُ وْا فَعَلَیْھِمُ الْوِزْرُ وَعَلَیْکُمُ الصَّبْرُ وَإِنَّمَا ھُمْ نِقْمَۃٌ یَنْتَقِمُ اللّٰہُ بِھِمْ مِمَّنْ یَّشَاءُ فَلَا تَسْتَقْبِلُوْا نِقْمَۃَ اللّٰہِ بِالْحَمِیَّۃِ وَالْغَضَبِ وَاسْتَقْبِلُوْھَا بِالْإِسْتِکَانَۃِ وَالتَّضَرُّعِ (الخراج لابی یوسف، رقم الحدیث ۲۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حکمرانوں کو سب وشتم مت کرو (اور برا بھلا مت کہو) کیوں کہ اگر وہ اچھے کام کریں گے، تو ان کو اس کا اجر ملے گا، اور تم پر شکر واجب ہوگا، اور اگر وہ برے کام کریں گے، تو اس کا وبال ان پر ہوگا، اور تم پر صبر لازم ہوگا، اور بس وہ حکمران تو سزا (وآزمائش) ہیں، جن کے

---

[1] قال الالبانی :إسنادہ صحیح ورجالہ رجال الصحیح غیر ابن حلبس وھو یونس بن میسرۃ وھو ثقۃ.

وللحدیث طریق أخری یرویھا القاسم بن عوف الشیبانی عن رجل عن أبی ذر نحوہ أتم منہ. أخرجہ أحمد (ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ)

ذریعے سے اللہ جس سے چاہے انتقام لیتا ہے، تو تم اللہ کے انتقام کا مقابلہ غیض و غضب سے نہ کرو، بلکہ اس کا مقابلہ دعا اور تضرّع سے کرو (الخراج لابی یوسف)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کے ظلم پر غیظ وغضب اور سبّ وشتم اور گالم گلوچ یا لعن وطعن کے بجائے صبر وتحمل کو اختیار کرنا چاہیے، اور اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهَانَا كُبَرَاؤُنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا تَسُبُّوا أُمَرَاءَ كُمْ وَلَا تَغِشُّوهُمْ وَلَا تَبْغَضُوهُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْبِرُوا فَإِنَّ الْأَمْرَ قَرِيبٌ (السنة لابنِ ابى عاصم، رقم الحديث ۱۰۱۵) [2]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے ہمارے بڑوں نے منع فرمادیا ہے کہ تم اپنے حکمرانوں کو سب وشتم نہ کرو، اور نہ ان کے ساتھ دھوکا

---

[1] (فإذا عدل كان له الأجر وعلى الرعية الشكر وإذا جار) "وفى رواية، أو حاف، أو ظلم (كان عليه الإصر) بكسر أوله ;أى الوزر كما فى رواية (وعلى الرعية الصبر) ; ففيه إشارة إلى أن الإمام العادل نعمة ومنحة، والسلطان الظالم نقمة ومحنه (وفى ذلكم بلاء من ربكم عظيم)و (إن فى ذلك لآيات لكل صبار شكور) (لقمان31 :) ; أى لكل مؤمن، إذ ورد فى الحديث "الإيمان نصفان: نصف صبر، ونصف شكر "وفقنا الله تعالى لهما، قال الطيبى :فإن قلت دلت الإضافة وقوله :يأوى إليه كل مظلوم ;أن السلطان عادل ;فكيف يستقيم على هذا أن يقول :وإذا جار كان عليه الإصر؟ قلت :قولة :السلطان ظل الله، بيان لشأنه، وأنه مما ينبغى أن يكون كذلک، فإذا جار كأنه خرج عما من شأنه أن يكون ظل الله تعالى وعليه (ياداود إنا جعلناک خليفة فى الأرض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى) فرتب عليه الحكم بالوصف المناسب، ونهى عما لا يناسب، أقول :الظاهر أن السلطان ظل الله على كل حال فإنه ينتفع به فى الجملة، والتقسيم إنما هو باعتبار الوصف الأغلب عليه ;من العدل، أو الجور، أو بخصوص قضية جزئية من الأحكام الكلية ;فيجب الصبر والشكر على الرعية بمقتضى هذه الحكمة العلية، ويؤيده ما سبق من حديث " :سيليكم أمراء يفسدون فى الأرض وما يصلح الله بهم أكثر، فمن عمل منهم بطاعة الله فلهم الأجر وعليكم الشكر ومن عمل منهم بمعصية الله فعليهم الوزر وعليكم الصبر "، ثم لا شك أن السلطان حين ظلمه إنما يكون ظل الشيطان ;لكنه بإرادة الرحمن، فالرضا بالقضاء باب الله الأعظم والله سبحانه وتعالى أعلم (مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ۲۴۱۹، كتاب الإمارة والقضاء)

[2] قال الالبانى فى تعليق السنة :إسناده جيد ورجاله ثقات وفى بعضهم كلام لا يضر(ظلال الجنة،تحت رقم الحديث ۱۰۱۵)

دہی کرو، اور نہ ان کے ساتھ بغض رکھو، اور تم اللہ سے ڈرو، اور (حکمرانوں کی طرف سے پیش آمدہ آزمائشوں پر) صبر کرو، پس (اس طرح کرنے کے نتیجے میں) معاملہ (یعنی کامیابی اور آزمائش سے نجات) قریب ہے (السنہ)

اس طرح کا مضمون بعض اور احادیث میں بھی مروی ہے، جن کی سندوں پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ [1]

معلوم ہوا کہ حکمرانوں کو برا بھلا کہنا، اور ان کو سب وشتم کرنا منع ہے، اور اس کے بجائے حکم یہ ہے کہ صبر کیا جائے، ان کی اصلاح وہدایت کی دعا کی جائے، اس نسخے پر عمل کرنے سے قوم کی صلاح وفلاح ہوتی ہے۔ [2]

اسلاف نے مسلمان بادشاہ اور حکمران کو بددعا دینے سے سختی سے منع کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کو بددعا دینے سے مسلمانوں میں شر پھیلتا ہے اور بلائیں آتی ہیں۔ [3]

بعض علماء نے تو خاص سربراہانِ حکومت کی اصلاح اور ان کی ہدایت اور عدل وانصاف کی توفیق کی دعا کو سنت قرار دیا ہے۔ [4]

---

[1] حدثنا الحسين بن محمد بن مصعب الأشناني، بالكوفة، ثنا محمد بن عبيد المحاربي، ثنا موسى بن عمير، عن مكحول، عن أبي أمامة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا تسبوا الأئمة، وادعوا الله لهم، فإن صلاحهم لكم صلاح (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٧٦٠٩، المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ١٦٠٦ ومسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ٣٤٤٣)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط والكبير عن شيخه الحسين بن محمد بن مصعب الأسناني ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩٢٧٠، باب النهي عن سب الأئمة)

[2] (لاتسبوا الائمة) الامام الاعظم و نوابه وان جاروا (فيض القدير للمناوي ج٦ ص ٥١٧، حديث نمبر ٩٧٨٤)

[3] وقد حذر السلف من الدعاء عليه فانه يزداد شراً ويزداد البلاء على المسلمين (فيض القدير ج٦ ص ٥١٨ حديث نمبر ٩٧٨٨)

[4] واما الدعاء لائمة المسلمين وولاة امورهم عموماً بالصلاة بالصلاح والهداية والعدل فسنة (تحفة الحبيب على شرح الخطيب ج٢، فرائض الجمعة)

اگر کبھی بادشاہ کی طرف سے ظلم وستم ہوتو بادشاہ کو بددعا دینے میں مشغول ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی یاد، اوراس سے عاجزی کے ساتھ دعا میں مشغولی اختیار کی جائے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ظالم بادشاہوں سے خودنمٹ لیتا ہے، اورنجات کا راستہ بنادیتا ہے۔

مگرافسوس کہ آج مسلمان سارے کام کرلیتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اورذکرودعااور تضرع میں مشغول نہیں ہوتے، بلکہ بادشاہ وحکمران کے لیے بددعاء میں زیادہ مشغولی اختیار کرتے ہیں اوراگرکوئی حکمرانوں کی اصلاح وہدایت کی دعا کرے، تواس پرحیرت وتعجب کا اظہارکیاجاتا ہے۔

آج مجموعی طور پر ہمارا معاشرہ بے حیائی، چور بازاری، موسیقی اور دوسرے جن سینکڑوں گناہوں کی دلدل میں ہے، جوکسی بھی ہوش مند سے مخفی نہیں، اورمنبرومحراب سمیت عوامی، اخباری اوردیگرمیڈیائی ذرائع کوزبان درازی اورسب وشتم میں مشغول کرکے نتائج مثبت کے بجائے منفی والٹے برآمد ہورہے ہیں۔

ایسے میں ہمیں امید ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری قوم حکمرانوں کے ظلم سے بچنے کے لیے اگرمخلص ہوگی توشریعتِ مطہرہ کی طرف سے پیش کیے گئے اس غیرسیاسی اور روحانی بالکل روزِ روشن کی طرح واضح حل اورراستے کوضروراختیارکرے گی، جس کا خلاصہ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، گناہوں سے توبہ واستغفار، اوردعاوتضرع ہے۔

اوراس کے بجائے، حکمرانوں کے خلاف زبان درازی، اورسب وشتم اور بددعاء میں مشغول ہونے کے بجائے، حکمرانوں کی اصلاح اوران کی ہدایت اورعدل وانصاف کی دعا میں مشغولی کواپنا مشغلہ بنائے گی۔

محمدرضوان

20/ ذوالقعدۃ/ 1428ہجری

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/ 1428ہجری دسمبر/ 2007ء، جلد4 شمارہ11)

(46)

ملکی حالات سنگین مراحل میں

گزشتہ کئی سالوں سے ہمارے ملک میں حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جارہے ہیں، اور ملک سیاسی، معاشی اور عوامی سطح پر تنزلی کی طرف جارہا ہے۔

سیاسی عدمِ استحکام کی شکایت تو ہمارے ملک کو شروع سے ہی رہی ہے، لیکن اُتار چڑھاؤ کے ساتھ حالات اتنے ناگفتہ بہ نہ ہوئے تھے، جتنے کہ اس وقت ہیں۔

صدر پرویز مشرف صاحب کے دَورِ اقتدار میں شروع ہی سے قوم کی اکثریت کو یہ شکایت رہی ہے کہ ان کی پشت پر خارجی اور بیرونی طاقتوں کا ہاتھ ہے، اور وہ طاقت کے ذریعے بعض عناصر کا خاتمہ چاہتے ہیں، جس کے نتائج پھروہی نکلنا شروع ہوگئے، جو ہمیشہ طاقت کے بے جا استعمال سے نکلا کرتے ہیں، اور گزشتہ کئی سالوں سے عراق وافغانستان، فلسطین ولبنان وغیرہ میں خودکش حملوں، انتشار، افراتفری اور بدامنی کی صورت میں نکل رہے ہیں۔ ع

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست

ایک عقل مند انسان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ تاریخ اور گردوپیش کے حالات سے عبرت وسبق حاصل کرے۔

اس لیے عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ ان تلخ اور ناکام تجربات کو اپنے ملک میں نہ دُہرایا جاتا۔

لیکن ایسا نہ ہوا، اور اس کی وجہ سے ملک خودکش حملوں کی لپیٹ میں آ گیا۔

اس موقع پر مادی طاقتوں کے نشے میں ڈوبے ہوئے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان حملوں کو طاقت کے زور پر کچلا جاسکتا ہے، اس لیے وہ اپنی مادی طاقتِ محض کے اندھا دُھند استعمال کرنے کو کام یابی کا زینہ سمجھتے رہے، لیکن ماضی کی تاریخ اور تجربات اس کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اور تاریخ گواہ ہے کہ اس قسم کے حملوں کو روکنے کے لیے طاقت کا جتنا بھی زیادہ استعمال

کیا گیا، اسی کے ساتھ اس قسم کے حملوں اور دہشت گردی کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، جس پر آج خود یہ مقتدر قوتیں اور طبقہ اشرافیہ بغلیں جھانک رہے ہیں۔ ؏

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست

بھلا سوچنے کی بات ہے کہ جو چیز طاقت کے اندھا دُھند استعمال سے پیدا ہوئی ہو، کیا اس میں طاقت کے استعمال سے کمی آ سکتی ہے؟

اصل حل دہشت گردی کے حقیقی عوامل کا سدِ باب ہے، دوسری طرف ملک میں ایمرجنسی نافذ کر کے عدلیہ کے اعلیٰ ججوں کی برطرفی اور پی۔ سی۔ او کے تحت حلف سے بھی عوام میں سخت بے چینی واضطراب پیدا ہوا، جس کے خلاف آج تک ملک بھر کے وکلا کی طرف سے ہڑتالوں اور عدالتوں سے بائیکاٹوں کا سلسلہ جاری ہے۔

وفاقی پولیس نے سال 2007ء میں امن وامان کے حوالے سے دارُالحکومت اسلام آباد کے متعلق اپنی جاری کردہ رپورٹ میں ذکر کیا ہے کہ:

وفاقی دارالحکومت میں ایک سال کے دوران ایک سو دس شہری قتل کیے گئے، اور پولیس مظاہرے، ریلیاں روکنے میں مصروف رہی (روزنامہ اسلام، راولپنڈی جمعرات 23 ذی الحجہ 1428ھ۔3/جنوری 2008ء)

سانحہ لال مسجد میں بہنے والا خون اور تلف ہونے والی قیمتی انسانی جانیں اس کے علاوہ ہیں۔

ملک کے ان ہچکولے لیتے ہوئے حالات میں گزشتہ اسمبلی کی مدت پوری ہونے اور 2008ء کے آغاز کا اعلان ہوگیا، جس کے لیے 8 جنوری کی تاریخ مقرر کی گئی۔

کئی سیاسی اور عوامی حلقوں کو موجودہ قیادت کی نگرانی میں انصاف کے ساتھ انتخابات نہ ہونے کی شکایت اور خدشات تھے، اور اسی وجہ سے بعض سیاسی جماعتوں نے الیکشن سے بائیکاٹ کا اعلان بھی کیا ہوا تھا، لیکن بڑی سیاسی جماعتوں کی طرف سے الیکشن میں حصہ لینے کے فیصلہ کی وجہ سے انتخابات کی تیاریوں میں روز بروز اضافہ محسوس ہوتا دِکھائی دے رہا تھا کہ

راولپنڈی شہر کے تاریخی مقام، لیاقت باغ میں 27 / دسمبر جمعرات کی شام پیپلز پارٹی کے انتخابی مہم کے سلسلے کے ایک جلسہ سے فراغت کے بعد، پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو صاحبہ ایک حملے کے تحت جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

یہ حملہ کس طرح کیا گیا، اور کس کی طرف سے کیا گیا اور کیوں کیا گیا؟ یہ وہ باتیں ہیں کہ عوامی حلقوں میں جتنے منہ اتنی باتوں کا مصداق بنی ہوئی ہیں، مگر اصل حقائق کیا ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔

ہم تو اس بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان کو اپنی زبان سے وہ بات نکالنا چاہیے کہ جس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور ثابت کر سکتا ہو۔

بہر حال حقیقت جو بھی ہو، اس واقعہ کے نتائجِ بد سے ملک وملت کو ناقابلِ تلافی نقصان ہوا، جس کا صحیح اندازہ ابھی لگانا مشکل ہے۔

سانحہ لیاقت باغ کی خبر آناً فاناً ملک کے طول وعرض میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، اور پورا ملک ہنگاموں اور توڑ پھوڑ کی لپیٹ میں آ گیا، کاروبارِ زندگی معطل ہو کر رہ گیا، اور ملک بھر میں جلاؤ گھیراؤ اور لوٹ مار کے غیر معمولی جانی ومالی نقصانات کے واقعات رونما ہوئے۔

بروز بدھ 2 جنوری کی رات قوم سے خطاب کرتے ہوئے صدر پرویز مشرف صاحب نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد جلاؤ گھیراؤ اور توڑ پھوڑ کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر ہونے والے نقصان کا ابتدائی تخمینہ (100) ارب روپے کا لگایا گیا ہے (روزنامہ اسلام، راولپنڈی جمعرات 23 ذی الحجہ 1428ھ۔3/ جنوری 2008ء)

ہنگاموں کے دوران مظاہرین نے کراچی اور اندرونِ سندھ تقریباً (100) سے زائد ڈاک خانوں پر حملے کیے، جس کے نتیجے میں کراچی میں ڈھائی لاکھ اور اندرونِ سندھ مجموعی طور پر دو لاکھ ڈاک جل کر خاکستر ہوگئی، اور صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) میں آنے والے (10,000) شہریوں کے منی آرڈر، ضروری خطوط اور پارسل کراچی اور سندھ میں جل کر

خاک ہوگئے، ڈاک خانوں کے جلنے کے بعد کراچی اور اندرونِ سندھ سے سرحد (موجودہ خیبر پختون خوا) ڈاک کی ترسیل بند ہوگئی، جس کے باعث لاکھوں شہریوں کو دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

حیدر آباد (نیوز ڈیسک کی) ایک خبر کے مطابق مشتعل افراد کی جانب سے سڑکوں پر نکل کر لوٹ مار اور جلاؤ گھیراؤ کے واقعات کے دوران، ہالہ میں ایک ایسا ٹرالر بھی نذرِ آتش کردیا گیا، جس میں قرآن پاک کے سولہ ہزار نسخہ جات کنٹینرز میں رکھے ہوئے تھے، اور لاہور میں طباعت کے بعد کراچی لے جائے جارہے تھے، اور ڈرائیور کی طرف سے اس درخواست کے باوجود کہ ان نسخہ جات کو احترام سے الگ کرکے بے شک ٹرالر کو آگ لگادی جائے، شَر پسندوں نے ایک نہ سُنی (ہفت روزہ ''ضربِ مؤمن'' کراچی، 24 تا 30 ذی الحجہ 1428ھ)

اُدھر چیف الیکشن کمشنر نے 8 جنوری 2008ء کو ہونے والے عام انتخابات سانحۂ لیاقت باغ کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال ''الیکشن کمیشن'' کے دفاتر، ٹرانسپرنٹ بیلٹ باکس، ووٹر لسٹیں اور انتخابی مواد جلائے جانے، کے باعث ملتوی کردیے، اور اب یہ انتخابات 18 فروری کو کرانے کا اعلان کیا ہے۔

لوٹ مار، جلاؤ گھیراؤ اور احتجاج و مظاہروں کے ایسے طریقے جن سے ملک وملت کا اجتماعی جانی ومالی نقصان ہو، دینی، قانونی اور اخلاقی کسی بھی اعتبار سے درست نہیں، اور خصوصاً ایسے ملک وقوم کے لیے، جس کی حالت پہلے سے ہی خستہ اور ناگفتہ بہ ہو، کسی طرح زیب نہیں دیتے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو جذبات کا استعمال عقل اور سلامتِ فکر اور جوش کے بجائے ہوش کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1428ہجری جنوری/2008ء، جلد 4 شمارہ 12)

(47)

ملک وملت بحرانوں کی زَد میں

اس وقت ملک کے اکثر حصوں میں روزانہ مختلف اوقات میں بجلی کی آمد معطّل ہورہی ہے، رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ بجلی کی آمد میں تعطل جاری ہے، جب کہ بعض علاقوں میں پورے پورے دن اور رات بجلی معطل رہتی ہے۔

اور یہی کچھ معاملہ گیس کی سپلائی کا بھی ہے، سی این جی پمپوں کو گیس کی عدمِ سپلائی یا ضرورت سے کم سپلائی ہونے کی وجہ سے پمپوں پر گاڑیوں کی لمبی لمبی لائنیں لگنا، آئے دن کا معمول بن چکا ہے۔

اس طرح بیش تر علاقوں میں سوئی گیس کی سپلائی میں غیر معمولی کمی اور تعطل، نیز ایل پی جی گیس کی قیمتوں میں ہوش رُبا اضافے اور سلنڈروں کی بھرائی میں مشکلات نے گھریلو صارفین کا ناک میں دَم کررکھا ہے۔

دوسری طرف ملک میں آٹے اور چینی وغیرہ کے پیدا ہونے والے حالیہ بحران سے پوری قوم تِلملا اُٹھی ہے، جس پر روزانہ اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ میں مختلف تجزیے اور چرچے شائع ونشر ہورہے ہیں۔

آٹے اور چینی کے علاوہ روزمرَّہ استعمال کی دیگر ضروری اشیاء اور اجناس کی قیمتوں کا یہ حال ہے کہ کسی حد پر ان کو ٹھہراؤ ہی نہیں، صبح شام بدل رہی ہیں اور مسلسل چڑھتی جارہی ہیں، غریب اور عام تنخواہ دار طبقہ (جو اس ملک کا غالب اکثریتی طبقہ ہے) کی زندگی کو اس کمر توڑ مہنگائی نے اجیرن کرکے رکھ دیا ہے، اور سفید پوشوں کو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنا مشکل ہوگیا ہے۔

اور مزید براں ملک میں لوٹ مار، قتل وغارت گری اور حملوں کا راج ہے، آئے دن خود کش حملے، یا ریموٹ بَم بلاسٹ بھی معمول بنتے جارہے ہیں۔

اس صورتِ حال سے ملک ''اندھیر نگری چوپٹ راج'' کا نقشہ پیش کررہا ہے، اور اس چوپٹ

راج کی بہتی گنگا میں ذخیرہ اندوز، بلیک مارکیٹنگ کرنے والے اور مارکیٹوں ومنڈیوں کی اجارہ دار پسِ پردہ قوتیں صرف ہاتھ ہی نہیں دھورہی، بلکہ نہارہی ہیں، اور نہال ہورہی ہیں۔

آٹا بحران پیدا کرنے کے حوالے سے جو تلخ حقائق سامنے آئے ہیں، ان کی رُو سے بیوروکریسی کی کچھ کالی بھیڑوں کی ہوسِ زَر، اور بعض سابق حکمرانوں کی نالائقی ونااہلی یا میل ملاپ اور خود بہت سے فلورمل مالکان اور سرمایہ داروں کا زیادہ کمائی کی لالچ میں گندم بیرون ملک سمگل کرنے جیسے اُمور شامل ہیں، ورنہ ایک زرعی ملک کہ گندم جس کی سب سے بڑی پیداوار ہے، اور وہ ہرسال ٹنوں کے حساب سے گندم برآمد کرتا ہے، وہاں آٹے کا بحران چہ معنیٰ دارد؟

ملک آج جن گوناگوں بحرانوں کا شکار ہے اور گرداب بلا میں ایڑی سے چوٹی تک پھنسا اور دھنسا ہوا ہے، یہ کمرتوڑ مہنگائی اور معاشی دیوالیہ پَن ان میں سے محض ایک بحران ہے، اس کے علاوہ کتنے المیے یہاں آئے دن جَنَم لے رہے ہیں اور مستقبل میں کیسے کیسے خطرات کے بادل ملک وقوم کے سر پر منڈلا رہے ہیں، قوم کے باشعور طبقے اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ؎

وطن کی فکر کر، ناداں! مصیبت آنے والی ہے

تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ان ناگفتہ بہ حالات میں دین بے زار طبقہ اشرافیہ، خدا فراموش مقتدر قوتیں اور روشن خیالی وجدت پسندی کے زعمِ باطل میں مبتلا اَربابِ حل وعقد جو بھی مادی و سطحی تدبیریں اختیار کررہے ہیں، وہ سب اُلٹی پڑرہی ہیں۔ ع

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا

مقتدَر حلقوں کی طرف سے ملک میں بجلی کے بحران کی وجہ پانی کی قلت اور بجلی کے استعمال کے روز بروز بڑھتے ہوئے اضافہ کو قرار دیا جارہا ہے۔

اوراس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ ملک میں جس مقدار وتناسب کے ساتھ پانی کے ذخائر موجود ہیں، وہ ملکی آبادی کے استعمال کے لحاظ سے کافی کم ہیں، اوراسی طرح بجلی کے استعمال میں

روز بروز اضافہ اور ترقی ہو رہی ہے۔

ہمارے حکمران عادت سے مجبور ہونے کے باعث اپنے آپ کو آٹے و دیگر اشیائے خوردنی، گیس اور بجلی کے بحران کا ذمہ دار قرار دینے کو کسی طرح گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں، اور عوام کی حالت بھی یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذمہ دار قرار دینے کے بجائے، پورا پورا ذمہ دار حکومت کو قرار دے رہے ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں ہماری منصفانہ رائے یہ ہے کہ اِن سب بحرانوں کے ذمہ دار، اپنے اپنے حصہ کے بقدر، دونوں فریق ہیں، حکمران بھی اور عوام بھی۔

حکمرانوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا پوری طرح احساس نہیں اور عوام کو بھی۔

دین کے ایک داعی کی حیثیت سے ہم اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں کہ اپنی قوم کو اس خطرہ کی طرف متوجہ کریں۔

اور ہم اس کو کسی اور کے الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے قرآن کے الفاظ میں بیان کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (سورۃ النحل ، رقم الآیۃ ۱۱۲)

ترجمہ: اور بیان کرتا ہے اللہ مثال ایسے قریہ کی، جو امن کی حالت میں، مطمئن تھی، اس کے پاس اس کا رزق، فراوانی کے ساتھ، ہر جگہ سے آ رہا تھا، پھر انکار کیا، اس نے اللہ کی نعمتوں کا، تو چکھا دیا اس کو اللہ نے بھوک کا اور خوف کا لباس، ان کے کرتوتوں کی وجہ سے (سورہ نحل)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اگرچہ ایک خاص قوم کی حالت بیان فرمائی ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ تمام لوگ اُس قوم کی حالت سے عبرت پکڑیں، اور جن اعمال کی وجہ سے وہ قوم اللہ

تعالیٰ کے عذاب وسزا کی مستحق ہوئی، اُن اعمال سے بچیں۔

اس آیت میں ایک مثال اور واقعے کے انداز میں تمدنی زندگی کے لیے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا ایک فطری ضابطہ بیان فرمایا ہے، اور عمل ورد عمل کا قانون واضح فرمایا ہے، کہ جو قوم ومعاشرہ، سوسائٹی اور تمدن، اللہ تعالیٰ کی عام نافرمانی اور اس کی نعمتوں کی عمومی ناقدری جیسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے، تو دنیا میں اس کا نتیجہ دو ہمہ گیر سزاؤں کی صورت میں نکلتا ہے، ایک بھوک وقحط (یعنی غربت وافلاس اور تنگ دستی وغیرہ) اور دوسرا (دشمنوں وغیرہ کی طرف سے، یا باہم خانہ جنگی کی شکل میں) خوف وڈر۔

اب اگر شخصی ونجی سطح سے لے کر قومی واجتماعی سطح تک اپنے حالات کا ہم جائزہ لے لیں، کہ کون سی نعمت ہے جو زندگی کے لیے کس درجہ میں اہمیت رکھتی ہو اور ہمیں نہ ملی ہو، ہمارا ملک محلِ وقوع اور حدودِ اربعہ کے لحاظ سے بہترین خطۂ زمین ہے، معتدل موسم، اناج، غلوں، ترکاریوں، سبزیوں، پھلوں میں سے انواع واقسام کی بہترین پیداواریں ہمیں حاصل ہیں، زرعی وزرخیز زمین میں، افرادی قوت اور باصلاحیت وہنرمند افراد میں دنیا کی قوموں میں ہم پیش پیش ہیں، پہاڑی، میدانی، ساحلی ہرنوع کے زمینی خطے اور پٹیاں، دریاؤں اور نہروں کی فراوانی، مادی وسائل اور اسلحہ وہتھیاروں میں پورے عالمِ اسلام میں امتیازی حیثیت کے ہم حامل ہیں۔

لیکن ان نعمتوں کی ناقدری اور بے دردی سے ان کا ضیاع تقریباً ہمارا قومی کلچر بن چکا ہے، بجلی کا ضیاع، پانی کا ضیاع، کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال اور ضیاع میں بازاری اور سوقیانہ پَن، اور اپنی چھوٹی چھوٹی انفرادی سفلی خواہشات اور فائدے کے لیے دین ومذہب کے بڑے سے بڑے تاکیدی حکم کی سرِ عام پامالی اور پورے دھڑلے سے قومی واجتماعی مفاد پر شخصی وذاتی مفادات کو ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ، یہ ہماری قوم کا ایک عمومی مزاج بن چکا ہے۔ ؏ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

اس کے نتیجے میں بھوک اور خوف دونوں چیزیں ہم پر مسلط ہوتی جارہی ہیں، جتنے ہمارے قومی بحران ہیں، اور بڑے المیے جنم لے رہے ہیں، حاصل ان کا یہی دو چیزیں ہیں، بھوک اور خوف، کافروں کا خوف ایسا ہم پر مسلط ہوکر ہمارے رگ وریشے میں سرایت کر چکا ہے کہ گزشتہ آٹھ دس سال سے ہمارے سارے قومی مفادات اسی خوف کی نذر ہورہے ہیں، جان، مال، عزت، آبرو، غیرت وناموس، دین ومذہب، سب کچھ اس اَلاؤ میں جھونک دیا، قوم کے کارآمد وجاں باز لوگوں کو پکڑ پکڑ کر غیروں کی درندگی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا، اپنے قومی وملی ہیروز کو اقتدار کی بھیک پانے کے لیے قربانی کا بکرا بنا دیا گیا۔

اپنی زمین، فضائیں، سمندر، بندرگاہیں، طاغوت کی دسترس میں دے دی گئیں، تاکہ وہ ہمارے مسلمان بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلتا رہے، لیکن خوف ہے کہ گہرا ہی ہوتا جارہا ہے، خطرات ہیں کہ بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں۔

بھوک وقحط کا نقشہ بھی اس عرصے میں گہرے سے گہرا ہوتا گیا ہے، آٹا بحران ہو، یا بجلی وگیس کا بحران ہو، یا مہنگائی کی اور جتنی بھی شکلیں ہیں، سب بھوک وقحط کے مظاہر ہیں۔

اللہ کی اس بے آواز لاٹھی کی زَد سے نکلنے اور اس بھنور سے خلاصی پانے کا روحانی نسخہ مختصر الفاظ میں یہی ہے کہ جن نافرمانیوں، نعمتوں کی ناقدریوں کی وجہ سے یہ آزمایش آئی ہے، ان سے باز آجائیں، اپنے رب کے حضور سچی توبہ کریں۔

دوسری طرف ملک میں 2008ء کے انتخابات کا زمانہ بھی قریب ہے، اور سیاسی میدان میں شرکت کرنے والی جماعتیں پورے زوروشور سے انتخابی سرگرمیوں میں مشغول ہیں۔

لیکن اس وقت جن حالات میں انتخابات منعقد ہونے جارہے ہیں، ان کے نتائج جو بھی نکلیں، بہرحال ملک میں سخت بدامنی اور فتنہ وانتشار کے خطرات لاحق ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کی سلامتی وعافیت نصیب فرمائے، اور ملک کو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1429ہجری فروری/2008ء، جلد5 شمارہ1)

(48)

وطنِ عزیز کے حالیہ انتخابات اور موجودہ سیاسی صورتِ حال

وطنِ عزیز میں 18 فروری 2008ء بروز پیر کو قومی وصوبائی نشستوں کے انتخابات ہوئے، جس میں سابقہ حزبِ اقتدار اور صدر پرویز مشرف صاحب کی حمایت یافتہ جماعت ''ق لیگ'' کو غیر معمولی اوران کی توقع کے خلاف ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

ملک بھر سے پیپلز پارٹی نے پہلی اور نواز شریف صاحب کی مسلم لیگ نے دوسری پوزیشن حاصل کی، لیکن انفرادی طور پر کوئی بھی ایک جماعت اتنی نشستیں حاصل نہیں کرسکی، جو آئینی طور پر حکومت سازی کے لیے درکار ہوتی ہیں، جس کے نتیجے میں مخلوط حکومت کے وجود میں آنے کی توقع کی جارہی ہے۔

ہم موجودہ انتخابات اور سیاسی صورتِ حال پر چند گزارشات قارئین کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔

(1)...... حسبِ سابق اس مرتبہ بھی ووٹنگ کا ٹرن آؤٹ اور ووٹوں کا استعمال اوسطاً 20 سے 40 فیصد کے درمیان رہا، ایک رپورٹ کے مطابق ماضی میں ہمارے ملک میں کبھی بھی 40 فیصد سے زیادہ ووٹ کا ٹرن آؤٹ نہیں ہوسکا۔

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کا 60 سے 80 فیصدی وہ کون سا طبقہ ہے، جو ہمیشہ ووٹ کے استعمال سے الگ تھلگ رہا ہے، اور اس نے ووٹ کے استعمال کی ضرورت نہیں سمجھی، اور اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

تو غور کرنے اور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادہ تر دین دار اور پڑھے لکھے شرفا وامرا کا طبقہ ہے۔

جہاں تک دین دار طبقے کا تعلق ہے، تو وہ یا تو ووٹ کے استعمال کو ہر حال میں دین کے خلاف

سمجھتا رہا ہے، یا اس کے نزدیک کوئی بھی امیدوار اس قابل نہیں رہا کہ وہ ووٹ کا اہل اور مستحق ہو۔

رہا شرفاء وامراء کا طبقہ، تو وہ یا تو ووٹ کے لیے سڑکوں اور گلیوں میں ووٹ ڈالنے کے لیے لگی قطاروں میں کھڑے ہونے کو، اپنی شان کے خلاف سمجھتا رہا ہے، یا پھر اس نے اپنی دولت کے بل بوتے پر اس کی پرواہ ہی نہیں کی کہ حکمرانوں میں کون لوگ اور کس قسم کی جماعت آتی ہے۔

حالانکہ اس قسم کا متضاد طرزِ عمل اور سوچ غلط ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ملک میں بالعموم نااہل اور غیر ذمہ دار لوگ حکمرانوں کا انتخاب کر کے صلحاء وشرفاء اور امراء سب کے لیے مسائل پیدا کرنے، اور ملک کو دین سے دور کرنے کا باعث بنتے رہے ہیں۔

(2)...... انتخابات اور ووٹ کے سلسلے میں ایک بات یہ بہت اہم ہے کہ جب جماعتی انتخابات ہو رہے ہوں، تو شخصی وذاتی کردار سے زیادہ جماعت کا منشور زیادہ اہمیت وتوجہ کا حامل ہوتا ہے۔

اور اس کے مقابلے میں آزاد امیدوار کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ قانونی یا غیر قانونی اعتبار سے اس چیز کا پابند نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ذاتی مفادات واغراض کو دیکھتے ہوئے کسی غلط جماعت کے ساتھ شامل نہ ہو سکے، اس لیے عموماً آزاد امیدوار منتخب ہو کر اپنے مفادات کی خاطر، بہتر منشور والی جماعت کے مدِ مقابل جماعت کے ساتھ شامل ہو کر، بہتر منشور والی جماعت کے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے، اور ماضی میں کثرت سے ایسا ہوتا بھی رہا ہے۔

(3)...... سیاسی بڑی جماعتوں میں موجودہ حالات کے تناظر میں میاں نواز شریف کا سابقہ کردار اور موجودہ منشور دوسری بڑی موجود سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں بہتر رہا ہے، چنانچہ میاں نواز شریف صاحب کے دورِ حکومت میں معاشی ترقی اور کئی اصلاحات بہت اہمیت رکھتی ہیں، اور نواز شریف صاحب کا اپنے منشور میں عدلیہ کی بحالی سمیت کئی ایسے ایشو

تھے، جن کا دوسری جماعتوں نے اپنے منشور میں ذکر تک نہیں کیا تھا۔

اس لحاظ سے میاں نواز شریف صاحب کی جماعت کو ملک میں جتنی نشستیں حاصل ہونا چاہیے تھیں، اور عوام کو جس اہتمام کے ساتھ میاں صاحب کی جماعت کو ووٹ دینا چاہیے تھا، وہ سامنے نہیں آیا، تاہم پھر بھی ملک کے باشعور اور سنجیدہ طبقے نے میاں صاحب کی جماعت کو کام یابی دلانے میں اپنا حق استعمال کیا۔

یہ تو اس صورتِ حال کے تناظر میں تبصرہ تھا، جو عملاً ہمیں درپیش ہے، باقی اس پورے نظام اور مجموعی سسٹم کا جائزہ لیا جائے، تو مروجہ جمہوری نظام بگڑتے بگڑتے بد قسمتی سے امتِ مسلمہ اپنے دین سے بالخصوص دین کے نظامِ اجتماعی، نظامِ تشکیلِ ریاست سے بہت دور جاچکا ہے، اور اس دوری کی حالت میں صدیوں کا سفر طے کرچکا ہے۔

موجودہ جمہوری نظام آج کی دنیا کا زیادہ پاپولر اور مقبول نظام ہے، اور یہ نظام آج کی دنیا کے دیگر آمرانہ قسم کے نظاموں سے اس لحاظ سے نسبتاً زیادہ متوازن ہے کہ اس میں شخصی آزادیوں اور مذہبی رواداریوں کی کافی زیادہ گنجائش ہے، جس میں ایک مسلمان اگر کم از کم اپنی نجی وانفرادی زندگی میں اسلام کے مطالبات اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

مگر افسوس کہ ہمارے ہاں جمہوریت بھی صحیح معنوں میں رائج و نافذ نہیں، بلکہ بسا اوقات جمہوریت کے نام پر انتخابات کی شکل میں ایک کھیل کھیلا جاتا ہے، ورنہ بسا اوقات حکومتوں کی تشکیل اور اکھاڑ پچھاڑ کا اصل اختیار، کچھ پس پردہ قوتوں کے پاس ہوتا ہے۔

دوسری طرف ہمارے ملک میں الیکشن کے دوران اور حکومت سازی کے مرحلے میں عوام اور امیدواروں کی جانب سے بھی، اور خود سیاسی جماعتوں کی جانب سے بھی جس طرح ایک دوسرے کی کردار کشی، پروپیگنڈے، اوچھے ہتھکنڈے، ہارس ٹریڈنگ، لڑائی جھگڑے، تنازعات واختلافات، گروہی و جماعتی تعصّبات، دولت کا بے تحاشا ضیاع، قومی وسائل کا بے

دریغ استعمال وغیرہ خرافات جس طرح ایک سیاسی کلچر اور قومی روایت کی شکل اختیار کرچکی ہیں، یہ ساری چیزیں نہ صرف یہ کہ ہمارے دین کے خلاف اور اسلامی اجتماعیت و بھائی چارے کے منافی ہیں، بلکہ یہ معاشی طور پر ملک وقوم کا دیوالیہ بھی نکالنے کے مترادف ہیں، جس کی وجہ سے اپنے نمائندوں کے چناؤ کی قیمت ملک کو مزید قرضوں کے بوجھ تلے دبنے، خزانہ کے کنگال ہونے اور قوم کو ٹیکسوں اور مہنگائی کی بھرمار ہونے کی شکل میں ادا کرنی پڑتی ہے۔

لیکن بہرحال جب تک یہ نظام مسلط ہے ''اَھْوَنُ الْبَلِیَّتَیْن'' کے تحت اس کے شر کو کم کرنے اور خیر وبھلائی کو اوپر لانے میں اسی نظام کے تحت جو کچھ ہوسکتا ہے، اس سے بھی ہاتھ کھینچ لینا غیر جانب داری نہیں، بلکہ شر کے پلڑے کو بھاری کرنے میں بالواسطہ حصہ دار بننا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے ملک میں حالات بہتر ہوں گے اور جبر واستبداد میں کمی واقع ہوگی۔ اور ملک میں جو خانہ جنگی کے حالات تھے، ان سے نجات حاصل ہوگی۔

اس وقت دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اب ملک میں جو حکومت عطا فرمائے، وہ ملک وملت کے حق میں بہتر ہو اور اسے پائے داری واستحکام حاصل ہو۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

محمد رضوان

(ماہنامہ ''التبلیغ''، صفر المظفر/1429 ہجری مارچ/2008ء، جلد 5 شمارہ 2)

(49)

2008ء کی منتخب حکومت اور وطنِ عزیز کو درپیش چیلنج

پاکستان میں 2008ء کے انتخابات کے نتیجے میں بننے والی نئی حکومت نے مرکز اور ایک صوبے میں اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں، ابھی وزارتوں اور مختلف عہدوں کی ترتیب وتشکیل کا عمل جاری ہے، جب کہ صوبہ سرحد (موجود صوبہ خیبر پختونخوا) کے علاوہ باقی صوبوں میں انتقالِ اقتدار اور حکومت سازی کا مرحلہ ابھی باقی ہے، جو اُمید ہے کہ ان سطور کی اشاعت تک کافی حد تک طے ہو چکا ہوگا۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ نئی حکومت مختلف جماعتوں کے اتحاد سے قائم ہوئی ہے، اور اس اتحاد کی دو بڑی جماعتیں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن ہیں، پیپلز پارٹی کے انتخابات میں بڑی جماعت کے طور پر اُبھر کر سامنے آنے کی وجہ سے وزیر اعظم اور سپیکر سمیت کئی کلیدی عہدوں پر اسی جماعت کے منتخب نمائندوں کا چناؤ ہوا ہے، تاہم نواز شریف کی جماعت سے تعلق رکھنے والے منتخب نمائندگان کو بھی کئی اہم عہدے حاصل ہوئے ہیں۔

نئی حکومت کی طرف سے منتخب وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کے بارے میں ملک کے اکثر لوگ مثبت خیالات کا اظہار کر رہے ہیں، اور اچھی توقعات رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہترائی پیدا فرمائے۔ آمین۔

نئی حکومت کے لیے اس وقت ملک میں کئی بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔

جن میں سے ایک بڑا چیلنج عدلیہ وآئین کی بحالی ہے، جس کے لیے صدر مشرف صاحب بڑی رُکاوٹ کے طور پر اس وقت موجود ہیں، اگرچہ صدر مشرف صاحب کے سیاسی حامیوں میں غیر متوقع طریقہ پر کمی واقع ہوگئی ہے، لیکن بہرحال فردِ واحد کے لیے صدر کا عہدہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، جو ملکی تاریخ میں اب تک سیاہ وسفید بہت سے کارنامے انجام

دے چکا ہے۔

خاص طور پر صدر مشرف صاحب جو تجزیہ نگاروں اور ملک کے اکثر لوگوں کے خیال کے مطابق وطنِ عزیز کے صدر ہونے کے باوجود غیر ملکی خصوصاً امریکی پالیسیوں پر عمل پیرا رہے ہیں، اور اُن کو کئی غیر ملکی قوتوں کا اب تک آشیر باد حاصل رہا ہے، لیکن ملک کی داخلی فضا اس وقت ان کے لیے ہموار نہیں ہے۔

لہٰذا نئی حکومت کو اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے بہت ہی دور بینی اور دور اندیشی سے کام لینا ہوگا۔

اس کے علاوہ ملک اور نئی حکومت کو دوسرا بڑا چیلنج ملک میں جاری خودکش حملوں سے ملک کا تحفظ کرنا ہے، تجزیہ نگاروں کے مطابق ان سے تحفظ کا واحد راستہ ملک میں بعض عناصر کے خلاف طاقت کے اندھا دُھند استعمال کے بجائے مذاکرات ومفاہمت کا راستہ اختیار کرنا، غلط فہمیوں کا دور کرنا، اور دہشت گردی کے عوامل کو ختم کرنا اور ملک میں جاری غیر ملکی اور امریکی پالیسیوں سے نجات حاصل کرنا ہے۔

امریکی پالیسیوں کو پوری طرح ملک میں عملی جامہ پہنانے والی ق لیگ کی سابقہ حکومت کا شیرازہ کو بُری طرح بکھر چکا ہے، اور باوردی (یا بقول بعض بارُودی) صدر نے کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا فراہم کر کے بھان متی کا جو کنبہ جوڑا تھا، وہ اگرچہ بڑی حد تک تتّر بتّر ہو چکا ہے، لیکن اس کے بانی مبانی صدر مشرف صاحب بغیر وردی کے مسندِ صدارت پر براجمان ہیں، اس لیے نئی حکومت کو امریکی پالیسیوں کی مخالفت کے معاملہ میں صدر مشرف صاحب اور اُن کو ھلاّ شیری دینے والی طاقتوں سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

اس کے علاوہ نئی حکومت کے لیے تیسرا بڑا چیلنج ملک کی معاشی حالت کا عدمِ استحکام ہے، بجلی، گیس، پانی اور اشیائے خوردنی کا بحران بھی معاشی عدمِ استحکام کا حصہ ہے۔

اگر نئی حکومت دردمندی اور اخلاص کے ساتھ کفایت شعاری کے اصول کو اپنا کر ملک وملت کی خدمت کے لیے آگے بڑھے گی، تو امید ہے کہ کچھ عرصے میں اس بحران پر قابو پایا

جاسکتا ہے۔

ہمارا وطنِ عزیز ہر طرح کے ذخائر وصلاحیتوں سے مالا مال ہے، اور ہمیشہ سے صحیح اور سچا جذبہ رکھنے والے ملک وملت کے خدمت گزاروں کا منتظر ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ اقتدار میں آنے والے اکثر لوگ ان ذخائر وصلاحیتوں سے صحیح استفادہ نہیں کر پاتے اور اوپر سے اپنی عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں مَست رہ کر ملکی خزانے سے ہاتھ دھوتے رہتے ہیں، اور ملکی خزانے کے ضیاع وبے جا استعمال کی پالیسیوں سے بچنے کا خاطر خواہ اہتمام نہیں کرتے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو درپیش مسائل ومصائب سے پوری قوم کی حفاظت فرمائے، اور ملک وملت کی اس کشتی کو بھنور سے نکال کر عافیت وسلامتی کے ساتھ پار لگائے۔ آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ" ربیع الاول/1429ہجری اپریل/2008ء، جلد5 شمارہ3)

(50)

بجلی کا بحران کیسے ختم ہو؟

چند ماہ سے ملک بھر میں بجلی کی شدید قلت محسوس ہورہی ہے، ملک کے کئی اطراف میں بدترین لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری ہے، اور دن رات میں کئی مرتبہ معمولی لوڈ شیڈنگ کے سلسلے سے تو شاید ہی ملک کا کوئی حصہ بچا ہوا ہو۔

غیر معمولی لوڈ شیڈنگ کے باعث ملک کے بعض علاقوں میں ہنگامہ آرائی بھی ہو چکی ہے، اور پریشانی اور تشویش تو تقریباً ہر حصہ میں محسوس کی جارہی ہے۔

خاص طور پر شہری زندگی میں پریشانی اس لیے زیادہ ہوتی ہے کہ لوگ تنگ وتاریک مقامات پر گزربسر کرتے ہیں اور ان کو قدرتی روشنی اور ہوا کے مواقع بہت کم میسر ہوتے ہیں، اور وہ بجلی نہ ہونے کی صورت میں اپنی بہت سی ضروریات کے پورا کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ لوگوں کی مختلف ضروریاتِ زندگی بجلی کے ساتھ وابستہ ہوگئی ہیں، مثلاً بجلی کے بغیر پانی کا اوپر ٹینکی میں نہ چڑھنا، فریج اور ڈیپ فریزر، کپڑے دھونے اور سلائی کرنے والی مشین، کمپیوٹر، استری اور دوسری سینکڑوں مشینیں، جو بجلی ہی کی مدد سے چلتی ہیں، وہ سب بجلی چلی جانے کے بعد کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔

پھر موسمِ سرما میں تو ہوا اور ٹھنڈک کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے گزارا ہو جاتا ہے، لیکن موسمِ گرما میں گزارا مشکل ہوتا ہے، بجلی نہ ہونے کی صورت میں دن کا وقت تو کسی طرح بیٹھ کر اور دوسرے طریقوں سے گزار لیا جاتا ہے، لیکن موسمِ گرما میں رات کا وقت گزارنا بہت مشکل اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔

اور اب چونکہ موسمِ گرما کا آغاز ہو چکا ہے، اس لیے لوڈ شیڈنگ کے باعث پریشانی اور تکلیف کے گھنے بادل شہری لوگوں کے سروں پر منڈلا رہے ہیں، اور اگرچہ حکمرانوں کی طرف سے

موسمِ گرما کے آغاز سے پہلے لوڈ شیڈنگ کے مسئلے پر قابو پا لینے کے بلند و بانگ دعوے جاری ہیں، مگر عملی طور پر ان دعووں کا سفر حقیقت کی منزل سے کافی دور نظر آتا ہے، کیوں کہ ایک طرف تو موسمِ گرما کا آغاز ہو چکا ہے، اور دوسری طرف ملک میں بجلی کی قلت کے اسباب دور کرنے کا عملی طور پر کوئی معقول انتظام و بندوبست سامنے نہیں آیا۔

محکمہ واپڈا اور دوسرے ماہرین و ذمے دار حلقے مدتِ دراز سے ملک میں بجلی کی قلت اور اس کی وجوہات کی طرف متوجہ کرتے رہے ہیں، اور آبی ذخیروں، چھوٹے بڑے ڈیموں کی تعمیر کی تجاویز دیتے رہے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے ملک کو دیانت دار و ذمہ دار اور صاحبِ بصیرت و دور بین قیادت میسر نہ ہونے سے اس اہم مسئلے کو حل کرنے کی طرف صحیح توجہ نہیں دی جا سکی یا اس مسئلے کے حل کو صوبائی، لسانی، یا پارٹی بازی اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے وغیرہ جیسے تعصّبات کی نذر کیا جاتا رہا ہے۔

چنانچہ کالا باغ ڈیم کا مسئلہ مدتِ دراز سے مختلف حکومتوں کے زمانے میں زیرِ بحث رہا ہے، اور رفتہ رفتہ ایک ایسی دبی چنگاری یا سلگتے انگارے کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے کہ ذرا اس مسئلے کو چھیڑا نہیں اور موافق و مخالف ردِّعمل کی شکل میں انتشار و خلفشار کی آگ بھڑکی نہیں۔

باوجودیکہ ملک کو کالا باغ ڈیم کی سخت ضرورت سمجھی جا رہی ہے، لیکن تا حال اس کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا اور نہ ہی قریبی عرصے میں حل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

گو کہ صوبائی سطح پر اس حوالے سے مختلف صوبوں کے اپنے اپنے مخصوص جغرافیائی تناظر میں الگ الگ تحفظات اور کسی درجے میں باہم متصادم مفادات بھی ہیں، لیکن ان کا بھی کوئی حل نکالا جا سکتا ہے۔

ہمارے یہاں اس طرح کے معاملات میں عوام کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ان کو حکومت کی طرف سے حاصل کردہ زمینوں کا معقول معاوضہ نہیں دیا جاتا، یہ عوام کی شکایت بجا ہے، جس کا ازالہ ہونا چاہیے، اس کے علاوہ ڈیم کے قرب و جوار والی زمین میں غیر معمولی نمی پیدا ہو جانے سے

دور دور تک ایک وسیع علاقہ سیم وتھور کی زد میں آ کرنا قابلِ کاشت ہوجاتا ہے، اس شکایت کا بھی ماہرین کی مشاورت سے ازالہ ہونا چاہیے۔

مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس سلسلے میں پیش کردہ بعض شبہات وتحفظات بے بنیاد ہیں، جو کہ مفروضے، یا دشمنانِ وطن کی طرف سے مختلف شوشے چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، اس سلسلے میں عوام کو باشعور کرنے کی ضرورت ہے۔

بجلی کی پیداوار بڑھانے کے علاوہ ڈیموں کے اور بھی بڑے بڑے فوائد ہیں مثلاً:

(1)......ڈیموں کے بننے سے بارش اور چشموں کا پانی ضائع ہونے سے کافی حد تک محفوظ ہوجاتا ہے۔

(2)......کئی علاقے سیلاب کی زد سے محفوظ ہوجاتے ہیں اور سیلاب سے جس طرح جانی نقصانات ہوتے ہیں، مالی نقصانات بھی ہوتے ہیں، لوگ گھر سے بے گھر ہوجاتے ہیں، اور کھڑی فصلیں تباہ ہوکر ملک میں بحران کا سبب بنتی ہیں۔

(3)......بوقتِ ضرورت فصلوں کو ڈیموں سے پانی فراہم کرکے پیدوار کے بحران سے بچا جاسکتا ہے، اور اس میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال ملک کو جتنی بجلی کی پیداوار کی ضرورت ہے، اتنی مقدار بجلی کی پیداوار کے انتظامات ملک میں نہ ہونا، بجلی کی قلت اور لوڈ شیڈنگ کا بہت بڑا سبب ہے۔

لیکن دوسری طرف عوام کی بڑی تعداد بھی بجلی کا بے جا استعمال بلکہ ضیاع کرکے اس کا سبب بن رہی ہے۔

چنانچہ ہمارے یہاں عوام میں بجلی کے صحیح اور مناسب انداز میں استعمال کے متعلق صحیح شعور نہیں پایا جاتا، جس کی وجہ سے بجلی کے استعمال میں اسراف اور ضیاع عام ہے، اور صرف عام ہی نہیں، اسراف وضیاع روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے، جس کی طرف توجہ دلانے سے بھی توجہ نہیں ہوتی، بہت سے لوگوں نے تو بجلی کو جو ایک ضرورت کی چیز ہے، اسے زیب و

زینت اور نمود و نمائش کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔

چند ماہ پہلے گزشتہ دورِ حکومت کے آخری ایام میں حکومت کی طرف سے شام کو جلدی کاروباری مشاغل موقوف کردینے کا قانون بنایا گیا تھا، جو کہ اس لحاظ سے مفید اور بہتر تھا کہ رات کے اندھیرے میں غیر معمولی مقدار میں استعمال ہونے والی بجلی کے استعمال میں کمی ہوجائے، اور صبح سویرے سے دن کی روشنی میں کام کا آغاز کیا جائے، اور صبح دیر سے کام شروع ہونے کے رواج کا خاتمہ کیا جائے، لیکن چند دن اس قانون پر سختی رہنے کے بعد یہ سلسلہ آگے نہیں چل سکا، اگر عوام الناس میں اس کا مختلف ذرائع ابلاغ سے شعور پیدا کیا جائے تو کسی قانون کے بغیر بھی عمل درآمد ہوسکتا ہے۔

لیکن ہمارے یہاں عام طور پر لوگوں میں شعور پیدا کرنے کا اہتمام کرنے کے بجائے صرف قانون سازی پر اکتفا کرلیا جاتا ہے، جس کے مفید اثرات ظاہر نہیں ہوتے، بلکہ شعور نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کے قوانین کے خلاف عوامی ردعمل سے اس قانون کو بعض اوقات واپس لینا پڑجاتا ہے۔

جب کہ عوام کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے اس وقت مختلف ذرائع ابلاغ موجود ہیں، جن کے ذریعے سے عوام کا شعور کافی حد تک بیدار کیا جاسکتا ہے، اور بہت سے ممالک میں اس پر عمل بھی ہورہا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ عام طور پر معاشرے کی اصلاح کے بجائے معاشرے میں خرابی پھیلانے میں پوری طرح سرگرمِ عمل ہیں۔

ان حالات میں ملک وملت کی بہترائی کا کیوں کر تصور کیا جاسکتا ہے، بہرحال بجلی کی پیداوار کی قلت اور بحران سے بچنے کے لیے عوام اور حکمران سب کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور ان پر صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔ 23/ ربیع الآخر 1429 بمطابق 30 اپریل 2008ء

(ماہ نامہ "التبلیغ" ربیع الآخر/ 1429 ہجری مئی/ 2008ء، جلد 5 شمارہ 4)

(51)

کام چوری اور حرام خوری

آج کل معاشرے میں کام چوری اور حرام خوری کا مرض بہت ترقی پکڑتا جارہا ہے، اور معاشرے میں بہت کم شعبے، بلکہ افراد ایسے رہ گئے ہیں جوان دونوں بیماریوں سے محفوظ ہوں۔

کام چوری سے مراد ہر ایسا کام ہے، جو کسی انسان کی ذمہ داری میں داخل ہو اور وہ اس میں کوتاہی کرے، خواہ وہ کام وقت کی پابندی کی شکل میں ہو، یا کسی کام کو ٹھیک انجام دہی کی شکل میں یا دونوں شکلوں میں۔ [1]

اور حرام خوری کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا انسان کو استحقاق نہیں تھا، اس پر قابض ہو۔

لیکن یہاں حرام خوری سے ہماری مراد صرف وہ حرام خوری ہے، جو کام چوری کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہو۔

سرکاری وغیر سرکاری ملازم، مزدور، اور اجرت پر کام کرنے والے اکثر افراد ایسے پائے جاتے ہیں، جو اپنی ڈیوٹی اور اپنی ذمہ داری میں وقت یا کام کے اعتبار سے کوتاہی کرتے ہیں، اور معاوضہ و اجرت پوری پوری حاصل کرتے ہیں، یہی کام چوری اور حرام خوری ہے۔

جب ذمہ داری نبا ہنے کا معاملہ آتا ہے، تو اس میں سستی کاہلی اور سینکڑوں حیلے بہانے آڑے آ کر کام چوری کا سبب بن جاتے ہیں، لیکن جب اس ذمہ داری پر اجرت و معاوضہ کا معاملہ آتا ہے، تو شاید ہی کسی کے دل و دماغ میں یہ خیال و تصور پیدا ہوتا ہو کہ یہ معاوضہ و اجرت دراصل فلاں ذمہ داری اور اوقات کی پابندی کا معاوضہ ہے، اور اگر میں نے اس میں کوتاہی

---

[1] کیوں کہ بعض اوقات اجرت و معاوضہ کا استحقاق ایک مخصوص وقت میں ڈیوٹی سرانجام دینے کی صورت میں ہوتا ہے، اور بعض اوقات کسی کام کو کرنے کی صورت میں اور بعض اوقات وقت کی پابندی اور کام دونوں کی صورت میں ہوتا ہے۔

کی ہے، تو میں پوری اجرت ومعاوضے کا مستحق نہیں ہوں، اور جتنی مقدار میں میری طرف سے کوتاہی کا ارتکاب ہوا ہے، اتنی مقدار اجرت ومحنتانہ وصول کرنا میرے لیے حرام وناجائز ہے۔

کتنے لوگ ہم میں سے ایسے ہیں کہ جو سرکاری وغیر سرکاری محکمہ میں ملازم ہیں اور مقررہ وقت کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتے، اور قصداً وعمداً تاخیر وتعطیل کا ارتکاب کرتے ہیں، اور یہ روِش اتنی بگڑ چکی ہے کہ اس کی لوگوں کو پختہ عادتیں ہو چکی ہیں اور شاید ہی کچھ لوگ کبھی وقت کی پابندی کا اہتمام کرتے ہوں۔

بعض جگہ تو اوپر سے نیچے تک سارے کا سارا عملہ ہی اس کام چوری کے مرض میں مبتلا ہے، چنانچہ کام کے آغاز کے جو اوقات مقرر ہیں شاید ہی ملازموں کی طرف سے کبھی اس مقررہ وقت پر کام کا آغاز ہوتا ہو، خصوصاً سرکاری اداروں میں حالت زیادہ مخدوش نظر آتی ہے۔

اِدھر ذمہ داری کے آغاز میں مقررہ وقت میں ڈنڈی مار کر کام چوری کا ارتکاب کیا جاتا ہے، تو دوسری طرف ذمہ داری کے اختتامی اوقات میں قبل از وقت کام بند کر دینے کی صورت میں کام چوری کا ارتکاب کیا جاتا ہے، حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جتنی تاخیر ابتداء میں ہوئی اس کی تلافی بعد میں وقت دے کر کی جاتی، اگر چہ یہ شرعاً پوری طرح تلافی نہ ہو، لیکن کم از کم اخلاقی درجے میں تو اس کی کوئی قدر وقیمت ہے۔

اس صورتِ حال کا مشاہدہ آج کل انصاف فراہم کرنے کے مدعی بہت سے اداروں میں بھی ہوتا ہے، چنانچہ عدالتوں میں بہت سے جج صاحبان بھی اپنے مقررہ وقت پر حاضری کا اہتمام نہیں کر پاتے، جب کہ بعض اوقات مقررہ وقت سے پہلے رخصت ہو جاتے ہیں، اور مظلوم عوام، جو اِن حضرات کی غیر حاضریوں سے تنگ پڑے رہتے ہیں، اور طرح طرح کی پریشانیوں اور مسائل کا شکار ہوتے ہیں، وہ اس کام چوری والی حاضری کو بھی غنیمت سمجھتے ہیں، کیوں کہ آج کل افسران کا حاضر ہونا ہی (خواہ تھوڑے وقت کے لیے ہو) ایک نایاب

چیز اور نعمتِ غیر مترقبہ بنتا جارہا ہے۔

اور جب ہمارے عدل وانصاف فراہم کرنے کے دعوے دار، اداروں اور ذمہ داروں کی طرف سے کام چوری کی یہ صورتِ حال ہے، تو بقیہ اداروں کی حالت کا اس سے خود اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

یہ وقت کی چوری ہے، جو کام چوری میں داخل ہے، اور اس پر پورا معاوضہ واجرت یا تنخواہ لینا حرام خوری میں داخل ہے، اسی طرح جو کام اپنی ذمہ داری میں داخل ہے، اس میں کوتاہی کرنا بھی کام چوری میں داخل ہے، مثلاً کسی تعمیر کی یا مشینری ٹھیک کرنے کی اجرت مقرر کی گئی، مگر جو جو کام جس طرح انجام دینا طے کیے گئے، ان کو اس طرح ٹھیک ٹھیک انجام دینے میں کوتاہی کی گئی، یہ بھی کام چوری ہے، اس صورت میں بھی کوتاہی کرنے پر مقررہ اجرت ومعاوضہ لینا حرام خوری میں داخل ہے، جس میں آج معاشرے کا مزدور، ہنرمند اور ملازمت پیشہ بہت سے افراد مبتلا ہیں۔

یہ تو مختصر انداز میں چند مثالیں پیش کی گئیں، ورنہ اگر سرکاری وغیر سرکاری شعبوں اور بطورِ خاص ملازمت اور محنت ومزدوری اور اجرت کے معاملات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو لگتا ہے کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، اور کام چوری وحرام خوری کے مرض نے ہماری دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کرنے کا پورا پورا سامان کیا ہوا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو کام چوری اور حرام خوری کے مرض سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ" جمادی الاولیٰ/1429ہجری جون/2008ء، جلد5 شمارہ5)

(52)

2008ء کی منتخب حکومت کا غیر یقینی کردار

ملک میں پیپلز پارٹی کی نومنتخب حکومت کو اقتدار میں آئے ہوئے سو دن کا عرصہ ہونے کو ہے، لیکن تجزیہ نگاروں اور عام حالات کے مشاہدے کے مطابق چند جزوی اصلاحات کے علاوہ ملک میں کوئی اہم اصلاحی وفلاحی پیش رفت سامنے نہیں آ سکی، بلکہ قوم سے کیے گئے مختلف وعدوں کو بھی عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا۔

خاص طور پر حکومت نے ملکی اصلاحات کے لیے قوم کے سامنے جو سو روزہ پلان پیش کیا تھا، وہ ابھی تک صرف ہوائی باتوں کی حد تک محدود ہے۔

عدلیہ اور ججوں کی بحالی کا معاملہ بھی اس وقت سرد مہری کا شکار ہے۔

اور پیپلز پارٹی کے قائدین کی طرف سے جو بیانات سامنے آ رہے ہیں، وہ بالکل غیر واضح اور غیر یقینی ہیں، جن کو مروَّجہ سیاسی بیانوں سے زیادہ حیثیت دیا جانا مشکل معلوم ہو رہا ہے۔

ادھر پیپلز پارٹی کی طرف سے عدلیہ اور ججوں کی بحالی کا وعدہ پورا نہ ہونے پر نواز شریف کی پارٹی نے جو کہ حکومت کی بڑی اتحادی جماعت شمار ہوتی ہے، وزارتیں چھوڑ دی ہیں، اور حالات سے محسوس ہوتا ہے کہ پیپلز پارٹی اور نواز شریف کا اتحاد شاید زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔

قوم سے کیے گئے وعدوں کی تکمیل تو ایک طرف سرد خانے میں پڑی ہوئی ہے، مگر دوسری طرف دین وآئین کے خلاف بعض قوانین کی منظوری سے حکومت کے عزائم کا کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ ملک وملت کے ساتھ کتنی مخلص ہے، چنانچہ مورخہ 28 جمادی الاخریٰ 1429ھ 3 جولائی 2008ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ وفاقی کابینہ نے سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرنے کی منظوری دے دی۔

جس کے بعد بروز ہفتہ یکم رجب المرجب 1429ھ 5 جولائی 2008ء کے اخبار میں یہ خبر

شائع ہوئی کہ سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرنے پر سپریم کورٹ نے از خود نوٹس لے لیا، اور حکومت سے 14 جولائی کو جواب طلب کرلیا ہے۔

اگرچہ اس سے اگلے روز، بروز اتوار 2 رجب 1429ھ 6 جولائی 2008ء کے اخبار میں حکومت کی طرف سے سزائے موت کو عمر قید میں بدلنے کی ایک سرسری تردیدی خبر بھی شائع ہوئی ہے۔ مگر حکومت کی طرف سے گزشتہ کئی دنوں سے جو سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرنے کا عندیہ ظاہر کیا جارہا تھا، اس کے پیشِ نظر اور سپریم کورٹ کے اس پر از خود نوٹس لینے کے باوجود اس خبر کی تردید پر اطمینان کا اظہار نہیں کیا جاسکتا، اور حالات وقرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اس طرح کی قانون سازی میں اندرونِ خانہ مصروف ہے۔

امید ہے کہ چند دن تک اس خبر کی صداقت وعدمِ صداقت کی وضاحت ہوجائے گی، بہر حال جو کچھ بھی ہو، سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرنے کے قانون کو شریعت اور آئینِ پاکستان کے موافق قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حدود وقصاص کے قوانین واضح طور پر قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں، اور ان میں انسانوں کا دَخل عمل نہیں، اور اسی وجہ سے ان میں اس قسم کی ترمیم کا کسی حکمران یا عدالت کو حق حاصل نہیں۔

اس سے پہلے بھی سابقہ حکومت اپنے آخری دَور میں زنا سے متعلق بعض حدود میں غیر اسلامی ترامیم کر کے قانون منظور کر چکی ہے، اس قسم کے اقدامات ملک وملت کے لیے کسی طرح نیک فال معلوم نہیں ہوتے، اور ان کی وجہ سے ملک میں قتل وغارت اور دہشت گردی وغیرہ کے واقعات میں اضافہ اور مجرموں کی حوصلہ افزائی ہونے کا ڈر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے اقدامات سے امت کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1429ہجری جولائی/2008ء، جلد 5 شمارہ 6)

---

(53)

بجلی کا بحران اور بڑھتی ہوئی مہنگائی

ملک میں گزشتہ چند ماہ سے مہنگائی میں اتنا زیادہ اضافہ ہوا ہے، کہ شاید ہماری یادداشت میں کبھی اتنی تیزی کے ساتھ اضافہ نہ ہوا ہو، اشیائے خوردنی سے لے کر روزہ مرہ استعمال کی تقریباً ہر چیز کی قیمتوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، پٹرول، گیس اور بجلی کی قیمتوں میں ایک مرتبہ نہیں پے در پے کئی کئی مرتبہ اضافہ کیا جا رہا ہے، متعدد حکمران بڑھتی ہوئی مہنگائی پر قوم سے معافی کی درخواست بھی کر چکے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ معافی تلافی کی زبانی کلامی جمع خرچ کرنے سے، اس طرح کے مسائل کا حل نہیں نکلا کرتا، بلکہ مسائل کے حل کے لیے عملی طور پر مؤثر اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔

یوں تو تجزیہ نگاروں کے بقول ملک میں جاری مہنگائی کے کئی ظاہری اسباب بیان کیے جا رہے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں ملک میں بجلی کی پیداوار کی قلت، مہنگائی کا ایک بڑا ظاہری سبب ہے، جب سے ملک میں لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس وقت سے لے کر اب تک نہ جانے ملک میں کتنی انڈسٹریاں اور فیکٹریاں پوری طرح بند ہو چکی ہیں، کیوں کہ بجلی کی مطلوبہ مقدار کے بغیر ان کو جاری رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔

اور مصنوعات سازی کا سلسلہ کم زور پڑ جانے سے ملک میں اشیائے صرف وخرچ میں کمی کا واقع ہونا بالکل ظاہر ہے، اور طلب کا زیادہ ہونا اور رسد کا کم ہو جانا مہنگائی کا اہم سبب ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی اشیائے ضروریہ ایسی ہیں جو ڈیپ فریزر کی ٹھنڈک میں ہی سلامت ومحفوظ رہ سکتی ہیں، اور جب بجلی کی مطلوبہ مقدار حاصل نہ ہو تو ان کو محفوظ رکھنا ممکن نہیں ہوتا، پچھلے دنوں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ لوڈ شیڈنگ کے باعث بڑی تعداد میں مختلف ویکسین اور دوائیاں ناقابلِ استعمال ہو چکی ہیں، اور ان کو اس حالت میں استعمال کرنا بیماری

بلکہ ہلاکت تک کا باعث ہوسکتا ہے۔

دوسری طرف بجلی کی قلت کے نتیجے میں پٹرول اور گیس کے استعمال میں بھی اضافہ ہوگیا ہے، جگہ جگہ پٹرول اور گیس کے جنریٹروں سے لوگ اپنی ضروریات پوری کرنے پر مجبور ہیں، اور پٹرول کے استعمال کے اضافہ سے پٹرول کی قیمتوں میں بھی نمایاں تیزی آئی ہے۔

اب تک ہمارا سابقہ تجربہ یہی ہے کہ پٹرول کی قیمتوں میں اضافے سے تقریباً ہر چیز کی قیمت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔

تو پٹرول کی قیمتوں میں زیادتی کا ایک بڑا سبب بھی بجلی کی قلت ہی ہوا۔

بہر حال بجلی کی قلت بلاواسطہ یا بالواسطہ ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی کا بہت بڑا ظاہری سبب ہے۔

لہٰذا ہم اس موقع پر دو گزارشات قارئین کی نذر کرنا چاہتے ہیں، ان میں ایک گزارش کا تعلق تو حکومت سے ہے اور دوسری کا تعلق عوام سے ہے۔

حکومت سے تو ہماری گزارش یہ ہے کہ انتہائی ترجیحی بنیادوں پر ملک میں فوری طور پر بجلی کی مطلوبہ مقدار مہیا کرنے کا اہتمام کرے، اور ہنگامی طور پر ملک میں پانی کے ذخائر جمع کرنے کے لیے بڑے، چھوٹے اور متوسط ڈیمز تیار کرے، اور پانی کے ذخیرہ کرنے کا کوئی بھی بڑا چھوٹا موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔

بدقسمتی سے ہمارے حکمرانوں کی توجہ بڑے ڈیموں کی طرف تو ہوتی رہی ہے، اور بڑے ڈیم نہ بننے کی صورت میں معاملہ کھٹائی میں پڑا رہتا ہے، لہٰذا بڑے بڑے ڈیموں کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں متوسط اور چھوٹے چھوٹے ڈیم ترجیحی اور ہنگامی بنیادوں پر بنا کر ہی ہم اپنی سونا اگلتی زمینوں کو بنجر ہونے اور ملک وقوم کو قحط وہلاکت میں مبتلا ہونے سے بچا سکتے ہیں، مثل مشہور ہے:

''قطرہ قطرہ دریا شود''

بڑے ڈیم بنانے کے حوالے سے ہمارے منصوبے اور پلان مخصوص جغرافیائی ومعروضی ملکی حالات کی وجہ سے گزشتہ کم از کم تیس سال سے سرد خانے میں پڑے ہوئے ہیں، اگر یہی حالات رہے تو مزید تیس تو کیا پچاس سال میں بھی ایسے بڑے اور متنازع ڈیم شاید ہی بن سکیں کیوں کہ ''نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی''

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارا ملک قدرتی وسائل سے مالا مال ہے، جس میں پانی کی مقدار بھی شامل ہے۔

اور اس کے ساتھ بجلی کے ناجائز استعمال کے خلاف سخت قوانین بنائے جائیں، اور اس کا سختی کے ساتھ نوٹس لیا جائے، اور میڈیا وذرائع ابلاغ کے واسطہ سے قوم کو بجلی کے بے جا استعمال سے بچانے کی کوششیں کی جائیں، اس سلسلے میں ترقی یافتہ ممالک میں رائج طریقۂ کار سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

دوسری گزارش جس کا تعلق عوام سے ہے، وہ یہ ہے کہ بجلی کے استعمال میں کفایت شعاری کا مظاہرہ کریں، اور ہر طرح کے فضول اور بے جا استعمال سے بچنے، بچانے کا سختی کے ساتھ اہتمام کریں۔

بجلی کے بے تکے اور بے ڈھنگے پن کے ساتھ استعمال کے جو ہم عادی ہو چکے ہیں، یہ طرزِ عمل بدلنا ہوگا، اس پر ہم ایک سے زیادہ مرتبہ کسی قدر گزشتہ شماروں میں بھی گفتگو کر چکے ہیں۔

ہماری تمنا اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت اور عوام کو اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور ان کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1429ہجری اگست/2008ء، جلد 5 شمارہ 7)

(54)

رمضان شریف کی آمد اور مہنگائی

ہمارے یہاں ہر سال رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی مہنگائی کا دور دورہ شروع ہوجاتا ہے، خاص طور پر اشیائے خورد ونوش کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کردیا جاتا ہے، جب کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک میں اکثر مسلمانوں کے یہاں اشیائے خورد ونوش کا استعمال سحری وافطاری کی شکل میں روزے کی عبادت کو انجام دینے کے لیے ہوتا ہے۔

ایمانی جذبے کا تقاضا یہ تھا کہ اس موقع پر عبادت میں تعاون کی نیت سے اشیائے خورد ونوش کی قیمتوں میں کمی کی جاتی ،اور قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کرکے روزے کی عبادت میں مشکلات کا سبب نہ بنا جاتا۔

مگر ہمارے یہاں ایمانی جذبے کے بجائے نفسانی وشیطانی جذبے کے تحت عمل کیا جاتا ہے، اور جب بھی کسی اجتماعی عبادت کا موقع آتا ہے،اس مرحلے پر عبادت میں استعمال ہونے والی اشیاء کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کردیا جاتا ہے۔

چنانچہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے جانوروں کی قیمتوں میں دوسرے دنوں کے مقابلے میں غیر معمولی اضافہ سامنے آتا ہے۔

اسی طرح عیدالفطر کے موقع پر عید کی خوشی اور زیب وزینت میں استعمال ہونے والی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ دیکھنے میں آتا ہے، جب کہ دنیا میں پائے جانے والے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔

چنانچہ ہمارے قریبی ملک ہندوستان میں ہندوؤں کے مذہبی تہوار، ہولی اور دیوالی کے موقع پر مختلف اشیاء کے نرخوں میں غیر معمولی کمی کردی جاتی ہے۔

اسی طرح عیسائیوں کے مشہور مذہبی تہوار کرسمس کے موقع پر تقریباً ہر چیز کی قیمت میں غیر معمولی کمی کی جاتی ہے، اور یہ کمی اپنے مذہبی جذبے کے تحت کی جاتی ہے۔

ان حالات میں اسلامی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ غیروں سے ہی سبق حاصل کر کے اپنی روِش کو درست کیا جاتا، مگر نہ ایمانی جذبہ کا صحیح استعمال کیا جاتا ہے، اور نہ ہی اسلامی غیرت کا۔

معاشرے کے قارون فطرت طبقات نے جو اسلامی و مذہبی عبادات کو آخرت بنانے کے بجائے، دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے، تو اِس کے نتیجے میں اسلامی مذہبی عبادات کی انجام دہی میں سب کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جو ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس غلط روِش سے بچنے اور ایمانی جذبے اور اسلامی غیرت کے تحت عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان

21/ شعبان/ 1429 ہجری، 23 اگست 2008ء

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/ 1429 ہجری ستمبر/ 2008ء، جلد 5 شمارہ 8)

(55)

عیدُ الفطر کس طرح گزاریں؟

عیدُ الفطر ہر سال رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ مکمل ہونے پر آتی ہے، اور رمضانُ المبارک کے اعمال کی سعادت حاصل ہونے کے شکرانے کے طور پر اللہ رب العزت کی جانب سے خوشی کا پیغام لاتی ہے، اس لیے اس کے اس فلسفے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

(1)......عیدالفطر کا دن رمضان کے مہینے میں روزے، تراویح اور دیگر عبادات پر اجر وانعام حاصل ہونے کا دن ہے۔

(2)......عیدالفطر دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور شکر ادا کرنے کا دن ہے۔

(3)......عیدالفطر کے دن ایک شکر بدنی عبادت کی صورت میں نمازِ عید کی شکل میں ہے، اور دوسرا شکر مالی عبادت کی صورت میں صدقۂ فطر ادا کرنے کی شکل میں ہے۔

(4)......عیدالفطر کا دن مومن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزبانی کا دن ہے، اس دن مومن بندے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں، اور اچھا مہمان وہ ہے جو میزبان کا پسندیدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے وہ ہیں جنھوں نے رمضان المبارک کی قدر کی۔

(5)......عیدالفطر کے دن مومن بندوں کا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہونے کا ایک اثر یہ ہے کہ یہ دن کھانے پینے کا دن ہے اور اس دن روزہ رکھنا گناہ ہے۔

(6)......عیدالفطر کیوں کہ ادائیگیِ شکر، خوشی ومسرت اور مومن بندوں کے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہونے کا دن ہے اور شکر وخوشی کے موقع پر اور مہمان ہوتے وقت صفائی ستھرائی اور زیب وزینت کا اختیار کرنا شرفا کی عادت ہے، اسی وجہ سے اس دن صفائی ستھرائی، اور شریعت کی حدود میں رہ کر زیب وزینت کی تعلیم دی گئی ہے۔

(7)...... جب انسان کو خوشی ونعمت حاصل ہوتی ہے، تو وہ غریبوں کے تعاون واعانت کو

اہمیت دیتا ہے، عیدالفطر کے بابرکت و باسعادت دن میں بھی صدقے کی تعلیم دی گئی ہے، صدقۂ فطر اسی کی ایک شکل ہے۔

اور آج غربت و افلاس کے دور دورے کے وقت غریبوں کی اعانت عیدالفطر کا اہم پیغام ہے۔ ان سب باتوں سے عیدالفطر کے دن کی حکمتوں کا ایک نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو عیدالفطر کے بابرکت دن کی حقیقت اور روح کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے گزارنا چاہیے۔

عید کی مناسبت سے جناب وفا ملکؔ پوری صاحب کی ایک نظم پیشِ خدمت ہے۔

جس نے دنیا میں کیا ہو آخرت کا بندوبست — جو نہ بھُولا ہو غمِ ہستی میں اقرارِ اَلَسْت
کر دیا ہو اپنی بے جا خواہشوں کو جس نے پست — جس نے اپنے نفسِ امارہ کو دے دی ہو شکست
فرق کچھ آئے نہ جس کے عزم و استقلال میں — راہِ حق پر جو رہے ثابت قدم ہر حال میں
جس کے ایماں کی حرارت قلب کو دے سوز و ساز — جو سمجھتا ہو خدائے پاک کی طاعت کا راز
آنکھ کی ٹھنڈک ہو جس کے واسطے ذوقِ نماز — سر جھکا کر سجدۂ خالق میں جو ہو سرفراز
کامراں جس کی وفا ہو ہر جفا کے سامنے — جس کی پیشانی جھکی ہو بس خدا کے سامنے
بھول کر بھی امرِ حق سے ہو نہ جس کو اختلاف — کعبۂ دل کی حفاظت جو سمجھتا ہو طواف
جس کے دل کا آئینہ گردِ کدورت سے ہو صاف — جس کے حسنِ خلق کا دشمن کو بھی ہو اعتراف
جو غم و اندوہ میں بھی مسکراتا ہی رہے — زیرِ خنجر بھی پیامِ حق سناتا ہی رہے
عید اس کی ہے مے وحدت سے سرشار ہو — عید اس کی ہے جو اہلِ درد کا غم خوار ہو
خلق میں امن و صداقت کا علم بردار ہو — خوگرِ دردِ محبت، پیکرِ ایثار ہو
عید اس کی ہے جو احساسِ وفا سے کام لے — عید اس کی ہے جو گرتے ہوؤں کو تھام لے

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' رمضان المبارک/شوال المکرّم/ 1429ہجری اکتوبر/ 2008ء، جلد 5 شمارہ 9)

(56)

عدلیہ کی بے بسی

عدلیہ، جدید ریاستی جمہوری سسٹم میں ایک اہم ریاستی ستون کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی آزادی کسی بھی ملک کی ترقی اور کامیابی اوراس ملک کواس کے آئین وقوانین کے مطابق چلانے میں اہم کردارادا کرتی ہے، کیوں کہ یہی وہ ریاستی ادارہ ہے، جسے مجرموں کی تعیین اور سزا جاری کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، خواہ اس مجرم کا تعلق ملک کے کسی بھی بڑے سے بڑے عہدہ سے کیوں نہ ہو۔

جن ممالک میں عدلیہ، اپنی مکمل آزادی کے ساتھ کام کرتی ہے، ان ممالک میں فوج و پارلیمنٹ سمیت تمام ریاستی ادارے اپنی اپنی حدود میں رہ کر مثالی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اورمعاشرہ پُرسکون وپُرامن ہوتا ہے۔

لیکن جن ممالک میں عدلیہ کوآزادی حاصل نہیں ہوتی، ان میں جرائم کی کثرت اور بے راہ روی کا دوردورہ دکھائی دیتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں بھی عدلیہ کو وہ آزادی حاصل نہیں، جو ہونا چاہیے تھی، چنانچہ سیاسی اتار چڑھاؤ کے ساتھ عدلیہ کے فیصلوں میں نمایاں تبدیلی نظرآتی ہے، ایک شخص اگر اقتدار سے باہر رہتے ہوئے قوم کا اجتماعی مجرم شمار ہوتا ہے، تو اقتدار میں آنے کے بعدوہ ملک کے سیاہ سفید کا مالک بن بیٹھتا ہے، اورعدلیہ کی طرف سے اس کو پاک وصاف بنا کر پیش کرنے اوراس کے اوپر عاید مقدمات ختم کرنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں عدلیہ کی آزادی کوسلب کرنے کے مختلف واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔

جن میں سے ایک تازہ واقعہ ماضی میں پرویز مشرف صاحب کے دورِ صدارت میں چیف

جسٹس سمیت ملک بھر کے متعدد ججوں کو برطرف کرنے کی صورت میں رونما ہوا، جس کے ردِّعمل میں عوام کے ایک طبقے نے جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا، یہ سلسلہ چلتا رہا کہ اس دوران نومنتخب حکومت آ گئی، جس کے بعد عدلیہ کی آزادی کے بارے میں عوام کی امیدیں زیادہ وابستہ ہو گئیں۔

لیکن پرویز مشرف صاحب کے مستعفی ہونے کے باوجود عدلیہ کو حقیقی آزادی حاصل نہیں ہوسکی، اور عدلیہ بدستور ڈکٹیٹر کی ناروا خواہشات کی زنجیروں میں بندھی ہوئی نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے جرائم میں روز بروز اضافہ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو دیانت دار، اور حق پرستی پر مبنی فیصلے کرنے والی قیادت عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1429ہجری نومبر/2008ء، جلد5 شمارہ10)

(57)

قرض لینے کے بجائے فرض پورا کیجیے

موجودہ حکومت کا آئی ایم ایف سے 7.6 ارب ڈالر کے قرض کا معاہدہ طے پا گیا ہے۔

یہ قرض پانچ سال میں ادا کرنا ہوگا، جس پر ساڑھے تین سے ساڑھے چار فیصد سود ادا کرنا ہوگا۔

آئی ایم ایف ادارہ جس کی بنیاد 1947ء میں رکھی گئی، یہ کوئی اسلامی ادارہ نہیں، بلکہ کافر ساہوکاروں کا ایک ایسا ادارہ ہے، جس سے مسلمانوں کو اپنے حق میں کوئی بہتر توقع رکھنا بلی سے دودھ کی حفاظت اور رکھوالی کرانے کے مترادف ہے۔

وطنِ عزیز جو پہلے سے ہی مقروض چلا آ رہا تھا، آئی ایم ایف کے موجودہ قرضے سے یہ بوجھ اور بڑھ گیا ہے۔

اس طرح کے قرضوں کے حصول کو کسی طرح بھی ملکی معیشت کے لیے فائدہ مند قرار نہیں دیا جا سکتا، اور صرف یہی نہیں، بلکہ ملکی سلامتی اور مسلمانوں کے ایمان و اسلام کے تحفظ کے حوالہ سے بھی اس طرح کا قرض انتہائی نقصان دہ اور مضر شمار کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس قرض کا بوجھ براہِ راست یوٹیلٹی بلز پر پڑتا ہے، اور اس کی وجہ سے بجلی، گیس، پانی، اور روزمرہ کی اشیائے صرف واستعمال کی قیمتوں اور ٹیکسوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

آئی ایم ایف جیسے ادارہ سے قرض کے حصول کے بعد اشیائے صرف و خورد و نوش وغیرہ کی قیمتوں کے تعین اور ٹیکسوں کے عاید کرنے کا اختیار کافی حد تک ان اداروں کو حاصل ہو جاتا ہے۔

اور عوام کی محنت مزدوری اور خون پسینے کی کمائی کفریہ طاقتیں، شیر مادر کی طرح بغیر ڈکار لیے ہضم کر جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی کافرسا ہو کار پورے ملک کو قرض کے احسان میں دبا کر مختلف قسم کی شرائط منوا کر ملک کو اپنے شکنجہ میں پھنسا لیتے ہیں، اور ان کو ملک کے اندرونی بلکہ حساس معاملات تک میں مداخلت کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔

اس قسم کی پیشگی شرائط اور بوجھ کی وجہ سے حکمرانوں کی طرف سے قوم کو آئی ایم ایف کی کڑوی گولی نگلنے کی تلقین کی جاتی رہی ہے۔

اور تجزیہ نگاروں کے بقول اس قرض کا بوجھ تو عوام پر پڑتا ہے، لیکن عام طور پر قرض میں لیا گیا یہ پیسہ حکمرانوں کی عیاشیوں پر خرچ ہو جاتا ہے، جس سے عوام کو جزوی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

اور ان سب باتوں سے تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کر کے اگر اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے، تو اس قرض میں سب سے بڑی خرابی سود کی لعنت اور وبال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سود کے گناہ پر جس طرح کی سخت وعید سنائی ہے، وہ کسی اور گناہ پر نہیں سنائی یعنی اللہ اور اس کے رسول سے اعلانِ جنگ۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس گناہ سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا آغاز ہو جائے وہ عمل کبھی ملک وقوم کی ترقی کا ذریعہ بن سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔

ان حالات میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک کی معیشت کی حالت خراب ہو، تو اس وقت اس طرح کے قرض کے علاوہ اور کیا چارہ رہ جاتا ہے؟

اس سوال کا سیدھا اور سادہ سا جواب یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں ایسے اصول فراہم کیے ہیں کہ جن کو اختیار کر کے اس قسم کے مسائل کا حل نکالا جا سکتا ہے، چنانچہ اسلام نے سب سے پہلے تو کفایت شعاری اور سادگی کی تعلیم دی ہے۔

دوسرے فضول خرچی اور عیاشی سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، اور حکمرانوں کا اولین فریضہ یہی ہے۔

لہٰذا اگر حکمران (بیوروکریٹ، جاگیردار) کفایت شعاری کا خود بھی اہتمام فرمائیں اور قوم کو

بھی اس طرف متوجہ کریں اور اسی طرح فضول خرچی وعیاشی سے اپنے آپ کو بچائیں اور قوم کو بھی اس کی تلقین کریں، اور فضول خرچی وعیاشی سے بچنے بچانے کے لیے موثر حکمت عملی ترتیب دیں، تو چند ہی دنوں میں موجودہ معاشی کمزوری پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ سب سے پہلے حکمرانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے بیرون ملک میں موجود بھاری بھرکم اکاؤنٹ کو ملک میں منتقل کریں، اور ملک کے ماحول کو سازگار بنا کر قوم کا اعتماد بحال کریں۔

''تجزیہ نگاروں کے بقول'' پاکستانی قوم کے تقریباً دوسوارب ڈالر کا سرمایہ بیرون ممالک میں موجود ہے، اس کو ملک میں منتقل کرائیں اور ملک کی بڑی بڑی رقوم قرض لے کر معاف کرا لینے یا قرض دبا کر بیٹھنے والے لوگوں کے خلاف تادیبی کارروائی کریں، اور قوم کا پیسہ بلا امتیاز واپس لیں، خواہ وہ سیاسی شخصیات نے غصب کر رکھا ہو، یا کسی اور نے۔

امید ہے کہ قرض حاصل کرتے رہنے کے بجائے اگر حکمران اپنے اس فرض کو پورا کریں تو آسانی سے ان معاشی مسائل کا حل نکل آئے گا۔

ورنہ قوم کو کڑوی گولیاں نگلنے کی تلقین کرتے رہنے، اور خود عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں مبتلا رہنے سے کبھی بھی ان مسائل کا حل نہیں نکل سکتا۔

اللہ تعالیٰ مسائل کے صحیح اور درست حل کی طرف متوجہ ہونے اور مخلصانہ جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1429ہجری دسمبر/2008ء، جلد5 شمارہ11)

(58)

پاک بھارت کشیدگی اور اس کے نتائج

مورخہ 26 نومبر 2008 عیسوی بروز بدھ بھارت کے اقتصادی مرکز ممبئی میں رات گئے ہونے والے خوف ناک بم دھماکوں اور جگہ جگہ منظّم فائرنگ کے واقعات میں 80 افراد ہلاک اور 270 زخمی ہوگئے، جس کے بعد شہر کو سیل کر کے فوج کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

بھارتی میڈیا کے مطابق فائرنگ اور دھماکوں کے واقعات ممبئی شہر کے ریلوے اسٹیشن سے شروع ہوئے اور یکے بعد دیگرے 9 اہم مقامات پر دھماکے اور فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا، شہر کے سیون سٹار تاج ہوٹل میں بم دھماکے کے بعد مسلح افراد نے اندھا دھند فائرنگ کر دی، اسی طرح اوبرائے ہوٹل، چھترجی، شیواجی ٹرمن سٹیشن، نریمان پوائنٹ، قلابہ مارکیٹ کے لیوپولڈ ہوٹل کے باہر اور کاما ہسپتال کے باہر بھی فائرنگ، مسلح افراد کی سیکورٹی اہل کاروں پر فائرنگ، امریکی و برطانوی باشندوں سمیت 40 غیر ملکی یرغمال بنا لیے گئے (روزنامہ اسلام 27 نومبر 2008ء، بروز جمعرات)

اس سانحے کے رونما ہونے کے بعد بھارت کے چند سیاسی لوگوں اور بالخصوص میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی طرف سے اس حملے کا الزام پاکستان کی طرف عاید کیا گیا، جس کے بعد پاک بھارت تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جارہی ہے، حتیٰ کہ اس وقت دونوں ملک اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں سمجھ رہے ہیں، اور بھارتی سرکار تو جنگ کے نشے میں پوری طرح چور ہوکر بھرپور جنگی تیاریوں میں پوری طرح مگن دکھائی دیتی ہے۔

ویسے تو پاک بھارت تعلقات ہمیشہ سے ہی عام طور پر کشیدہ رہے ہیں، جس میں وقت کے ساتھ اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، اور ایک سے زیادہ مرتبہ جنگ کی نوبت بھی آ چکی ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ آیندہ کی جنگ کسی بھی اعتبار سے سابقہ جنگوں کے مترادف قرار نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ آج دونوں ملک ایٹمی صلاحیت کی حامل قوتیں شمار ہوتی ہیں، اوراس حیثیت سے جنوبی ایشیا کے اس پورے خطے میں خصوصاً اور عالمی سطح پر عموماً دونوں نہایت ممتاز اور حساس حیثیت رکھتے ہیں۔

دونوں کی صلح وجنگ کے اثرات پورے خطےاور پوری دنیا کومتاثر کرتے ہیں۔

پھر خصوصاً عالمی طاقتوں کے باہم متضاد مفادات خطے کے ان دونوں ملکوں کے ساتھ، جس انداز سے وابستہ ہیں، ان کے پیشِ نظر عالمی طاقتیں، دونوں ملکوں کے تنازعات پر بھی اور تعلقات پر بھی نہایت گہری نظر رکھتی ہیں۔

ان حالات میں جنگ شروع کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہوگا، اور خدانخواستہ جنگ چھڑ جائے تو اس کے اثرات ومہلکات کو محدود کرنا بھی کوئی آسان نہیں، اس کے نتائجِ بد سے پھر سب اپنا اپنا حصہ پائیں گے۔

ہم ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے اس بات کے کہنے میں کوئی جھجک وعار محسوس نہیں کرتے کہ اسلامی اعتبار سے جامِ شہادت نوش کرلینا بھی اسی طرح عبادت ہے، جس طرح سے مقابلے کے وقت دشمن کو ماردینا عبادت ہے، اسی لیے اسلامی نقطۂ نظر سے تو جنگ کا کوئی پہلو بھی مسلمانوں کے لیے ناکامی کا باعث نہ ہوگا۔ ؏

مرے تو شہید، زندہ رہے تو غازی

لیکن کافروں اور خاص کر ہندوقوم کے مذہبی نقطۂ نظر سے کیوں کہ شہادت کوئی مبارک چیز نہیں، کیوں کہ ہندوقوم کے نزدیک تو یہ عارضی زندگی ہی سب کچھ ہے، اور مرجانے کے بعد کوئی حساب وکتاب نہیں، اوراسی عقیدے ونظریہ کے ماتحت وہ فوت ہوجانے والے شخص کو جلاکر خاکستر کردیتے ہیں، اوراس کے بعداس کی راکھ ومٹی کو گنگا، جمنا میں بہادیتے ہیں، اور اپنے طور پر سمجھتے ہیں کہ اب بھگوان کے لیےاس کے عناصر کو جمع کرنا اوراس کو دوبارہ زندہ کرنا ممکن نہیں، اور یہ وہی نظریہ ہے جو مکہ کے مشرکین کا تھا، جو یہ کہتے تھے کہ جب ہم مرکر ہڈی

اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، تو کیا پھر بھی ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟
جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک پھر بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اور جس ذات پاک نے پہلی مرتبہ عدم سے وجود بخشا، اس کے لیے ہڈی، مٹی، راکھ اور ذرات کو جمع کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا کوئی بھی مشکل نہیں، بہ نسبت ترکیب دینے کے، اور عدم سے وجود میں لا کر تخلیق کرنا مشکل ہے، بنسبت ترکیب دینے کے۔
اسی لیے موت سے جس قدر کافر اور خاص کر ہندو قوم ڈرتی اور بھاگتی ہے، اس قدر ایک مسلمان کو بہ حیثیت ایک مسلمان کے ڈر نہیں ہوتا۔
پھر ہندو مذہب میں جہاد و قتال اور بالخصوص شہادت کے عبادت نہ ہونے کی وجہ سے جنگی مشقیں اور فوجی خدمات کا عمل ایک مزدوری اور پیشے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، جب کہ مسلمانوں کے ہاں یہ عمل ایک مزدوری یا پیشہ نہیں، بلکہ ہر مسلمان کی مذہبی عبادت ہے، اس لیے ہندوؤں کے مذہب میں تو اس عمل کی انجام دہی کی ذمہ داری ایک مزدور اور پیشہ ور طبقہ تک محدود ہوگی، اور مسلمانوں کے ہاں ہر ہر فرد اس عمل کو سعادت سمجھ کر انجام دے گا، جن میں بہت بڑا طبقہ خود بھارت کے مسلمانوں کی شکل میں بھی موجود ہے۔
ان گوناگوں خصوصیات وصفات کی وجہ سے پاکستان اور مسلمانوں کے لیے پاک بھارت جنگ ان شاء اللہ تعالیٰ کم زوری اور نقصان کا باعث نہیں ہوگی۔
اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کو خصوصیات حاصل ہونے کی وجہ سے بھارت کے ساتھ دیگر اقوامِ کفر کا تعاون کرنا بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت نہیں ہو سکے گا۔
لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی حمیت اور وحدت کو اجاگر کیا جاتا رہے، اور برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی رہے۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور خاص کر اہلِ پاکستان کی ہر طرح سے حفاظت فرمائے، اور امتِ مسلمہ کو اقوامِ کفر کی طرف سے ہر طرح کی بیرونی و داخلی سازشوں سے محفوظ فرمائے۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1430ہجری جنوری/2009ء، جلد6 شمارہ1)

(59)

مسلمانوں کو بھارت اور اہلِ کفر سے ہوشیار رہنے کی ضرورت

بمبئی دھماکوں کے بعد پاکستان و بھارت کے درمیان کشیدگی کی جو فضاء قائم ہے، اور بھارت کی قیادت کی طرف سے جس قسم کے بیانات سامنے آرہے ہیں، وہ اہلِ پاکستان کے لیے نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

بھارت، پاکستان سے جس طرح کا تعصب رکھتا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے، جس کا وقتاً فوقتاً اس کی طرف سے مختلف طریقوں سے اظہار ہوتا رہتا ہے، اور یہ سلسلہ شدت کے ساتھ اب بھی جاری ہے۔

دراصل صرف بھارت ہی نہیں، پورے عالَمِ کفر کو پاکستان کے وجود ہی سے خار اور چڑ ہے، اور اس بارے میں عالَمِ کفر کی طرف سے مختلف خفیہ سازشوں کا بھی انکشاف ہو چکا ہے، کہ وہ عرصے سے پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے عزائم رکھتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور کچھ مقدس ہستیوں اور پاکستان میں کچھ دین و دنیا کے نمایاں وامتیازی کام ہونے کی برکات سے، ابھی تک وہ اپنے عزائم میں باوجود اَن تھک کوششیں کرنے کے کام یاب نہیں ہو سکے۔

اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آئندہ بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ ثابت قدمی اور رجوع الی اللہ کا عمل جاری رہے، اور کسی لمحہ اس سے غفلت اختیار نہ کی جائے۔

بمبئی دھماکوں کے اسباب ومحرکات کیا تھے؟

اس سلسلے میں تجزیہ نگاروں کی مختلف آرا سامنے آئی ہیں، ان آراء وتجزیوں سے بھی خصوصاً بھارت اور عموماً عالَمِ کفر کے خفیہ عزائم کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

لٰہذا ان حالات میں پوری قوم کو اجتماعی طور پر خاص تیاری کی ضرورت ہے، اور اس تیاری کے لیے ظاہری اسباب کے درجہ میں مادی طاقت و وسائل کے مہیا و فراہم کرنے کی تو اپنی جگہ ضرورت ہے ہی، اسی کے ساتھ دو باتوں کی اور بھی ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ رجوع الی اللہ اور توبہ و استغفار اور دعا و تضرع کا سلسلہ تیز ہونا چاہیے، ہر شخص اپنے اپنے طور پر گناہوں سے توبہ و استغفار کرے، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت و حفاظت کے لیے دعائیں کی جائیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع میں کوتاہی نہ کی جائے، جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ نصرتِ الٰہی حاصل ہوگی۔

دوسرے ہر شخص ذہنی طور پر کفار و مشرکین سے ثابت قدمی کے ساتھ مقابلے و دفاع کے لیے تیار رہے، اور اپنی ہمت و جرأت کو بلند رکھے، اور بزدلی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ اور اسلامی ملکوں کی سرحدوں کی حفاظت فرمائے، اور عالمِ کفر کی سازشوں کو ناکام بنائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' صفر المظفر / 1430ہجری فروری/ 2009ء، جلد 6 شمارہ 2)

(60)

سوات کا موجودہ امن معاہدہ

صوبہ سرحد (موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا) میں واقع سوات کے علاقے میں اسلامی نفاذ کے حامی تحریکِ طالبان سوات اور حکومت کے درمیان شدید کشیدگی کے بعد امن معاہدہ کی کوششیں جاری ہیں۔

شرعی نظامِ عدل ریگولیشن کے نفاذ کے سلسلے میں مولانا صوفی محمد صاحب، اپنے ہزاروں رفقاء کے ہمراہ وادیٔ سوات میں موجود ہیں، جہاں تحریکِ نفاذِ شریعتِ محمدی اور تحریکِ طالبان سوات کے مابین مذاکرات کا عمل جاری ہے۔

اس میں تحریکِ نفاذِ شریعتِ محمدی کی جانب سے تشکیل کردہ مذاکراتی کمیٹی اور تحریکِ طالبان سوات کی جانب سے مذاکراتی کمیٹی کے ارکان حصہ لے رہے ہیں۔

قیامِ امن اور نفاذِ شریعت کے سلسلے میں پاکستانی قوم کی خواہش یہ ہے کہ اس کا کوئی کامیاب اور نتیجہ خیز حل نکل آئے، اور تقابل ومحاذ آرائی کی فضا سے حفاظت رہے۔

لیکن دوسری طرف امریکا اور بعض غیر مسلم قوتیں تشویش میں مبتلا ہیں، کیوں کہ وہ اسلامی نظام کے نفاذ اور مسلمانوں میں اتحاد سے کسی طرح بھی خوش اور مطمئن نہیں ہوسکتیں۔

اس لیے اس بات کے شدید خطرات لاحق ہیں کہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے امن مذاکرات کے درمیان کوئی خفیہ سازش ہونے کے نتیجے میں معاملات کے تصفیہ میں رکاوٹ پیدا ہو۔

سو اس بناء پر اس سلسلے میں فریقین اور پوری قوم کو گہری نظر رکھنا ہوگی، اور بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔

کیوں کہ ان مذاکرات میں رکاوٹ یا خرابی پیدا ہونے کے باعث بہت خطرناک نتائج برآمد ہونے کا خدشہ ہے۔

اسی کے ساتھ فریقین کو معاہدے کی تکمیل کے عمل کے بعد بھی دشمنانِ اسلام کی مداخلت اوران کی سازشوں پر گہری نظر رکھنا ہوگی۔

کیوں کہ غیر مسلم قوتوں کا اس سلسلے میں اب تک جو کردار مختلف واقعات کے تناظر میں سامنے آیا ہے، وہ بہت زیادہ تشویش ناک، اور شرم ناک ہے۔

غیر مسلم قوتیں اسلامی نظام کو بدنام کرنے، مسلمانوں کو باہم دست وگریباں کرنے اور طرفین سے مسلمانوں کے خون بہانے کی سازشوں میں ہمہ وقت مصروف ہیں، اور اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ بسا اوقات، اسلام کے عنوان اور اسلام کے لیبل کو بھی بطورِ ڈھال استعمال کرتی رہتی ہیں۔

اسی سلسلے میں کافروں کے بعض ایسے ایجنٹ بھی دریافت ہوئے، جو طالبان کے روپ میں غیر شرعی حرکات میں مصروف تھے، اور ان کا مقصد اسلامی نظام کو بدنام کرنا اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنا اور امتِ مسلمہ، خاص کر وطنِ عزیز کو کمزور کرنا تھا۔

اسی وجہ سے بعض تجزیہ نگاروں کے بقول سوات کے موجودہ معاہدہ میں بھی دشمنانِ اسلام کے کچھ مقاصد پنہاں معلوم ہوتے ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ اس قسم کے تجزیات کس حد تک صحیح ہیں اور کس حد تک غلط ہیں؟

دور بینی اور دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ ماضی کے واقعات سے سبق حاصل کرکے ہر قسم کی سازشوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھا جائے، اور ملک وملت کے مفاد اور دینِ اسلام کے مقاصد ومصالح کو پیشِ نظر رکھ کر قدم آگے بڑھایا جائے، اور اسی تناظر میں مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے۔

وادئ سوات کے حوالے سے یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ 1849ء میں انگریزوں نے پشاور میں تسلط قائم کرنے کے بعد سوات کے علاقے پر بھی تسلط کا ارادہ کیا، جس کے نتیجے میں سوات کے بعض بزرگوں نے قوم کو اعتماد میں لے کر شرعی نظامِ امارت کو قائم کیا، جس کی

برکت سے 1863ء میں جب انگریزوں نے مردان کی طرف سے سوات پر چڑھائی کا منصوبہ بنایا تو انگریزوں کو زبردست جنگ کے بعد پیچھے ہٹنا پڑا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ایوب دور میں سوات کی اسلامی ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہوا، لیکن ریاست کی حیثیت سے ان کا اسلامی نظامِ امارت برقرار رہا۔

1969ء میں پاکستان کی حکومت نے اپنے ایک اعلان کے ذریعے اس کو پاکستانی بندوبست میں شامل کر کے مالاکنڈ ڈویژن کے ایک ضلع کی حیثیت دے دی، لیکن پاکستان کے عدالتی وقانونی اور سیاسی نظام وانتظام سے اس قوم میں اضطراب رہا، لیکن یہ چنگاری دبی رہی، گزشتہ دوعشروں سے یہ لاوا بن کر وقتاً فوقتاً اُبلنے اور کھولنے لگا۔

اب موجودہ حالات اور عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس قوم کو اپنے نظام کے ساتھ وابستہ رہنے دیا جائے، اور اس میں بے جا رخنہ اندازی سے پرہیز کیا جائے، اسی کے ساتھ وہاں کے دینِ اسلام سے محبت رکھنے والے مسلمانوں پر بھی یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ اعتدال والے راستہ کو اختیار کریں، اور تشدد والے رستہ کو ترک کریں، اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے جو عناصر اندر گھس گئے ہیں، اور وطنِ عزیز اور یہاں کے باشندوں سے بغض وعداوت کا طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہیں، ان کو خود ہی اپنی صفوں سے خارج کردیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے محفوظ فرمائے اور دنیا وآخرت کی بھلائی اور خیر والے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1430ہجری مارچ/2009ء، جلد6 شمارہ3)

(61)

ایک اور تباہ کن زلزلہ کی پیشین گوئی

2005ء میں ہندوستان و پاکستان کی کنٹرول لائن کے آر پار اور صوبہ سرحد (موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا) کے کئی اضلاع میں تباہ کن زلزلہ آچکا ہے، جس میں 70 ہزار سے زائد افراد ہلاک اور سینکڑوں بستیاں زمین بوس ہوگئی تھیں، جس کے اثرات ابھی تک مندمل نہیں ہوئے، اور اس کی تباہی کے آثار اور باقیات ابھی تک لوگوں کے سامنے ہیں۔

گزشتہ دنوں ماہرینِ ارضیات نے پھر یہ پیشین گوئی کی ہے کہ ہمالیاتی سلسلے کے مغربی خطے میں ایک اور تباہ کن زلزلہ کا امکان ہے، جس کے دوران سب سے زیادہ تباہی پاکستان و ہندوستان کے زیرِ انتظام کشمیر کے دونوں حصوں میں ہوسکتی ہے، اور اس کے اثرات کم و بیش قرب و جوار کے دوسرے حصوں میں بھی پہنچ سکتے ہیں، خصوصاً صوبہ سرحد کے گزشتہ زلزلے سے متاثرہ اضلاع اور ان کے ساتھ متصل شمالی علاقہ جات جو اسی ہمالیائی خطے کا حصہ ہیں۔

ہمالیہ کے اس خطہ کے ارضیاتی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے میں ریکٹر سکیل پر آٹھ اعشاریہ ایک درجے کے زلزلے کا خطرہ موجود ہے، جس کے نتیجے میں کمپیوٹر تخمینوں کے مطابق 67 ہزار سے 13 لاکھ 30 ہزار افراد کے ہلاک اور 29 لاکھ افراد کے زخمی و معذور ہونے کا اندیشہ ہے۔

2005ء کے زلزلے کے بعد سے اب تک کئی مرتبہ زلزلے کے ہلکے جھٹکے محسوس کیے جاتے رہے ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ زلزلوں کو روکا نہیں جاسکتا، لیکن پیشگی تیاریوں کے ذریعے سے زلزلے کے اثرات و نقصانات کو کم کیا جاسکتا ہے، لیکن ہماری حکومتیں اور عوام اس کی طرف سے سُستی اور غفلت کا شکار ہیں (ملاحظہ ہو روزنامہ اسلام، راولپنڈی اتوار 26 صفر 1403ھ 22 فروری 2009ء)

2005ء کے زلزلے سے پہلے بھی ماہرین نے زلزلے کے خطرات کی پیشین گوئی کی تھی، جو بعد میں درست ثابت ہوئی۔

اور بے شک ماہرین کی اس قسم کی پیشین گوئیوں کو سو فیصد یقینی نہیں کہا جا سکتا، لیکن اسی کے ساتھ سو فیصد غلط قرار دینا بھی درست نہیں۔

ارضیاتی جائزہ سے اس قسم کے خطرات وامکانات کا قبل از وقت پتہ چلایا جانا ممکن ہے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود اصل بنیاد، امرِ الٰہی پر ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو تمام اسباب وامکانات بے جان ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مگر ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ زلزلوں کا کب اور کن اعمال کی بنیاد پر حکم فرماتا ہے؟

تو قرآن وسنت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلوں کی آمد اور کثرت گناہوں کے دور دورہ کی وجہ سے ہوتی ہے، جب زمین پر گناہوں کی کثرت ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ زمین کو زلزلے کا حکم فرماتا ہے۔

اس لیے ماہرین کے مطابق تو اگرچہ زلزلوں کو روکا نہیں جا سکتا، مگر قرآن وسنت سے ہمیں زلزلوں کو روکنے کا بھی حل معلوم ہوتا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین کے باشندے کفر وشرک اور ہر قسم کے گناہ ومعصیت سے سچی توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور استغفار کا اہتمام فرمائیں، جس سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا، اور تباہ کن زلزلوں اور دیگر آسمانی وزمینی آفات وبلیات سے حفاظت فرمائے گا۔

ایک عرصے سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ معاشرے میں گناہوں کا سیلاب اور طوفان روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

یہاں تک کہ 2005ء کے تباہ کن زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں بھی لوگوں کے اعمال کی

حالت پہلے سے بدتر ہی سننے میں آئی ہے۔

اور ''مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی'' والی کہاوت صادق آئی۔

بے حیائی، فحاشی، موسیقی اور ناچ گانے وغیرہ کی لعنت نے تو پورے معاشرے کو اپنی دلدل میں اس طرح پھنسایا ہوا ہے کہ معاشرہ اس میں دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔

اور افسوس کہ اس دلدل سے نکلنے کی کماحقہٗ، نہ تو کوشش ہو رہی ہے، اور نہ ہی اس کی طرف صحیح توجہ کی جا رہی، میڈیا کے کارکن اور تجزیہ کار، سب اپنی گائے چلے جا رہے ہیں، اور قرآن وسنت کی آواز کو ''نقار خانے میں طوطی کی آواز'' سے زیادہ حیثیت نہیں دی جا رہی ''**نعوذ باللّٰہ تعالٰی من ذالک**''

دعاء ہے کہ اللہ تعالٰی ہم سب کو گناہوں سے بچنے اور توبہ واستغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں اپنی حالتِ زار کو بدلنے اور اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ربیع الآخر/1430ہجری اپریل/2009ء، جلد6 شمارہ4)

---

(62)

نظامِ عدل کا نفاذ

مورخہ 13 اپریل 2009ء بروز پیر کو قومی اسمبلی میں قرارداد کی اتفاقِ رائے سے منظوری کے بعد صدر آصف علی زرداری صاحب نے سوات کے نظامِ عدل ریگولیشن کے نفاذ کے سمجھوتے پر دستخط کر دیے ہیں، ایم کیو ایم کے علاوہ، قومی اسمبلی کی تمام جماعتوں کے ارکان نے نظامِ عدل ریگولیشن کی قرارداد کے حق میں رائے دی۔

پاکستان کی سیاست کے حوالہ سے یہ بات خوش آیند ہے کہ پارلیمنٹ میں موجود تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے نظامِ عدل کے نفاذ کی حمایت کی ہے، تاہم معدودے چند ایک مخصوص طبقے کے ارکان نے اس کی مخالفت کی ہے اور ابھی تک کر رہا ہے۔

اگر چہ ماضی میں بھی دو مرتبہ یہ نظامِ عدل ریگولیشن نافذ کیے گئے، لیکن مختلف وجوہ کے باعث کامیاب نہ ہو سکے، بلکہ بعض عناصر نے نظامِ عدل کے نفاذ کو دین پسند افراد میں داخل ہو کر ان کے خلاف مختلف سازشیں کرنے اور ان کا شیرازہ منتشر کرنے کا ذریعہ بنایا، لیکن اس مرتبہ چونکہ یہ کام پارلیمنٹ کے ذریعے سے ہوا ہے، اس لیے امید ہے کہ ماضی کی نامعقول روایت نہیں دہرائی جائے گی۔

سوات کے نظامِ عدل ریگولیشن کی اس موافقت ومخالفت کے بعد اسلام پسند اور غیر اسلام پسند قوتوں کے باہم نمایاں اور ممتاز ہونے کے بھی مواقع میسر آئے، چنانچہ بہت سے لوگوں اور جماعتوں نے تو اس پر خوشی کا اظہار کیا، جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں کہ موجودہ فرسودہ نظام سے اکثر وہ عوام بھی تنگ آ چکے ہیں، جو خود اسلام پر چلنے کے سلسلے میں عملی طور پر مضبوط نہیں ہیں، اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ انھیں ایسا نظام حاصل ہو، جس میں عدل وانصاف اور حق اور سچ کا بول بالا ہو، اور ظلم و

ستم کا خاتمہ ہو۔

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اسلامی نظام صرف نماز، روزہ اور چند عبادات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ امانت ودیانت سے خداخوفی اور خود احتسابی کے اصول پر مبنی ایک صالح معاشرے کی تشکیل اور ایسے معاشرے کی بنیاد پر عدل وانصاف کے الٰہی ضابطوں کی روشنی میں ایک فلاحی اسلامی ریاست کی تاسیس اس کا اہم نصبُ العین ہے۔

اس لیے اسلامی نظام کے نفاذ سے عدل وانصاف اور حق وسچ کا حصول اور ظلم وستم اور غربت کا خاتمہ یقینی ہے، جو ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کے ضمیر کی آواز ہونی چاہیے۔

البتہ اگر کسی ظالم وجابر اور غاصب وقابض کے اغراض ومقاصد متاثر ہوتے ہوں، تو اس کی طرف سے اس کی مخالفت کا ہونا کوئی بعید نہیں۔

افسوس ہے کہ ایک مخصوص سازش کے تحت اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے یہ بات پھیلائی گئی ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی نظام کے تحت زندگی گزارنا بہت مشکل کام ہے، اور اس پر چلنا ہر انسان اور خاص کر غریب کے بس کی بات نہیں۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، کیوں کہ اسلامی نظام میں معاشرتی زندگی کے ایسے زریں اصول موجود ہیں کہ ان کی روشنی میں ہر شخص کی زندگی آسان اور آرام دہ ہوجاتی ہے۔

اسلامی نظام میں غریبوں کے حقوق کو اولین حیثیت حاصل ہے، اس لیے اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت وافادیت کا تعلق امیروں سے زیادہ غریبوں سے ہے۔

جہاں تک امیر اور معاشرے کے بااختیار طبقات کا تعلق ہے، جنھوں نے اپنی دھن، دولت اور طاقت کے بل بوتے پر خودسری، من مانی، اجارہ داری، استحصال واستبداد کی فضا قائم کر کے اپنے مادی مفادات کے گرد ایک حصار بنایا ہوتا ہے، اسلام کا بے لاگ نظامِ عدل ان کے فرعونیت وپندار کے غبارے سے ضرور ہوا نکال دینا چاہتا ہے۔

لہٰذا نظامِ عدل ریگولیشن کے نفاذ کے خلاف بعض مسلمانوں کی طرف سے احتجاج اور بے بنیاد خدشات کا اظہار کرنا، بلاجواز ہونے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے اسلام کے متعلق چھپی

ہوئی فاسد ذہنیت کا بھی عکاس ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نظامِ عدل کے نفاذ میں پائے داری واستحکام عطا فرمائے، اور اس کو ہر قسم کی داخلی وخارجی سازشوں سے محفوظ فرما کر دنیا بھر کے لوگوں کو اسلام کی حقانیت اور اس کے فوائد وثمرات کا مشاہدہ کرنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اس موقع پر یہ بات ہم سب کو ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ اَن مول نعمت اور یہ بے بہا دولت اس عہد کے نتیجے میں ہمیں عطا فرمائی تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ ''لاالٰہ الااللّٰہ'' اس لیے اس ملک اور اس قوم کی تقدیر اسلام کے ساتھ وابستہ ہے، پاکستان بننے کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جو پاکستان کے بانیوں میں سے ایک ہیں، ان کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں تمام مکاتبِ فکر کے اکابر علماء نے باہم اتفاق رائے سے اسلامی ریاست کے آئین اور نظام کی تشکیل کے لیے اسلام کے بنیادی رہنما اصولوں پر مبنی قراردادِ مقاصد (جو 1973ء کے آئین کا حصہ ہے) مرتب کر کے اربابِ اقتدار کو پیش کر کے اتمامِ حجت کر دی تھی، جس کے عملی نفاذ کا خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا، اس طرح ہم نصف صدی سے زیادہ عرصے سے اپنے رب اور اپنے دین کے ساتھ بدعہدی کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس بدعہدی کا وبال اس پورے عرصے میں چھوٹے بڑے جھٹکوں کی صورت میں ہم سہتے بھی رہے، لیکن مجال ہے کہ اس بڑے عہد کی پاس داری پر ہم کمر بستہ ہوتے ہوں، جس عہد پر اس ملک کی بنیادیں استوار ہیں۔

آج جس قسم کے اندرونی، بیرونی، زمینی، آسمانی، مصنوعی اور قدرتی بحرانوں اور آفات سے ہم گزر رہے ہیں، جو ہماری ساٹھ سالہ تاریخ کا شاید سب سے نازک دور اور کٹھن مرحلہ ہے، اللہ نہ کرے یہ بدعہدی کی مہلت کے خاتمے کا اشارہ ہو، تلافی مافات کی جو گھڑیاں ہمارے پاس باقی ہیں، اللہ کرے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھانے کی طرف راغب ہوں۔

فاعتبروا یااولی الابصار.

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1430ہجری مئی/2009ء، جلد 6 شمارہ 5)

(63)

سوات آپریشن اور متاثرین

سوات میں نظامِ عدل ریگولیشن منظور ہوتے ہی طاغوتی طاقتیں جامے سے باہر ہوگئیں، اور ہاتھ دھو کر پاکستان کے پیچھے پڑ گئیں، اور چونکہ آزادیٔ وطن کے بعد چھ عشروں پر محیط ہماری ملی واجتماعی اور خصوصاً سیاسی وریاستی جو کارگزاری اور تاریخ رہی ہے، اس کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے کہ آج آزاد ہو کر بھی ہم جزوی طور پر غلام ہیں، اور ہماری خود مختاری اور آزادی اغیار کے ہاتھوں میں گروی ہے، ہمارے اقتدار کا ٹرائیکا (تکون) وہ کردار ادا کر رہا ہے جو برِٹش تسلُّط کے دَور میں وائسرائے ادا کرتا تھا، صرف سامراج بدل گیا، برِٹش کی جگہ یو-ایس-اے۔ نے لے لی، پس سامراجی آقا کے چیں بجبیں ہوتے ہی ہماری ترجیحات بدل گئیں، اور مفاہمت کی جگہ مزاحمت نے لے لی، اور اپنوں کے ہاتھوں اپنے خاک وخون میں تڑپنے لگے، اور آگ وخون کا کھیل شروع ہوگیا۔ یا اللہ! ہم پر رحم فرما۔

دوسری طرف لوگوں کی طرف سے آپریشن زدہ علاقوں سے نقل مکانی پر مجبور ہوئے متاثرین (جن کی تعداد اخباری خبروں کے مطابق 25 لاکھ سے زائد ہے) کی مدد اور تعاون کا بھی سلسلہ جاری ہے، اور متأثرین کی مدد کے لیے مختلف تنظیمیں اور ادارے عوام سے تعاون اکٹھا کر رہے ہیں، اور حکومت کی اپیل پر مختلف ملکوں اور اداروں کی طرف سے بھی امداد فراہم کی جارہی ہے۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ دیگر ممالک اور عالمی تنظیموں کی طرف سے حکومت کو متأثرین کے لیے ملنے والا بڑا تعاون بھی صحیح مصارف میں استعمال نہیں ہو پاتا، اور اوپر سے نیچے تک متعدد ذمہ داران، خیانت اور خورد برد کا کھلا ارتکاب کرتے ہیں۔

چند سال قبل کشمیر ودیگر علاقوں میں آنے والے تباہ کن زلزلے کے متأثرین کی امداد کے

سلسلہ میں بھی خورد برد اور خیانت کے ریکارڈ قائم کیے گئے تھے۔
معلوم نہیں کہ جو لوگ معذورین، اور ضرورت مندوں کا حق غصب کر کے اپنی جیبیں بھرتے ہیں، وہ اسلام کی کون سی تعلیم پر عمل پیرا ہیں؟
ان کے دل ودماغ کے کسی حصہ وگوشہ میں انسانی ہمدردی کی کوئی رمق بھی باقی ہے کہ نہیں؟
جب کہ اسلام میں ضرورت مندوں اور یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنے پر بڑی سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں، ہر مسلمان کو ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔
جس کے لیے ہمیں اپنے اندر ایمان ویقین اور تقوے کی حرارت کو پیدا کرنے اور ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو خانہ جنگی اور غربت وافلاس سے محفوظ فرما کر امن وامان قائم فرمائے۔
مسلمانوں کی باہم دست وگریباں ہونے سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1430ہجری جون/2009ء، جلد6 شمارہ6)

(64)

میڈیا کا مایوس کن کردار

یہ میڈیائی دنیا کا دور کہلاتا ہے، اور میڈیا اس دور کا اتنا تیز ترین اور دور رَس ذریعہ بن گیا ہے کہ لمحہ لمحہ کی خبریں دنیا بھر میں خواہ شہر ہو، یا دیہات، اور جنگل بیابان ہو، یا بلند و بالا پہاڑ، ہر جگہ زمین کے چپے چپے پر پہنچا دیتا ہے۔

اسی کے ساتھ اب میڈیا پروگراموں کے نظم ونسق کا تعلق صرف حکومت وسلطنت کے ساتھ خاص نہیں رہا، بلکہ بے شمار اور لاتعداد پرائیویٹ ذرائع ابلاغ قائم ہوگئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی اپنی پالیسی اور اپنی ترجیحات ہیں، اور ان پالیسیوں اور ترجیحات میں کوئی دین و مذہب کا پابند نہیں، بلکہ اخلاقی اصولوں کی بھی کوئی پابندی نہیں۔

جب چاہے جو چاہے، جس طرح کی چاہے، خبر نشر کر دیتا ہے، رسی کو سانپ اور بھیڑ کو بھیڑیا بنانے کی بھی کوئی پروا نہیں کی جاتی، جس کے نتیجے میں سچ کی جھوٹ سے اور جھوٹ کی سچ سے تمیز ختم ہوتی جارہی ہے، غرضیکہ مادر پدر آزاد ہو کر میڈیائی دنیا عوام الناس پر اپنا تسلط قائم کرتی جارہی ہے۔

اسی وجہ سے میڈیائی دنیا بسا اوقات کسی معاملہ میں حقائق سے انسان کو بہت دور کر دیتی ہے۔

پھر میڈیائی دنیا پر جب ہم ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے میڈیا کے اہلِ حل وعقد اپنے ملک ومذہب کی اپنے تئیں بہتر تبلیغ وترجمانی کا بھی میڈیا کے ذریعے سے مقصود پورا کر رہے ہیں، اور اس کے اثرات سے دنیا کو متاثر کر رہے ہیں۔

لیکن اسلامی دنیا اس سلسلہ میں بہت پیچھے ہے۔

اولاً تو اسلامی میڈیا کے ذمہ داروں کا رجحان ومیلان اپنے دین ومذہب کی طرف سرے سے

ہے ہی نہیں اور جن لوگوں کا کچھ رجحان ومیلان ہے، وہ بھی اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر ہیں۔

یہی حال ملکی حالات ومعاملات کی ترجمانی کا بھی ہے، اس صورت حال کی وجہ سے ہمارے مذہبِ اسلام اور ملکِ پاکستان کی ساکھ دنیا بھر کے لوگوں میں بُری طرح متاثر ہورہی ہے۔

بعض ذمہ دار حضرات کے ذریعے معلوم ہوا کہ دنیا بھر کے مذاہب مسلمانوں اور خاص کر ملکِ پاکستان کی کردار کشی پر مشتمل مختلف فلمیں اور ڈرامے بنا کر دھڑا دھڑ نشر کر رہے ہیں۔ اور مسلمان اس کے جواب کا فریضہ ادا کرنے کے بجائے خود ان فلموں اور ڈراموں کو دیکھ دیکھ کر اپنے ملک ومذہب سے بدگمانی میں مبتلا ہورہے ہیں۔

دوسری طرف اس کے مقابلے میں ہمارے میڈیا کا کردار بھی اسلام کے بارے میں نادان دوست یا آستین کے سانپ کا ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا میڈیا، یا تو خود بھی اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہے، یا پھر زرومال وغیرہ کی خاطر دہرے معیار کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

اور ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' کے مصداق یہ مارِ آستین میڈیا، ملک وملت کے مقابلے میں عالمِ کفر اور طاغوتی طاقتوں کا ترجمان ودلال بنا ہوا ہے۔

میڈیا کی طاغوت پرست اور ملک وملت کی خائن کالی بھیڑوں کو یہ حقیقت ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کوئلوں کی دلالی میں اپنا ہی منہ کالا ہوتا ہے، اور چاند پر تھوکا واپس چہرے پر ہی آرہتا ہے، ہم اس تکلیف دہ امر سے بخوبی واقف ہیں، کہ ملک کے باقی پالیسی ساز اداروں اور کلیدی محکموں کی طرح اس وقت، میڈیا پر بھی باطل فرقوں اور ٹولوں کی یلغار اور قبضہ ہے، وہ اسلام کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ اور امت کے ملی وجود کے لیے ناسور وکینسر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کا بعینہٖ وہی کردار ہے، جو مدینۃ الرسول میں اسلام کی پہلی ریاست میں دورِ رسالت میں منافقوں کا تھا، جن کے سیاہ کردار اور کالے کرتوت پر قرآن کی بیسیوں آیات

شاہدِ عدل ہیں، لیکن ان منافقین کے شانہ بہ شانہ میڈیا کے وہ مسلمان نوجوان جو صحیح العقیدہ خاندانوں کے چشم و چراغ ہیں، اوران کے رگ وریشے میں سوادِ اعظم اہلِ سنت آباء واجداد کا لہو گردش کرتا ہے، وہ بھی طاغوت پرستی کواوڑھنا بچھونا بنا کراور روشن خیال وجدت پسندی کا جھوٹا ومکروہ ماسک چہروں پر سجا کر غیروں کی بولی بولتے ہیں، تو اس پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

افسوس کہ دنیا بھر کی دنیائے کفر ''ملتِ واحدہ'' بن کر ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر یلغار کیے ہوئے ہے، اور مسلمان اس کا دفاع کرنے کے بجائے خودان کے ہم خیال بلکہ تابع دار خادم بنے ہوئے ہیں، جو کہ بہت افسوسناک صورتِ حال ہے۔

اگر یہ صورتِ حال برقرار رہی، تو ڈر ہے کہ اللہ نہ کرے کہ اسلام اور مسلمان جلد ہی اقوامِ عالم میں اجنبی محض بن کر نہ رہ جائیں۔

یہ حالات ہمارے لیے مشکل اور کٹھن ضرور ہیں، مگران کا مقابلہ ناممکن نہیں، ان حالات میں میڈیا کے نظم ونسق سے تعلق رکھنے والے دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہ بھاری ذمہ داری عاید ہو چکی ہے کہ عالمِ کفر کے اس عالمی چیلنج کو سمجھ کراس کا بہتر اور موثر مقابلہ کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔

امید ہے کہ ان مختصر گزارشات پر اسلام کا درد رکھنے والے حضرات ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے، اوراسی کے ساتھ شرعی حدود وقیود کی پاس داری کرتے ہوئے اہلِ حق علماء بھی اس کا موثر حل نکالیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمت وتوفیق سے نوازے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1430ہجری جولائی/2009ء، جلد6 شمارہ7)

(65)

بجلی کی لوڈ شیڈنگ کب ختم ہوگی؟

موسمِ گرما کی آمد کے ساتھ ہی ملک میں بجلی کی غیر معمولی لوڈ شیڈنگ کا عمل شروع ہوگیا، جس کے نتیجے میں گرمی کی شدت کے باعث عوام میں بے چینی واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

بعض مقامات پر غیر علانیہ لوڈ شیڈنگ سے کاروبارِ زندگی بھی بری طرح متاثر ہوا، اور متعدد اداروں کی کارگزاری متاثر ہوئی۔

گزشتہ دو سالوں میں لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے ملک کی بے شمار انڈسٹریاں بند ہوچکی ہیں، اور ملک معاشی اعتبار سے بہت پیچھے چلا گیا ہے۔

ملک میں موجود بڑھتی ہوئی مہنگائی میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا بڑا حصہ شامل ہے۔

پیپلز پارٹی اور آصف علی زرداری کی موجودہ حکومت کی آمد کے بعد عوام کو توقع تھی کہ بجلی کی قلت اور لوڈ شیڈنگ پر قابو پالیا جائے گا، لیکن حکومت اس عوامی توقع پر پوری نہیں اتر سکی۔

البتہ حکمرانوں کی طرف سے آئندہ جلد ہی لوڈ شیڈنگ پر قابو پالینے کے دعووں کا تسلسل جاری ہے، جن میں سے بے شمار دعووں کی ڈیڈ لائن پوری ہوکر نسیاً منسیاً اور بھول بھلیوں کی نذر ہوچکی ہے، لیکن چونکہ زبانی دعووں کے ذریعے سے امیدیں باندھ کر گرمی سے بلکتے ہوئے عوام کے ردِعمل میں کسی قدر کمی تو آ ہی جاتی ہے، اس لیے حکومت کی طرف سے طفل تسلیوں کو بروئے کار لانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔

افسوس کہ حکمرانوں کی طرف سے بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے باعث ملک برق رفتاری کے ساتھ معاشی تنزلی کی طرف چلتا جا رہا ہے، مگر حکومت نے اس کے خاتمے کا خاطر خواہ بندوبست نہیں کیا، اور اس مسئلے کو وہ اہمیت نہیں دی، جس کی ضرورت تھی۔

اگر بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا موجودہ سلسلہ جاری رہا، تو آنے والے دنوں میں ملک کی معاشی و

اقتصادی صورتِ حال کیا ہوگی، اس کا تصور کرنا مشکل ہے۔

ان حالات میں ہم نیک نیتی کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ اب بجلی کی پیداوار کو بڑھانے کے سنہرے دعوے کرنے کا وقت نہیں رہا، یہ کھیل کافی طویل وقت تک کھیلا جا چکا ہے، اب ضرورت ہے کہ بلند بانگ دعووں کے بجائے بجلی کی لوڈشیڈنگ کے خاتمہ کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔

دوسری طرف بجلی کی اضاعت اور چوری ہونے کے سلسلے پر قابو پانے کی بھی ضرورت ہے، جو عوام اس جرم میں مبتلا پائے جائیں اور جو عملہ اپنی جیب بھرنے کی خاطر اس جرم کے ارتکاب میں معاون ومددگار ثابت ہو، اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے۔

اسی کے ساتھ ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے عوام میں بجلی کے کم از کم، یعنی بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کا شعور پیدا کیا جائے، اور بغیر ضرورت لائٹنگ کرنے کے خلاف قانون سازی کی جائے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا میڈیا اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر ملک کی تعمیر وترقی کے سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہے، اور اس کے بجائے فضول اور عوام میں فحاشی وبے راہ روی اور مایوسی ونفرت پیدا کرنے، بلکہ ترقی دینے والے پروگراموں کو نشر کرنے میں سرگرم عمل ہے اور ظاہر ہے کہ عوام میں نفرت ومایوسی اور بے راہ روی وفحاشی پیدا کرنے والی نشریات پر، زور رکھنے کو کبھی بھی ملک وملت کی صحیح خدمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایک طویل لوڈشیڈنگ کے تباہ کن اثرات سے دوچار ہونے کے باوجود بھی بجلی کے فضول استعمال وضیاع سے پرہیز واجتناب کرنے کا قومی سطح پر صحیح شعور پیدا نہیں ہوسکا، اس سے بڑھ کر بے حسی اور اجتماعی دیوالیہ پن کیا ہوگا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حکمران وعوام اپنی اپنی ذمہ داریوں کو عملی جامہ پہنانے میں مشغول ہوجائیں، تو ملک طویل لوڈشیڈنگ کی اندھیر نگری سے نکل سکتا ہے، ورنہ ملک کا اللہ ہی حافظ ہے۔

اہلیانِ وطن کو اپنے طور پر یہ احساسِ ذمہ داری اور شعور اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کہ قومی وسائل، قدرت کا اَن مول تحفہ ہیں، اور جہاں ایک طرف یہ ایک بے بہا نعمت ہیں، تو ساتھ ساتھ یہ قدرت اور ملک وقوم کی امانت بھی ہیں، ہم ان وسائل کو بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت کفایت شعاری کے جذبے کے ساتھ برتیں، اور یہ طرزِ عمل ان نعمتوں کی عملی وحقیقی شکر گزاری بھی ہے، شکر سے نعمت میں، برکت اور ترقی ہوتی ہے، اور ناشکری وناقدری سے قدرت اپنی نعمتیں اٹھالیتی ہے، اور طرح طرح کی بے برکتیاں اور پریشانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

آخر ہم مسلمان قوم ہیں، ان ایمانی واخلاقی حقائق پر ہمارا ایمان ہے، پھر کیوں ہم عملی زندگی میں مسلمانی کے تقاضوں کا ثبوت نہیں دیتے، اگر ایمانی نظر سے دیکھیں تو بجلی وغیرہ کی قلت وبے برکتی اور مہنگائی کے اسباب میں ہمارا یہ ناشکری اور نعمتوں کے بے تحاشا ضیاع والا طرزِ عمل بھی ایک اہم سبب ہے، تو کیا ہم اس ملی واجتماعی جرم سے باز آئیں گے؟

اللہ کرے کہ باز آجائیں۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/1430ھجری اگست/2009ء، جلد6 شمارہ8)

(66)

رمضان کو دنیا کمانے کا سیزن نہ بنایے

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے رمضان المبارک کی آمد قریب ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ دراصل آخرت کی زبردست کمائی کا مہینہ ہے، جس کے پیشِ نظر، یہ مہینہ آخرت کی کمائی کا سیزن کہلائے جانے کا مستحق ہے، رمضان المبارک کے فضائل اور اس مہینے کی عظمت کسی مسلمان سے مخفی نہیں۔

اس لیے اس کا تقاضا یہ تھا کہ رمضان المبارک کے پورے مہینے میں آخرت کی نیکیاں کمانے اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا ذخیرہ جمع کرنے کی کوشش کی جاتی، خواہ اس کی خاطر دنیا کا نقصان اور خسارہ کیوں نہ برداشت کرنا پڑتا۔

مگر آج بہت سے مسلمانوں کا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے، کیوں کہ وہ رمضان کے مہینے کے ساتھ آخرت کی کمائی کے بجائے، دنیا کی کمائی اور آخرت کے سیزن کے بجائے، دنیا کے سیزن ہونے کا برتاؤ کرتے ہیں، چنانچہ رمضان المبارک کی آمد تو بعد میں ہوتی ہے، مگر اس سے پہلے ہی مہنگائی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے، اور یہ مہنگائی کا سلسلہ رمضان کے پورے مہینے جاری رہتا ہے۔

بہت سے لوگوں کو تو رمضان کے مہینے میں دنیا کمانے کی اتنی مشغولیت رہتی ہے، کہ انھیں صحیح آرام بھی میسر نہیں آتا۔

اور صرف یہی نہیں، بلکہ اس سے زیادہ افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے لوگ رمضان کے مہینے میں جتنی ناجائز منافع خوری میں مبتلا ہوتے ہیں، شاید سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اتنے مبتلا نہ ہوتے ہوں، چنانچہ جھوٹ، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، اس مبارک مہینے میں اتنی عام ہوتی ہے کہ الامان، الحفیظ۔

اور اس قسم کی ناجائز منافع خوری زیادہ تر روزے کی نسبت سے ہوتی ہے، کیوں کہ رمضان المبارک میں کھانے پینے کی اشیا کا استعمال روزے کی خاطر سحری وافطار میں زیادہ ہوتا ہے۔
ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا تقاضا یہ تھا کہ دوسرے کی عبادت میں تعاون کی غرض سے سہولت اور یُسر والا معاملہ اختیار کیا جاتا، مگر اس کے بجائے، تنگی اور عُسر والا معاملہ اختیار کیا جاتا ہے۔

کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ عیسائی تو کرسمس ڈے، اور ہندو ہولی اور دیوالی کے موقع پر اور اسی طرح دیگر اقوام بھی اپنے مذہبی تہواروں اور مقدس ایام کے مواقع پر مذہبی جذبہ سے سرشار ہو کر دامے درمے، قدمے، سخنے، ایثار وقربانی کا مظاہرہ کریں، اور اشیائے صَرَف کی ارزانی ناقابلِ یقین حد تک پہنچادیں۔

اور اس معاملہ میں ان کی حکومتیں ان کی ریاستی مشینری ہر ممکن وسائل ان کو بہم پہنچائیں، اور ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

لیکن دینِ حق کے پرستاروں اور اللہ ورسول کے نام لیوا، ایسے ہی مواقع پر لوٹ کھسوٹ، دنیا طلبی اور ناجائز منافع خوری کی الٹی گنگا بہائیں، مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل اسلام کی رو سے پسندیدہ نہیں، اور قابلِ اصلاح ہے۔

اللہ تعالیٰ اصلاح کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' رمضان المبارک/1430ہجری ستمبر/2009ء، جلد6 شمارہ9)

(67)

خودکش حملے اور دھماکے کیوں؟

گزشتہ دنوں وطنِ عزیز میں پے در پے خودکش حملوں اور دھماکوں کی وجہ سے ہر طرف بے چینی و بے سکونی اور خوف و ہراس کی فضا قائم ہے، اور ایسی فضا میں لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کے سوالات پیدا ہو رہے ہیں کہ:

(1)...... یہ کون لوگ ہیں، جو اپنے ہی ملک کے اداروں پر حملے کر رہے ہیں؟

(2)...... یہ کون سے عناصر ہیں، جو اپنے ملک کو کمزور کرنے کے درپے ہیں؟

(3)...... یہ کیسے مسلمان ہیں، جو ملک کی عزت اور وقار کو مجروح کر رہے ہیں؟

(4)...... یہ کیسے بے رحم اور سخت دل لوگ ہیں، جو خواتین کو بیوہ اور معصوم بچوں کو یتیم کرنے میں مصروف ہیں؟

(5)...... یہ کیسے سنگ دل لوگ ہیں، جو عمر بھر کے لیے لوگوں کو معذور واپاہج کرنے میں مشغول ہیں؟

(6)...... یہ کیسے نڈر لوگ ہیں، جو اپنی جان کو داؤ پر لگانے میں بھی کوئی خوف اور ڈر نہیں رکھتے؟

(7)...... یہ کون سا جہاد ہے، جس میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا جا رہا ہے؟

یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات لوگوں کے ذہنوں میں اُبھر رہے ہیں اور ذرائع ابلاغ پر اس قسم کے تبصروں اور تجزیوں کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے۔

اس بارے میں شبہ نہیں کہ وطنِ عزیز کی ترقی وخوش حالی کافر و غیر مسلم کو گوارا نہیں، کیوں کہ وطنِ عزیز کو دنیا بھر میں کچھ ایسی اسلامی خصوصیات وامتیازات حاصل ہیں، جن کی وجہ سے وہ وطنِ عزیز سے ہمیشہ خائف ومتوحش رہتے ہیں، اس لیے کچھ خفیہ ہاتھ ہمہ وقت وطنِ عزیز کو کمزور اور بدنام کرنے میں مصروف رہتے ہیں، اور کبھی چین سے نہیں بیٹھتے۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ عالمی طاقتوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود وطنِ عزیز قائم ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ قائم رہے گا، کیوں کہ اس کے قیام میں بے شمار اولیائے کرام کی دعائیں، اور بے شمار شہدا کا خون شامل ہے، جن کو اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں فرمائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ داخلی و خارجی انتشار و خلفشار اور مکر و فریب کے ہمہ جہتی و ہمہ گیر واقعات و حادثات اور سازشوں کے باوجود آج بھی وطنِ عزیز دنیا بھر کے ممالک میں کچھ چیزوں میں اور خاص کر متعدد اسلامی شعائر میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے، جس پر وطنِ عزیز سے ادنیٰ محبت والفت رکھنے والے ہر مسلمان کو شکر ادا کرنا لازم ہے۔

اس لیے وطنِ عزیز میں جاری دھماکوں اور حملوں میں کفریہ طاقتوں کا ہاتھ ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن مثل مشہور ہے کہ ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' اس لیے اس قسم کے حملوں، دھماکوں اور سازشوں میں بسا اوقات، استعمال تو خود اپنے لوگ ہی ہوتے ہیں۔

اس کے اسباب جو کچھ بھی ہوں، مگر ایک سبب یہ بھی ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے یہاں مخصوص طبقوں کی طرف سے لوگوں کے ذہنوں میں وطنِ عزیز کی کماحقہٗ محبت والفت پیدا کرنے کی کوششیں نہیں کی گئیں۔

اور اس کے بجائے وطنِ عزیز کی اچھائیوں اور خوبیوں پر پردہ ڈال کر ہمیشہ نفرت اور عداوت کا درس دیا گیا، اور یہ باور کرایا گیا کہ وطنِ عزیز میں اسلام نام کی کوئی چیز نہیں، بلکہ ہر طرف کفر و شرک کی بھرمار ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے تحریری و زبانی وظیفے پڑھتے رہنے اور سناتے رہنے سے ملک ہی کے بعض باشندوں کے ذہنوں میں وطنِ عزیز کی طرف سے مایوسی پیدا ہوئی اور وطنِ عزیز کے خلاف بغاوت و سرکشی کا جذبہ پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں انھوں نے ملک کے خلاف مسلح بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔

جب کہ وطنِ عزیز کے بارے میں یک طرفہ طور پر اس قسم کا درس دینا اور وظائف پڑھنا کسی طرح بھی حقیقت اور واقعے سے مطابقت نہیں رکھتا۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں دنیا بھر میں جو کچھ ہو رہا ہے، اور جس طرح سے دجالی

تمہیدات قائم ہورہی ہیں، اور طرح طرح کے فتنے رونما ہوکر قربِ قیامت کی نشانیاں سامنے آرہی ہیں، ان کے تناظر میں وطنِ عزیز کے حالات بہت غنیمت ہیں۔

ان حالات میں واقعہ یہ ہے کہ ملک کا نمک کھا کر اس کے خلاف نفرت وبغاوت کا درس دینے والوں کو اس ملک کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہنا زیب نہیں دیتا، آخر نمک حلال کرنے کا تو بھی کوئی حق ہوتا ہے، رات و دن وطنِ عزیز کی نعمتوں سے مستفید ہونے والوں کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا، کہ وہ ہمہ وقت وطنِ عزیز کے خلاف زہر اُگلتے رہیں۔

بہر حال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی منفی کوششوں اور منفی رویہ کی وجہ سے بعض لوگوں خاص کر بعض نوجوانوں کے جذبات و خیالات میں ملک کے خلاف مسلح جدوجہد کا عنصر پایا جاتا ہے اور جب گھر ہی کے افراد اپنے گھر میں آگ لگانے میں مشغول ہوجائیں، تو اس سے بچاؤ اور دفاع بہت مشکل ہوجاتا ہے، کیوں کہ تباہ کرنے والا خود اپنی صفوں میں، گھر کے اندر موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے جوش وجذبات کا مقابلہ طاقت کے بل بوتے پر کرنے کی بجائے ذہنی و جذباتی اور خیالاتی تغیرات سے ہی ممکن ہوا کرتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ذرائع ابلاغ سمیت علماء وصلحاء وطنِ عزیز کی اچھائیوں اور خوبیوں کا خود سے احساس اور دوسروں کو درس دیں، اور منفی ذہن بنانے کے بجائے مثبت سوچ پیدا کرنے اور مثبت انداز میں ہی برائیوں اور خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کریں۔

اگر مخلصانہ جدوجہد کے ساتھ اس عمل کو اختیار کیا جائے گا، تو امید ہے کہ موجودہ حالات سے نکلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

ظاہر ہے کہ یہ بغاوت ونفرت پیدا کرنے کے نتیجے میں ایک دن خود نفرت و بغاوت پیدا کرنے والے اور خود اس عمل کا ارتکاب کرنے والے بھی اپنی نسلوں سمیت اس کی نذر ہوں گے، اور اس کا خمیازہ بھگتیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس صورتِ حال سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1430ہجری نومبر/2009ء، جلد6 شمارہ11)

(68)

چینی کا بحران، حکومت اور عوام کا فریضہ

ہمارا ملک بحمد اللہ تعالیٰ زرعی وسائل سے مالا مال ہے، بلکہ ملکی معاشی ترقی کا دارومدار بنیادی طور پر زراعت پر ہے، قدرت نے ہمارے ملک کو زرخیز زمین، موزوں موسم، وافر پانی سب کچھ عطا فرمائے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے ان سب باتوں کے باوجود آٹے کے بحران کے بعد گزشتہ کئی ماہ سے ملک میں چینی کے بحران کا سامنا ہے، اور گزشتہ چند دنوں سے اس بحران کے اثرات بہت زیادہ سامنے آ رہے ہیں، جب کہ چینی زیادہ تر گنے سے تیار ہوتی ہے، اور گنّے کی کاشت میں پاکستان خود کفیل ہے۔

گزشتہ سال گنے کی عالی شان فصل ہونے کے باوجود ملک کو چینی کے بحران کا سامنا ہے، اس بحران کے نتیجے میں غریب عوام سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں، براہِ راست چینی کی قیمت پر اس کے اثرات تو اپنی جگہ ہیں، جو اشیاء چینی سے تیار ہوتی ہیں، مثلاً مٹھائی وغیرہ، ان کی قیمتوں پر بھی اس سے بُرا اثر پڑا ہے۔

معتبر ذرائع کے مطابق گزشتہ سال گنے کو خریدنے والے شوگر ملوں کی طرف سے بھی زیادتی سامنے آئی کہ انھوں نے گنے کی خریداری میں کوتاہی اختیار کی، کسانوں کو بے جا پریشان رکھا، جس کے نتیجے میں بہت سے کسانوں نے گنے کی بڑی مقدار کو نذرِ آتش کر دیا، اور متعلقہ ادارے اور شوگر ملز سمیت یہ کسان بھی، کفرانِ نعمت کے مرتکب شمار ہوئے۔

خیر یہ واقعہ تو اپنی جگہ، حکومت کی طرف سے چینی کے موجودہ بحران کی وجہ بار بار ذخیرہ اندوزی قرار دی جاتی ہے، لیکن باوجود ہر قسم کی کوششوں کے ذخیرہ اندوزوں کے خلاف موثر کارروائی عمل میں نہیں لائی جاتی۔

اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حکمران اور سیاسی لوگ ہی عام طور پر بالواسطہ یا بلاواسطہ ذخیرہ اندوزی کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، اور سیاسی اثر ورسوخ کے باعث ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں سیاست میں ایسے ہی لوگ عام طور پر آگے آتے اور کام یاب قرار پاتے ہیں، جو معاشرے میں اچھے کردار کے مالک نہیں ہوتے اور ظلم وستم، حرام خوری، کام چوری اور ذخیرہ اندوزی جیسے جرائم میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

اسی سبب سے جب ذخیرہ اندوزی سے نجات حاصل کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، وہ بے سود و بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔

سیاست اور حکمرانی جو عوام کی خدمت کی ذمہ داری کا اہم شعبہ تھا، اسی شعبے کے اہلِ حل وعقد جب عوام کے پیٹ کاٹنے لگیں اور ان پر ظلم وستم کرنے لگیں، تو پھر آگے کس سے خیر کی توقع کی جاسکتی ہے۔

ایک طرف تو ہمارے ملک میں ذخیرہ اندوزوں کے ظلم وستم کی طویل داستان ہے، جس کو اگر لکھا جائے، تو دفتر کے دفتر سیاہ ہوجائیں۔

دوسری طرف عوام الناس کا کردار بھی اس قسم کے مواقع پر مایوس کن نظر آتا ہے، کیوں کہ ہمارے یہاں اس طرح کا مزاج بن گیا ہے کہ جب بھی کسی چیز کے بارے میں قلت کا شوشہ چھیڑا جاتا ہے، خواہ وہ مصنوعی درجے کا ہی کیوں نہ ہو، فوراً امراو اغنیا کا طبقہ بھاری مقدار میں اس چیز کی خریداری کر کے اپنی آیندہ کی ضرورت کے لیے جمع کر لیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ غریب عوام کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی کہ وہ زیادہ مقدار میں اشیاء کی خریداری کر سکیں، وہ بے چارے تو یومیہ یا ہفتہ وار یا حد سے حد ماہانہ ضرورت ہی کی اشیاء خرید سکتے ہیں۔

اس کی وجہ سے بھی غریب عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

ان مذکورہ خرابیوں کے ساتھ ساتھ ہی ایک خرابی بے حسی کی شکل میں سامنے آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اشیا کی قلت اور بحران کے باوجود ان کا استعمال بلکہ اضاعت بدستور جاری رہتی ہے، نہ تو استعمال میں کمی کی جاتی اور نہ ہی اضاعت واسراف سے اپنے آپ کو بچایا جاتا۔

چنانچہ آج کل چینی کی قلت اور بحران کے باوجود مٹھائیوں وغیرہ کا غیر معمولی استعمال بدستور جاری ہے، جس کا اندازہ مٹھائی فروشوں کی دکانوں پر رش اور ہجوم کو اور تقریبات میں سویٹ ڈشوں کو، اور دوسرے مواقع پر چائے نوشی وغیرہ کی کثرت کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

افسوس ہے کہ اشیا کی قلت اور غیر معمولی بحران کے باوجود بھی قوم میں حس وشعور پیدا نہیں ہوتا۔ اس قسم کی بے حسی نے ہمیں معاشی اور دوسرے میدانوں میں بہت ہی نقصان پہنچایا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کسانوں سے گنے کی فصل کی خریداری کے لیے مناسب اور معیاری نظام مقرر کیا جائے اور ذخیرہ اندوز، اللہ اور آخرت کا خوف کریں اور غریبوں کے حال پر رحم کھائیں۔

کارروائی کرنے والے ادارے اخلاص اور محنت کے ساتھ ذخیرہ اندوزوں کے خلاف موثر کارروائی کریں۔ امرا واغنیا غیر ضروری اسٹاک اپنے گھروں میں جمع نہ کریں اور امراء واغنیاء سب مشترکہ مسئلہ سمجھ کر کفایت شعاری اور محدود استعمال کی عادت کو اپنائیں اور اسراف اور فضول ضیاع سے اجتناب کریں۔ تو اس قسم کے بحرانوں سے نکلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمت کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1430ہجری دسمبر/2009ء، جلد6 شمارہ12)

(69)

گیس کی لوڈشیڈنگ

کئی سالوں سے ملک میں موسم گرما میں بجلی کی غیر معمولی لوڈشیڈنگ کا سلسلہ جاری ہے، جس کی وجہ سے ملکی معیشت اور تمدنی زندگی پر بہت بُرے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔

موسمِ گرما میں تو حکومت کے یہ دعوے ہوتے ہیں کہ آئندہ سال بجلی کی لوڈشیڈنگ ختم ہوجائے گی، لیکن جب موسمِ گرما کا اختتام ہوکر موسم سرما کا آغاز ہوتا ہے، تو بجلی کا استعمال کم اور گیس کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔

اس صورتِ حال میں حکمران موسمِ گرما میں بجلی کی لوڈشیڈنگ کو بھول جاتے ہیں اور آئندہ سال کے لیے بجلی کی لوڈشیڈنگ سے بچنے کے انتظامات کرنے کے بجائے گیس کے بحران اور اس کی لوڈشیڈنگ پر عوام کو طفل تسلیاں دینے میں لگ جاتے ہیں، غرضیکہ عملاً کچھ کرنے کے بجائے حکومتِ وقت ''ٹپاؤ پالیسی'' اپنائے ہوئے ہے۔

گزشتہ سالوں میں بھی سوئی گیس کی جزوی اور غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ کا سلسلہ جاری رہا، متعدد علاقوں میں گیس کا پریشر انتہائی کم ہونے کی وجہ سے گھنٹوں تک گیس کی آمد نہیں ہوپاتی تھی، اور بعض علاقوں میں اچانک درمیان میں گیس کا سلسلہ کچھ وقت کے لیے منقطع ہونے سے گیزر اور ہیٹر وغیرہ بند ہوکر تکلیف واذیّت کا سبب بنتا تھا۔

اس وجہ سے بعض واقعات ایسے بھی پیش آتے رہے کہ سوتے وقت گیس منقطع ہونے کے بعد، پھر جاری ہونے پر دم گھٹنے کی وجہ سے کئی معصوم جانیں موت کے منہ میں چلی گئیں۔

اب کے بار حکومت کی طرف سے CNG اسٹیشنوں کو ہفتہ وار ایک بلکہ دو یوم کے لیے گیس کی سپلائی منقطع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، جس پر عمل درآمد شروع ہوگیا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہاں ایسے قوانین مرتب کیے جاتے ہیں کہ جن سے غریب عوام ہی

مشکلات وتکالیف کا تختۂ مشق بنتے ہیں اور گیس کی لوڈشیڈنگ کی موجودہ پالیسی سے بھی غریب عوام ہی زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔

کیوں کہ مال دار طبقہ کو تو گیس کے بجائے پٹرول اور ڈیزل کے ایندھن کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت ہوتی ہے، مگر غریب عوام اور بالخصوص گیس آٹو رکشہ اور ٹیکسی وغیرہ چلا کر اپنی دال روٹی کا بندوبست کرنے والے طبقے کے ہاں اولاً تو پٹرول کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کا اثر بھی گھما پھرا کر غریبوں پر ہی پڑتا ہے، کیوں کہ ٹرانسپورٹر، کرائے بڑھا کر اس مہنگائی کا بوجھ عام لوگوں کی جیبوں کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ مشکلات تو ان غریب لوگوں کے لیے ہیں کہ جو گیس نہ ہونے پر پٹرول سے گاڑی چلانے کے متبادل طریقہ کو بامر مجبوری اختیار کر سکتے ہیں، لیکن جن غریبوں کی گاڑیوں میں پٹرول سے چلنے کا انتظام ہی نہیں، ان کو تو کام کاج چھوڑ کر بیٹھ رہنے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

پھر اوپر سے ایک آدھ یوم کے بجائے ہفتہ میں لگاتار دو دنوں تک CNG اسٹیشنوں پر گیس کی بندش سے غریبوں کو یہ پریشانی بھی لاحق ہے کہ ان کی گاڑیوں میں اتنے بڑے سلنڈر نصب نہیں ہیں کہ وہ دو دنوں تک کی ضرورت کا اسٹاک جمع کر کے رکھ سکیں، جب کہ مال داروں کے پاس پٹرول کے اخراجات مہیا ہونے کے علاوہ بڑے سلنڈروں کی شکل میں گیس کے ذخیرہ کرنے کا انتظام بھی ہوتا ہے۔

اس مختصر جائزہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں قانون سازی کرتے وقت غریبوں کا کتنا لحاظ کیا جاتا ہے؟

اگر حکمرانوں اور اہلِ حل وعقد کو غریبوں کے حقوق کی پاس داری کا کچھ لحاظ ہو، تو انھیں اللہ کا خوف کرتے ہوئے اس قسم کی قانون سازی کرنے میں ان امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے، کہ جس کے نتیجے میں غریب عوام کی تکالیف کم ہوں۔ اللہ توفیق بخشے۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1431ہجری جنوری/2010ء، جلد7 شمارہ1)

(70)

سوئی گیس کی کمی کیسے ختم ہو؟

آج کل ملک میں سوئی گیس کی سخت ترین لوڈ شیڈنگ جاری ہے، جس کے باعث ملکی معیشت پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے، اور بہت سے دیگر مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

اس گیس کی اندھا دھند لوڈ شیڈنگ سے نجات کیوں کر حاصل کی جائے اور سوئی گیس کی لوڈ شیڈنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نئے مسائل و مصائب سے کیوں کر خلاصی پائی جائے، اس کے لیے ہم اختصار کے ساتھ چند تدابیر ذکر کرتے ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق حکومت سے اور بعض کا عوام سے اور بعض کا دونوں طبقوں سے ہے۔

(1)...... بجلی کی طرح سوئی گیس بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کردہ قدرتی نعمت ہے، اور ایک مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس نعمت کا شکر ادا کریں، کیوں کہ ایک تو بذاتِ خود نعمت پر، منعم (یعنی نعمت دہندہ) کا شکر ادا کرنا لازم ہے، اور دوسرے شکر کی خاصیت و تاثیر یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس نعمت میں برکت و اضافہ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

''اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں (نعمت) زیادہ کردوں گا''

پس سوئی گیس کی نعمت پر شکر کرنا، اس کی کمی کو دور کرنے کی بہت موثر تدبیر ہے۔

(2)...... بہ حیثیت مسلمان ہونے کے سوئی گیس کی قلت ختم کرنے کی ایک موثر تدبیر یہ ہے کہ گناہوں سے فوری توبہ و استغفار کیا جائے، کیوں کہ گناہوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محرومی و بے برکتی لازم آتی ہے، اور آج کل مختلف قسم کے گناہوں کی بہتات ہے۔

(3)...... بہ حیثیت مسلمان ہونے کے سوئی گیس کی قلت دور کرنے کی ایک موثر و اعلیٰ تدبیر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوئی گیس کی قلت دور کرنے کی دعا کی جائے، کیوں کہ دعا، دراصل مسلمانوں کے لیے اعلیٰ تدبیر کا درجہ رکھتی ہے۔

(4)......سوئی گیس کی قلت کو دور کرنے کی چوتھی تدبیر یہ ہے کہ عملی طور پر سوئی گیس ''بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت'' کے اصول کے مطابق استعمال کی جائے۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ضیاع کا جو سلسلہ جاری ہے، اس سے سوئی گیس کا شعبہ بھی محفوظ نہیں، جس کا کچھ حال ملاحظہ فرمایے۔

ہمارے یہاں بہت سے گھرانے ایسے ہیں، جہاں چوبیس گھنٹے سوئی گیس کے ضیاع کا عمل جاری رہتا ہے، ایک ماچس کی تیلی جلانے کی زحمت سے بچنے کے لیے چولہوں اور ہیٹروں کو ہلکی رفتار (پائلٹ وغیرہ) پر چلتے ہوئے لمبے وقت کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے، اور ضرورت پوری ہونے کے بعد بند کرنے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی جاتی۔

اسی طرح بعض گھرانوں میں سردی اور گرمی کے موسم میں بلا تفریق پانی گرم کرنے کے لیے گیزر کو مکمل رفتار پر چلا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور جتنی مقدار میں پانی گرم ہوتا ہے، اور سوئی گیس خرچ ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں گرم پانی کا استعمال بہت کم ہوتا ہے۔

اولاً تو گیزر کو ہلکی رفتار پر رکھ کر بھی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، دوسرے جب کہیں سفر پر یا لمبے وقت کے لیے کہیں جانا ہو اور اس دوران گرم پانی کے استعمال کی ضرورت پیش نہ آئے، گیزر کو بند کرنے، یا اس کو انتہائی ہلکی رفتار پر رکھنے میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہیے۔

اسی طرح رات کو سونے سے پہلے بھی گیزر بند کر دینا (یا کم اور ہلکا کر دینا) اور صبح ضرورت کے وقت چلا لینا، یا رفتار بڑھا لینا ممکن ہے، مگر ان چیزوں کی طرف شاید ہی کسی کی توجہ ہوتی ہو۔

رہا یہ سوال کہ بند یا کم کرنے کے بعد ضرورت پڑنے پر فوری طور پر پانی گرم نہیں مل سکے گا، تو

یہ سوال زیادہ وقعت نہیں رکھتا، کیوں کہ تھوڑی دیر پہلے چلا کر بھی ضرورت پوری کی جا سکتی ہے۔

آخر جب تک سوئی گیس گھروں میں نہیں آئی تھی، یا جن گھرانوں میں آج بھی موجود نہیں ہے، وہ بھی تو ضرورت پڑنے پر لکڑیاں وغیرہ جلا کر پانی گرم کرنے کا انتظام کرتے ہی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت کے مدتِ دراز سے بگڑے ہوئے ہونے اور اسی ماحول میں تربیت و پرورش پانے کے نتیجے میں، ہمیں آج اس قسم کے امور کی طرف توجہ ہی نہیں۔

پھر جن لوگوں کو سوئی گیس خرچ کرنے کے نتیجے میں بل کے اخراجات ادا کرنے پڑتے ہیں، ان کو تو سوئی گیس کے غیر ضروری استعمال کا کسی درجہ میں خیال بھی آ جاتا ہے، وہ بھی اگرچہ کم لوگوں کو، بالخصوص غریب طبقے کو، لیکن جن لوگوں کو خود اپنی جیب سے بل ادا نہیں کرنا پڑتا، مثلاً سرکاری و نیم سرکاری ادارے، وہاں تو ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کی مثال صادق آتی ہے۔

حالانکہ اولاً تو اسلامی نقطۂ نظر سے کسی بھی نعمت کا کسی بھی شکل میں ضیاع فضول خرچی ہی ہے، اگرچہ اس کے نتیجے میں بل بھی ادا نہ کرنا پڑے۔

دوسرے جن اداروں کے اخراجات بالواسطہ یا بلا واسطہ مجموعی طور پر عوام کے کاندھوں پر پڑتے ہیں، ان کا معاملہ ذاتی اخراجات سے بھی زیادہ کٹھن اور سنگین ہے، کیوں کہ ان اداروں کے مال کا ضیاع اور اسراف دراصل مجموعی طور پر تمام متعلقہ عوام کی حق تلفی میں داخل ہے، جس کی تلافی آسان کام نہیں، کیوں کہ اولاً تو صاحبِ حقوق افراد کی تعداد ہی اتنی زیادہ ہے کہ ان کو شمار میں لانا مشکل ہے، دوسرے ان کا علم بھی نہیں کہ کون کون افراد ہیں۔

اسی طرح کئی جگہوں میں پائپ لائن سے ہمہ وقت گیس کی لیکج ہوتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے گیس کی بڑی مقدار ضائع چلی جاتی ہے، اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے۔

(5)...... بہت سے مقامات پر گیس کے میٹر سے پہلے پائپ لائن گیس کی لیکج ہوتی رہتی ہے،

چنانچہ بکثرت راستوں اور گزرگاہوں پر سوئی گیس کی لائن سے گیس خارج ہوتی رہتی ہے، صارفین تو عموماً اس لیے بے فکر رہتے ہیں اور اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ ان کو اپنی جیب سے اس کا بل ادا نہیں کرنا پڑتا، اور متعلقہ اداروں کو اس سے آگاہ کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

دوسری طرف متعلقہ اداروں اور محکموں میں بھی کام چوری اور حرام خوری کی وباء عام ہے، جس کی وجہ سے ان کو بھی اصلاح و درستگی کی توفیق نہیں ہوتی، اور بالخصوص سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ ادارہ کی جو ملک میں کارکردگی ہے، وہ انتہائی مایوس کن ہے، اور اس ادارہ میں بھی کرپشن اور رشوت کا گراف بہت سے اداروں سے اونچا ہی ہے۔

کام چوری اور لاپروائی کے نتیجے میں نہ تو کنکشن نصب کرتے وقت گیس لیکیج سے بچاؤ کا پورا خیال کیا جاتا، اور نہ ہی بعد میں کسی کی طرف سے نظرِ ثانی و اصلاح کا انتظام ہوتا۔

بہت سے مقامات پر سوئی گیس کی لوڈ شیڈنگ کا اصل سبب یہی ہے کہ صارفین تک پہنچنے سے پہلے راستوں میں ہی اتنی زیادہ مقدار میں گیس خارج ہوجاتی ہے کہ صارفین تک پہنچتے پہنچتے اس کا پریشر ختم یا بالکل کم زور ہوجاتا ہے، جب کہ پیچھے سے سپلائی کا پریشر مکمل ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں سیوریج اور پائپ لائنوں کی تنصیب کا نظم بھی مناسب منصوبہ بندی سے خالی ہے، جس کی بنا پر جگہ جگہ سے لائنیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور باہم مخلوط ہیں۔

اس بدنظمی کی اصلاح و درستگی حکومت اور متعلقہ اداروں کی ذمہ داریوں میں داخل ہے، ورنہ وہ دنیا و آخرت کے اعتبار سے ملک و ملت اور عطیۂ الٰہی کے مجرم شمار ہوں گے اور مؤاخذہ سے نہیں بچ سکیں گے۔

ساتھ ہی ساتھ عوام کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کی شکایت سامنے آنے پر اپنی حسبِ قدرت متعلقہ اداروں کو آگاہ کریں۔

(6)...... ملک میں گیس کے موجود ذخائر کو حاصل کرنے اور ان سے مستفید ہونے کی موثر

کوششیں بھی ضروری ہیں، جن میں ہمارے یہاں بہت سست رفتاری پائی جاتی ہے۔

حکومتی سطح پر دیکھا جائے تو یہ المیہ بھی سامنے آتا ہے کہ دوررس اور طویل مدت منصوبہ بندی پر توجہ نہیں دی جاتی، اور اہم ترین امور پر بھی ''ڈنگ ٹپاؤ'' پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔

گزشتہ دس سالوں کے دوران کئی مرتبہ پاکستان، افغانستان اور ازبکستان کے صدور نے مختلف معاہدات کے تحت اس عزم کو دہرایا تھا کہ ازبکستان سے افغانستان کے راستے پاکستان کو گیس دی جائے گی، مگر اس معاملہ میں عملی طور پر پیش رفت نہ ہوسکی۔

دوسری طرف چین نے ازبکستان سے سمجھوتہ کر کے گزشتہ دنوں پائپ لائن مکمل کر کے گیس حاصل کرنا شروع کر دی ہے۔

اسی طرح ایران سے بھی گیس حاصل کرنے کے چرچے سالوں سے ہیں، مگر عملی طور پر کچھ نہیں ہوسکا۔

لہٰذا حکومتی سطح پر اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ جن اشیاء کے وسائل کم ہو رہے ہیں، ان کی بہتری کے لیے طویل مدتی منصوبہ بندی کی جائے اور اس پر مناسب پیش رفت کا عمل جاری رکھا جائے، ورنہ ہمارا حال آج جو پانی کے حوالے سے ڈیم نہ بنانے کے باعث ہو رہا ہے کہ خشک سالی کا شکار ہو رہے ہیں، اسی طرح اللہ نہ کرے، کل گیس اور آنے والے دنوں میں مزید کسی اور چیز کا بحران سر اٹھا سکتا ہے۔

ہم نے اختصار کے طور پر چند تدابیر ذکر کی ہیں۔

امید ہے کہ سرِ دست ان تدابیر کو بروئے کار لانے سے سوئی گیس کی جاری لوڈ شیڈنگ اور قلت سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ ''التبلیغ'' صفر المظفر / 1431ہجری فروری/ 2010ء، جلد 7 شمارہ 2)

(71)

بجلی کا بحران کب تک؟

وطنِ عزیز کو گزشتہ چند سالوں سے بجلی کے بحران کا سامنا ہے، جو روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔

دوسری طرف حکمرانوں کی طرف سے موسمِ گرما کے موقع پر، موسمِ سرما تک اور موسمِ سرما کے موقع پر موسمِ گرما تک بجلی کے بحران کے خاتمے کے دعوے اور وعدے جاری ہیں۔

شاید حکمران تو زبانی کلامی دعووں اور وعدوں سے عوام کو تسلی دلا کر یہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کے دعووں اور وعدوں سے وہ ذمہ داری سے سبکدوش تو کیا ہوتے، درحقیقت وہ جھوٹے دعوے اور وعدے کر کے دنیا و آخرت کے اعتبار سے بڑے مجرم شمار ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ایک لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود بجلی کے بحران پر قابو نہیں پایا جا سکا، جس کی بڑی وجہ حکمرانوں کی غفلت و بے توجہی بلکہ ناعاقبت اندیشی ہے۔

کیوں کہ یہ بات کسی عقل مند سے مخفی نہیں کہ بجلی کے بحران سے ملکی معیشت پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے، انڈسٹریاں تباہ ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے ملک میں مصنوعات کی قلت اور کمر توڑ مہنگائی کا راج ہے۔

ہمارے نزدیک کمر توڑ مہنگائی میں بجلی کے بحران کو بڑا دخل ہے۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود بجلی بحران پر قابو پانے کی صحیح اور مخلصانہ کوششیں نہیں ہو رہیں۔

نامعلوم بجلی کے بحران کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

ہمارے نزدیک بجلی بحران کے خاتمہ کا معاملہ حکمرانوں کی اولین ترجیحات میں شامل ہونا چاہیے، ورنہ آنے والا وقت موجودہ وقت سے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہو سکتا ہے، جس کا ہم ابھی اندازہ نہیں کر پا رہے۔

موسمِ سرما اپنے اختتامی مراحل میں ہے، جس کے بعد موسمِ گرما کی آمد ہے، اور موسمِ گرما میں بجلی کا بحران ویسے ہی زیادہ ہو جاتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ ہر قسم کے وسائل بروئے کار لا کر بجلی بحران کے خاتمے کی کوششیں کی جائیں۔

عوام کے کاندھوں پر بھی اس موقع پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ بجلی کے استعمال میں احتیاط رکھیں، اور بجلی کے ضیاع سے بچنے کا اہتمام کریں۔

بجلی بحران ہی کا ایک رخ بجلی کے نرخوں میں آئے دن ہوش ربا اضافہ اور کمر توڑ گرانی بھی ہے، اس حوالے سے گزشتہ عرصے میں اس قسم کی خبریں کئی بار اخبارات کی زینت بن چکی ہیں کہ ایوانِ اقتدار کے بعض پردہ نشین اور متعلقہ مناصب پر براجمان بعض لوگ، اپنی کمیشن کھری کرنے یا مختلف ذاتی مفادات سمیٹنے کے لیے، بعض بیرونی کمپنیوں سے مہنگی بجلی خریدتے ہیں، اور آسان سکیموں اور منصوبوں کو چھوڑ کر جس کی آج کئی شکلیں دنیا میں رائج ہیں، جان بوجھ کر بعض استحصالی قوتوں کو نوازنے کے لیے ان کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے بھاری بھر کم پراجیکٹ اور منصوبوں کی منظوری دیتے ہیں۔

یہ سب اگر حقیقت ہے (جیسا کہ بظاہر نظر بھی آ رہا ہے) تو پھر ملکی سسٹم اور نظام کا اللہ ہی حافظ ہے۔

یہ دراصل ''پیسہ پھینک، تماشا دیکھ'' والی بات ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ملک انارکی کی طرف اور مقتدر کلیدی ادارے تصادم کی سمت کیوں بڑھ رہے ہیں؟ ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے، سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی، گھر کے چراغ سے

اللہ تعالیٰ اس بحران سے ملک کو نجات عطا فرمائے اور اصلاح کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1431ہجری مارچ/2010ء، جلد 7 شمارہ 3)

(72)

معاشی وسیاسی بحران اور ہماری دینی حالتِ زار

پیپلز پارٹی اور آصف علی زرداری کے دورِ حکومت میں وطنِ عزیز کو آج کل شدید معاشی بحران کا سامنا ہے، اوراس کے ساتھ سیاسی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ ہے، لوٹ مار، قتل وغارت گری، چور بازاری، رشوت کی بہتات کے علاوہ، بے روزگاری، مہنگائی اوراشیائے ضرورت کی قلت کے تمام گزشتہ ریکارڈ ٹوٹ چکے ہیں۔

طویل عرصے سے ملک خشک سالی کا شکار ہے، دریا اور ڈیم خشک ہوچکے ہیں، یا ہوتے جارہے ہیں، بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، اوراس کے نتیجے میں ملک کے صنعتی ادارے بری طرح متاثر اور مفلوج ہورہے ہیں، ملک کا ہزاروں ایکڑ رقبہ ریگستان کا منظر پیش کررہا ہے۔

ہمارے ہمسایہ ملک میں جگہ جگہ پانی کی ذخیرہ اندوزی اورڈیم سازی کا عمل جاری ہے، بعض ذرائع کے مطابق انڈیا میں اب تک ڈھائی صد کے قریب ڈیم تیار ہوچکے اورمزید ہورہے ہیں، مگر ہمارے ملک میں مدتِ دراز سے ایک کالاباغ ڈیم نہیں بن سکا، جس پر کروڑوں روپے بھی خرچ کردیے گئے۔

موجودہ حکمرانوں اوروسیع تر قومی مفاد کے اداروں کے عہدے داروں نے رشوت خوری اور ملکی خزانہ کی لوٹ مار کا جوسلسلہ شروع کررکھا ہے، اس سے لگتا ہے کہ یہ کوئی ذمہ دار وعہدے دار نہیں، بلکہ ڈاکو ہیں، جودن دھاڑے قومی خزانے کولوٹ رہے ہیں، مختلف بلکہ چھوٹی چھوٹی اشیا پر حکمران کھلے عام کمیشن اور بھتہ وصول کررہے ہیں۔

شنید ہے کہ بعض ڈیموں کے نگرانوں نے کمیشن کے لالچ میں مچھلی پکڑنے والوں کی سہولت کے لیے ڈیموں سے پانی کا غیرضروری اخراج کرکے پورے ملک کے عوام کو پریشانی

واضطراب میں مبتلا کردیا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس ملک کے حکمران ہی اپنے عوام اور رعایا کے مال کی لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوجائیں، اور اداروں کے تحفظ ونگرانی کی تنخواہ پانے والے افراد ہی چندٹکوں کی خاطر پوری قوم کو اندھیرے گڑھے میں دھکیلنے لگیں، تو اس ملک کا کیا بنے گا؟ ؎

سگ وزیر وگربہ میر وموش دربانی کنند

این چنین ارکانِ دولت، ملک ویرانی کنند

ان حالات میں ایک ناگفتہ بہ پہلو یہ ہے کہ ایسے خائن اور غدار لوگوں کا محاسبہ اور مؤاخذہ کرنے کا بھی کوئی اہتمام وانتظام نہیں۔

اگرچہ عدلیہ کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے، مگر ہمارے یہاں عدلیہ کو بھی الجھانے اور ٹرک کی بتی کے پیچھے لگانے کا گُر کرپشن اور لوٹ مار کے طاقت ور مافیاؤں کو خوب آتا ہے، انتہائی جدوجہد کے بعد ججوں کی بحالی عمل میں آئی، لیکن تاحال عدلیہ کے طے شدہ فیصلوں کو کماحقہٗ اہمیت نہیں دی جاسکی، اور ان پر عمل درآمد میں حکومت رکاوٹ بنتی رہی۔

دوسری طرف نام نہاد آزاد میڈیا اصل میں کنٹرولڈ میڈیا ہے، اس سے بھی خیر کی توقع رکھنا مشکل ہے، بالخصوص جب کہ میڈیا کا مقصود پیسہ کمانا اور شہرت کا حصول بن جائے، اور وہ عالمی طاقتوں کے مفادات کا امین اور ان کا تابع بن جائے۔

چنانچہ موجودہ حالات میں میڈیا سے جس قسم کی توقعات وابستہ تھیں، میڈیا نے اپنے فرضِ منصبی کی حد تک ان کی بجاآوری سے قوم کو مایوس کیا، اگرچہ میڈیا کے چند اقدامات بعض پہلوؤں سے بہتر ثابت ہوئے ہیں، لیکن وہ بالکل ناکافی ہیں۔

اولاً تو میڈیا کے ذمہ داروں نے کسی معیار کی پاس داری کے بغیر خانہ پری کا سلسلہ شروع کررکھا ہے کہ عوام کو نئی سے نئی خبر سے آگاہ کرکے مصروف اور اپنی طرف متوجہ رکھا جائے، جس کی وجہ سے یہ تمیز نہیں کی جاتی کہ کون سی خبر نشر کرنا مفید ہے، اور کون سی مفید نہیں،

دوسرے جلد بازی میں بہت سی غلط خبریں بھی نشر کر دی جاتی ہیں۔ تیسرے اصلاح کے جذبے کے بجائے دوسرے کی تنقید وتحقیر اور تجارتی مقاصد پیشِ نظر ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں اصلاح کے بجائے فساد سامنے آتا ہے۔

اس قسم کے مفاسد کا سدِ باب کیے بغیر میڈیا سے خیر کی توقع رکھنا محال ہے۔

نا اہل حکمرانوں کے انتخاب اور موجودہ ناگفتہ بہ حالات کا اہم سبب اگرچہ ہم لوگوں کے اعمال کا بگاڑ ہے، جس کے لیے ہر شخص کو توبہ واستغفار اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

لیکن ظاہری سبب کے درجہ میں ایک وجہ حکمرانوں کے انتخاب کے عمل میں شرفا وصلحا اور نیک لوگوں کا الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جانا اور انتخابی عمل کے اختیار کو بددینوں کے حوالے کر دینا ہے۔

چنانچہ ملک کے قیام سے لے کر اب تک نیک اور شریف لوگوں کی اکثریت، اس بنیاد پر ووٹوں میں حصہ لینے سے اجتناب کرتی رہی ہے کہ یہ نظام غیر شرعی یا غلط ہے، لیکن یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی گئی کہ اسی عمل کے ذریعے سے پچاس سال سے زائد عرصے سے نا اہل حکمرانوں کا انتخاب ہوتا رہا ہے، اور اس سے الگ رہنے سے فائدہ کے بجائے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا رہا ہے۔

جب تک اس قسم کے غلط تصورات کی اصلاح نہ ہو، اس وقت تک کسی بڑی تبدیلی یا بہتری کی توقع رکھنا مشکل ہے۔

بہرحال وجوہات جو کچھ بھی ہوں، وطنِ عزیز معاشی وسیاسی بحران کے جس مرحلہ پر پہنچ چکا ہے، وہ انتہائی افسوس ناک مرحلہ ہے، جن کی اصلاح کی فکر کرنا ملک کے ہر باشندے کا فریضہ ہے۔

توبہ واستغفار، رجوع وانابت الی اللہ، احکامِ شرع کی بجا آوری، حرام سے پرہیز، حلال کا اہتمام، منکرات وخرافات سے اجتناب، سادگی واتباعِ سنت کا اہتمام، خیانت، ملاوٹ،

ذخیرہ اندوزی، کام چوری سے پرہیز، انسانی ہمدردی وخیرخواہی اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشاری، اسراف، فضول خرچی، تضیعِ اوقات اور بے فائدہ تعلقات بڑھانے سے بچنا، زکاۃ، صدقات، خیرات، حسبِ توفیق و وسعت بجالانا، یہ روحانی نسخے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے نکلنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں، مغفرتوں اور بخششوں کو اپنے شاملِ حال کرنے کے۔

کیوں کہ جس گردابِ بلا میں ہم اجتماعی طور پر آج پھنسے ہوئے ہیں، اس میں مجموعی طور پر ہماری بدعملیوں، بے حسیوں کو اور اللہ کے فرض، واجب احکامات، جو زندگی کے ہر شعبے میں، لاگو ہیں، ان سے روگردانی وسرکشی کو بڑا دخل ہے۔

برے حکمرانوں کا تسلط، خوف وبھوک میں ابتلاء، عہدوں ومناصب پر خائن وراشی، کام چور ونااہل عملہ واہل کاروں کا فائز وبراجمان ہونا، یہ بدعملیوں کی پاداش میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ہی ایک ظاہری شکل ہے۔

آج ہماری قومی واجتماعی اور نجی وانفرادی زندگی کا مختصر نقشہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص بیک وقت ظالم بھی ہے، اور مظلوم بھی، اپنے وسعت واختیار کے دائروں میں ہم فرعون، ہامان وقارون کا طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہیں، اور تمدنی زندگی کے جن دائروں میں ہم دوسروں کے دستِ نگر ہیں، وہاں دوسرے فرعون، ہامان اور ہم فرعونی رعیت میں بھیڑ بکریوں کی زندگی گزارنے والے بنی اسرائیل کی طرح مظلوم ہیں، اس طرح ہر آن اس زندگی میں ہم قانونِ مکافاتِ عمل سے گزر رہے ہیں، لیکن کاش کہ ہم سمجھتے، عبرت پکڑتے، بصیرت سے کام لیتے۔

"مَالِهٰذَا الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا"

(ماہنامہ "التبلیغ" ربیع الآخر/1431ہجری اپریل/2010ء، جلد7 شمارہ4)

(73)

بجلی اور کاروباری بحران اور بغیر بل کا بلب

ہم اس سے پہلے بھی وطنِ عزیز میں جاری بجلی بحران کے مسئلے پر کئی مرتبہ گفتگو کر چکے ہیں۔
کیوں کہ یہ مسئلہ معاشی و معاشرتی اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اور ملکی توانائی کے شعبے میں مرکزی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ آج پورے اجتماعی اور تمدنی سسٹم میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کا حامل ہے، لہٰذا اس موضوع کو کسی طرح بھی نظر انداز کر دینے کی گنجایش نہیں ہے۔

یوں تو آج کل بجلی بحران کے معاملے پر بے شمار تجزیے اور تبصرے کیے جا رہے ہیں، جن میں تان آ کر حکمرانوں کو موردِ الزام ٹھہرانے پر ہی ٹوٹتی ہے، اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حکمرانوں کی اس سلسلے میں مجرمانہ غفلت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس معاملہ میں عوام کا اپنے آپ کو بالکل بے قصور سمجھ لینا بھی درست نہیں۔

بلکہ اس موقع پر عوام کے کاندھوں پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے، کیوں کہ ہمارے یہاں اکثر لوگوں کی جو معاشرتی زندگی کا طرزِ عمل ہے، اس میں بجلی کے بے تکے، اور بے ہنگم اور بے جا استعمال کی بہت کثرت ہے، جس کی مثالیں اتنی ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔

ہم اس وقت اس کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے صرف ایک پہلو کا ذکر کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ خصوصاً شہری ماحول میں اکثر لوگوں کی یہ عادت بن چکی ہے کہ وہ شروع دن کا بڑا حصہ نینداور بستر کی نذر کر دیتے ہیں، اور اس وقت میں سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔

پھر رات کے وقت، بجلی کی مصنوعی روشنی میں کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

جب کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ قدرت کی طرف سے سورج کی شکل میں انسانوں کو روشنی کی

جو نعمت حاصل ہے، اس کا نہ کسی کو بل ادا کرنا پڑتا ہے، اور نہ ہی اس کا کنکشن لینے کے لیے کوئی فیس یا رشوت دینے کی ضرورت پڑتی ہے، اور نہ ہی لوڈ شیڈنگ کے مسائل درپیش آتے ہیں۔

گویا کہ سورج ایک ایسا قدرتی اور انتہائی طاقت ور بلب ہے کہ جو بیک وقت پورے ملک بلکہ مختلف اوقات میں ساری زمین اور اس کے باشندوں کو بغیر کسی معاوضہ ومشقت کے روشنی اور حرارت فراہم کرتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے حکومت نے چند ماہ کے لیے دفتری اوقات کو پیچھے کر کے کچھ جلدی کا وقت مقرر کیا تھا، جس کے پیشِ نظر تجزیہ نگاروں کی رائے کے مطابق کافی مقدار میں بجلی کی بچت ہوئی تھی، مگر ہماری قوم کے دیر سے اٹھنے اور دیر سے پہنچنے کے پہلے سے بنے ہوئے مزاج نے اس پر عمل درآمد میں کافی مشکلات پیدا کیں، جس کی وجہ سے تاخیر سے ڈیوٹی پر پہنچنا، دوسرے اعتبار سے قوم کے اجتماعی نقصان کا سبب اور خسارے کا باعث بنا، اور اس سے کوئی معتد بہ فائدہ حاصل نہ کیا جا سکا۔

بجلی بحران میں کمی لانے کے لیے ابھی چند دن پہلے جب بعض حکمرانوں کی طرف سے تاجروں اور دوسرے لوگوں اور بالخصوص شادی ہال کے ذمہ داران کو اپنے مشاغل رات کو جلدی ختم کر دینے کی ہدایت کی گئی، تو اس پر بہت سے عوام کی طرف سے سخت ردِعمل سامنے آیا۔ جس میں بعض لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ اگر رات کو جلدی اپنے مشاغل روک دیے جائیں گے، تو اس سے ان کو معاشی طور پر سخت مشکلات کا سامنا ہو گا۔

لیکن یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی گئی کہ اگر اپنے مشاغل صبح سویرے سے شروع کیے جائیں، تو رات شروع ہونے سے پہلے، انسان بآسانی ان سے فراغت پا سکتا ہے، خاص کر جب کہ صبح کا وقت خصوصی برکت کا وقت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے صبح کے وقت کے کاموں میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا، قَالَ: وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً، أَوْ جَيْشًا، بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ، وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا، وَكَانَ إِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ، فَأَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهُ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۱۲۱۲) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی کہ اے اللہ! میری امت کے لیے اُن کی صبح میں برکت عطا فرمایئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ کرتے تو انھیں صبح بھیجتے، اور حضرت صخر ایک تاجر آدمی تھے، اور وہ بھی جب تاجروں کو بھیجتے تو شروع دن میں ہی بھیجا کرتے تھے، پس وہ (اس طرزِ عمل کے نتیجے میں) امیر ہوگئے اور ان کے پاس مال کی کثرت ہوگئی

(ترمذی)

حضرت صخر صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت اور سنت پر خاص توجہ کے ساتھ عمل کیا، تو اس کی وجہ سے ان کے مال میں غیر معمولی برکت ہوگئی۔ [2]

آج بھی اس سنت پر عمل کر کے برکت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، صبح کے وقت میں کھلی آنکھوں برکت کا مشاہدہ ہوتا ہے، جو لوگ صبح سویرے کام کے عادی ہوتے ہیں، ان کے پورے دن میں برکت رہتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا دن کو کام کاج کے لیے اور رات کو آرام کے لیے بنانے کی نشان دہی فرمائی ہے۔

---

[1] قال الترمذی: وفی الباب عن علی، وابن مسعود، وبریدة، وأنس، وابن عمر، وابن عباس، وجابر :.حدیث صخر الغامدی حدیث حسن، ولا نعرف لصخر الغامدی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر ھذا الحدیث، وقد روی سفیان الثوری، عن شعبة، عن یعلی بن عطاء ھذا الحدیث.

[2] وکان صخر ھذا یراعی ھذہ السنة وکان تاجرا یبعث مالہ فی أول النھار إلی السفر للتجارة فکثر مالہ ببرکة مراعاة السنة لأن دعاء ہ مقبول لا محالة(مرقاة، کتاب الصلاة، باب آداب السفر)

جو فطرت کے عین مطابق ہے، اور فطرت پر چل کر اور فطری ضابطوں کو اپنا کر ہی ہم زندگی اور نظامِ زندگی کی گاڑی کو صحیح ڈگر پر چلا سکتے ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ بجلی کے بحران کے خاتمے کے لیے تمام تر کوششیں وتبصرے اور تجزیے کیے جانے کے باوجود، مسلمانوں کے رات کو دیر سے سونے اور دیر تک بجلی کے قمقموں میں مشاغل جاری رکھنے اور سورج کی روشنی ظاہر ہونے کے باوجود دیر تک سوتے رہنے کی بگڑی ہوئی معاشرت کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جارہی، بلکہ روز بروز اس بگاڑ میں ترقی ہی ہوتی جارہی ہے، اور بہت سے شہروں اور مارکیٹوں کے رواج اور عرف میں صبح کا وقت دوپہر کے دو بجے تک کو قرار دیا جانے لگا ہے۔

کاش کہ ہم فطرت کی طرف لوٹ آئیں، اور مصنوعی بجلی پر غیر معمولی انحصار کرنے کے بجائے سورج کے بلب کی روشنی سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا اہتمام کریں، جس سے مستفید ہونے کی صورت میں، نہ تو بل کی ادائیگی ذمہ میں لازم ہوگی، اور نہ ہی توانائی کے بحران کا سامنا ہوگا، اور اسی کے ساتھ بے روزگاری اور مال میں برکت کی شکایت کا بھی ازالہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/ 1431ہجری مئی/ 2010ء، جلد 7 شمارہ 5)

(74)

بجلی کی چوری اور ناجائز طریقہ سے استعمال

وطنِ عزیز میں بجلی بحران کا مسئلہ سنگین صورتِ حال اختیار کرگیا ہے، اور ہفتہ بھر میں دو تاریخی چھٹیوں اور کاروباری مشاغل رات کو آٹھ بجے بند کردینے کے باوجود لوڈ شیڈنگ کے بحران سے نجات حاصل نہیں ہوسکی۔

دوسری طرف بجلی کے بحران سے پیدا شدہ مہنگائی، بشمول بجلی کے نرخوں میں اضافہ اور گرمی کی شدت، جیسے مسائل کسی عذاب سے کم حیثیت نہیں رکھتے۔

بجلی بحران کے خاتمہ کے لیے ہمیں حکومتی اور عوامی سطح پر بہت کچھ اقدامات کرنے کی ضرورت ہے، اور جو اقدامات ابھی تک ہوئے ہیں، وہ ناکافی ہیں۔

بجلی کے بحران کے اسباب میں سے ہمارے یہاں ایک سنگین سبب بجلی کی چوری اور ناجائز طریقہ سے استعمال کرنے کا ہے، جس کی ہمارے یہاں بے شمار صورتیں رائج ہیں۔

بجلی چوری کی ایک صورت جو مختلف علاقوں اور خاص کر کراچی جیسے بڑے اور صنعتی شہر میں عام طور پر رائج ہے، وہ عوامی زبان میں ''کنڈا سسٹم'' کہلاتی ہے۔

اس سسٹم کے تحت باہر سے بجلی کے نصب شدہ تاروں میں براہِ راست کنڈا وغیرہ ڈال کر بغیر میٹر اور بغیر بل کی ادائیگی کے چوری سے بجلی حاصل کی جاتی ہے۔

جس کے لیے بعض اوقات سرکاری محکموں کے متعدد اہل کار، اس طرح بجلی چوری میں تعاون فراہم کرنے پر رشوت اور بھتہ بھی وصول کرتے ہیں۔

جب کہ بعض علاقوں میں بجلی چوری کے بجائے بغیر کسی ڈر وخوف کے ڈنڈے کے زور پر کنڈا سسٹم قائم کیا جاتا ہے، اور کسی قانون کو خاطر میں نہیں لایا جاتا۔

اس صورت کو بجلی کی چوری کے بجائے، بجلی کے ڈاکہ سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں ہے۔

اور خواہ بجلی کی چوری ہو، یا ڈاکہ، بہرحال اس کے شرعاً حرام اور قانونی وملی اور اخلاقی جرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ہمارے یہاں بجلی کا شعبہ، حکومتی سطح پر قائم ہے، جس کے ساتھ صرف کسی کا شخصی حق وابستہ نہیں، بلکہ ملک میں بسنے والے تمام باشندوں کا مشترکہ حق ہے، جس میں نیک وبد، عالم وجاہل، امیر وغریب، شہری ودیہاتی، مردوعورت ہر ایک شامل ہے۔

اس اعتبار سے بجلی کی چوری یا ڈاکہ پوری قوم کی حق تلفی ہے، جس کی معافی وتلافی بھی انتہائی مشکل ہے، اور اس چوری وڈاکہ کے تحت جو بعض سرکاری اہل کاروں کو بھتہ دیا جاتا ہے، وہ شرعاً رشوت کے زمرے میں داخل ہے، جس کے لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہیں، اور ایسے لوگوں کے لیے حدیث میں یہ وعید آئی ہے:

کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ [1]

پھر اس طرح کا تعاون کرنے والے سرکاری اہل کار، رشوت لے کر حرام خوری کا تو ارتکاب کرتے ہی ہیں، اسی کے ساتھ وہ حکومت اور عوام کے غدار اور خائن بھی شمار ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ جس ذمہ داری پر نہ صرف یہ کہ مامور ہیں، بلکہ اس کے عوض تنخواہ اور مراعات بھی حاصل کررہے ہیں، اگر وہ خود ہی اپنی ذمہ داری سے اعراض بلکہ اس کی مخالفت کریں گے، تو ان کے لیے تنخواہ کا لینا بھی حلال نہ رہے گا۔

بجلی چوری کی ایک صورت ہمارے یہاں میٹر میں ہیرا پھیری کی رائج ہے، جس کے تحت بعض سرکاری اہل کار خود ہی ہر مہینے میٹر ریڈنگ سے پہلے میٹر کو پیچھے کردیتے ہیں، اور اس کے عوض بھتہ ورشوت بھی وصول کرتے ہیں، اس کا حرام اور قومی جرم ہونا بھی واضح ہے۔

بعض اوقات بجلی کے صارف خود ہی اپنے یہاں اس طرح گڑبڑ کرلیتے ہیں، جس کی وجہ سے

---

[1] عن عبد الله بن عمرو، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لعنة الله على الراشي والمرتشي "(مسنداحمد، رقم الحديث ٦٩٨٤)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى، رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

بجلی استعمال ہونے کے باوجود یا تو میٹر چلتا ہی نہیں، اور یا پھر بہت سُست رفتاری کے ساتھ چلتا ہے۔

ظاہر کہ ہے یہ سب صورتیں بجلی کی چوری میں داخل ہیں، اور جائز نہیں۔

پھر اس طرح چوری اور ناجائز طریقہ سے بجلی استعمال کرنے والوں کے دل اس اعتبار سے زیادہ سخت ہوجاتے ہیں کہ انھیں بجلی کے بے دردی کے ساتھ استعمال کرنے کے باوجود بجلی کے بھاری نرخوں اور بلوں کی ادائیگی کی فکر نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اس بہتی گنگا میں خوب ہاتھ دھوتے، بلکہ اشنان کرتے ہیں۔

اس طرح ان لوگوں پر ''کریلا اور نیم چڑھا'' کی کہاوت صادق آتی ہے۔

دوسری طرف شنید کے مطابق اس طرح چوری سے استعمال ہونے والی بجلی کی مقدار کے نرخ واپڈا کا محکمہ بجلی کے نرخوں میں اضافہ یا ٹیکس عاید کرکے عوام سے ہی وصول کرتا ہے، اور اس طرح بالآخر بجلی چوروں کا جرم اور ظلم وستم کا پہاڑ، دوسرے لوگوں اور خاص کر غریبوں پر بھی ناحق ٹوٹتا ہے، جو کہ مستقل جرم ہے۔

بجلی کے ناجائز استعمال کی ایک صورت سرکاری اداروں میں بجلی کے بے دریغ بلکہ ظالمانہ وبے رحمانہ استعمال کی ہے، چنانچہ سرکاری اداروں میں ماموراافراد کو چونکہ بجلی کا بل اپنی جیب سے ادا نہیں کرنا پڑتا، انھیں حکومت کی طرف سے بجلی کی سہولت حاصل ہوتی ہے، اس لیے سرکاری اداروں میں بجلی کا استعمال انتہائی بے دردی کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ بلب کا معاملہ ہو یا پنکھے اور ائیر کنڈیشن کا، یا دوسرے طریقوں سے بجلی کے استعمال کا، شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ، اس کا خیال کرتا ہو کہ وہ ملک کے تمام باشندوں کے مشترکہ حق کو استعمال کررہا ہے، اور وہ ان سب کے سامنے قیامت کے روز جواب دہ ہے، اس لیے اسے انتہائی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا، اس کے لیے انتہائی ضروری ہے، اور اس میں خیانت وزیادتی کا ارتکاب کرنے سے وہ ملک کے کروڑوں افراد کا مجرم ہے۔

بعض ذرائع کے مطابق مختلف سرکاری اداروں کے ذمے واپڈا اور بجلی پیدا کرنے والے اداروں کے اربوں کے بل بقایا ہیں، جن کوادا نہیں کیا جاتا، اوراس کی وجہ سے بجلی پیدا وفراہم کرنے والے ادارے مشکلات کا شکار ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب سرکاری اداروں میں بجلی کا بے دریغ اور ظالمانہ استعمال ہوگا، تو اس کے بلوں کی ادائیگی میں بھی مشکلات پیدا ہوں گی۔

اس طرح ایک طرف اگر بجلی کے سرکاری شعبے کونقصان کا سامنا ہوگا، اسی کے ساتھ بھاری بھرکم بلوں کا سرکاری خزانہ پر بوجھ پڑنے سے بھی مستقل نقصان ہوگا، اور بجلی کے فضول ضیاع کے مرتکبین بیک وقت دونوں شعبوں کے مجرم شمار ہوں گے، جو کہ بہت سنگین معاملہ ہے۔

پھر سرکاری اداروں میں ڈیوٹی کے اوقات میں تو بجلی کا بے دریغ استعمال ہوتا ہی ہے، ڈیوٹی اوقات کے علاوہ بھی بجلی کا ناجائز استعمال بلکہ ضیاع ہوتا ہے، چنانچہ بے شمار اداروں میں بلب، پنکھے اور دوسرے بجلی کے آلات چلتے چھوڑ کر سرکاری اہل کار اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، اور رات بھر بلب، پنکھے وغیرہ چلتے رہتے ہیں۔

یہ انتہائی ظالمانہ بلکہ سفاکانہ روِش ہے۔

دراصل ہمارے یہاں سرکاری املاک کے صحیح استعمال کی لوگوں کے دل ودماغ میں اہمیت ہی نہیں۔

اس لیے ضرورت ہے کہ سرکاری اہل کاروں کو ان ذمہ داریوں سے بھی آگاہ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

غرضیکہ بجلی کی چوری اور ناجائز طریقہ سے استعمال کی جتنی بھی صورتیں رائج ہیں، وہ شرعی اور قومی اعتبار سے سنگین جرم کی حامل ہیں، جن سے ہر مسلمان کو بچنے اور ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ کل آخرت میں ساری قوم کے سامنے جواب دینا ہوگا، اور دوسروں کو اپنی نیکیاں دینی پڑیں گی، اور نیکیاں نہ ہونے یا ختم ہوجانے کی صورت میں اس کو دوسروں کے گناہوں کا انبار اٹھانا ہوگا۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ کروڑوں افراد کے گناہوں کا بوجھ اٹھانا آسان کام نہ ہوگا، اور جس بدنصیب کو اس کا سامنا کرنا پڑ گیا، اس کے لیے بخشش کا معاملہ انتہائی مشکل اور دشوار ہوگا۔

قومی وسائل کے ناجائز طریقہ پر استعمال کے حرام ہونے کے باوجود نفس وشیطان نے بہت سے لوگوں کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ قومی خزانے اور وسائل سے ملک میں بسنے والے ہر شخص کا حق وابستہ ہے، لہٰذا اس کو ہر شخص کے لیے کسی بھی طریقہ سے (خواہ چوری چھپے سے ہو) حاصل کرنا جائز ہے، اور وہ دراصل کسی بھی طرح سے اپنا ہی حق حاصل کرتا ہے، اس لیے اس کے ناجائز ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

مگر ان لوگوں نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ حقوق کی تعیین اور ان کے حاصل کرنے کے جائز وناجائز طریقوں کی تو شریعت نے خود نشان دہی کر دی ہے، اور یہ طریقہ جائز صورتوں میں داخل نہیں، اور کسی فرد کا اس طرح قومی وسائل کو حاصل کرنا ہی، دراصل خود دوسرے لوگوں کی حق تلفی میں داخل ہے۔

اسی طرح بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری حکومت اسلامی نہیں، اس لیے ہمارے لیے حکومتی وسائل کا ہر طریقے سے استعمال جائز ہے، مگر یہ بھی بہت بڑی غلط فہمی ہے، کیوں کہ قطع نظر اس سے، حکومت خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، حکومتی وسائل کی وہ خود مالک نہیں ہوتی، اور یہ وسائل ملک کے تمام باشندگان کا مشترکہ حق ہوتے ہیں، اور ان میں خورد برد اور چوری وخیانت کرنا درحقیقت پوری قوم کی حق تلفی میں داخل ہوتا ہے، اس لیے اس طرح کے حیلے بہانے قیامت کی سخت پکڑ اور آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کی شرارتوں اور تاویلوں سے بچا کر اس بڑے قومی جرم اور اجتماعی خیانت سے اجتناب کرنے اور شرعی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ "التبلیغ" جمادی الاخریٰ/ 1431ہجری　جون/ 2010ء، جلد 7 شمارہ 6)

(75)

مہنگائی کا حل خودکشی نہیں

آج کل ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیشِ نظر خودکشی کے مختلف واقعات رونما ہورہے ہیں، اور صرف اپنے آپ کو ہی نہیں، بعض لوگ اپنے بیوی اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ موت کے گھاٹ اتاررہے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مہنگائی کا اصل حل خودکشی نہیں ہے، کیوں کہ مہنگائی اور دوسری پریشانیوں سے تنگ آکر جو انسان خودکشی کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ خودکشی کرنے کے نتیجے میں مصائب اور مشکلات سے نجات حاصل ہوجائے گی، دراصل یہ اس کی بہت بڑی بھول اور نادانی کی بات ہے۔

کیوں کہ اسلام میں کسی بھی حالت میں خودکشی کی اجازت نہیں، اور کسی بھی حال میں کی گئی خودکشی پر یہ وعید آئی ہے کہ ایسا شخص فوت ہونے کے بعد اپنے ساتھ وہی خودکشی والا عمل کرکے تکلیف برداشت کرنے پر مجبور کیا جاتا رہے گا۔

مثلاً اگر کسی نے اپنے آپ کو ریل کے نیچے کٹوا کر خودکشی کی یا پہاڑ سے گرا کر خودکشی کی، یا زہر کھا کر خودکشی کی، یا جس طرح سے بھی خودکشی کا ارتکاب کیا، وہ آخرت میں اسی طرح اپنے آپ کو کٹواتا، گراتا، اور زہر پیتا رہے گا، اور جس طرح سے اسے خودکشی کے نتیجے میں مرتے وقت تکلیف ہوئی، اُسے اسی طرح کی تکلیف کا بار بار احساس دلایا جاتا رہے گا۔

خودکشی کے نتیجے میں انسان کی روح پرواز ہوتے وقت جس قسم کی تکلیف کا سامنا ہوتا ہے، وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، بلکہ صرف ایک مرتبہ خودکشی کے نتیجے میں روح پرواز ہونے میں جس قدر تکلیف واذیت ہوتی ہے، اگر کسی انسان کو خودکشی کرنے سے پہلے اس کی حقیقت کا احساس ہوجائے، تو وہ ہرگز اس تکلیف کو زندگی کی ان مشکلات وتکالیف پر ترجیح دینے کے

لیے آمادہ نہیں ہوگا، جن کی خاطر وہ خودکشی کا ارتکاب کر رہا ہے، پھر بار بار تا قیامت اور اس کے بعد جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، اس عذاب کو بھگتنے کا سلسلہ تو اتنا طویل ہے کہ انسان کی پوری زندگی کا دورانیہ بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

خودکشی کے عمل پر اس قدر سخت عذاب، اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ انسان کو جو زندگی حاصل ہوئی ہے، وہ اس کی اپنی کسی جدوجہد یا محنت کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اس کا انسان خود مالک نہیں، اور وہ اس کے پاس، اللہ کی امانت ہے۔

لہٰذا اس کو ضائع کرنا، دراصل اللہ تعالیٰ کی امانت میں سخت خیانت اور بے جا تصرف ہے، اس لیے اس کی کسی طرح گنجایش نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان، جن مصائب ومشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے اور نجات پانے کے لیے خودکشی کا ارتکاب کرتا ہے، تو خودکشی کا عمل ان سے بڑے مصائب ومشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر خودکشی کرنے والے کو اس عمل کے نتیجے میں ہونے والے عذاب کی حقیقت کا احساس ہوجائے، تو وہ ان دنیاوی مشکلات ومصائب کو آخرت کے اس عذاب کے مقابلے میں راحت وآسانی خیال کرے گا۔

اس کے علاوہ خودکشی کرنا، بزدلی اور کم ہمتی اور بے صبری، بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کے کم زور ہونے کی دلیل ہے، جو انسان بہادر اور باہمت ہوتا ہے، وہ حالات سے تنگ آکر ہمت نہیں ہارا کرتا، بلکہ اگر وہ حالات کو درست نہیں کرسکتا، تو ان کا صبر وہمت کے ساتھ مقابلہ کیا کرتا ہے۔

پھر صبر وہمت اور توکل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیوں کا بھی ازالہ فرمادیتا ہے، اور اس طرح وہ دنیا وآخرت کے مصائب ومشکلات سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔

آج کل کیوں کہ خودکشی کے واقعات کی بنیاد مہنگائی اور تنگ دستی کو قرار دیا جارہا ہے، اس لیے

ضرورت ہے کہ شریعت نے ان حالات میں جو تعلیم دی ہے، وہ ملاحظہ کی جائے، اور اس پر عمل کیا جائے۔

ایسے حالات میں شریعت کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ضروریات اور خواہشات میں فرق وامتیاز کیا جائے، اور ضروریات کو خواہشات پر ترجیح دی جائے۔

ضرورت وہ ہے کہ جس کے بغیر انسانی زندگی کا بقا، ظاہری طور پر ناممکن یا مشکل ہو۔

خواہش وہ ہے کہ اس کے بغیر نہ تو ظاہری طور پر انسانی زندگی کا بقا، ناممکن ہو اور نہ ہی مشکل ہو، بلکہ اس کے بغیر صرف خواہش متاثر ہوتی ہو۔

مثلاً انسان روزمرہ پچاس سو روپے، یا اس سے کم وبیش کی سگریٹ پی لیتا ہے، یا پان کھالیتا ہے، تو اگر وہ یہ چیزیں چھوڑ دے، تو اس کی خواہش کی خلاف ورزی تو ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں زندگی کا بقا، ناممکن یا مشکل نہیں ہوتا۔

اسی طرح مثلاً کوئی شخص دن بھر میں کئی کئی مرتبہ چائے نوشی کرتا ہے، تو چائے نوشی کے بغیر انسان کی زندگی کا بقا، ناممکن یا مشکل نہیں ہوتا، بلکہ صرف خواہش کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

اسی طرح مثلاً ایک شخص روزانہ دس پندرہ روپے کا اخبار خریدتا ہے، تو اخبار بھی عام شخص کی بنیادی ضرورت کی چیز نہیں اور اگر کوئی ضروری خبر ملاحظہ کرنا ہو، تو وہ اخبار خریدے بغیر بھی کسی دوسرے سستے یا مفت ذریعے سے پوری ہوسکتی ہے۔

اسی طرح آج کل کئی بازاری مشروبات اور کولڈ ڈرنک ایسے چل گئے ہیں کہ جن کے بغیر انسان کی زندگی کی ضرورت متاثر نہیں ہوتی۔

اسی طرح آج کل بلاضرورت یا ضرورت سے زائد مقدار میں فضول گفتگو کرکے فون کے اخراجات برداشت کیے جاتے ہیں۔

معاشرے میں اس طرح کی بے شمار چیزیں آج کل گھر گھر عام ہوگئی ہیں کہ وہ ضروریات کی

فہرست میں نہیں آتیں، بلکہ خواہشات اور خرافات اور بعض اوقات گناہوں کی فہرست میں آتی ہیں، مثلاً شادی بیاہ، اور پیدائش اور فوتگی کی رسمیں، جن میں لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کردیتے ہیں۔

اگر ہم اپنی معاشرتی زندگی کا جائزہ لیں گے، تو ہمیں اور بھی بے شمار چیزیں ایسی نظر آئیں گی کہ وہ بنیادی طور پر ضروریاتِ زندگی میں داخل نہیں، ان کے بغیر بآسانی زندگی کا باقی رکھنا ممکن ہے، مگر بھیڑ چال اور بگڑی ہوئی معاشرت کے نتیجے میں وہ گھر گھر عام ہوچکی ہیں۔

اگر مہنگائی اور غربت کے دور میں خواہشات وخرافات اور فضولیات سے حتی الامکان نجات حاصل کی جائے اور ضروریات تک اپنے اخراجات کو محدود رکھا جائے اور ضروریات میں بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت کے اصول کو اپنایا جائے۔

الغرض کفایت شعاری پر عمل کیا جائے اور اسی کے ساتھ کام چوری سے اپنے آپ کو بچایا جائے اور اپنی ضروریات کے لیے محنت وجدوجہد سے کام لیا جائے اور کسی بھی جائز ذریعۂ آمدن کو اختیار کرنے میں عار محسوس نہ کی جائے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مہنگائی کے اس دور میں بھی ضروریاتِ زندگی مہیا نہ فرمائے۔

اور اس کے باوجود، اگر کوئی آزمائش پیش آئے، تو اس کا جوان مردی اور بلند ہمتی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی ''خودکشی'' جیسے گھناؤنے عمل کے ارتکاب کی نہیں سوجھے گی۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1431ہجری جولائی/2010ء، جلد 7 شمارہ 7)

(76)

یہ بے اعتدالیاں اور غلو کب تک؟

یہ بات کسی بھی انصاف پسند اور تھوڑا سا علم رکھنے والے مسلمان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں کہ دنیا کے تمام موجودہ اور سابقہ مذاہب کے مقابلے میں دینِ اسلام کی تمام تعلیمات خواہ بڑی سے بڑی ہوں، یا چھوٹی سے چھوٹی، اور خواہ عقائد کے شعبے سے متعلق ہوں، یا عبادات ومعاملات اور معاشرت واخلاق کے شعبے سے متعلق ہوں، جن میں سیاست، تعلیم وتبلیغ، اور جہاد وقتال سب ہی داخل ہیں، وہ تمام کی تمام انتہائی اعتدال کے اصول وقواعد پر مبنی ہیں، اوران کی نظیر اور مثال دنیا کے کسی بھی مذہب میں ملنا انتہائی مشکل، بلکہ ناممکن ہے۔

بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دینِ اسلام کو جن اصول وقواعد کی وجہ سے دوسرے مذاہب پر امتیاز حاصل ہے، ان میں اعتدال کا اصول اگر سرفہرست نہ ہو، تو اس کے اہم ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔

چنانچہ یہ بات آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی دوسرے مذاہب کے مقابلے میں چیلنج کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اور خاص طور پر ہمارے ملک کے مسلمانوں کی بڑی تعداد، اسلام کے اس اہم اصول کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ طرح طرح کے مسائل ومصائب میں مبتلا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ وہ دوسرے مذاہب والوں کو اسلام سے متنفر کرنے اور اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کا بھی سبب بنی ہوئی ہے۔

جس کے نتیجے میں طرح طرح کے اندرونی وبیرونی فتنے جنم لے رہے ہیں، اور بے شمار دنیا وآخرت کے فوائد وبرکات سے محرومی، ان کا مقدر بنی ہوئی ہے۔

بلکہ اب بے اعتدالی کا معاملہ اس حد تک آگے بڑھ گیا اور بگڑ گیا ہے کہ عملی بے اعتدالیوں کا معاملہ تو پیچھے رہ گیا، اور بے اعتدالیوں کا مسئلہ نظریات وعقیدہ کے بگاڑ تک پہنچ گیا ہے۔

اور اسی وجہ سے اب اس ماحول میں اعتدال کی تعلیم، بلکہ یاد دہانی کرانے والے پر طرح طرح کے الزامات عاید کیے جانے لگے ہیں، یہاں تک کہ اس کے دین وایمان پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں، اور اس کے دین سے تعلق ودین داری پر نہ جانے، کیا کیا الزامات عاید کیے جانے لگے ہیں۔

جہاں تک اس بے اعتدالی کے اسباب وعوامل پر غور کیا جاتا ہے، تو اس کا بڑا سبب اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت اور مزید براں اپنے احتساب اور اصلاحِ نفس سے غفلت ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں جس شخص کا بھی کسی شعبے سے کچھ رشتہ وتعلق قائم ہوجاتا ہے، وہ اس وقت تک چین وسکون سے نہیں بیٹھتا، جب تک کہ اس میں بے اعتدالیوں کی انتہا نہ کردے، اور ہر قسم کی حدود کو پامال نہ کردے۔

کسی بھی شعبے میں ایسے بہت کم لوگ ڈھونڈے سے ملتے ہیں کہ جو کسی شعبے سے وابستہ ہونے کے بعد اعتدال کے اصول پر قائم ہوں۔

جو لوگ سیاست سے وابستہ ہیں، وہ سارا دین سیاست کو ہی سمجھتے ہیں اور سیاست کے نام پر اسلام کے کسی قاعدہ وقانون کے پابند نظر نہیں آتے، یہاں تک کہ ملکی خزانہ کی لوٹ مار اور اس کے بے دریغ استعمال کو اپنا حق سمجھتے ہیں، بلکہ ملکی خزانہ اور املاک کو اپنی ملکیت اور زرخرید لونڈی تصور کرتے ہیں۔

اور یہ لوگ سیاست اور سلطنت کے حصول اور اس کی بقاء اور طوالت کی خاطر جھوٹ بولنے اور دوسرے پر جھوٹے الزام لگانے کو بھی گناہ نہیں سمجھتے، وغیرہ وغیرہ۔

جو لوگ تبلیغ سے وابستہ ہیں، ان میں بھی اعتدال کے اصولوں پر قائم رہنے والوں کی کمی محسوس ہوتی ہے، ایسے لوگ بکثرت دیکھے گئے ہیں، جو تبلیغ کی خاطر بہت سے گناہوں کو روا سمجھنے

لگتے ہیں، اور تبلیغ کی خاطر، وعدہ خلافی، کسی کی حق تلفی کو بھی عیب نہیں سمجھتے، اور تبلیغی کوائف کو پورا کرنے کی صورت میں اپنے آپ کو دین کے دوسرے اہم کاموں سے مستغنی اور بے نیاز سمجھنے لگتے ہیں، اور اس کے مقابلے میں اور دین کے دوسرے اہم شعبوں سے وابستہ خدام کی قیمتی خدمات کو بھی کوئی وقعت واہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، جب کہ بعض حضرات علی الاطلاق اور علی العموم سب مسلمانوں کے لیے مخصوص طرز کی تبلیغ سے وابستہ ہونے کو فرضِ عین قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح جہاد کے شعبے سے وابستہ بعض حضرات اور خاص طور پر جذباتی نوجوان، مخصوص طرز وطریقہ کے مطابق قتال کرنا، سب سے بڑی عبادت سمجھتے ہیں، اور وہ اس عبادت کی انجام دہی کے لیے نہ یہ سوچنے کے لیے تیار ہوتے ہیں کہ ہمارے ہدف مسلمان ہیں، یا کافر؟ اور ہمارے طرزِ عمل سے جہاد وقتال کے مقاصد وفوائد بھی حاصل ہو رہے ہیں، یا نہیں؟ اور شریعت نے اس عبادت کی انجام دہی کے لیے کیا کیا قاعدے اور اصول مقرر کیے ہیں؟

اسی طرح بعض جذباتی لوگوں کے نزدیک مخصوص عقائد ونظریات رکھنے والے لوگوں کو کسی نہ کسی طرح قتل کر دینا ہی سب سے بڑی عبادت ہے، اور اس کی خاطر وہ کسی قاعدہ وقانون کے پابند نظر نہیں آتے۔

اسی طرح مسلمانوں میں ایک طبقہ وہ بھی ہے جو بلا تحقیق وتفتیش کسی کو کافر ومرتد قرار دینے سے دریغ نہیں کرتا، اور فقہائے کرام کی بیان کردہ تاویلات کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا، اور مزید براں کسی کافر ومرتد کے واجب القتل ہونے کے حقیقی مفہوم اور اس کے قیود وشرائط سے بھی واقفیت نہیں رکھتا۔

اس قسم کے اور بھی بے انتہاء منفی اور جذباتی رجحانات پائے جاتے ہیں، اور ان کے (دنیوی واخروی) نتائجِ بد بھی اتنے ہیں کہ جو احاطۂ شمار سے باہر ہیں، بلکہ اس کے نتیجے میں پورا ملکی نظام تباہی کے دہانے پر ہے۔

اسی قسم کے منفی وجذباتی رجحانات کے نتیجے میں بے شمار تنظیمیں وتحریکیں وجود میں آتی ہیں، اور ایک دوسرے کے مدِّ مقابل ہوکراس طرح اپنا کام کرتی ہیں کہ جس کی وجہ سے آپس میں رسہ کشی بلکہ ایک دوسرے کی کردارکشی بھی ایک طرح سے اس تحریک کا شعار بن کر رہ جاتی ہے۔

دین کے وہ شعبے جوایک دوسرے کے معاون ورفیق تھے، وہ اس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے معاندومقابل اورفریق محسوس ہونے لگتے ہیں۔

جہاں تک غورکرنے سے معلوم ہوا،اس قسم کی ذہنیت کوئی ایک آدھ دن کی پیداوارنہیں، بلکہ مدتِ دراز سے خودسَر اورخودروتحریکیں اٹھتے رہنےاوران کا احتساب اوراصلاح کی کوششیں نہ ہونے سےنوبت یہاں تک پہنچتی ہے۔

دوسری طرف نوجوان غیرتربیت یافتہ خطباومقررین اورمقتداؤں نے بھی منفی رجحانات اور جذباتی سوچوں کوہوادینے، بلکہ ترقی دینے میں اہم کرداراداکیا۔

معلوم نہیں کہ یہ بےاعتدالیاں اورانتہاء پسندیاں کب تک جاری رہیں گی۔

اس لیےضرورت اس بات کی ہے کہ جوشخص جس شعبے سے بھی وابستہ اورمنسلک ہے،اس سلسلے میں نیک نیتی،خلوص اورٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ شریعت مطہرہ کی معقول اور پاکیزہ تعلیمات کوملاحظہ کرے،اہلِ علم اکابرفقہاء کی ہدایات سے استفادہ کرے،اوراپنے منفی رجحانات اورجذباتی سوچ وفکرکی اصلاح کے لیےتزکیۂ نفس کے مستند ماہرمشائخ عظام سے وابستہ ہوکراپنی تربیت واحتساب کےعمل کوفروغ دے۔

تاکہ اعتدال کےقواعدواصول کی برکات وانوارات سے دنیاوآخرت میں مستفید ہوکرفلاحِ دارین حاصل ہو،اللہ کرے کہ ایسا ہو۔آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/1431ہجری اگست/2010ء،جلد7شمارہ8)

(77)

سیلاب اور اس کا سدِّ باب

اس وقت ملک کو طویل وشدید ترین تاریخی سیلاب کا سامنا ہے۔

حالیہ سیلاب سے ہونے والی تباہی کے بارے میں وزیرِاعظم گیلانی صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ سیلاب نے زلزلے سے بڑھ کر تباہی مچائی، اور ملک کئی برس پیچھے چلا گیا (روزنامہ اسلام، پیر 27/شعبان 1431ھ۔9/اگست 2010ء)

اسی کے ساتھ وزیرِاعظم صاحب نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ کالاباغ ڈیم ہوتا، تو سیلاب سے ہونے والے جانی ومالی نقصان سے بچا جاسکتا تھا۔

وزیرِاعظم صاحب نے مزید کہا کہ کالاباغ ڈیم پر اتفاقِ رائے ہوجائے، تو حکومت اس ڈیم کو تعمیر کرنے کا کام شروع کردے گی، انھوں نے مزید کہا کہ سیلاب ابھی ختم نہیں ہوا، شروع ہوا ہے (روزنامہ اسلام، منگل 28/شعبان 1431ھ۔10/اگست 2010ء)

یہ اور اس جیسی خبریں روزمرہ اخبارات کا حصہ بن کر شائع ہورہی ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہاں اَوّلاً تو اس قسم کی باتیں پانی سر سے گزرنے کے بعد کی جاتی ہیں، دوسرے یہ باتیں بھی صرف باتوں کی حد تک ہوتی ہیں، اور ان کی مثال مگرمچھ کے آنسوؤں سے زیادہ نہیں ہوتی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، ان باتوں کی حیثیت بھی ختم ہوجاتی ہے۔

بعض ذرائع کے مطابق انڈیا اب تک ملک بھر میں تین سو کے قریب چھوٹے ڈیم تعمیر کرچکا ہے، اور اس نے پچاس سے زائد ڈیم صرف مقبوضہ کشمیر میں تعمیر کرلیے ہیں، بلکہ بعض ذرائع کے مطابق ہمارے ملک میں غیر معمولی سیلاب کی وجہ انڈیا کی طرف سے اپنے ڈیموں سے فاضل پانی کا اخرج ہے۔

مگر ہمارے یہاں صرف ایک کالاباغ ڈیم تعمیر نہیں کیا جاسکا، اور متعدد جمہوری وآمرانہ قیادتیں اس سلسلے میں ناکامی کا سامنا کرتی رہی ہیں۔

کاش بروقت اس بات کا ادراک کرلیا جاتا کہ اتنا بڑا ڈیم تعمیر کرنے میں مختلف رکاوٹیں اور مسائل ہیں، تو چین اور انڈیا کے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے جابجا چھوٹے ڈیموں کی تعمیر کی منصوبہ بندی کی جائے، اس طرح آج تک سینکڑوں ڈیم بھی بن چکے ہوتے، اور کالا باغ ڈیم بنانے کا مقصد بھی حاصل ہوجاتا، پھراس کے بننے نہ بننے سے فرق نہ پڑتا۔

موجودہ حکومت نے تو کالاباغ ڈیم کا باب ہی بند کرنا چاہا ہے، اور اس کو اپنے تئیں ہمیشہ کے لیے دفن کردیا تھا، اب وزیراعظم صاحب کے رونا رونے سے کیا ہوتا ہے؟

وطنِ عزیز کا حالیہ سیلاب، کسی قہرِ خداوندی سے کم معلوم نہیں ہوتا۔

کروڑوں افراد کا بے گھر ہونا، ہزاروں ایکڑ اراضی پر کھڑی فصل اور باغات کا تباہ ہونا، لاکھوں گھروں کا ملیامیٹ ہوجانا، سینکڑوں آبادیوں کا صفحۂ ہستی سے نام ونشان مٹ جانا، ہزاروں لوگوں کا لقمۂ اجل یا معذور واپاہج بن جانا، ملک کے بے شمار پلوں اور سڑکوں کا تباہ وبرباد ہوجانا، یہاں تک کہ مختلف علاقوں کا ملک کے دیگر حصوں سے رابطہ منقطع ہوجانا، یہ اور اس جیسے سینکڑوں واقعات وحادثات موجودہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا تاریخی حصہ بن چکے ہیں۔

وطنِ عزیز کو ایک مدت سے اس قسم کے ناگہانی حادثات وواقعات کا سامنا ہے، چنانچہ وطنِ عزیز کو پہلے تو طویل خشک سالی کا سامنا تھا، بارش کی بوند بوند کو لوگ ترس گئے تھے، بلوچستان کا طویل ترین علاقہ بنجر، صحراء میں تبدیل ہوگیا، جانوروں کے لیے چارہ تک کی فراہمی رُک گئی۔

ڈیموں میں پانی کی عدمِ دستیابی یا قلت یابی کے باعث بجلی کے شدید بحران کا سامنا تھا، جس کے نتیجے میں توانائی کے شعبے میں ملک کو شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا۔

پیداوار کی قلت، مصنوعات کا بحران اور کمرتوڑ مہنگائی جیسے کئی مسائل نے جنم لیا، اور ان کے اثرات ابھی تک ملک میں موجود ہیں۔

پھر اس کے بعد آنے والے خطرناک ترین زلزلے سے پورا ملک ہل کر رہ گیا، لاکھوں افراد بے گھر ہوئے، شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں اُجڑ گئیں، بے شمار بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوگئیں، ہزاروں افراد معذور و اپاہج ہوگئے، اور ملک معاشی اعتبار سے کئی سال پیچھے چلا گیا۔

ابھی اس کے اثرات زائل نہیں ہوئے تھے کہ ملک کے مختلف حصوں میں فوجی آپریشن کا سلسلہ زور و شور سے شروع ہوگیا، اور امریکی فضائی حملوں کا سلسلہ بھی جاری رہا، جس کے نتیجے میں لاکھوں افراد بے گھر ہوئے، بے شمار گھر اور آبادیاں تباہ ہوئیں، ہزاروں افراد معذور ہوئے۔

اسی کے ساتھ ملک میں خودکش حملوں اور دھماکوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، جس سے بے تحاشا جانی و مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

اسی دوران خبر آئی کہ عطا آباد (سکردو) جھیل میں غیر معمولی پانی جمع ہونے سے متعدد بستیاں زیرِ آب آ گئیں، اور ہزاروں لوگ بے گھر ہوگئے، پھر اس پانی کے اخراج کا مسئلہ کھڑا ہوا، اور اس کے نتیجے میں بھی بعض علاقوں میں سیلاب کی شکل پیدا ہونے سے تباہی پیدا ہوئی۔

اسی دوران اچانک خبر آئی کہ کراچی اور ٹھٹھہ کے ساحل کی طرف سمندری طوفان تیزی سے بڑھ رہا ہے، پورے ملک اور بطور خاص ساحلی علاقوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

اللہ کے فضل و کرم سے متوقع بڑے آفات و خطرات سے تو حفاظت رہی، لیکن جزوی نقصانات جو کثرت سے جا بجا ہوئے، اس نے بھی ملکی معاشی توازن کو اچھا خاصا جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

ابھی قدرتی آفات کے ان جھٹکوں سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں قتل و خون ریزی کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے، جو کہ کسی طرح قابو میں آنے کا نام نہیں لے رہا۔

ان سب بحرانوں سے وطنِ عزیز کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی تھی، اور امید کی جا رہی تھی کہ شبِ برأت اور اس کے بعد رمضان المبارک کی برکات اور مغفرتِ عام کے اوقات سے شاید ملک کی

کا یا پلٹ جائے، لیکن ٹھیک پندرہ شعبان کی صبح کو دارالحکومت اسلام آباد میں پہاڑی سے ٹکرا کر طیارہ کی تباہی کا الم ناک حادثہ پیش آ گیا، جس میں سوار ڈیڑھ صد کے قریب تمام افراد جاں بحق ہو گئے۔

پوری قوم اس عظیم سانحے کے غم میں مبتلا تھی کہ اسی کے ساتھ ملک میں طویل اور شدید بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور انتہائی بلند سطح کے سیلاب نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

رمضان المبارک 1431ھ کی بابرکت ساعتوں کا آغاز سیلاب کی تباہ کاریوں کے ساتھ ہوا ہے، اور خبریں آ رہی ہیں کہ ابھی سیلاب کی ابتداء ہے، آنے والے وقت میں اس میں اضافے کا خطرہ ہے، اور تیز ترین بارشوں اور ان سے پیدا ہونے والے سیلاب کا یہ سلسلہ اگست کے پورے ماہ اور اوائلِ ستمبر تک جاری رہے گا۔

اس تفصیل کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پے در پے سانحے وحادثے، جو ہمارے ملک کو درپیش ہیں، ان سے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارا ملک اس وقت مختلف سانحات وحادثات کی زد میں ہے، اور ملائے اعلیٰ کے فیصلے ہمارے متعلق تنبیہ وزجر اور سزا و پکڑ کے سامنے آ رہے ہیں۔

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ان آفات وبلیات اور حادثات کے ظاہری ومادی اسباب کچھ بھی ہوں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کا اصل اور بنیادی سبب مجموعی واجتماعی سطح پر احکامِ شرع سے روگردانی، قوانینِ قدرت سے بغاوت اور گناہوں کا سیلاب ہے، جس نے اب پانی کے سیلاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔

یہ دراصل اللہ ربُّ العزت کی طرف سے تازیانہ ہے، تاکہ ہم سنبھلیں اور ہوش کے ناخن لے کر اپنی عملی حالت کو درست کریں، گناہوں کے سیلاب کو روکیں۔

مال ومنصب کی محبت اور ان کی خاطر ہونے والی قتل وغارت گری، لوٹ مار، حرام خوری اور کام چوری، جیسے تمام گناہوں کو چھوڑیں۔

مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی حکمرانوں سے لے کر اکثر عوام تک سب پر شدید بے حسی کا عالم طاری نظر آتا ہے۔اللہ کرے کہ یہ بے حسی ختم ہو، اور قوم کو توبۃُ النصوح کی توفیق حاصل ہو۔آمین۔

ملک میں ڈیم نہ بننے کا اصل سبب بھی حبِ جاہ وحبِ مال اور حرام خوری وکام چوری کی شکل میں بداعمالی وشامتِ اعمال ہے۔

افسوس ہے کہ معاصر غیر مسلم اقوام نے تو پانی کے محفوظ کرنے کے لیے بڑے بڑے ڈیم تیار کر لیے ہیں، اور کرتے جارہے ہیں، مگر مسلمان کہ جن کے مذہب میں پانی کی نعمت اور اس کی حفاظت اور عدمِ اضاعت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، ان کے یہاں پانی کے ذخائر محفوظ کرنے کا خاطر خواہ انتظام نہیں۔

اگر ملک میں مناسب مقامات پر پانی کے ذخائر محفوظ کرنے کے لیے چھوٹے بڑے ڈیم تعمیر کر لیے جائیں، تو ایک طرف تو بجلی اور توانائی کے شعبے میں اضافہ ہو، دوسری طرف فصل اور باغات کے لیے پانی کی نہریں جاری ہوں، اور تیسری طرف آنے والے سیلابوں کی تباہی سے بھی حفاظت ہو۔

مگر کبھی کسی حکومت کو اپنے منصب کو برقرار رکھنے کے لیے چند لوگوں کی ناراضگی گوارا نہیں ہوتی، اور کبھی اس کے لیے فنڈ مہیا نہیں ہوتے، اور کبھی لوگوں کے جزوی فوائد ومنافع اس طویل ووسیعُ الجہت ملکی مفاد کے آڑے آجاتے ہیں۔

حالانکہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے، یہ عقل مندوں کی پرانی کہاوت ہے، مگر ہمارے یہاں ترجیحات کی تعیین کا خانہ ہی بند ہے۔

اسی کے ساتھ ہماری بگڑی ہوئی معاشرت کا ایک پہلو بھی اس طرح کے سیلابوں کا بڑا سبب ہے، چنانچہ ہمارے معاشرے میں صفائی ستھرائی کا نظم بہت خراب ہے، گھروں کے باہر سے گزرنے والی چھوٹی چھوٹی نالیوں سے لے کر شہر کے اندر سے گزرنے والے نالوں اور اس

سے بڑھ کر ندیوں اور دریاؤں تک میں صفائی کا فقدان پایا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہوسکتا ہے کہ نالیاں اور کنویں، نالے تو گندگی کی گزرگاہیں ہیں، پھر ان کی صفائی ستھرائی کیسے ممکن ہے؟

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ خواہ نالی ہو، یا نالا، وہ پانی اور گندے پانی کی گزرگاہ تو ہوسکتا ہے، لیکن گندگی کی آماج گاہ نہیں ہوتا، لہٰذا ان میں ایسی گندگی کو ڈالنا جو گندے پانی کے گزرنے میں رکاوٹ کا باعث ہو، درست نہیں۔

اور ہمارے یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ اس قسم کی گندگی، کچرا وغیرہ نالیوں، نالوں اور دریاؤں کی نذر کردیا جاتا ہے کہ جو پانی کے گزرنے میں رُکاوٹ کا باعث بنتا ہے، جس کے نتیجے میں بارش کے وقت پانی کو گزرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے پانی دائیں بائیں غیر متعلقہ مقامات میں جمع اور داخل ہوکر چھوٹے بڑے سیلاب کا باعث بنتا ہے۔

چنانچہ شہروں میں گھر گھر اور گلی گلی سے جمع ہونے والے گندگی کے ڈھیر کے ڈھیر، اسی قسم کے نالوں میں ڈال دیے جاتے ہیں، ورنہ معمولی اور غیر معمولی بارشوں کا سلسلہ روئے زمین کے تقریباً تمام حصوں میں ہی جاری رہتا ہے، اور غیر معمولی بارش کے نتیجے میں سیلاب کے نقصان سے بھی دنیا میں آباد و غیر آباد حصے متأثر ہوتے رہتے ہیں، لیکن ہمارے ملک میں غیر معمولی بارش کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کے اثرات کچھ زیادہ ہی نظر آتے ہیں، بعض شہروں (مثلاً کراچی، حیدرآباد، اور لاہور وغیرہ) میں بارش کے معمول سے کچھ زیادہ ہوجانے کی صورت میں پانی سڑکوں اور آبادیوں میں جمع ہوجاتا ہے، اور کئی کئی دن کھڑا رہتا ہے، جس کے نتیجے میں کاروبارِ زندگی کا متأثر ہونا اور معاشی نقصان کا ہونا بھی ظاہر ہے۔

ہر سال راولپنڈی شہر میں بھی عموماً نالہ لئی سے متصل اور ملحقہ علاقوں میں گھروں میں بارش کا پانی داخل ہوکر نقصان کا باعث بنتا ہے۔

اس طرح ہر سال ملک بھر میں مختلف واقعات رونما ہونے سے غیر معمولی جانی و مالی نقصان کا

سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض اوقات بڑے سیلابی ریلے کے نتیجے میں پورے ملک کو غیر معمولی نقصان سے دوچار ہونا پڑ جاتا ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں ''آم کے آم گٹھلیوں کے دام'' کی کہاوت کا مصداق بن کر کوڑے کرکٹ اور کچرے کو دوسرے مفید اور نفع بخش کاموں میں لگایا جاتا ہے، مثلاً اس سے توانائی حاصل کی جاتی ہے، نشیبی جگہ کو پُر کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہمارے یہاں اس سے یہ فوائد حاصل کرنا تو درکنار، بدقسمتی سے اس کو اُلٹا نقصان اور تباہی کا باعث بنالیا جاتا ہے۔

ایک اجتماعی بے حسی یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں حکمرانوں سے لے کر عوام تک میں قوم کو اصلاحِ معاشرت کی تعلیم وتبلیغ کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں، اور حد یہ ہے کہ بہت سے اہلِ علم بھی اس سلسلے میں کوتاہی کا شکار ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ اس میڈیائی دور میں قوم کو اس قسم کے معاشرتی بنیادی پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا جائے۔

دنیا کی ترقی یافتہ قومیں اس سلسلے میں کہیں کی کہیں پہنچ چکی ہیں، اور ہمارے یہاں ابھی تک معاشرت کا بغدادی ونورانی قاعدہ بھی نہیں پڑھا اور پڑھایا گیا، جس پر دوسروں طبقوں کے ساتھ ساتھ درجہ بدرجہ مقتدا حضرات بھی مجرم ہیں۔

اب سیلاب کے نتیجے میں بے شمار قیمتی جانوں کی حفاظت کا مسئلہ سر پر کھڑا ہے، اور اس موقع پر ظالموں اور بے رحموں کا ایک طبقہ متاثرینِ زلزلہ کی طرح متاثرین کی امداد کے نام پر زکاۃ وصدقات وغیرہ بٹورنے میں مشغول ہے، اور عوام کا ایک بڑا طبقہ بھی بلاتحقیق اپنا مال ان کے حوالے کر کے بڑی نیکی خیال کر رہا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم کو توبۃُ النصوح کے ساتھ اپنی کامل اصلاح کر کے ان ناگہانی آفات وبلیات اور مصائب ومسائل سے نجات اور ان کا سدِّ باب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رمضان المبارک/1431ہجری ستمبر/2010ء، جلد7 شمارہ9)

(78)

سیلاب کیا سبق دے کر گیا؟

حالیہ سیلاب کے نتیجے میں وطن میں پیش آنے والی تباہی اور اس کی داستانیں کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہیں، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مزید الم ناک داستانیں سننے میں آتی رہیں گی۔

ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر واقعہ وقصہ سے عبرت پکڑے اور بصیرت حاصل کرے اور کوئی نہ کوئی شعوری سبق سیکھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ واقعات وقصص ذکر فرما کر عبرت پکڑنے اور بصیرت حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو اس کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے ہی، دنیا کی متمدن قومیں بھی اپنی دنیوی ترقی کی راہ میں واقعات وقصص سے کوئی دنیاوی سبق سیکھنے کو بہت بڑا ذریعہ خیال کرتی ہیں۔

اس لیے ہم مختصر انداز میں موجودہ سیلاب سے چند حاصل شدہ اسباق ذکر کرتے ہیں۔

(1)......زلزلہ، سیلاب اور اس طرح کی دیگر آفات، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لیے تنبیہ اور ابتلاء وآزمائش کے لیے ہوتی ہیں، ان کا مقصود مومن بندوں کو توبہ واستغفار کی طرف متوجہ کرنا، اور نیک لوگوں کے درجات بلند کرنا ہوتا ہے، نیک لوگ، صبر وتحمل کے ذریعے اپنے درجات کو بلند کرتے ہیں، اور بہت سے گناہ گار بندے توبہ واستغفار کے ذریعے اپنے اعمال واحوال کی اصلاح کرتے ہیں، لیکن جو لوگ نہ تو صبر وہمت سے کام لیتے اور نہ ہی توبہ واستغفار کے ذریعے سے اپنی اصلاح کرتے اور بدستور گناہوں کی دلدل میں اپنے آپ کو پھنسائے رکھتے ہیں، بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ بداعمالیوں میں اور زیادہ آگے بڑھ جاتے اور جری

ہو جاتے ہیں، ان کے حق میں اس قسم کی تباہی دنیا و آخرت کے اعتبار سے دہرا عذاب بن جاتی ہے۔

لہٰذا سیلاب سے متاثر ہونے والے جو حضرات، صبر و ہمت سے کام لیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر اس میں اپنے لیے مصلحت و حکمت سمجھیں، اور دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر شکوہ و شکایت نہ کریں، اور اسی کے ساتھ اپنی گزشتہ زندگی کے گناہوں پر توبہ و استغفار کر کے آیندہ کے لیے اپنی حالت درست کر لیں، وہ کامیاب بندوں میں داخل وشامل ہو گئے۔

لیکن اس کے برعکس جنھوں نے بے صبری کا مظاہر کیا، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر شکوہ و شکایت کی، اور گناہوں سے توبہ و استغفار نہیں کیا، بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کی بھی قدر نہیں کی، نہ روزوں کا اہتمام کیا، اور نہ ہی نماز کا (جیسا کہ اکثر و بیش تر متاثرین کے حالات سامنے آتے رہتے ہیں) تو پھر یہ بہت بڑی ناکامی کی دلیل اور دنیا و آخرت کے خسارے والی بات ہے۔

چند سال پہلے ملک میں آنے والے زلزلہ کے متاثرین کے دل بہلانے کے بہانے سے فلمی اداکاروں، ڈراما بازوں، اور موسیقی کاروں کی طرف سے کیمپوں میں پہنچ کر جس طرح کے غیر شرعی پروگراموں کی نمائش کی گئی تھی، اور متاثرین کے کیمپوں میں ذرائع ابلاغ پر جس قسم کے پروگراموں کو نشر کیا جا رہا تھا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کو بڑھانے والے کام تھے۔

اگر سیلاب کے متاثرین کے کیمپوں میں بھی اس قسم کے واقعات دہرائے گئے، تو یہ بہت خطرناک اور سنگین صورتِ حال ہو گی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سیلاب سے متاثر ہونے والوں کو صبر و ہمت کی تعلیم و تلقین کی جائے، ان کو توبہ و استغفار کی طرف متوجہ کیا جائے، اور بداعمالیوں اور گناہوں کے مواقع سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

افسوس کہ اس قسم کے متاثرین کے کیمپوں میں صلاۃ التوبۃ، ذکرواذکار وغیرہ، جیسے اعمال کے بجائے مختلف ذرائع ابلاغ کے فحش اور غیرشرعی پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔

سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد جو کام متاثرینِ سیلاب سمیت پوری قوم کے ذمے ہے، وہ توبہ واستغفار اور دعا کا اہتمام ہے، اپنے گناہوں سے ہر ایک توبہ کرے، اور اپنی طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے استغفار کرے، اور اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت وآزمائش سے نکلنے اور اس پر صبر واستقامت حاصل ہونے کی دعا کرے۔

یہ عمل ایسا ہے کہ جس کے لیے نہ مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ سفر کرنے کی ضرورت ہے، ہر امیر وغریب مسلمان اس عمل کو اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے انجام دے سکتا ہے۔

دوسرا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ متاثرینِ سیلاب اپنی عملی حالت کو درست کریں، نماز، ذکر وتلاوت وغیرہ سے اپنے کیمپوں کو منور کریں، دوسرے مسلمان ان کے پاس چل کر جائیں، اور ان کو صبر وہمت کی تلقین کریں، اور ان کو نماز روزہ اور دین کے دوسرے احکام کی ترغیب وتعلیم دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے بچا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کا مستحق ہوا جائے۔

تیسرا اور آخری کام یہ ہے کہ متاثرین کی مالی مدد کریں، صدقہ خیرات سے دل کھول کر ان کا تعاون کیا جائے۔

مگر اس تیسرے کام میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے، ایک تو یہ کہ غیر ذمہ دار اور غیر دیانت دار لوگوں کو اپنا صدقہ وخیرات کا مال متاثرین تک پہنچانے کے لیے حوالے کرکے بے فکر نہ ہو جائیں، بلکہ اولاً تو خود سے صحیح متاثرین تک پہنچانے کی کوشش کریں، یا پھر خوب اطمینان حاصل کرکے ذمہ دار اور دیانت دار لوگوں کو واسطہ بنائیں، کیوں کہ زلزلہ متاثرین کے نام پر مال بٹورنے والے نااہل اور غیر ذمہ دار لوگوں کی طرح، متاثرینِ سیلاب کے نام پر بھی بے شمار خائن اور دکان دار لوگ، پوری قوم سے مال بٹور کر جمع کرنے اور اپنے گھر اور جیب

بھرنے میں مشغول ہیں، اور ہر ایک ہی قوم کے نرم شدہ دلوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے۔

دوسرے اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ بھیڑ چال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قرب وجوار کے غریب غربا کو نظر انداز کر کے اور ان کی حق تلفی کر کے ہر قسم کی زکاۃ وصدقات متاثرینِ سیلاب کے نامزد کرنے سے اجتناب کریں، اور اپنے علاقے کے غریب وغربا کو بھی پورا پورا حق دیں۔

(2)......سیلاب کی تاریخی تباہ کاریوں کے بعد جن کاموں کی ترجیحی بنیادوں پر ضرورت ہے، ان میں سے دوسرا اہم کام فوری طور پر ڈیموں اور خاص کر کالا باغ ڈیم اور بھاشا ڈیم کی تعمیر ہے، اگر موجودہ سیلاب کی تباہ کاریوں کو ملاحظہ کرنے اور بھگتنے کے بعد بھی حکمرانوں اور اس سلسلے میں رکاوٹ بننے والوں کو ہوش نہ آیا، اور وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے، یا وقتی اور جزوی یا ذاتی مفادات کو اس اہم اجتماعی ضرورت پر ترجیح دیتے رہے، یا غیروں کی سازشوں کا شکار ہوتے رہے، تو یہ بہت بڑی بدبختی اور بے حسی کی دلیل ہوگی۔

بعض ذرائع کے مطابق مذکورہ بالا صرف دو ڈیم ہونے کی صورت میں، موجودہ سیلاب کے پانی کی مقدار سمانے کی گنجایش موجود تھی۔

(3)......تباہ کن سیلاب کے بعد تیسرا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ملک کا ہر باشندہ نالوں اور دریاؤں کی صفائی کا اہتمام کرے، اور ممکنہ حد تک پانی کی روانی میں خلل ڈالنے والے کچرے اور گندگی کو نالوں اور دریاؤں میں ڈالنے کے بجائے، ان کو دوسرے مناسب مواقع پر پہنچانے اور ڈالنے کا اہتمام کرے۔

عوام کے علاوہ حکومتی کارندوں پر بھی یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے، اور اسی کے ساتھ حکومت پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً نالوں اور دریاؤں کی صفائی کی طرف توجہ کرے، اور اس سلسلے میں غفلت یا خیانت کا ارتکاب کرنے والوں کا مؤاخذہ کرے۔

شنید ہے کہ ہر سال نالوں اور دریاؤں کی صفائی کے لیے مختص ہونے والے فنڈ کو نااہل اور خائن حکمران واہل کار ہڑپ کر جاتے ہیں، اور اس کو صحیح مصرف میں نہیں لگاتے، جو کہ سیلاب اور جان ومال کی تباہی کا ایک اہم سبب ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ .

(4)...... حالیہ سیلاب سے عبرت حاصل کر کے اور اس کے نقصانات سے دوچار ہونے کے بعد چوتھا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ دریاؤں کی توسیع اور تقسیم کی منصوبہ بندی کی جائے، جن مقامات پر غیر معمولی پانی گزرنے کی گنجایش نہیں، ان کی توسیع کی جائے، اور مناسب مواقع پر پانی کی روانی کے مقامات کی تقسیم کی جائے، تاکہ مختلف اطراف سے اور مقامات پر پانی کی تقسیم ہونے کے نتیجے میں پانی کا سارا دباؤ ایک ہی مقام پر نہ رہے۔

اگر ان مندرجہ بالا چار اصولوں پر ذمے داری اور دیانت داری کے ساتھ عمل کر لیا جائے، تو ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس قسم کے تباہ کن سیلاب سے کافی حد تک حفاظت رہے گی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1431ہجری اکتوبر/2010ء، جلد7 شمارہ10)

(79)

گزرگاہوں پر ایذا رسانی کے چند مناظر

میں کل جب گھر سے ادارہ جانے کے لیے صبح کے وقت دروازہ سے باہر نکلا، تو دروازہ کے باہر مختلف پلاسٹک کے تھیلوں اور شاپروں میں گندگی کے ڈھیر پڑے ہوئے نظر آئے، جو ایسی جگہ پڑے ہوئے تھے، جو بہ ظاہر کوئی کوڑا ڈالنے کی جگہ نہیں تھی، جو کسی نے اپنے گھر سے لا کر دروازہ کے قریب رات کے سناٹے میں پھینکے ہوئے تھے، اور یہ کوئی نیا واقعہ نہیں، اکثر صبح کے وقت یہی منظر دیکھنے کو ملتا ہے، میں نے خود تو اپنے گھر سے روزانہ کوڑا لے جانے کے لیے خاکروب لگا رکھا ہے، جو کہ روزانہ آ کر کوڑا لے جاتا ہے، اور اس کو مہینہ پورا ہونے پر اس کی مزدوری دے دی جاتی ہے، لیکن وہ شخص جو رات کے سناٹے میں اپنے گھر سے کوڑا جمع کر کے دوسرے کے دروازہ کے قریب کوڑا پھینکتا ہے، وہ شاید دوسرے کو بے وقوف اور اپنے آپ کو بڑا عقل مند خیال کرتا ہوگا، کہ جو سو روپے، مہینہ بھر کے خاکروب کو دینے سے بچا کر رکھ لیتا ہے، مگر اسے یہ سوچنے کی زحمت نہیں ہوئی کہ وہ عقل مندی کے عنوان سے اپنی آخرت کا کتنا بڑا نقصان کر رہا ہے، اور دنیا میں کتنی گھٹیا معاشرت کا نمونہ پیش کر رہا ہے، جو جانوروں کے درجہ سے بھی گری ہوئی معاشرت ہے۔

اولاً تو صفائی ستھرائی کی شریعت کی طرف سے ویسے ہی تعلیم ہے، دوسرے اپنے آپ کو گندگی سے بچا کر سینکڑوں گزرنے والوں اور اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچانا کتنا بڑا گناہ ہے، اس کا اسے دنیا میں اندازہ ہونا مشکل ہے، اور یہ میرے گھر کے دروازے کے قریب پیش آنے والا کوئی ایک ہی واقعہ نہیں، بلکہ ہم نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے ہیں، جو معاشرے کے مہذب اور پڑھے لکھے لوگ سمجھے جاتے ہیں، اور مالی اعتبار سے آسودہ اور فراخ حال لوگ شمار کیے جاتے ہیں، مگر خاکروب کو دینے سے چند ٹکے بچانے کی خاطر وہ اس قسم کی حرکات

میں مبتلا پائے جاتے ہیں، اور بلا مبالغہ جمع دار کی ماہانہ مزدوری سے زیادہ رقم روزمرہ کی فضولیات کی نظر کردیتے ہیں، پھر بعض اوقات لوگوں کے منع کرنے اور وہاں لوگوں کو کوڑا ڈالنے سے تحریری طور پر منع کرنے کے باوجود اس حرکت میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔

یہ ہمارے بگڑے ہوئے معاشرے کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی گندگی اور غلاظت والا پائپ جو لوگوں کی عام گزرگاہ کی طرف لگا ہوا ہوتا ہے، اس کی اصلاح ودرستگی کا اہتمام نہیں کرتے، اس کی ٹوٹی ہوئی جگہ سے صبح سے شام تک گندہ اور غلیظ پانی سینکڑوں گزرنے والوں کی تکلیف اور ان کو آلودہ کرنے کا سبب بنتا ہے، اور صبح سے شام تک ہر روز سینکڑوں لوگوں کو تکلیف پہنچانے اور ان کی نماز کے پاک کپڑوں کی نجاست کا سبب بن کر کتنے گناہوں کا ذریعہ بنتا ہے۔

مگر بے حس لوگوں کو سال ہا سال گزرنے کے باوجود اس سنگین گناہ سے بچنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

اس قسم کی خرابیوں میں ڈاکٹروں سے لے کر بڑے بڑے وکیل، بلکہ جج تک کی حیثیت اور منصب کے لوگ بھی مبتلا پائے جاتے ہیں۔

جس معاشرے کے پڑھے لکھے، تہذیب یافتہ طبقہ کا یہ حال ہو، اس کے دوسرے لوگوں کی حالت کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔

ہمارے یہاں راستوں اور گزرگاہوں پر اس طرح کے معاشرتی بگاڑ کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

چنانچہ ہمارے یہاں کسی کو گھر کے باہر سے گیس یا پانی کے کنکشن حاصل کرنے یا اس کی اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے، تو راستے میں کھدائی کرا کر عالی شان سڑک یا گلی کی زینت کو نہ صرف خراب کردیا جاتا ہے، بلکہ گزرنے والوں کی غیر معمولی تکلیف کا بھی سبب بنا جاتا ہے۔

جب کہ ذرا سی توجہ اور بہت کم خرچ کے ذریعے سے اس کی اصلاح کرانا ممکن ہوتا ہے، لیکن اپنی گھریلو اور ذاتی ضرورت پوری کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا، حالانکہ ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اپنی ذاتی ضرورت پوری کرنے کے نتیجے میں ان لوگوں نے کتنے سارے لوگوں کو تکلیف وایذاء میں مبتلا کر دیا ہے، جو اپنی ذاتی تکلیف کے مقابلے میں کہیں زیادہ سنگین جرم ہے۔

اسی طرح عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ اپنے گھر کی تعمیر اور زیب وزینت کی خاطر کام کاج کے دوران راستے اور گزرگاہ کو خراب کر دیا جاتا ہے، اور اپنے گھر کے حصے کی تعمیر اور زیب وزینت پر تو لاکھوں روپے صرف کر دیئے جاتے ہیں، مگر اس کے نتیجے میں راستہ اور گزرگاہ میں پڑنے والے شگاف کو ذرا سا مسالہ لگا کر درست نہیں کیا جاتا۔

جس سے بے شمار گزرنے والے تکلیف وایذاء میں مبتلا ہوتے ہیں، بالخصوص بارش کا پانی اور کیچڑ جمع ہونے کی وجہ سے لوگوں کے لباس اور سواریوں کا گندا ہونا معمول کی بات ہوتی ہے۔

اس قسم کی خرابیوں کی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونے کی وجہ غربت وافلاس نہیں ہوتی، بلکہ دین سے دوری، جہالت وغفلت اور اجتماعی معاشرتی بے حسی ہوتی ہے۔

اسی طرح عموماً گھروں میں ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں جمع ہونے والے کچرے کا ڈھیر بھی گھر سے باہر نکال کر سڑکوں اور گلیوں میں پھینک دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ہر عام وخاص گزرنے والا تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔

راستوں اور گزرگاہوں پر دوسروں کی تکلیف وایذا پہنچانے کی ایک عام پیش آنے والی شکل یہ بھی ہے کہ راستے میں گاڑی یا موٹر سائیکل کھڑی کرنے والا عام طور پر اس کا خیال نہیں کرتا کہ وہ کس جگہ اور کس طرح سے گاڑی یا موٹر سائیکل کھڑی کر رہا ہے، اور اُس کے اِس طرزِ عمل کے نتیجے میں گزرنے والے کتنے لوگ تکلیف وایذا اٹھا رہے ہیں، بعض اوقات تو راہ گزر لوگوں اور تکلیف اٹھانے والوں کو گھر یا دوکان وغیرہ میں دستک یا آواز وغیرہ دے کر

گاڑی یا موٹر سائیکل ہٹانے کی ضرورت پیش آتی ہے، ایسی صورت میں گاڑی غلط جگہ کھڑی کرنے والے کو خود بھی اپنی راحت وآرام یا ضرورت کو چھوڑ کر باہر آنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے، لیکن یہ سب کچھ برداشت کیا جاتا ہے، مگر شروع میں ہی گاڑی وغیرہ کھڑی کرتے وقت اس کو صحیح جگہ اور صحیح طرح کھڑی کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

یہ مسئلہ صرف گاڑی اور موٹر سائیکل تک محدود نہیں، سائیکل اور ریڑھی پر دودھ، برتن اور سبزی ودیگر اشیا فروخت کرنے والوں کا بھی یہی حال ہے کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں اپنی سائیکل اور ریڑھی کو روک کر کھڑے ہوجاتے ہیں، اور گزرگاہ کے عین درمیان میں اپنی دکان لگاتے ہیں، اور اس طرح گزرنے والوں کے لیے تکلیف وایذا کا باعث بنتے ہیں۔

یہی حال رکشہ، تانگہ اور ٹیکسی وغیرہ چلانے والوں کا بھی ہے، چند ٹکوں کے لیے سواری اٹھانے یا اتارنے کے لیے وہ بھی کسی قاعدے وقانون کے پابند نظر نہیں آتے، جہاں چاہا اچانک رُک کر کھڑے ہوجاتے ہیں، اور پیچھے سے آنے والے سینکڑوں لوگوں کو روک کر کھڑے ہوجاتے ہیں، جن میں بعض نہایت حساس اور سیریس (Serious) مریض بھی شامل ہوتے ہیں۔

صرف راستوں اور گزرگاہوں پر اس قسم کے مناظر ہمارے یہاں روزمرہ کا معمول بن کر رہ گئے ہیں، اور ان مناظر کو دیکھ کر واضح ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں لوگوں کو معاشرت کی ''الف، ب'' کا بھی علم نہیں، اور اگر ہے بھی تو اس پر عمل نہیں۔

معلوم نہیں کہ معاشرتی بگاڑ اور دوسرے کی ایذا رسانی کا یہ سلسلہ کب ختم ہوگا، اور مسلمان اپنے مذہب کے معاشرتی احکام کو کب سیکھیں گے، اور اصلاحِ معاشرہ کا ابتدائی قاعدہ کب پڑھیں گے۔ [1]

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1431ہجری نومبر/2010ء، جلد7 شمارہ11)

---

[1] راستے اور گزرگاہ کے آداب کے متعلق ملاحظہ فرمائیں، ہماری دوسری تفصیلی تالیف ''حُسنِ معاشرت اور آدابِ زندگی'' مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی۔

(80)

جھوٹ کا پیشہ

آج سے ہزاروں سال پہلے احادیث میں پیشین گوئی سنادی گئی تھی کہ قیامت کے قریب جھوٹ عام ہو جائے گا، بلکہ جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگے گا۔
پہلے ان زمانوں میں جب کہ کافر تک بھی اپنی زبان کے پکے ہوا کرتے تھے، احادیث کی یہ بات سمجھنا مشکل کام تھا، مگر آج یہ سب مناظر ہمارے دور میں موجود ہیں، چنانچہ جھوٹ کا عام ہونا، ایسا مسئلہ ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں، اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے بلکہ جھوٹ کو پیشہ بنا لینے کے مناظر بھی اب عام ہونا شروع ہو گئے ہیں، رات دن ایسے واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ جن میں جھوٹ اور فراڈ کے ذریعے سے لوگوں کی جان، مال اور عزت وآبرو سے کھیلا جاتا ہے، اور ایسی حرکات میں مبتلا لوگوں کو اپنے کیے پر پشیمانی بھی نہیں ہوتی، بلکہ روز بروز اس کے نئے سے نئے طریقے تلاش کرتے ہیں، اور نہ ہی ان لوگوں کو اس چیز کا احساس ہوتا کہ وہ مسلمان ہو کر کس طرح کھلے عام دوسرے مسلمان بھائی کو دھوکا دے رہے ہیں۔
چنانچہ دلالی اور کمیشن کا کام کرنے والوں میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے کہ جو جھوٹ بول کر اور دھوکا دے کر چیزوں کی خرید وفروخت یا کرایہ داری کے معاملات طے کراتے ہیں، دونوں فریقوں کو معاملات طے کرنے کے لیے جھوٹی باتیں بول کر اور سبز باغ دکھا کر آمادہ کرتے ہیں، تاکہ ان کا کمیشن کھرا ہو جائے۔
ظاہر ہے کہ جھوٹ بول کر اور دھوکا دے کر معاملات طے کرانے پر کمیشن لینا بھی ناجائز زمرہ میں آتا ہے۔
یوں تو جھوٹ کو پیشہ بنا لینے اور جھوٹے کو سچا سمجھے جانے کی صورتیں اور واقعات اب بہت عام ہو چکے ہیں، لیکن شاید ابھی بہت سے لوگوں کو اس طرح کے واقعات کا علم نہیں، جس کی وجہ

سے وہ پیشہ ور جھوٹوں سے دھوکا کھا کر غیر معمولی مالی نقصان میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لیے اس قسم کے واقعات سے باخبر رہنا ضروری ہے۔

چند دن پہلے میرے ساتھ اس طرح کے دو واقعات پیش آئے، جن میں سے ایک واقعہ بالکل تازہ اور دوسرا واقعہ اب سے دو مہینے قبل رمضان المبارک کا ہے۔

رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ کا آخری عشرہ چل رہا تھا، صبح تقریباً دس گیارہ بجے کا وقت تھا، میرے موبائل فون پر ایک فون آیا، اور کہا گیا کہ میں آپ کے فون سروس ہیڈ کوارٹر سے بول رہا ہوں، اور یہ سم کیا آپ ہی استعمال کرتے ہیں، اور آپ کا نام کیا ہے؟

میں نے ان کو صحیح صحیح جواب دے دیا، انھوں نے جواب میں کہا کہ آپ کا کمپنی کی طرف سے پانچ لاکھ کا انعام نکلا ہے، اور اس سلسلے میں اگلی کاروائی کے لیے آپ کے پاس فون آئے گا، برائے مہربانی اٹینڈ کر لینا، میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، شام چار بجے کے لگ بھگ میں نے کمپنی کے نمایندے کو فون ملا کر اس صورتِ حال سے آگاہ کیا، اور وہ فون نمبر بھی بتایا، جس سے یہ فون آیا تھا، انھوں نے کہا کہ یہ سب جھوٹ فراڈ ہے، اور آپ سے کسی بہانے سے یہ لوگ کچھ پیسے ہڑپنا چاہتے ہیں، آپ بالکل بھی ان کی باتوں میں نہ آئیں، اور ہم نے آپ کی شکایت درج کر لی ہے، اس فون نمبر کے صارف کو ہم تنبیہ کر دیں گے۔

بعد میں اپنے چند احباب سے اس واقعے کا مذاکرہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے بے شمار واقعات رونما ہو رہے ہیں، اور کچھ لوگوں نے اس چیز کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے کہ وہ لاکھوں روپے انعام کا جھانسہ دے کر چند ہزار بلکہ چند سو روپے کسی نہ کسی طرح سے ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے وصول کر لیتے ہیں، اور انعام وغیرہ کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اور آج کل لوگ عید کی تیاری کے لیے اس طرح کی زیادہ حرکات کر رہے ہیں۔

اندازہ لگایے کہ کس طرح سے لوگوں نے جھوٹ کو ہنر اور پیشہ بنا لیا ہے، جس کے ذریعے سے وہ حرام اور ناجائز طریقہ پر پیسے حاصل کر رہے ہیں، اور اس سلسلے میں نہ رمضان المبارک کے

احترام کا لحاظ کرر ہے ہیں، اور نہ ہی روزہ کا کوئی خوف وڈر دل میں رکھتے، بلکہ عید الفطر کے بابرکت موقع کی تیاری بھی حرام اور ناجائز پیسہ سے کرتے ہیں۔

اس سے زیادہ حیران کن ایک اور واقعہ چند دن پہلے پیش آیا۔

میرے ایک رفیق نے جو ادارہ غفران میں خدمات انجام دیتے ہیں، ایک دن مجھے اطلاع کی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کراچی کی اس نام کی کمپنی کی طرف سے ایک عورت کا فون آیا تھا، اور یہ کمپنی اپنی کچھ اشیاء فروخت کرتی ہے، اس عورت نے کہا کہ محمد رضوان صاحب کے نام سے ہماری کمپنی کی طرف سے ایک نئی کار نکلی ہے، جس کا کوپن نمبر یہ ہے، اور ہماری کمپنی کی جو بھی کوئی پراڈکٹ خریدتا ہے، تو اس کا نام اور پتہ وغیرہ، ہمارا نمائندہ درج کر لیتا ہے، اور ہر تین سال بعد قرعہ اندازی کے ذریعے سے انعام نکلتا ہے۔

اور اس سلسلے میں اگلی کارروائی کے لیے فلاں نام کے صاحب سے رابطہ کرلیں، جو کہ ہماری کمپنی کے سپروائزر ہیں، اور ان کا فون نمبر یہ ہے۔

جب ان صاحب سے رابطہ کیا، تو انھوں نے کوپن نمبر اور نام معلوم کر کے تھوڑی دیر بعد جواب دینے کا وعدہ کیا۔

اور کچھ دیر بعد ان صاحب نے کہا کہ واقعتاً آپ کی انعام میں کلٹس گاڑی نکلی ہے، جس کی موجودہ قیمت تقریباً نو لاکھ روپیہ ہے، اور اس کا انجن نمبر فلاں ہے، اور رنگ فلاں ہے، اور اس پر ہماری کمپنی کی طرف سے یہ یہ پابندیاں ہیں، اور اس کے کوئی بقایا جات نہیں ہیں، اور اگر آپ کراچی میں تین گواہوں کو ساتھ لے کر آجائیں، تو آپ کو دستی گاڑی فراہم کردی جائے گی، ورنہ ہم یہ گاڑی آپ کو کارگو سے روانہ کردیں گے، اور ہمارا فلاں کارگو کمپنی سے معاہدہ ہے، ان کا یہ نمبر ہے، ان سے آپ رابطہ کرلیں کہ راولپنڈی تک کتنا کرایہ ہوگا، اور کتنے گھنٹوں میں وہ گاڑی آپ تک پہنچا سکیں گے۔

جب اس سلسلے میں ہماری طرف سے کچھ ذرائع سے تحقیق کی گئی، تو معلوم ہوا کہ یہ سب

جھوٹ ہے، اور یہ لوگ دراصل کرایہ کے نام سے دس پندرہ ہزار روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یہ کئی لوگوں کا ایک گروپ ہے، سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، اوراس کمپنی کا کوئی وجودنہیں ہے، اور بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کواسی طرح دھوکا اور لالچ دے کر پیسے ہڑپ کررہے ہیں۔

ان واقعات کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سادہ لوح لوگوں کو پتہ چلے کہ آج کل جھوٹ کو بہت سے لوگوں نے کس طرح پیشہ بنارکھا ہے، اور کتنی چالاکی، مکاری اور ہنرمندی کے ساتھ لوگوں کودھوکا دے کرحرام خوری کا سلسلہ چل نکلا ہے۔

یہ چندواقعات تو وہ ہیں کہ جن کی اوپر سے نیچے تک ساری بنیاد ہی جھوٹ ہے، اوران کومکمل جھوٹ کے پیشے سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے۔

جہاں تک دوسرے کاموں میں جھوٹ کی آمیزش کرکے اور جھوٹ کوذریعہ بنا کر پیسے کمانے کا تعلق ہے، تو زندگی کے ہر شعبے میں قدم قدم پرآپ کواس سے سابقہ پڑے گا، کوئی حد ہے جھوٹ، دھوکا اورلوٹ مار کے اس عمومی کلچر اور ریت وروایت اور سیلابِ بلا کی۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1431ہجری دسمبر/2010ء، جلد7 شمارہ12)

(81)

زائرینِ بیت اللہ سے چند گزراشات

دنیا بھر سے ہر سال زائرینِ بیت اللہ کی بڑی تعداد حج وعمرہ کے لیے حرمین شریفین کا سفر کرتی ہے، اور ہر سال اس تعداد میں اضافہ ہورہا ہے، جس کی وجہ سے سعودی انتظامیہ ہر سال انتظامات کو وسعت دینے میں مصروف ہے، لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پھر تنگی کی شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسری طرف ہمارے یہاں حکمرانوں سے لے کر نیچے کے عملے تک حج وعمرہ کے زائرین کے ذریعے مختلف شکلوں میں کمائی کرنے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے، اور بہت سے لوگوں کے لیے یہ ایک قیمتی پیشہ بن گیا ہے، جن میں جائز وناجائز کمائی کرنے والے دونوں طرح کے لوگ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں حج وعمرہ کے سیزن میں زائرین کے لیے کرایوں سے لے کر قیام وطعام تک ہر چیز کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کردیا جاتا ہے، بہت سے حکمران بھی مختلف طریقوں سے اپنی جیبیں بھرتے ہیں،، اور دلال اور ایجنٹ اور معلمین بھی۔

اس مرتبہ تو ہمارے ملک میں پیپلز پارٹی کی طرف سے مقرر کردہ حج کے سیکرٹری، حجاجِ کرام سے رشوت خوری اور ناجائز طریقہ پر بھتہ لیتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے، جس پر آج کل ذرائع ابلاغ میں بڑی چہ میگوئیاں ہورہی ہیں۔

افسوس ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اپنی مذہبی تقریبات اور تہواروں کے موقع پر رورعایت والا معاملہ کیا جاتا ہے، اور مذہبی امور کو انجام دینے کے لیے ہر طرح کی سہولیات مہیا کی جاتی ہیں، بلکہ کرسمس کے موقع پر چیزوں کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کردی جاتی ہے۔

مگر ہمارے یہاں حج کا موقع ہو، یا عمرہ کا، قربانی اور عیدین کی تیاری کا معاملہ ہو، یا رمضان

المبارک میں سحری وافطاری کا، ان سب عبادات کی انجام دہی انتہائی مشکل کردی جاتی ہے، اور بہت سے مسلمان سال بھر میں صرف انھی مواقع پر اپنی کمائی کا سیزن بناتے ہیں، جو کہ انتہائی افسوس ناک طرزِ عمل ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود دوسری طرف حجاجِ کرام اور عمرہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد وہ ہے کہ جو حج اور عمرہ کے نام سے سفر، قیام وطعام ہر چیز میں بہتر سے بہتر کی تلاش میں اعلیٰ سے اعلیٰ سہولیات کی متلاشی رہتی ہے، اوراس کی خاطر بھاری بھرکم رقم خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی، اپنے ساتھ شاپنگ کرکے اپنے، اپنے گھر والوں اور دوسرے جاننے والوں کے لیے قیمتی اشیاء خرید کرلانے کے اخراجات، اس کے علاوہ ہیں۔

پھران میں بہت سے لوگ وہ ہیں، جو ہر سال نفلی حج وعمرہ کی خاطر یہ سب کچھ کرگزرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، بلکہ رشوت اور کئی دوسرے گناہوں سے گزرکر اس عبادت کو انجام دینے سے بھی نہیں بچتے، بلکہ جو لوگ نہ نماز کا اہتمام کرتے اور نہ ہی زکاۃ کی ادائیگی کا، یہ لوگ بھی حج وعمرہ کی بار بار ادائیگی میں بڑے مستعد نظر آتے ہیں۔

حج وعمرہ کرنے والوں کی اکثری تعداد ایسی دیکھنے میں آتی ہے کہ جس کو حج وعمرہ کی سنتوں، واجبوں، بلکہ فرضوں تک کا بھی علم نہیں ہوتا، اور وہ لوگ اسی حال میں ہر سال حج وعمرہ کے لیے چل پڑتے ہیں۔

ایک نفلی عمل کی خاطر نہ جانے کتنے فرائض، واجبات اور سنتوں کو ضائع کرتے ہیں، جب کہ آج کل حجاجِ کرام کی تعداد کے زیادہ اور رش وہجوم کے بڑھ جانے کی وجہ سے حج کے ارکان ومناسک کی صحیح طرح ادائیگی بھی ایک مشکل مرحلہ بن کر رہ گیا ہے۔

اگر ان لوگوں کو اس چیز کی دعوت دی جائے کہ آج کل غربت عام ہے، ایسی حالت میں نفلی حج وعمرہ پر خرچ کی جانے والی رقم غریبوں کو صدقہ کردیں، تو وہ ہرگز اس کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

اس قسم کی بے اعتدالیاں حکمرانوں سے لے کر عوام تک میں پائی جاتی ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان بے اعتدالیوں میں کمی تو کیا ہوتی، روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کی بے اعتدالیوں پر نکیر اور ان کی حوصلہ شکنی تو کیا ہوتی، طرح طرح سے حوصلہ افزائی کے اسباب پیدا کیے جا رہے ہیں۔

اور چہار سو ''بھیڑ چال'' کی ایک عمومی وبا قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان بے اعتدالیوں سے امتِ مسلمہ کو نجات عطا فرمائے، اور فہمِ سلیم کی نعمت نصیب فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1432ہجری جنوری/2011ء، جلد8 شمارہ1)

---

(82)

بجلی و گیس کی کمی کیسے دور ہوگی؟

حسبِ سابق امسال بھی موسمِ سرما کے موقع پر ملک میں گیس کی لوڈ شیڈنگ کا غیر معمولی سلسلہ جاری ہے، مختلف شہروں میں گھروں میں گیس کی آمدورفت میں رکاوٹ رہی، جس کے نتیجے میں کاروبارِ زندگی کے کئی معمولات میں لوگوں کو مشکلات کا سامنا ہوا، بہت سے شہری لوگ سوئی گیس کی آمد نہ ہونے کی وجہ سے لکڑیوں پر کھانا بنانے پر مجبور ہوئے، اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

دوسری طرف موسمِ سرما میں بھی بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری رہا، جس کی وجہ یہ قرار دی گئی کہ بارش نہ ہونے کے باعث بجلی کے ذخائر کم ہیں۔

گیس کی قلت کا معاملہ ہو، یا بجلی و پانی کی قلت کا، اس میں شک نہیں کہ یہ شکایت اب کوئی نئی شکایت نہیں رہی، بلکہ کئی سالوں سے یہ شکایت جاری ہے، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ترقی ہو رہی ہے۔

پانی کے ذخائر اور بجلی و گیس کی قلت کے اسباب کو تلاش کر کے قلت کو دور کرنے کی تدابیر پر تبصرے و تجزیے جاری ہیں، اور اربابِ حل وعقد کے بقول اس پر کام بھی ہو رہا ہے، لیکن تبصرے و تجزیے اور کوششیں سب کے سب بے سود ثابت ہو رہے ہیں۔

ان حالات میں مسلمان ہونے کے ناطے شریعتِ مطہرہ سے اس مشکل کا حل دریافت کرنے کی ضرورت ہے، جس کی طرف بدقسمتی سے نہ تو کسی وزیر کی توجہ ہے، اور نہ ہی کسی تبصرہ و تجزیہ نگار کی، اور نہ ہی عمومی پیمانے پر اہلِ وطن کی۔

آیے سب سے پہلے ہم قرآن مجید اور فرقانِ حمید کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی سب سے اہم اور آخری کتاب ہے، جس میں قیامت تک آنے والی مشکلات

وحالات کا اصولی انداز میں ذکر ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (سورة الاعراف ،رقم الآية ۹۶)

ترجمہ: اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے، اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور، ان پر دروازے کھول دیتے، طرح طرح کی برکتوں کے آسمان وزمین سے (سورہ اعراف)

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں آسمان اور زمین کی برکات کھولنے کو دو چیزوں پر موقوف ومشروط فرمایا ہے:

ایک ایمان اور دوسرے تقویٰ

ایمان کی حقیقت ہر مسلمان کو بہ حیثیتِ مسلمان ہونے کے معلوم ہے، اور تقویٰ کا مطلب گناہوں سے بچنا اور نیک اعمال کو اختیار کرنا ہے۔

آسمان کی برکات میں بارش، مفید ہوا، موسم وغیرہ داخل ہیں، اور زمین کی برکات میں پانی، اور دوسرے زمین کے ذخائر ومعدنیات داخل ہیں، جن میں گیس اور پٹرول وغیرہ جیسی اہم چیزیں بھی شامل ہیں۔

پس خواہ بارش کی کمی کا معاملہ ہو، یا پانی وبجلی اور گیس کی بے برکتی اور کمی کا، ان سب کی بے برکتی کو دور کرنے اور برکات کو حاصل کرنے کا نسخہ دو اجزا سے مرکب ہے:

ایک ایمان، دوسرے تقویٰ

آج بدقسمتی سے ایک طرف تو ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، بہت سے نام نہاد مسلمانوں کے ایمان محفوظ نہیں، عقائد ونظریات کے بگاڑ وفساد کا سیلاب معاشرے میں آیا ہوا ہے، دوسری طرف تقویٰ کا شعبہ بھی ماند پڑا ہوا ہے۔

ہر طرف گناہوں کا دور دورہ ہے، اور ظاہر ہے کہ گناہوں میں ڈوبا ہوا شخص متقی نہیں کہلاتا۔

قرآن مجید کے علاوہ احادیث میں بھی گناہوں کی وجہ سے اس طرح کی مشکلات پیدا ہونے کی نشان دہی کی گئی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلے میں آتی ہیں، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ وہ کون سی پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلے میں آتی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تو یہ کہ جولوگ بھی (اللہ اوراس کے رسول اور لوگوں کے ساتھ کیے ہوئے) عہد کو توڑتے ہیں، تو اس کے بدلے میں اُن پر اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو مسلّط فرما دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جولوگ بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکموں کو توڑتے ہیں، تو اس کے بدلے میں ان میں فقر وافلاس پھیل جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جب بھی کسی قوم میں بے حیائی عام ہوتی ہے، تو اس کے بدلے میں اُن میں موت عام ہوجاتی ہے۔ چوتھے یہ کہ جولوگ بھی ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، تو اس کے بدلے میں یہ لوگ پیداوار کی کمی اور قحط سالی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ جولوگ بھی زکاۃ کو روکتے ہیں (یعنی دیتے ہی نہیں یا ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کرتے) تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُن سے بارش کو روک لیتا ہے (طبرانی) [1]

---

[1] عن ابن عباس رضی الله عنهما، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :خمس بخمس قالوا :يا رسول الله وما خمس بخمس؟ قال :ما نقض قوم العهد إلا سلط عليهم عدوهم، وما حكموا بغير ما أنزل الله إلا فشا فيهم الفقر، ولا ظهرت فيهم الفاحشة إلا فشا فيهم الموت، ولا طففوا المكيال إلا منعوا النبات وأخذوا بالسنين، ولا منعوا الزكاة إلا حبس عنهم القطر(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١٠٩٩٢)

قال المنذری: رواه الطبرانی فی الكبير وسنده قريب من الحسن وله شواهد. السنين جمع سنة وهی العام المقحط الذی لم تنبت الأرض فيه شيئا سواء وقع قطر أو لم يقع (الترغيب والترهيب،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہوجاؤ گے، اور میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ، کسی قوم میں بھی کبھی بے حیائی ظاہر نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جب وہ اس کو کھلم کھلا کرتے ہیں، تو ان میں ایسا طاعون اور ایسا افلاس پھیلتا ہے کہ جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں پھیلا، اور جو لوگ بھی ناپنے اور تولنے میں کمی کرتے ہیں، تو ان کو قحط سالی کے عذاب میں اور سخت موت وہلاکت کے عذاب میں، اور ان پر ظالم بادشاہوں کے مسلط ہونے کے عذاب میں گرفتار کیا جاتا ہے، اور جو لوگ بھی اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیتے ہیں، تو ان پر آسمان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے، اور اگر چوپائے نہ ہوں، تو ان کو ذرا بھی بارش نہ دی جائے، اور جو لوگ بھی اللہ کے اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر دوسرے لوگوں کو مسلط کردیتا ہے، پھر وہ ان کے قبضے میں سے کئی چیزوں کو لے لیتے ہیں، اور جن لوگوں کے پیشوا، اللہ کی کتاب پر فیصلہ نہیں کرتے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، اس میں سے اپنی پسند کی چیز لیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان باہمی خانہ جنگی پیدا فرمادیتا ہے (ابن ماجہ) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تحت رقم الحديث ۱۱۴۲، ج ا ص ۳۰۹، كتاب الصدقات الترغيب فى أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه إسحاق بن عبد الله بن كيسان المروزى، لينه الحاكم، وبقية رجاله موثقون، وفيهم كلام (مجمع الزوائد، ج۳ص ۶۵، رقم الحديث ۴۳۴۶، كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة)

[1] عن عبد الله بن عمر، قال :أقبل علينا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقال: "يا معشر المهاجرين، خمس إذا ابتليتم بهن، وأعوذ بالله أن تدركوهن :لم تظهر الفاحشة فى قوم قط حتى يعلنوا بها، إلا فشا فيهم الطاعون والأوجاع التى لم تكن مضت فى أسلافهم الذين مضوا .ولم ينقصوا المكيال والميزان، إلا أخذوا بالسنين وشدة المؤونة وجور السلطان عليهم.ولم يمنعوا زكاة أموالهم، إلا منعوا القطر من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل ان احادیث میں بیان کیے ہوئے گناہ عام ہیں۔

ہماری تمام عزیزانِ وطن سے گزارش ہے کہ سب کوششوں کو کر کے دیکھ لیا، تمام تجربات کر لیے، اوران میں ناکامی کا سامنا کرلیا۔

اب قرآن وسنت میں بیان کیے ہوئے نسخہ پر بھی عمل کر کے دیکھ لیجیے۔

آج ہی تمام گناہوں سے سچی توبہ واستغفار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیجیے۔

پھر دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ملک کو اس بھنور سے باہر نکالتا ہے، اور مصائب کیسے دور فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' صفر المظفر / 1432ہجری فروری/2011ء، جلد 8 شمارہ 2)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السماء ، ولولا البهائم لم يمطروا .ولم ينقضوا عهد الله وعهد رسوله، إلا سلط الله عليهم عدوا من غيرهم، فأخذوا بعض ما فى أيديهم .وما لم تحكم أئمتهم بكتاب الله ويتخيروا مما أنزل الله، إلا جعل الله بأسهم بينهم "(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٤٠١٩، كتاب الفتن، باب العقوبات)

قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره(حاشية سنن ابنِ ماجه)

قال الحاكم:هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.وقال الذهبى فى التلخيص:صحيح.

وقال الهيثمي:قلت :روى ابن ماجه بعضه.رواه البزار ورجاله ثقات(مجمع الزوائد ج٥ص٣١٧)

(83)

قتل وغارت گری اور اغوا کاری میں اضافہ

ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور مہنگائی وغیرہ کے نتیجے میں جہاں اور مسائل ومصائب میں اضافہ ہوا ہے، اسی کے ساتھ قتل وغارت گری اور اغوا کاری کے واقعات میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے، دن دہاڑے اور بھری آبادی میں قتل وغارت گری اور اغوا کاری کے ایسے ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں کہ الامان والحفیظ.

افسوس ہے کہ بے روزگاری اور مہنگائی وغیرہ، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کے نتیجے میں آنے والے وبال اور عذاب ہیں، ان کے حل کے لیے توبہ واستغفار کا صحیح راستہ اختیار کرنے کے بجائے بہت سے لوگوں نے اس عذاب کو دور کرنے کے لیے لوٹ مار، اغوا کاری اور قتل وغارت گری کا جو راستہ اختیار کیا ہے، یہ راستہ خود عذاب پر عذاب اور وبال در وبال اور ان عذابوں اور ان جیسے دوسرے وبالوں کا ذریعہ اور:

”ظلمات بعضها فوق بعض“

کا مصداق ہے۔

گویا کہ بیماری کا علاج خود ان اسباب میں تلاش کیا جارہا ہے، جو اسباب خود پہلی بیماری کا سبب تھے، یہ تو ایسا ہی ہے، جیسا کہ مریض کی بیماری کا علاج زہر کھلا کر کیا جائے، جس کے نتیجے میں وہ کل کا جاتا آج ہی چلا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ملک میں بے روزگاری اور مہنگائی میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے غریب اور متوسط طبقے کو مشکلات کا سامنا ہے، اور جب اس طبقے کو اپنی ضروریات پوری کرنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ملتا، تو وہ قتل وغارت گری اور اغوا کاری، جیسے کاموں کو اپنی ضروریات کے پورا کرنے کا ذریعہ بنالیتا ہے۔

مگر یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے، کیوں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ مہنگائی اور بے روزگاری وغیرہ جیسے عذاب خود بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں، جن کو دور کرنے کے لیے خود اپنے آپ کو بدلنے اور اپنے اعمال کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

لہٰذا ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جانا اور توبہ واستغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ محنت، جذبہ اور لگن کے ساتھ رزقِ حلال کی کوشش کرنا چاہیے، خواہ وہ محنت اور مزدوری کی شکل میں کیوں نہ ہو، اور کام چوری وحرام خوری سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے، کیوں کہ محنت کے ساتھ حاصل کیے ہوئے حلال رزق میں غیر معمولی برکت اور نورانیت ہوتی ہے، وہ تھوڑا ہو کر بھی زیادہ اور بہت زیادہ سے زیادہ کفایت کرتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مال ودولت کی حرص ولالچ میں نہیں پڑنا چاہیے، اور کسی دوسرے کے مال پر نظر نہیں کرنا چاہیے، بلکہ دنیا کے معاملات میں، اپنے سے چھوٹے لوگوں کو دیکھنا چاہیے، جو اس سے بھی کم زور حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی خواہشات اور فضول خرچیوں میں کمی کر کے ضروریات کی حد تک اپنے اخراجات کو محدود سے محدود تر کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

ان جائز، حلال اور صحیح تدابیر واسباب کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے، یا کسی کے مال پر ڈاکہ ڈال کر، یا کسی کے معصوم بچے وغیرہ کو اغوا کر کے، اپنی ضروریات پوری کرنے کا راستہ تلاش کرتا ہے، تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ راستہ اسے ہرگز اپنی منزل تک نہیں پہنچا سکتا، بلکہ کسی کی آہیں اور بددعائیں اور مظلوم کے آنسو، اس کو یا اس کے بیوی بچوں کو (جن کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے) ہمیشہ کے لیے اپاہج بنا سکتے ہیں، اس کو اپنے بیوی، بچوں کی نعمت سے محروم کر سکتے ہیں، یا اس کو ایسے وبال اور دردناک عذاب میں مبتلا کر سکتے ہیں کہ جن کا اس کو

آج تصور بھی نہیں ہوسکتا کیوں کہ مظلوم کی دعا کے قبول ہونے میں کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

بترس از آہِ مظلوماں ہنگامِ دعا کردن

اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

اسی کے ساتھ ہر شخص کو قتل وغارت گری اور اغوا کاری میں مبتلا اور اس کا شکار ہونے سے بچنے کے لیے حفاظتی انتظامات بھی اختیار کرنا چاہیے، تاکہ جان، مال اور اولاد قاتلوں اور غاصبوں کی دسترس سے زیادہ سے زیادہ محفوظ رہ سکیں۔

جس میں فضول تعلقات بڑھانے، ہر کس وناکس سے یاری دوستی کرنے، اور بلاضرورت گھر سے باہر گھومنے، پھرنے اور جلدی سے کسی پر بھروسہ کرلینے، اور اپنے مال ودولت کی نمود ونمائش کرنے، جیسی چیزوں سے حفاظت بہت اہم ہے۔

اسی کے ساتھ دن، رات کے اوقات اور گھر سے باہر نکلنے وغیرہ کی مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام رکھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کی اصلاح اور مظلوموں کی مدد فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1432ہجری مارچ/2011ء، جلد8 شمارہ3)

(84)

ایک اور سونامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ:

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ (دین کا) علم نہ اُٹھ جائے (جو کہ علماء کے اُٹھ جانے سے ہوگا) اور زلزلوں کی کثرت نہ ہوجائے۔ [1]

اور ایک موقع پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ:

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ پہاڑ اپنی جگہوں سے نہ ٹل جائیں، اور آپ ایسی بڑی بڑی چیزیں نہ دیکھ لیں، جو ایسی انہونی اور خلافِ عادت ہوں گی کہ ان کا وقوع تمھارے تصور اور وہم وخیال میں بھی نہ ہوگا۔ [2]

---

[1] عن أبی هريرة، قال :قال النبی صلى الله عليه وسلم :لا تقوم الساعة حتى يقبض العلم، وتكثر الزلازل، ويتقارب الزمان، وتظهر الفتن، ويكثر الهرج -وهو القتل القتل- حتى يكثر فيكم المال فيفيض(بخاری، رقم الحديث ١٠٣٦)

[2] ولن يكون ذلک كذلک حتى تروا أمورا عظاما يتفاقم شأنها فی أنفسكم، وتسألون بينكم :هل كان نبيكم ذكر لكم منها ذكرا؟ حتى تزول جبال عن مراتبها ." قال " :ثم على إثر ذلک القبض ."ثم قبض أطراف أصابعه .ثم قال مرة أخرى وقد حفظت ما قال، فذكر هذا، فما قدم كلمة عن منزلها ولا أخرها(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، رقم الحديث ٥٩٧،عن سمرة بن جندب)

قال حسين سليم أسد الدّارانی:

إسناده جيد، ثعلبة بن عباد ترجمه البخاری فی الكبير 2/ 174 ولم يورد فيه جرحا ولا تعديلا، وتبعه على ذلک ابن أبی حاتم فی "الجرح والتعديل 2/ 463 " وذكره ابن المدينی فی المجاهيل، وقال ابن حزم" :مجهول"، وتبعه ابن القطان.

وقال الذهبی فی المغنی فی الضعفاء " :تابعی لا يدری من هو." ووثقه ابن حبان، وصحح حديثه الترمذی، وابن خزيمة، والحاكم، والذهبی أيضا، وصحح حديثه أيضا ابن حجر فی الإصابة (حاشية موارد الظمآن)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا تھا کہ:

قیامت کے قریب شدید موتیں واقع ہوں گی، جس کے بعد زلزلوں کے سال شروع ہوں گے۔ [1]

نیز ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

اس اُمَّت میں یقیناً (زلزلہ کے ذریعے سے) زمین میں دھنس جانے اور آسمان سے پتھر برسنے اور صورتیں مسخ ہوجانے کا عذاب آئے گا، اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ کثرت سے شراب پییں گے، اور گانے والی عورتیں رکھیں گے اور گانے بجانے کا سامان استعمال کریں گے۔ [2]

گناہوں کی کثرت کی وجہ سے چند سالوں سے احادیث میں بیان کی ہوئی یہ پیشین گوئیاں واقعہ بن کر ہمارے سامنے رونما ہورہی ہیں، چنانچہ چند سالوں سے پے در پے انتہائی خطرناک زلزلوں کا سلسلہ جاری ہے۔

جس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] حدثنا ضمرة بن حبيب، قال :سمعت سلمة بن نفيل السكونى، قال :كنا جلوسا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم إذ قال قائل :يا رسول الله هل أتيت بطعام من السماء ؟ قال " :نعم ."قال :وبماذا؟ قال " :بمسخنة "قالوا :فهل كان فيها فضل عنک؟ قال " :نعم ."قال :فما فعل به؟ قال " :رفع وهو يوحى إلى أنى مكفوت غير لابث فيكم، ولستم لابثين بعدى إلا قليلا، بل تلبثون حتى تقولوا :متى، وستأتون أفنادا يفنى بعضكم بعضا، وبين يدى الساعة موتان شديد، وبعده سنوات الزلازل (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٩٦٤)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح، رجاله ثقات(حاشية مسند احمد)

[2] عن أنس ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليكونن فى هذه الأمة خسف وقذف ومسخ وذلک إذا شربوا الخمور ,واتخذوا القينات ,وضربوا بالمعازف(ذم الملاهى لابن ابى الدنيا، رقم الحديث ٧، باب فى المزمار)

قال الالبانى:فلا يشک حينئذ حديثى أن الحديث يرتقى بمجموع ذلک إلى مرتبة الصحيح(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٢٢٠٣)

20 جون 1990ء	منجل (ایران)	شدت: 7.4	ہلاکتیں: 40000
30 ستمبر 1995ء	لاٹر (انڈیا)	شدت: 6.9	ہلاکتیں: 9784
16 جنوری 1995ء	کوبے (جاپان)	شدت: 6.9	ہلاکتیں: 5530
17 اگست 1999ء	ازمت (ترکی)	شدت: 7.6	ہلاکتیں: 17118
16 جنوری 2001ء	گجرات (انڈیا)	شدت: 7.7	ہلاکتیں: 20023
26 دسمبر 2003ء	بام (ایران)	شدت: 6.6	ہلاکتیں: 31000
26 دسمبر 2004ء	سماٹرا (انڈونیشیا)	شدت: 9.1	ہلاکتیں: 227898
8 اکتوبر 2005ء	پاکستان	شدت: 7.6	ہلاکتیں: 80361
12 مئی 2008ء	سیچوان (چین)	شدت: 7.9	ہلاکتیں: 87587
12 جنوری 2010ء	ہیٹی	شدت: 7.0	ہلاکتیں: 222570

اور حال ہی میں 11 / مارچ 2011ء بروز جمعہ جاپان کے معیاری وقت کے مطابق دوپہر پونے تین بجے کے قریب ایک زبردست سونامی زلزلے سے تباہی پھیل گئی۔

جاپان کے اس حالیہ زلزلے کی ریکٹرسکیل پر شدت آٹھ اعشاریہ نو (8.9) ریکارڈ کی گئی، اور اس کا مرکز ٹوکیو سے چار سو (400) کلومیٹر دور، سمندر میں بیس (20) میل گہرائی میں بتایا گیا۔

ماہرین کے مطابق جاپان کی تاریخ کا یہ شدید ترین زلزلہ تھا، اور گزشتہ 140 برس کے دوران آنے والا یہ سب سے شدید زلزلہ تھا۔

ہلاک ہونے والے افراد کی اکثریت سونامی کی دس میٹر یا 33 فٹ بلند اونچی لہروں کی نذر ہو گئی، جو ٹوکیو کے شمالی علاقے میں مشرقی ساحل سے دس کلومیٹر اندر تک داخل ہو گئیں۔

سونامی کی لہروں کے راستے میں آنے والے دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور ''رکوزنتا کادا'' کے شہر کو زبردست نقصان پہنچا، شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگ گئی۔

سونامی زلزلے کی طوفانی لہریں گھروں، عمارتوں، کاروں، بڑے بڑے کنٹینروں اور کشتیوں اور چھوٹے بحری جہازوں کو کوڑا کرکٹ کی طرح بہا کر لے گئیں، زلزلے کے وقت عمارتیں کاغذوں کی طرح جھولتی اور لرزتی رہیں۔

اس بدترین زلزلے سے جاپان کے ایک جوہری گھر (فوکوشیماری ایکٹر) کو بھی غیر معمولی نقصان پہنچا، ایٹمی بجلی گھر میں آگ لگنے سے 40 لاکھ گھر تاریکی میں ڈوب گئے۔

ساحلی شہروں میں 2 جوہری پاور پلانٹ بند کردیے گئے۔

زلزلے سے ٹوکیو کا ریلوے نظام بھی درہم برہم ہوگیا، متعدد عمارتیں زمین بوس ہوگئیں، جب کہ ایک ٹرین، بحری جہاز اور لاتعداد افراد لا پتہ ہیں، زلزلے کی وجہ سے آئل ریفائنری جل گئی اور ایک پٹروکیمیکل کمپلیکس تباہ، جب کہ درجنوں عمارتوں کو آگ لگ گئی۔

جاپان کے وزیراعظم ناوتو کان نے اعتراف کیا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جاپان کا یہ زلزلہ اور سونامی تباہی کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔

قارئین ملاحظہ فرمایے! یہ سب کچھ تباہی ایک ایسے ملک میں سامنے آئی ہے، جو کہ اس وقت دنیا کی ترقی یافتہ ریاستوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور ہر قسم کی جدید ٹیکنالوجی سے مالا مال ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت کے مقابلے میں تمام تر جوہری طاقت اور جدید ترین ٹیکنالوجی، دھری کی دھری رہ گئی، اور یہ سب کچھ آناً فاناً چند منٹوں میں ہوگیا۔

جس سے اس بات کے سمجھنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت کے مقابلے میں ساری دنیا ایک ذرۂ ناچیز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

اسی کے ساتھ اس قسم کے خطرناک زلزلوں کی آمد اور ان کی تباہی سے اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اب قیامت کا زمانہ دور نہیں ہے، اس لیے جو گناہ خاص طور پر زلزلوں کا سبب ہیں، ان سے بچنے اور توبہ واستغفار کرنے کی بہت سخت ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ" ربیع الآخر/1432ہجری اپریل/2011ء، جلد 8 شمارہ 4)

(85)

کرکٹ میچ اور اس کی خرافات و منکرات

مورخہ 30 / مارچ / 2011 عیسوی، 24 / ربیع الآخر/ 1432 ہجری بروز بدھ کو بعدظہر مارکیٹ میں کچھ ضرورت پڑنے پر معلوم ہوا کہ آج ہندوستان اور پاکستان کا کرکٹ میچ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے مارکیٹ کے لوگ میچ دیکھنے میں مصروف ہیں، اور آج آپ کا فلاں کام نہیں ہوسکتا۔

جس کو سن کر بڑا تعجب ہوا کہ لوگ میچ کے اتنے مجنون اور دیوانے ہیں کہ دین اور دنیا کے اہم اور ضروری کام چھوڑ کر اور چھٹی کر کے میچ دیکھنے میں مشغول ہیں۔

جب بعض دوسرے احباب سے اس پر بات ہوئی، تو اور بھی عجیب وغریب باتیں معلوم ہوئیں، معلوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے بھی سرکاری طور پر میچ کی وجہ سے دوپہر کو چھٹی کردی گئی ہے، اور پاکستان کے وزیراعظم صاحب بھی چند وزیروں، مشیروں کو لے کر میچ دیکھنے کے لیے ہندوستان تشریف لے گئے ہیں، اور جگہ جگہ مسافروں کو راستوں اور گزرگاہوں میں مشکلات کا سامنا ہے، کیوں کہ ٹیکسی اور رکشہ ڈرائیور، حضرات اپنا کام کاج چھوڑ کر میچ دیکھنے میں مشغول ہیں۔

جب عصر کے بعد گھر جانے کے لیے ادارہ سے باہر نکلنا ہوا، تو راستوں پر عجیب وغریب مناظر سامنے آئے، بعض مقامات پر بھنگڑے، دھما چوکڑی، ہو رہی تھی، لڈیاں ڈالی جا رہی تھیں، اور آتش بازی کے ساتھ ناچ گانا ہو رہا تھا، اور اندھا دھند ہوائی فائرنگ ہو رہی تھی، جگہ جگہ دکانوں، ہوٹلوں وغیرہ پر لوگ، جن میں بچے بڑے، اور بوڑھے سب شامل تھے، میچ دیکھنے کے لیے جمع تھے۔

گزرگاہوں پر اپنی گاڑیوں اور موٹرسائیکلوں پر مختلف لوگوں نے پاکستانی جھنڈے نصب کیے

ہوئے تھے، اور موٹر سائیکلوں کے سائیلنسر نکال کر شور کرتے ہوئے گزر رہے تھے، اور بہت سے نوجوانوں اور بچوں نے کھلاڑیوں والا لباس پہن رکھا تھا، اور اپنے چہروں پر سبز پرچم کی تصاویر رنگ سے بنوائی ہوئی تھیں، اور اپنی اچھی خاصی انسانی شکل وصورت کو کارٹون نما بنایا ہوا تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد بھی وقفہ وقفہ سے فائرنگ کی زوردار آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جس کی وجہ سے معمولاتِ زندگی میں خلل واقع ہو رہا تھا، اور مریضوں اور بچوں کو آرام کرنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔

اس قسم کے مناظر سامنے آنے اور معلوم ہونے پر افسوس ہوا کہ ایک گیند بلے کے اس کھیل پر جو بنیادی طور پر چھوٹے بچوں کا کھیل شمار ہوتا ہے، یہ کیا کچھ تماشا ہو رہا ہے، اور اللہ کرے کہ کسی طرح اس قوم کے دل ودماغ سے میچ اور کھیل کا یہ بھوت کسی طرح اتر جائے۔

عشاء کی نماز سے قبل ایک صاحب نے فون پر مسئلہ معلوم کیا کہ میں ایک مسجد میں امام ہوں، اور متعدد لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں تمام نمازیوں سے پاکستان کے میچ میں فتح یاب ہونے کی دعا کرائیں۔

میں نے ان کو اس خرافات سے منع کیا، اور عرض کیا کہ مروجہ میچ جو بے شمار خرافات ومنکرات پر مشتمل ہے، اس کے لیے دعا کرنا کسی طرح زیب نہیں دیتا، اور بالخصوص مسجد جو اللہ کا گھر ہے، اس کو تو کم از کم ان خرافات سے محفوظ وپاک رکھنا چاہیے، اور چند ایک عبادت گزار لوگ، جو اس جنون سے بچے ہوئے ہیں، کم از کم انھیں تو اس جنون میں مشغول اور اس کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہیے۔

انھوں نے بتلایا کہ فلاں بڑے مفتی صاحب نے بھی ٹی وی پر آ کر دعا کرائی ہے، اور مساجد میں بھی دعائیں ہو رہی ہیں۔

میں نے کہا کہ یہ دوسروں کا معاملہ ہے، ہمیں ان کے طرزِ عمل سے اتفاق نہیں، اور اگر اللہ

تعالیٰ کو اس میچ میں شکست منظور ہوئی، جب کہ بظاہر حکمت بھی اسی میں نظر آتی ہے، تاکہ قوم کا جنون ٹوٹے اور بے شمار خرافات ومنکرات سے نجات حاصل ہو۔

اور جب میچ جیتنے سے پہلے یہ خرافات ومنکرات ہیں، تو جیتنے کے بعد تو معلوم نہیں کیا حالت ہوگی؟

تو ہماری سرِ عام دعاؤں کو نشر کرنے سے یہ نقصان ہوگا کہ ہندوؤں سمیت دنیا بھر کے مذاہب والے الزام عاید کریں گے کہ نعوذ باللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اللہ نے ان کی دعا نہیں سنی، اور ہندوؤں کے بتوں نے سن لی، تو یہ طرزِ عمل بہت بڑی سُبکی اور بدنامی کا باعث ہوگا۔

خیر آہستہ آہستہ فائرنگ اور شور شرابے کا سلسلہ تھم گیا، بعد میں معلوم ہوا کہ پاکستان کی ٹیم کو اس میچ میں شکست ہوگئی ہے۔

اس میچ کے دوران اور بعد میں ہونے والے چند واقعات اخباروں میں بھی شائع ہوئے۔

چنانچہ اخبار کے مطابق اس میچ کے نتیجے میں چالیس ارب روپے کی بھاری رقم کراچی سے جوئے کی شکل میں ہندوستان منتقل ہوگئی، اور رقم کی منتقلی کا یہ انتظام کرکٹ کھلاڑیوں، بعض سیاستدانوں اور سرکاری عہدے داروں کی نگرانی میں سرانجام پایا۔

اولاً تو اسلام میں جوا کھیلنا ہی حرام اور سخت گناہ ہے، اور جس کھیل پر اتنا بڑا جوا کھیلا جارہا ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟

پھر ہمارے ملک کی جو معاشی حالت ہے، اس کے پیشِ نظر اتنی بڑی رقم کا ملک سے باہر منتقل ہونا، دین کے علاوہ معاشی اعتبار سے بھی تباہ کن ہے۔

اخبار کی خبر کے مطابق اس میچ کے دوران ہونے والی فائرنگ کے نتیجے میں بے شمار افراد زخمی یا ہلاک ہوگئے، اور بعض لوگ میچ ہارنے کے صدمے میں اپنی زندگی کی بازی بھی ہار گئے، جو بظاہر ''خسر الدنیا والآخرة'' کا مصداق ہے۔

شدید غم وغصے کے نتیجے میں ہونے والے مالی نقصان کے واقعات کو شمار کرنا مشکل ہے۔

میچ میں شکست کے بعد جشن منانے کے سارے منصوبے اور تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

اخبار کے مطابق قومی ٹیم کی کام یابی کے لیے کئی روز سے دعائیں جاری تھیں، لیکن یہ دعائیں کارگر ثابت نہ ہوسکیں (روزنامہ جنگ، وایکسپریس، 31 مارچ، 2011ء)

ملاحظہ فرمائیے کہ جس قوم کے منکرات وخرافات پر مشتمل کھیل کے شوق اور جنون کی یہ حالت ہو، اس کے لیے دعائیں کیوں کر قبول ہوسکتی ہیں؟ بلکہ ایسے موقع پر تو قبول نہ ہونے میں ہی خیر ہے، ورنہ نا معلوم کیا کچھ خرافات ومنکرات ہوتے؟

واقعہ یہ ہے کہ کھیل کے شوق اور کرکٹ میچوں کے لایعنی مشغلے نے قوم کی دینی اور دنیاوی صلاحیتوں کو برباد کر کے دکھ دیا ہے۔

ایک ایسا کھیل جو بنیادی طور پر بچوں کا دل بہلانے کے لیے ہے، وہ اب ایک پیشہ اور مقصدِ زندگی بن گیا ہے، جو کھلاڑی کھیلتے ہیں، یہ ان کا پیشہ ہوتا ہے، جس پر انھیں بھاری معاوضہ ملتا ہے، اور ساری قوم ان چند کھلاڑیوں کے پیشہ کی خاطر اپنی جان، مال اور وقت کو برباد کرتی ہے، اس کی حقیقت ''کامی کام کرے، اور بے وقوف ساتھ پھرے'' سے زیادہ نہیں۔

پھر اس کو دین اور مذہب وملت کی شکست وفتح کا ذریعہ سمجھنا بھی سراسر جہالت وحماقت ہے، کوئی ملک میچ جیت کر دنیا میں دوسرے ملکوں کو فتح کرنے والا شمار نہیں ہوتا، بلکہ ایک دن میں ساری قوم کی صلاحیتیں میچ دیکھنے میں مصروف ہونے سے بہت بڑا معاشی نقصان اور تنزلی ہوتی ہے، اسی طرح اس سے کوئی دینی فائدہ یا ترقی بھی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس کھیل کے ذریعے سے دین میں تنزلی ہوتی ہے۔

پھر یہ مروَّجہ کھیل ترقی کا کہاں ذریعہ ہوا؟ بلکہ یہ تو تنزلی کا ذریعہ ہوا۔

بہرحال یہ واقعہ ملی واجتماعی اور قومی سطح پر زندگی اور ریاست کے مقاصد وترجیحات کی تعیین کے باب میں ہمارے دیوالیہ پن کی ایک مثال ہے، شاید مستقبل کا مورخ ہمارے ملی وقومی

انحطاط کے اسباب کی تعیین وتشخیص کرتے ہوئے، اس قسم کی مثالوں کو بھی ثبوت میں پیش کرے گا۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو ان کھیلوں کی خرافات سے بچائے، مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہ کرکٹ ٹیم کا حصہ بنے، نہ اس پر وقت اور مال خرچ کرے، اور نہ ہی اس کے متعلق جستجو کرے۔

ہماری مخلصانہ وخیر خواہانہ رائے کے مطابق، خواہ کسی دوسرے کو اس سے اختلاف کیوں نہ ہو، اسلامی حکومت کے شرعی وعقلی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی اس کھیل کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ قوم ان خرافات سے نکل کر دنیا وآخرت کی ترقی کے کاموں میں اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرے۔

اللہ تعالیٰ قوم کو تعمیری کردار ادا کرنے اور فضولیات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ’’التبلیغ‘‘ جمادی الاولیٰ/1432ہجری مئی/2011ء، جلد8 شمارہ5)

(86)

جھوٹ عام کرنے میں میڈیا کا کردار

اس دور میں اکثر لوگ مختلف ذرائع ابلاغ اور میڈیائی دنیا سے جڑ گئے ہیں، اور دنیا جہان کے حالات وواقعات اور معلومات سے واقفیت کا انحصار، غالب بلکہ اغلب حد تک میڈیا پر ہو کر رہ گیا ہے۔

ٹی، وی، انٹرنیٹ گھر گھر پہنچ گیا ہے، یومیہ، اور ہفتہ وار اخباروں اور ریڈیو کا سلسلہ الگ ہے، اس کے علاوہ موبائل فون کے ذریعے بھی بے شمار خبر رسانیوں کا کام لیا جا رہا ہے۔

لیکن ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی دوسری خرافات ومنکرات سے قطع نظر خبر رسانی، واقعات کی ترسیل اور حالات کے تجزیہ وتحلیل میں کردار اور طرزِ عمل بالعموم بہت ہی نامناسب، مایوس کن، خلطِ مبحث پر مشتمل، مکروفن اور دجل وتلبیس بن کر رہ گیا ہے۔

مختلف مادی اور مالی مفادات اور سفلی اغراض کو ملحوظ رکھ کر، سچ کو جھوٹ، جھوٹ کو سچ، حق کو باطل، باطل کو حق، مظلوم کو ظالم، ظالم کو مظلوم، نان ایشو کو ایشو، اور ایشو کو نان ایشو بنانا، میڈیا کے سامری جادوگروں اور بازی گروں کا پیشہ اور وطیرہ اور ان کے مشاغلِ روز وشب کا بڑا حصہ بن گیا ہے، جس کی وجہ سے ان کے کسب وکمائی کی بھاری مقدار بھی اسی باطل عمل کا نذرانہ وشکرانہ ہوتی ہے۔

بعض اوقات پوری دنیا کے سامنے علی الاعلان جھوٹ کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جھوٹ اور پروپیگنڈا ہونے کو جاننے کے باوجود بھی لوگ، اس میں دل چسپی لیتے اور اس سے وابستگی وتعلق رکھتے ہیں۔

پھر ڈھٹائی کے ساتھ اپنی نفسانی، دنیاوی اور جاہی خواہشات واغراض کی بنیاد پر جھوٹ بولنے اور جھوٹی اور مصنوعی خبر نشر کرنے کا معاملہ انٹرنیشنل میڈیا، یا پھر سرکاری میڈیا تک محدود وخاص

نہیں رہا، بلکہ پرائیویٹ میڈیا بھی اس میں پیش پیش ہے، اور دنیا بھر اور ملک کے موجودہ انتشار وخلفشار اور فتنوں وخرابیوں کا ایک حد تک ذمہ دار بھی ہے۔

ان حالات میں میڈیا سے تعلق قائم رکھنے کے بعد انسان کا حقیقت اور سچ پر قائم رہنا انتہائی مشکل کام ہے، مسلسل تجربات ومشاہدات سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ موجودہ حالات میں مروجہ ذرائع ابلاغ پر سچ اور جھوٹ کا دار ومدار نہیں رکھا جاسکتا۔

دوسری طرف عام لوگوں کے مزاج میں کسی بات کی تصدیق وتکذیب کی تحقیق کا صحیح ذوق بھی نہیں رہا، جس کی وجہ سے یہ توقع بھی نہیں کہ آسانی سے جھوٹ کی تکذیب اور سچ کی تصدیق کی جاسکے، اور جھوٹے پروپیگنڈے اور دجل وفریب اور حق وباطل کی تلبیس سے بچا جاسکے۔

اس لیے حق وباطل کو سمجھنے اور سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میڈیائی دنیا سے نکل کر اپنی سوچ وسمجھ کا صحیح استعمال کرے، اور حقائق وغیر حقائق اور حق وباطل میں امتیاز کی کوشش کرے، جوکہ اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک میڈیائی دنیا سے کسی حد تک اپنے دامن کو بچا کر نہ رکھا جائے، اور شریعت کے بیان کردہ تصدیق وتکذیب کے اصولوں کو اختیار نہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (سورۃ الحجرات، رقم الآیۃ ٦)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو خوب تحقیق کرلیا کرو، پس کہیں کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے (سورہ حجرات)

قرآن مجید کے اس فیصلے سے واضح ہوا کہ فاسق کی خبر کا اعتماد اس وقت تک نہیں کرنا چاہیے، جب تک پوری تحقیق وتفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہوجائے، ممکن ہے کہ کسی

فاسق شخص نے کسی فاسد غرض سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی ہو۔

جب فاسق کی بات کی بھی تحقیق کر لینے کا حکم ہے، تو کافر کی بات کا معاملہ تو اور زیادہ کم زور ہے، اس کی بات کی تحقیق کیوں کر ضروری نہ ہوگی؟ اور عام طور پر اگر میڈیا کے ذمہ دار کافر نہ ہوں، تو فاسقوں کی اکثریت میں تو شبہ نہیں۔

لیکن تعجب ہے کہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر نشر ہونے والی سچی، جھوٹی بات پر فوراً سے پہلے یقین کر لیا جاتا ہے، اور دن رات اس کے چرچے کیے جانے لگتے ہیں، پھر بعد میں اس کے متعلق، جھوٹ کا پلندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے موجودہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر آنے اور نشر ہونے والی ہر خبر کی تصدیق اور اس پر یقین کر لینے کے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے، اور تحقیق کیے بغیر کوئی حکم لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1432ہجری جون/2011ء، جلد8 شمارہ6)

(87)

وطنِ عزیز کی قدر کیجیے

واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے وطنِ عزیز ''ملکِ پاکستان'' کو بے شمار دینی اور دنیاوی نعمتوں سے نوازا اور یہ کہنا چاہیے کہ مالا مال فرمایا ہے، جو مجموعی طور پر دوسرے ملکوں کو عام طور پر حاصل نہیں، آب وہوا، موسم، مختلف فصلوں اور پھلوں کی پیداوار، اور کئی دوسری ایسی قدرتی نعمتیں وطنِ عزیز کو حاصل ہیں کہ جو عام طور پر بیش تر ملکوں کو حاصل نہیں۔

اسی کے ساتھ موجودہ پرفتن دور میں اللہ تعالیٰ نے وطنِ عزیز میں بعض جہات سے دین کی جو خدمات اور ان کے مواقع اور اہلِ علم اور اکابر کی محنتوں سے دین کا جو آزادانہ ماحول فراہم کیا ہے، وہ بھی عظیم نعمت ہے، جس سے بڑے بڑے مسلم ممالک بھی محروم ہیں۔

اور ان چیزوں کا احساس درحقیقت ان لوگوں کو ہوتا ہے، جو مختلف ممالک کے دورے کرتے اور اپنے دل ودماغ میں دینِ اسلام کی کچھ قدر رکھتے ہیں، کسی نئی چیز یا نئی جگہ کو اول وہلہ میں دیکھ کر اچھا لگ جانا ایک الگ چیز ہے، اور ''**کل جدید لذیذ**'' کا مصداق ہے۔

لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وطنِ عزیز میں رہنے سہنے اور اس کی نعمتوں کو برتتے رہنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے دل ودماغ میں وطنِ عزیز کی نعمتوں کی قدر اور ان کا احساس نہیں۔

شاید خدانخواستہ یہ نعمتیں سلب اور زائل ہوجائیں، تو پھر احساس ہو، مگر اس وقت احساس کا شاید معتدبہ فائدہ نہ ہو۔

دوسرا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایک بہت بڑے طبقے نے (جس میں بعض دینی لوگوں کے ساتھ ساتھ تقریباً ہر شعبۂ زندگی کے لوگ شامل ہیں) قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ہمیشہ وطنِ عزیز میں کانٹے ہی محسوس کیے اور نکالے ہیں، اور خود ناشکری کا رونا رونے کے ساتھ

ساتھ دوسروں کو بھی وطنِ عزیز کے بارے میں برا تاثر پیش کرنے بلکہ بعض نوجوانوں کو جذباتی حد تک مایوس کرنے کا درس دینے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض مقتداؤں کے ساتھ عوام کا بڑا طبقہ بھی وطنِ عزیز کے بارے میں ہمیشہ برا تاثر ہی پیش کرتا ہے۔

ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے بھی عموماً عوام کو یہی درس دیا جاتا ہے کہ وطنِ عزیز میں یہ ہوگیا، وہ ہوگیا، یہاں یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے، اور ملک تباہ ہو چکا ہے، یا ہونے والا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس کا بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ عوام میں تعمیر وترقی کے جذبہ کے بجائے، کم ہمتی اور مایوسی جیسے رجحانات پیدا ہوتے، بڑھتے اور ترقی کرتے ہیں۔

اولاً تو اچھے اور مثبت پہلوؤں کو چھوڑ کر ہمیشہ منفی اور برے پہلوؤں کا ہی رونا روتے رہنا ناانصافی ہے، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھا جائے، اور مثبت ومنفی اور اچھی وبری چیز کو اپنے اپنے درجہ پر رکھا جائے۔

دوسرے اگر کچھ برائیاں اور خرابیاں بھی ہیں، تو محض ان کا رونا روتے رہنا مسائل کا حل نہیں، بلکہ ان کے حل اور تعمیر وترقی کے لیے دامے، درمے، سخنے، قدمے کردار ادا کرنا ضروری ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مایوسی اور منفی چیزوں کا سبق بہت مدت تک پڑھ اور پڑھا لیا، اور ایک بہت بڑے طبقے کو جذباتی بنا کر وطنِ عزیز کی تباہی وبربادی کے لیے تیار کرلیا، اب یہ سلسلہ موقوف ہونا چاہیے، اور وطنِ عزیز کی قدر وقیمت کو پہچاننا چاہیے، اور دوسروں کو بھی اس کی اہمیت کا احساس دلانا چاہیے، اور ہمت وحوصلہ بلند رکھنے کے ساتھ تعمیر وترقی کے لیے مل جُل کر کام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1432ہجری جولائی/2011ء، جلد 8 شمارہ 7)

(88)

رمضان کا احترام یہ بھی ہے!!!

رمضانُ المبارک کا بابرکت اور مبارک مہینہ شروع ہونے والا ہے، جس کی کسی نہ کسی درجہ میں اہمیت سے تقریباً ہر مسلمان، بلکہ مسلمان کا بچہ بچہ واقف ہے، اور اپنی طرف سے ہر مسلمان اس مہینے کی تعظیم واحترام کرنے کی اپنی اپنی حیثیت وتوفیق کے مطابق کوشش بھی کرتا ہے۔

لیکن رمضان کے احترام وتعظیم کا ایک پہلو ایسا ہے کہ جس کی طرف سے عموماً مسلمان غفلت کا شکار اور غفلت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

وہ پہلو، دراصل زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانے اور کسی نہ کسی طرح مال بڑھانے اور جمع کرنے کی کوشش وجستجو ہے۔

عموماً ہر سال رمضان المبارک کی آمد سے پہلے اکثر اشیائے صَرف وخرچ اور بطورِ خاص روز مرہ کھانے پینے اور استعمال کی اشیا کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے۔

ابھی رمضان المبارک کا آغاز ہوتا نہیں، اور جونہی کسی کے کان میں یہ آواز پڑتی ہے، یا کسی طرح اس کا احساس ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کی آمد قریب ہے، تو فوراً پیسہ کی فکر لاحق ہوجاتی ہے، اوپر سے لے کر نیچے تک ہر شعبہ وپیشہ سے تعلق رکھنے والے کو گویا کہ ہائے پیسہ ہائے پیسہ کا دورہ پڑنا شروع ہوجاتا ہے۔

رمضان المبارک کی آمد کا نام سُن کر ذخیرہ اندوز حرکت میں آجاتے ہیں، اور اشیائے ضروریہ کی ترسیل روک دیتے ہیں، ہر شخص اپنی حسبِ قدرت کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح سے دوسرے دنوں میں جو چار پیسے کمائے تھے، اب چار پیسوں کے بجائے آٹھ پیسے کمانا چاہییں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماہِ رمضان کے شروع ہوتے ہی، ہر چیز کی قیمت میں اضافہ دیکھنے میں

آتا ہے۔

اور ہر شخص اپنی مصروفیات کو، پیسہ زیادہ سے زیادہ کمانے کے لیے بڑھالیتا ہے۔

حالانکہ رمضان المبارک کا مہینہ آخرت کی کمائی کرنے کا مہینہ ہے، اس کو چھوڑ کر بلیک مارکیٹنگ، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری اور دیگر مختلف قسم کے جائز وناجائز طریقوں سے دنیا کمانے کی فکر میں پڑ جانا، رمضان کے احترام وتعظیم کی خلاف ورزی ہے۔

پھر جب اشیائے صرف وخرچ کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے، تو یقیناً اس سے روزہ داروں کو سحری وافطاری کے لیے کھانے پینے کی اشیا کی خریداری میں بھی دشواری پیش آتی ہے۔

جب کہ روزہ دار کو سحری اور بطور خاص روزہ افطار کرانے کا انتظام کرنے کی بڑی فضیلت ہے، جس کا تقاضا یہ تھا کہ ہر شخص اپنی حسبِ حیثیت روزہ داروں کے لیے سحری وافطاری کے انتظام میں سہولت وآسانی پیدا کرنے کی کوشش کرتا، مگر ہمارے ہاں گنگا الٹی ہی بہتی ہے، اور اسی ''ہائے پیسہ، ہائے پیسہ'' کے روحانی کینسر میں مبتلا ہونے اور اس کی خاطر، جھوٹ بولنے، کم ناپنے، کم تولنے، جعل سازی، فریب کاری اور رشوت ستانی جیسے گناہوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا سایہ اُٹھ جاتا ہے، اور رحمت کے بجائے زحمت مقدر بن جاتی ہے، کبھی عین رمضان المبارک کے مہینے میں دردناک زلزلے آتے ہیں، تو کبھی خطرناک سیلاب اور طوفان۔

افسوس ہے کہ مسلمان، ان تنبیہاتی کوڑوں اور تازیانوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے، اور اپنی اصلاح کا سامان نہیں کرتے، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غفلت وبے حسی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

''رمضان المبارک'' مسلمانوں کا مقدس مہینہ ہے، دیگر مذاہب میں مقدس زمانوں کے مواقع پر بلکہ کچھ پہلے ہی اشیائے صرف وخرچ کی قیمتوں میں مذہبی جذبات کی خاطر کمی کردی

جاتی ہے، خواہ نصاریٰ کے کرسمس کا موقع ہو یا ہندوؤں کی ہولی یا دیوالی کا موقع۔

مگر مسلمانوں کی حالت باوجود سچے دین کے حامل ہونے کے اس سلسلے میں انتہائی ابتر ہے۔

اگر خود سے اپنی مذہبی تعلیمات کی طرف توجہ نہیں، تو دوسرے مذاہب والوں کی شرم سے ہی عبرت پکڑ لینا چاہیے، اور اگر ایسا بھی نہیں تو پھر اس حالت کو بے حسی کے علاوہ کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ رمضان المبارک کے بابرکت اور مقدس و معظم موقع پر ہر شخص دوسرے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے، اور بطور خاص اشیائے صرف وخرچ کے مہیا کرنے میں سہولت پیدا کرے، غیر اخلاقی وغیر شرعی حربوں سے دنیا کمانے کی فکر میں پڑنے کے بجائے آخرت کی زیادہ سے زیادہ کمائی کا اہتمام کرے، کیوں کہ رمضان کا احترام یہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/ رمضان المبارک/ 1432 ہجری اگست/ 2011ء، جلد 8 شمارہ 8)

(89)

ماہِ شعبان میں رمضان کا آغاز

آج کل ملک کے مختلف حصوں میں رمضان کے آغاز واختتام پر عجیب کش مکش سامنے آتی ہے، اور ملک کے مختلف حصوں میں رمضان کے آغاز اور عید کے اندر اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، جب کہ عموماً پاکستان جیسے دیگر ممالک میں ایسی صورتِ حال پیش نہیں آتی ، اور انڈیا کا ملک، باوجودیکہ پاکستان کے مقابلے میں غیر معمولی وسیع رقبہ وآبادی پر مشتمل ہے، مگر وہاں بھی عام طور پر اس طرح کی صورتِ حال پیش نہیں آتی۔

اس مرتبہ ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں رمضان کا آغاز شعبان کی تاریخ کے لحاظ سے اٹھائیس تاریخ کے بعد ہوگیا، جب کہ پہلے سے عموماً شعبان کے آغاز یا شعبان کے چاند کی رؤیت اور اس کی تاریخوں میں اختلاف بھی رونما نہیں ہوا تھا۔

یہ طرزِ عمل شرعی تعلیمات اور فقہی اصولوں سے میل نہیں کھاتا۔

کیوں کہ شعبان کے آخر میں یعنی رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزے رکھنے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔ [1]

اگر انتیس شعبان کو شرعی اصولوں کے مطابق چاند کی رؤیت نہ ہوسکے، تو پھر شریعت کی طرف

---

[1] عن حذيفة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم" :-لا تقدموا الشهر حتى تروا الهلال أو تكملوا العدة، ثم صوموا حتى تروا الهلال أو تكملوا العدة "(ابوداؤد، رقم الحديث ٢٣٢٦، كتاب الصوم)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية سنن ابى داؤد)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال :لا يتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين، إلا أن يكون رجل كان يصوم صومه، فليصم ذلك اليوم (بخارى، رقم الحديث ١٩١٤، كتاب الصوم، باب :لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين، عن ابى هريرة)

سے تیس دن پورے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

شریعت نے شعبان کے تیس دن پورے کرنے کا معیار، شعبان کے چاند کی معتبر رؤیت کو قرار دیا ہے۔ [2]

اسی وجہ سے جس طرح شوال کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس سے پہلے شعبان اور رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

اور اسی بنا پر اگر کسی دن کے بارے میں رمضان ہونے کا شک ہو، تو اس میں رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھنا بھی ممنوع ہے۔ [3]

---

[1] عن أبي هريرة قال :قال النبي صلى الله عليه وسلم :لا تقدموا الشهر بيوم ولا بيومين، إلا أن يوافق ذلک صوما کان يصومه أحدكم، صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم فعدوا ثلاثين ثم أفطروا(سنن الترمذی، رقم الحديث ۶۸۴، ابواب الصوم، باب ماجاء لاتقدموا الشهر بصوم)

قال الترمذی: وفي الباب عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم .رواه منصور بن المعتمر، عن ربعي بن حراش، عن بعض أصحاب النبي ﷺ بنحو هذا .حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، "والعمل على هذا عند أهل العلم :كرهوا أن يتعجل الرجل بصيام قبل دخول شهر رمضان لمعنى رمضان، وإن كان رجل يصوم صوما فوافق صيامه ذلک فلا بأس به عندهم "

[2] عن أبي هريرة ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أحصوا هلال شعبان لرمضان ولا تخلطوا برمضان إلا أن يوافق ذلک صياما كان يصومه أحدكم وصوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غم عليكم فإنها ليست تغمى عليكم العدة(سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۲۱۷۴، کتاب الصيام)

قال الالبانی:وأقول :إنما هو حسن فقط(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۵۶۵)

عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أحصوا هلال شعبان لرمضان، ولا تصلوا رمضان بشيء إلا أن يوافق ذلک صوما كان يصومه أحدكم (شرح السنة للبغوی، ج۶، ص ۲۴۰، باب لا يتقدم شهر رمضان بصوم يوم أو يومين)

[3] عن صلة بن زفر، قال: كنا عند عمار بن ياسر في اليوم الذي يشک فيه من رمضان فأتى بشاة، فتنحى بعض القوم، فقال عمار بن ياسر :من صام هذا اليوم فقد عصى أبا القاسم صلى الله عليه وسلم(صحيح ابنِ حبان ، رقم الحديث۳۵۹۶)

قال شعيب الارنؤوط:رجاله ثقات رجال الصحيح(حاشية صحيح ابنِ حبان)

عن ربعي ، أن عمار بن ياسر وناسا معه أتوهم بمسلوخة مشوية في اليوم الذي يشک فيه أنه من رمضان ، أو ليس من رمضان ، فاجتمعوا واعتزلهم رجل ، فقال له عمار :تعال فكل ، قال :فإني صائم ، فقال له عمار :إن كنت تؤمن بالله واليوم الآخر فتعال فكل (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۹۵۹۵)

اوراس کی وجہ یہی ہے کہ شریعت نے رمضان کے روزوں کوشعبان کا مہینہ ختم ہونے کے بعد رمضان کا مہینہ شروع ہونے پر مقرر فرمایا ہے، اور رمضان کے مہینے کے شروع ہونے کی پوری وضاحت بھی اس طرح فرمادی ہے کہ ایک تو یہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اسلامی مہینہ کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے، نہ تیس سے زیادہ ہوتا، اور نہ انتیس سے کم، اور اسلامی مہینہ کے انتیس دن گزرنے کے بعد غروب ہونے پر (تیسویں رات میں) چاند کی معتبر رؤیت ہونے پر اگلے مہینے کا آغاز ہوتا ہے، ورنہ بہ صورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پوری کی جاتی ہے۔

دوسرے شریعت نے رمضان کا مہینہ شروع ہونے ، بلکہ شعبان کے اختتام سے پہلے ہی رجب کا مہینہ ختم ہونے کے وقت شعبان کے آغاز پر چاند کی حفاظت کے اہتمام کا حکم فرمادیا، تاکہ شعبان کے مہینے کے دنوں کی تعداد اور رمضان کے مہینے کا چاند دیکھنے کے وقت میں دشواری پیدا نہ ہو۔

پس جب تک شرعی قواعد کے مطابق (شعبان کے انتیس دن گزرنے پر چاند کی معتبر رؤیت اور بہ صورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پوری ہوکر) رمضان کے مہینے کا آغاز نہ ہو، اور شعبان کی انتیس یا تیس تاریخ ہو، اس وقت میں رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھنا گناہ ہے۔

اسی وجہ سے جمہور صحابہ وتابعین اور فقہائے کرام نے فرمایا کہ شک کے دن اور انتیس یا تیس شعبان کو روزہ رکھنا مکروہ وممنوع ہے، بلکہ اگر کوئی شک کے دن میں رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھے گا، اور بعد میں اسی حساب کو سامنے رکھ کر شرعی اصولوں کے بغیر انتیس یا تیس دن بعد عید منائے گا، تو اس کو بعد میں اس روزے کی قضا کرنا ہوگی۔

رمضان اور عید کا معاملہ کیوں کہ اجتماعی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس میں ہر شخص آزاد نہیں ہے، بلکہ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ نظام کے تابع ہے۔ [1]

---

[1] عن إبراهيم ، والشعبی ، أنهما قالا :لا تصم إلا مع جماعة الناس (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۹۵۸۸)

حدثنا وكيع ، عن أبی العيزار ، قال :أتيت إبراهيم فی اليوم الذی يشك فيه ، فقال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جب تک شرعی اصولوں کے مطابق رمضان کا شروع ہونا ثابت نہ ہو، اس وقت تک رمضان کے روزے سمجھ کر رکھنا، شریعت کی نظر میں انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے۔

اور شرعی اصولوں کو نظر انداز کر کے کسی کا اختلاف کرنا بھی شریعت کی نظر میں بہت برا عمل ہے، اسی وجہ سے اس کی موافقت کے بجائے مخالفت کا حکم ہے، کیوں کہ اس میں کئی خرابیاں اور فتنے لازم آتے ہیں، مثلاً:

(1)...... مہینے کے شروع اور ختم ہونے میں شرعی اصول وقواعد کی مخالفت۔

(2)...... شریعت کی طرف سے ایک مہینے کے لیے فرض کردہ روزوں کی مقدار پر زیادتی۔

(3)...... ایک دو روزے پہلے رکھنے اور رمضان کے آخری دن یا اس سے پہلے عید منا لینے کی صورت میں، ایک یا دو فرض روزوں کا ذمہ میں باقی رہ جانا۔ [1]

(4)...... باطل قوموں کے ساتھ مشابہت، جنھوں نے اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام میں زیادتی و اضافہ اور غلو کیا۔

(5)...... شرعی احکام میں تحریف وخلل کا آنا، کہ یہ طرزِ عمل مہینوں اور ان کے دنوں کو اپنی جگہ سے ہٹانے کا سبب ہے، جو کہ زمانۂ جاہلیت کا طریقہ تھا، اور اسے نسیٔ کی رسم کہا جاتا تھا۔

(6)...... اس طرزِ عمل کے نتیجے میں بعض اوقات شوال کے بجائے رمضان کے مہینے میں ہی کھُلَّم کھُلاّ عید منانا اور کھانا پینا، کہ جب انتیس یا تیس کی تعداد شوال کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لعلک صائم ، لا تصم إلا مع الجماعة(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۵۹۱)

حدثنا ابن فضیل ، عن مطرف ، عن عامر ، فی الیوم الذی یقول الناس إنه من رمضان ، قال :فقال :لا تصومن إلا مع الإمام ، فإنما کانت أول الفرقة فی مثل هذا(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۹۵۹۸)

[1] کیوں کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے روزہ فرض نہیں، اور اگر رکھا جائے تو اس سے فرض ادا نہیں ہوتا۔

چاند نظر آنے سے پہلے ہی پوری ہو جاتی ہے، تو کچھ لوگ رمضان ہی میں عید منا لیتے ہیں۔

(7)......اس طرزِ عمل کی وجہ سے امت میں انتشار وافتراق کا ہونا۔

اور ظاہر ہے کہ ان امور میں سے ہر ایک اپنی جگہ مستقل فتنہ اور شرعی منکر ہے، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے ان سب فتنوں کا سدِ باب کر دیا۔

جب تک مسلمان مجاز حاکم کی طرف سے شرعی اصولوں کے مطابق رؤیتِ ہلال اور رمضان کے مہینے کے آغاز کا فیصلہ نہ ہو، اس وقت تک مجاز ہیئتِ حاکمہ کی مخالفت کرتے ہوئے کھلے عام رمضان کا روزہ رکھنا اور اس سے بڑھ کر دوسروں کو بھی اس کی دعوت وترغیب دینا، منع اور امت میں تفریق وانتشار کا باعث ہے۔

اس لیے شریعت کی طرف سے مجاز حاکم کے فیصلہ کو اس سلسلے میں اہمیت دی گئی ہے۔

شریعت نے مسلمان حاکم یا قاضی (یا اس کے قائم مقام) کو چاند کی گواہی لینے کے بعد شرعی اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے، پس جہاں اس کا انتظام ہو، وہاں اس کے فیصلے کو ہی اجتماعی اعتبار سے معیار قرار دیا جائے گا (مگر یہ کہ وہ فیصلہ ہی شرعی اصولوں کے خلاف ہو، جس کی تحقیق اہلِ علم حضرات کا کام ہے)

آج کل پاکستان میں ''مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی'' کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہے (اور اہلِ علم حضرات کے فتوے کی رو سے عموماً اس کمیٹی کا فیصلہ شرعی اصولوں کے مطابق ہوتا ہے)

پاکستان کی موجودہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی جو رمضان وعیدین اور دیگر قمری مہینوں کے چاند کے نظر آنے کا فیصلہ کرتی ہے، اس کی حیثیت قضائے قاضی کی ہے جو ملک کے باشندگان کے لیے حجتِ شرعیہ ہے، اس لیے اس کے برخلاف باشندگانِ ملک کا انفراداً یا کسی متوازی کمیٹی کے فیصلے کی بنیاد پر چاند کی رؤیت کا عمومی فیصلہ صادر کرنا بالخصوص عید کروا کر روزہ چھڑانا درست نہیں ہے۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1432ہجری ستمبر/2011ء، جلد8 شمارہ9)

(90)

اپنے ووٹوں کا اندراج ضرور کرائیں

آج کل ملک کے مختلف حصوں میں ووٹ لسٹوں کی تیاری اور ووٹوں کے اندراج کا سلسلہ جاری ہے، اور شاید آخری مراحل میں ہے۔

لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ایک طرف تو انتخابات کا مروَّجہ طریق کار کئی خرابیوں پر مشتمل ہے، اور اس میں کئی اصلاحات کی ضرورت ہے، اور دوسری طرف ملک کے ایک بڑے طبقے بلکہ اکثریت کو ووٹوں کی اہمیت ہی کا اندازہ نہیں۔

اسی وجہ سے بے شمار لوگوں کے نزدیک ووٹ کے صحیح یا غلط استعمال، بلکہ سرے سے ووٹ کے استعمال ہی کی کوئی اہمیت نہیں، اس لیے وہ لوگ یا تو ووٹ کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، اور جب استعمال کی ضرورت نہیں سمجھتے، تو اپنے ووٹ بنوانے یا اپنا نام ووٹر لسٹوں میں شامل کروانے کی کیا ضرورت سمجھیں گے، پھر اگر کسی طرح ان کے ووٹ تیار ہو جاتے ہیں، اور پھر اس کے بعد انتخابات کے موقع پر کسی کے کہنے سننے یا کسی اور وجہ سے ووٹ کے استعمال پر آمادہ بھی ہو جاتے ہیں، تو اس کو دنیا کی ایک رسم سمجھ کر بغیر دور بینی کے کسی بھی امیدوار کے حق میں استعمال کر لینے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے۔

اس کے مقابلے میں دینی ذہن رکھنے والا ایک بڑا طبقہ وہ ہے کہ جو ووٹ کے استعمال کو اہمیت تو کیا دیتا، وہ موجودہ حالات میں اس کے استعمال ہی کو گناہ، بلکہ کبیرہ گناہ سمجھتا ہے، اور اس کا خیال یہ ہے کہ چونکہ مروجہ انتخابات کے طریقے میں شرعی تقاضوں کی رعایت نہیں ہے، یا عام طور پر موجودہ امیدواروں میں سے کوئی امیدوار بھی ووٹ کا صحیح اہل اور مستحق نہیں ہوتا، اس لیے اس کے گمان میں کسی بھی امیدوار کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا جرمِ عظیم سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ یا اس سے ملتے جلتے خیالات ہمارے معاشرے کے بہت سے دینی ذہن، یا دینی علم رکھنے والے طبقے میں پائے جاتے ہیں، اور اسی قسم کی وجوہات کے پیشِ نظر ہمارے معاشرے میں مجموعی طور پر ووٹوں کے استعمال کا تناسب، استعمال نہ ہونے والے ووٹوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے۔

مگر ہمیں دیانت داری کے ساتھ اور تعصّبانہ سوچ سے بالاتر ہو کر شرعی تناظر میں اس قسم کے خیالات سے اتفاق نہیں ہے۔

کیوں کہ بے شک مروجہ طریقۂ انتخاب، شرعی اعتبار سے قابلِ اصلاح ضرور ہے، لیکن اگر کسی کے دائرہ کار میں اس نظام کی اصلاح کا اختیار نہیں ہے، اور وہ نظام اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی چل رہا ہے، بلکہ ظاہری اسباب کے درجہ میں اس کی بنیاد پر انتخابات ہو رہے ہیں، اور امیدوار، منتخب ہو کر حکمران بن رہے ہیں، تو ان حالات میں ہم میں سے ہر فرد کو اپنی حد تک ووٹ کے صحیح استعمال کی ذمہ داری پوری کرنا ضروری ہے، بالخصوص جب کہ ملک کے فاسق وفاجر بلکہ کافر لوگ بھی، ووٹ استعمال کر کے اپنی پسند کے امیدوار کو تقویت پہنچا رہے ہوں، تو ایسے وقت میں دینی اور ملکی تعمیر وترقی کی سوچ رکھنے والے افراد کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ جب امیدواروں میں سے کوئی بھی دینی سوچ رکھنے والا امیدوار نہیں ہوگا، تو پھر کسی بھی امیدوار کے حق میں ووٹ کا استعمال کیوں کر جائز ہوگا؟ تو اس بارے میں عرض ہے کہ جس معاشرے میں امیدوار کے حق میں رائے استعمال کرنے والے افراد کی اکثریت فاسقوں، فاجروں اور نااہلوں کی ہو، اور دینی ذہن رکھنے والے اور شریف لوگوں کو ووٹوں سے کوئی سروکار ہی نہ ہو، تو اس ماحول میں اولاً تو دینی ذہن رکھنے والے امیدوار کو سامنے آنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوتا، کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حق میں ووٹ کے استعمال کا تناسب اس مقدار کے ساتھ نہیں ہوگا کہ جو اس کی کام یابی کا باعث ہو۔

اور اگر کوئی ایسا امیدوار کھڑا بھی ہوتا ہے، تو وہ تاریخی ناکامی کا منہ دیکھنے اور ضمانت تک ضبط ہو جانے کے باعث آئندہ کے لیے انتخابات میں حصہ لینے کا نام لینا بھی چھوڑ دیتا ہے۔

ان حالات کے پیشِ نظر یہ کہنا درست ہوگا کہ اچھی اور دینی ذہنیت رکھنے والے امیدوار افراد سامنے نہ آنے کا ایک سبب، اس ذہنیت کی موافقت نہ رکھنے والے افراد کا ووٹ استعمال نہ کرنا بھی ہے۔

اگر کہا جائے کہ موجودہ صورتِ حال میں سبب کچھ بھی ہو، لیکن اب سرِ دست اگر امیدواروں میں کوئی امیدوار بھی پوری اہلیت کا حامل نہ ہو، تو پھر ووٹ ڈالنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ شریعت نے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکا، اور گدھے گھوڑے برابر نہیں کیے، بلکہ ایسی صورتِ حال میں شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ جو برائی میں کم ہو، اس کا انتخاب کیا جائے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر امیدواروں میں سے کسی ایک امیدوار کی حالت، دوسروں کے مقابلے میں کم شر والی ہو، تو اس کے حق میں اس نیت سے ووٹ کا استعمال کرنا، تاکہ اس سے بڑے شر والے امیدواروں کی قوت وشوکت کم زور اور مغلوب ہو، شریعت کے اصول وقاعدہ کے عین مطابق ہے۔

اس کے برعکس ووٹ کو سِرے سے استعمال نہ کرنا، درحقیقت دوسروں کے لیے میدان خالی چھوڑ دینا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اس میدان میں ووٹ استعمال کرنے والوں کی اکثریت، اچھے لوگوں کی نہیں ہے، اور وہ لوگ اپنے جیسے لوگوں کے انتخاب ہی کو ترجیح دیتے ہیں، اس صورتِ حال میں ان کے مقابلے میں ووٹ کا استعمال نہ کرنا بھی، دراصل ایک طرح سے ان کو قوت بہم پہنچانا ہوا۔

پھر تمام برائیاں ایک وقت میں ہی ختم نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے ختم ہونے میں وقت لگتا ہے،

اگر آج ایک کم برائی والے امیدوار کو تقویت حاصل ہوگی، اور اس کے مقابلے میں زیادہ برائی والے کی حوصلہ شکنی ہوگی، تو کل آنے والے وقت میں مزید اچھے لوگوں کو اس میدان میں آگے بڑھنے میں حوصلہ محسوس ہوگا، اور برے لوگوں کو حوصلہ نہیں ہوسکے گا۔

اس قسم کی وجوہات کا تقاضا یہ ہے کہ موجودہ حالات میں بھی ہر شخص کو دیانت دارانہ وذمہ دارانہ طریقہ پر ووٹ کا استعمال ضرور کرنا چاہیے۔

ووٹ کے بروقت استعمال کرنے کا حق ظاہر ہے کہ اسی فرد کو حاصل ہوسکے گا کہ جس کا ووٹوں کی لسٹوں میں اندراج ہو، اور اس کے نام کا ووٹ بنا ہو، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے ووٹوں کا بروقت اندراج ضرور کرائیں، اور اس کے بعد انتخابات کا وقت آنے پر دوسروں کے مقابلے میں بہتر یا بدتر سے بہتر امیدوار کے حق میں دیانت داری کے ساتھ ووٹ استعمال کرنے کی ذمہ داری بھی پوری کریں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب یہ سیاسی میدان گرم ہو، اور آپ کسی امیدوار کو دوسروں کے مقابلے میں اہل و مستحق سمجھ کر اس کی قوت کو بڑھانے اور اس کے مقابلے میں دوسروں کی قوت کو کمزور کرنے کے خواہش مند ہوں، اس وقت آپ کے پاس کوئی اختیار نہ ہو۔

پھر آیندہ متوقع پانچ سالوں کے لیے آپ کو شریر ترین حکمرانوں کے ہی زیرِ سایہ ظلم وستم کی چکی میں پسنا پڑے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1432ہجری اکتوبر/2011ء، جلد8 شمارہ10)

---

(91)

قربانی کے عمل میں ایذا رسانی

عیدالاضحیٰ کی آمد آمد ہے، اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر بحمداللہ تعالیٰ بے شمار مسلمان، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانوروں کی قربانی کر کے نذرانہ پیش کرتے ہیں، جو انتہائی مبارک عمل ہے، مگر بہت سے لوگ اس واجب عمل کے نتیجے میں کئی گناہوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، جن میں سے کئی گناہ بڑے گناہوں کی فہرست میں داخل ہیں۔

اس وقت ان تمام گناہوں کا احاطہ تو مشکل ہے، البتہ ایک گناہ جو مختلف شکلوں میں رونما ہوتا ہے، اس پر کچھ عرض کرنا ہے، وہ گناہ ایذا رسانی کا گناہ ہے، جس کا تعلق قربانی کے جانوروں کے ساتھ بھی ہے اور انسانوں کے ساتھ بھی، چنانچہ قربانی کے جانوروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور جانوروں کی بود و باش میں تکلیف دہ مناظر سامنے آتے ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانوروں کو منتقل کرنے کے لیے بے دردی سے گاڑیوں میں چڑھایا اور اتارا جاتا ہے، اور انتہائی تنگ جگہ میں بمشکل کئی کئی جانوروں کو کھڑا کر کے لمبا اور دور دراز کا سفر کیا جاتا ہے، اس عمل کے دوران بعض جانور زخمی ہو جاتے ہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور وہ قربانی کے قابل ہی نہیں رہتا، بعض جانور دم گھٹنے سے فوت بھی ہو جاتے ہیں۔

اور اگر زخمی یا چوٹ والے نہ ہوں، تو بہت زیادہ دکھن اور تھکن اور درد کی وجہ سے تکلیف اٹھاتے ہیں، مگر وہ اپنی زبانوں سے اپنے جسمانی دکھ درد کا اظہار نہیں کر سکتے، بعض جانوروں کو سردی اور باد و باراں کے موسم میں کھلے آسمان تلے رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے جانوروں کو سخت سردی لگتی ہے، اور ٹھنڈ لگنے سے، بخار یا دوسری بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جب کہ ان کے کھانے پینے کے سلسلے میں بھی بہت کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے، پھر ذبح کرنے کے وقت بھی اُن کے ساتھ ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک کیا جاتا ہے۔

حالانکہ شریعت نے جانوروں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں سخت ہدایات واحکامات جاری کیے ہیں، اور خصوصیت کے ساتھ قربانی کے جانوروں کو اسلامی شعائر میں شمار کر کے ان کی تعظیم وتکریم کا حکم فرمایا ہے۔

جانوروں کے ساتھ تکلیف دہ برتاؤ کے علاوہ قربانی کرنے والے بعض ایسی حرکات کے مرتکب بھی ہوتے ہیں، جو دوسرے انسانوں کے لیے بھی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔

چنانچہ بہت سے لوگ بغیر کسی عذر کے عین راستوں اور گزرگاہوں پر جانوروں کو ذبح کرتے اور کھال وغیرہ اتارنے کا عمل انجام دیتے ہیں۔

اوپر سے بہت سے لوگ قربانی کرنے کے بعد صفائی کا بھی اہتمام نہیں کرتے، گزرگاہوں پر ذبح کے بعد خون جمع ہو جاتا ہے، گزرنے اور آمدورفت کرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اور محلّہ پڑوس کے لوگ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے لوگ ذبح کے بعد جانوروں کی آلائش اور فضلات نالیوں اور گزرگاہوں پر اسی طرح ڈال دیتے ہیں، جو اسی طرح پڑے رہتے ہیں، اور اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، اور مختلف بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔

اس قسم کے طرزِ عمل سے بچنے کی ضرورت ہے۔

یہ ضرور ہے کہ آج کل بڑے شہروں کی گنجلگ وگنجان آبادیوں میں عوام الناس کو بھی کئی قسم کی مشکلات درپیش ہیں، لیکن اپنی طرف سے ممکن حد تک قربانی کے جانوروں کی اور قربانی کے نتیجے میں دوسرے لوگوں کی ایذارسانی سے بچنے کا اہتمام کرنے سے جان نہیں چرانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1432ہجری نومبر/2011ء، جلد8 شمارہ11)

(92)

گزرگاہوں پر تنگی نہ پیدا کیجیے

ہمارے یہاں معاشرتی بگاڑ کے نتیجے میں راستوں اور گزرگاہوں میں طرح طرح سے ایذاء رسانی کے مناظر سامنے آتے ہیں۔

ایک طرف تو ہمارے یہاں پہلے سے ہی گزرگاہوں اور راستوں میں تنگی کا سامنا ہے، اور اوپر سے آبادی، گاڑیوں اور ٹریفک میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، دوسری طرف تعمیراتی سلسلوں اور گاڑیوں کی پارکنگ کے نظم وضبط میں بھی سرکاری اور عوامی سطح پر غفلت پائی جاتی ہے۔

تیسرے رہائشی اور کاروباری امور کی خاطر گزرگاہوں کے بڑے حصے کو مشغول کرنے کا سلسلہ بھی عام ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اپنی عمارتوں کی سیڑھیاں، اور دروازے، گزرگاہوں کی حدود میں بنا دیتے ہیں، بہت سے کاروباری لوگ اپنا سامان اور سائن بورڈ وغیرہ، گزرگاہوں پر رکھ لیتے ہیں، ریڑھی والے اپنی ریڑھیاں گزرگاہوں پر لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور مستری، مکینک تک اپنے اوزاروں سمیت عین راستوں پر دکان لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

کوئی تقریب، فنکشن اور پروگرام کرنا ہو، اس کے لیے بھی راستہ اور گزرگاہ کو سب سے اچھی اور سستی جگہ شمار کیا جاتا ہے، اور رہی سہی کسر گاڑیوں کی غلط پارکنگ کرکے پوری کر دی جاتی ہے۔

ان حرکات کے نتیجے میں ٹریفک کا جام ہونا، روزمرہ بلکہ بہت سی جگہ، صبح سے شام تک کا معمول بن کر رہ گیا ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی ایک شخص گاڑی یا موٹر سائیکل غلط جگہ پارک کر کے چلا جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں گھنٹوں تک، بلکہ بعض اوقات پورے پورے دن تک،

سینکڑوں گزرنے والے لوگ تکلیف وایذا اٹھاتے ہیں، گھنٹوں ٹریفک جام رہنے کی وجہ سے بے شمار لوگوں کا قیمتی وقت تو برباد ہوتا ہی ہے، اسی کے ساتھ پٹرول اور گیس کا بھی غیر ضروری خرچ ہوتا ہے۔

اگر کسی مریض کی اس کے نتیجے میں جان چلی جائے، تو وہ الگ المیہ ہے۔

اور بھی نہ جانے کتنی شکلوں میں لوگوں کے نقصانات اور کاموں میں حرج ہوتا ہے۔

یاد رکھیے! عام گزرگاہ پر سب لوگوں کا مشترکہ حق ہوتا ہے، اس کے کسی حصہ پر کسی فردِ واحد یا گروہ کا قبضہ جمانا، یا اپنے ذاتی استعمال کی خاطر دوسروں کی حق تلفی کرنا قانوناً تو جرم ہے ہی، ساتھ ساتھ شریعت کی نظر میں بھی سنگین جرم ہے، اور اخلاقی طور پر گری ہوئی حرکت ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ کسی کو بے جا تکلیف پہنچانے کو شریعت نے گناہ، بلکہ کبیرہ گناہ قرار دیا ہے، اور مسلمان کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان وغیرہ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں، اور تکلیف نہ اٹھائیں۔

مگر آج قانون، شریعت اور اخلاق سب کو بالائے طاق رکھ کر، کھلے عام اس قسم کی حرکات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو اس قسم کے معاشرتی امور کی تعلیم دی جائے، اور تبلیغ کی جائے، اور ان پر عمل کا اہتمام کیا جائے، اور دوسرے مسلمانوں کو بے جا تکلیف پہنچانے کا ارتکاب کرنے سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

اگر کوئی مکان یا کوئی بھی عمارت تعمیر کرنی ہو، تو اس کا لحاظ کیجیے کہ گزرگاہ میں تنگی پیدا نہ ہو، تعمیر کا کوئی حصہ گزرگاہ پر تجاوز نہ کر جائے۔

اگر مکان یا دکان گزرگاہ سے اونچا ہے، تو کوشش کیجیے کہ اگر ممکن ہو، تو اس کی سیڑھی گزرگاہ پر واقع نہ ہو، اور اگر کسی سخت مجبوری وضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے، تو کم از کم حصہ میں بلکہ

نالی کے اوپری حصہ پر واقع ہو، تاکہ گزرگاہ میں تنگی پیدا نہ ہو۔

گزرگاہوں پر اپنا ذاتی سامان رکھ کر اور میٹریل، ملبہ یا کچرا وغیرہ ڈال کر گزرنے والوں کے لیے مشکلات نہ پیدا کیجیے، اگر کسی وقت راستہ میں سخت مجبوری میں عارضی طور پر کوئی سامان وغیرہ رکھنا پڑ جائے، تو کم از کم جگہ اور وقت میں ضرورت پوری کرنے کی کوشش کیجیے۔

گاڑی یا موٹر سائیکل وغیرہ کی پارکنگ ایسی جگہ کیجیے، جس سے گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، کچھ دور لے جا کر گاڑی پارک کر دینے اور کچھ پیدل چلنے کی زحمت کو دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے مقابلے میں برداشت کر لیجیے، اور اگر کوئی جگہ دستیاب نہ ہو، اور مجبوراً گزرگاہ میں پارک کرنا پڑے، تو اس کا بہت زیادہ اہتمام کیجیے کہ ٹریفک میں تعطل پیدا نہ ہو، کنارے سے ہٹ کر راستے کے درمیان یا ٹیڑھے ترچھے طریقے پر گاڑی کھڑی کر کے دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے بچیئے، خواہ اس کی وجہ سے آپ کے گاڑی پارک کرنے میں چند منٹ زیادہ ہی کیوں نہ خرچ ہو جائیں، اور آپ کو چند قدم کیوں نہ چلنا پڑ جائے، یہ چند منٹ یا چند قدم آپ کے رائیگاں نہیں جائیں گے، بلکہ عین ممکن ہے کہ دوسرے کو ایذاء رسانی سے بچانے کی خاطر، یہ چند قدم آپ کو جنت میں پہنچانے کا ذریعہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1433ہجری دسمبر/2011ء، جلد9 شمارہ1)

(93)

کیا اِن بحرانوں پر قابو پانا ممکن ہے؟

وطنِ عزیز، ایک مدت سے پانی، بجلی، گیس وغیرہ کی قلت اور لوڈ شیڈنگ کے مسئلے سے دوچار ہے۔

جس کے نتیجے میں وطنِ عزیز، معاشی طور پر بہت پیچھے اور نیچے چلا گیا ہے، اور بہت سے صنعتی ادارے اور فیکٹریاں بند ہوچکی ہیں، اور مختلف ضروریات پوری کرنے کے لیے دیگر ممالک کی منہ مانگے داموں والی درآمد شدہ چیزوں کا سہارا حاصل کرنا پڑ رہا ہے۔

اور اس کی وجہ سے عوام طرح طرح کی پریشانیوں اور مشکلات کا شکار ہیں۔

جب گیس کی لوڈ شیڈنگ شروع ہوتی ہے، تو لوگ اپنی ضروریات کا حل بجلی کے ذریعے تلاش کرتے ہیں، تو بجلی کی لوڈ شیڈنگ شروع ہوجاتی ہے پھر جب لوگ کھانے پکانے جیسی بنیادی ضروریات کے لیے لکڑیوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں، تو ان کی نایابی وعدمِ دستیابی اور کمر توڑ مہنگائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اوپر سے اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے بارانِ رحمت کا رُکنا، رہی سہی کسر پوری کرکے پیداوار کی کمی اور بیماریوں میں اضافے کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ بات افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ دیگر ممالک میں تو وقت گزرنے کے ساتھ اس قسم کی چیزوں کی پیداوار اور صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن ہمارے یہاں گنگا الٹی ہی بہتی ہے، اور ترقی کے بجائے تنزلی اور اضافہ کے بجائے کمی اور بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس کے اسباب کیا ہیں؟ کیا حکومت کی نااہلی ہے، یا کچھ اور؟

اس سلسلے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کی نااہلی تو کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں، اور اس میں دو رائے ہونا بھی مشکل ہے۔

لیکن ان بحرانوں میں عوام کی نااہلی اور ناقدری کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

حکومتی سطح پر صحیح منصوبہ بندی نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے عوام بھی قدرت کی نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کے قدم قدم پر مرتکب ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں قدرت کی طرف سے، ان نعمتوں کو سلب کرلیا، اور چھین لیا جاتا ہے، اور ان نعمتوں کے مستفید ہونے سے محروم کردیا جاتا ہے۔

چنانچہ ہمارے معاشرے میں بجلی، گیس اور پانی وغیرہ کے استعمال میں جس قدر بے قدری اور ناقدری وضیاع اور ناشکری کی صورتیں رائج ہیں، ان کو الگ الگ اور فرداً فرداً بیان کرنا ممکن نہیں۔

اگر حکومت صحیح منصوبہ بندی نہیں کرتی، تو اس کی شکایت اپنی جگہ بجا ہے، مگر لاکھوں بلکہ کروڑوں عوام جو طرح طرح سے بجلی، گیس اور پانی وغیرہ، جیسی نعمتوں کے استعمال میں ناقدری اور بے دردی کے ساتھ ضیاع واسراف کے مظاہرے کرتے ہیں، جب تک ان پر قابو نہیں پایا جائے گا، اس وقت تک صرف حکومتی سطح پر منصوبہ بندی کا فائدہ منداور نتیجہ خیز ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

ہم ایک سے زیادہ مرتبہ بجلی، گیس اور پانی وغیرہ جیسی نعمتوں کی ناقدری اور ضیاع کے معاشرے میں پائے جانے والے مختلف مناظر اور پہلوؤں کو ذکر کرچکے ہیں۔

لیکن حیرت وافسوس ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کے بجائے، ہمیشہ حکومتِ وقت کو ہی موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، اور اسی پہلو سے طرح طرح کے تجزیئے وتبصرے کرتے ہیں، مگر خود اپنے گریبانوں میں جھانک کر نہیں دیکھتے، کہ ہم اور ہمارا بلکہ خود تجزیہ نگاروں کا طرزِ عمل بھی ان بحرانوں کا سبب ہے یا نہیں، اور کیا خود ہم اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرکے ان بحرانوں پر قابو پاسکتے ہیں یا نہیں؟

لہٰذا اس بحرانوں کے تسلسل کے زمانے میں ہم ایک بار پھر اپنی قوم کو اس بات کی طرف متوجہ

کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں، اور اب تک قدرت کی نعمتوں کی ناقدری و بے قدری، ناشکری اور ضیاع واسراف کے جس جس طرح بھی مرتکب ہو چکے ہیں، اس کو ترک کریں، اور قدرت کی طرف توبہ واستغفار کے ساتھ رجوع فرمائیں، جہاں ہر چیز کے خزانے موجود ہیں۔

وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ.

یعنی ''اور اللہ ہی کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں''

ظاہر ہے کہ یہ عمل کروڑوں عوام میں سے ہر ایک فرد کے لیے ممکن ہے، اور جب یہ ممکن ہے، تو معلوم ہوا کہ مذکورہ بحرانوں پر قابو پا بھی ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' صفر المظفر / 1433ہجری جنوری / 2012ء، جلد 9 شمارہ 2)

(94)

انگلش ضرور پڑھائیں مگر............

آج کل یہ بات کثرت سے دیکھنے اور سُننے میں آ رہی ہے کہ بیش تر لوگوں کا رجحان اپنی اولاد کی عصری تعلیم کے سلسلے میں خالص انگلش زبان میں تعلیم دِلانے کا ہو گیا ہے۔

جو اسکول یا ادارے، انگلش میڈیم یا او لیول کے کہلاتے ہیں، وہاں اپنی اولاد کو تعلیم دِلانے کی ترجیح دی جاتی ہے، اس کی خاطر محنت و مشقت کے علاوہ غیر معمولی اخراجات کو بھی برداشت کیا جاتا ہے۔

مگر اس تعلیم کے جو نتائج سامنے آ رہے ہیں، وہ زیادہ خوش آئند نہیں ہیں، چنانچہ جو بچے ابتدا سے اس طرح کے تعلیمی نظام سے وابستہ ہو جاتے ہیں، وہ ہمارے عام اور بطورِ خاص قومی معاشرے کا حصہ نہیں بن پاتے، اور دینِ اسلام سے بھی اکثر و بیش تر غیر مانوس ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ابتدا سے ہی بچہ کو ہر ہر چیز کے نام اور ضرورت کی چیزوں کی تعلیم و تعارف ایک نامانوس اور اجنبی زبان میں دی جائے گی، تو وہ بچہ نہ اِدھر کا رہے گا، نہ اُدھر کا ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' اسی کو کہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بچہ ہمارے عام معاشرے اور گھریلو و خانگی زندگی میں استعمال ہونے والی زبان کے الفاظ سے بالکل ناواقف ہوتا ہے، مثلاً اگر اس بچہ سے یہ معلوم کیا جائے کہ ستر یا پینسٹھ کا عدد کون سا کہلاتا ہے، تو اسے اس کا علم نہیں ہوتا، البتہ انگلش میں اسے ''سیونٹی'' یا ''سِکس ٹی فائیو'' جیسے مشکل الفاظ کو ادا کرنے اور سمجھنے میں بالکل دشواری محسوس نہیں ہوتی، یہی حالت مختلف رنگوں کے اور دوسری چیزوں کے ناموں کے بارے میں ہوتی ہے۔

پھر یہ صورتِ حال تو بولنے کی حد تک ہے، اگر اردو یا عربی زبان میں کوئی عدد یا گنتی لکھی جائے تو بھی ایسے بچوں کو اس سے بالکل مناسبت نہیں ہوتی، اور اس کے برعکس انگلش زبان کے عدد

یا گنتی کے حروف والفاظ کے لکھنے میں ذرا دشواری محسوس نہیں ہوتی، اور جب عربی اور اردو زبان کی افہام و تفہیم کے معاملہ میں یہ صورتِ حال ہوتی ہے، تو اسی سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ایسے بچے کو عربی یا اردو زبان میں کوئی قومی، تاریخی یا مذہبی لٹریچر پڑھنے کے لیے دیا جائے گا، تو اس کی افہام و تفہیم کی قابلیت اس کو کیا خاک حاصل ہو سکے گی۔

یہ قوم کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ تن، من دھن کی قربانی دے کر اپنی مذہبی وقومی زبان اور کلچر کا خاتمہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے کیا جارہا ہے، گویا کہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری جارہی ہے، دینِ اسلام کو فروغ دینے اور ملک وملت کی ترقی کے عنوان سے قائم ہونے والے اداروں کا بھی یہی حال ہے۔

انگلش اگرچہ ایک عالمی زبان اور موجودہ دور میں ضرورت کی چیز ہے، مگر اس میں اتنا غلو کرنا کہ اس کی خاطر اس سے اہم اور اپنی ضرورت کی چیز یعنی ملک وملت اور دین ومذہب اور اپنے کلچر کو داؤ پر لگانا، کسی طرح عقل مندی اور ہنر مندی کا کام نہیں۔

انگلش زبان کو سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت اس طرح بھی پوری کی جاسکتی ہے کہ دیگر تمام ضروری مضامین کی تعلیم و تعلُّم کے لیے اردو اور قومی زبان کو وسیلہ اور واسطہ بنایا جائے، اور انگلش زبان کو بہ حیثیت ایک فن یا خصوصی مضمون کے پڑھایا جائے، تا کہ ایک انسان بوقتِ ضرورت اس سے استفادہ کرسکے، نہ یہ کہ ضرورت اور بلاضرورت ہر وقت اسی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا جائے، اور عام معاشرے، قومی ومذہبی کلچر سے ہٹ کر ایک اجنبی اور متوحش کلچر کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لے۔

یہ بات بھی ہمیں سمجھنا چاہیے کہ انگلش زبان کو بولنے کی صلاحیت ولیاقت حاصل کرنے کے لیے کسی کو تعلیمی قابلیت حاصل کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس کا زیادہ تعلق روزمرہ کی زندگی میں اس کو برَتنے اور بول چال سے ہے، ایک ان پڑھ شخص بھی اگر کسی انگلش بولے جانے والے

ملک میں کچھ وقت قیام کرے، تو اس میں بھی یہ صلاحیت ولیاقت پیدا ہوسکتی ہے، اور اس کے برعکس اگر دوسری زبان کے رائج ماحول کا وہ فرد ہو، اور اس کو کتابی اور فنی اعتبار سے انگلش زبان سکھانے پر محنت کی جائے، تب بھی اس میں پہلے شخص کی طرح کی لیاقت وصلاحیت پیدا ہونا مشکل ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی مذہبی وقومی زبان، کلچر اور ماحول کو ترجیح اور فوقیت دی جائے، اور انگلش کو محض ایک مضمون اور زبان کی حد تک معیاری انداز میں پڑھایا جائے۔

اس طرز وطریقہ سے بچے پر دوسرے بہت سے فنون وعلوم حاصل کرنے میں غیر مادری وغیر مانوس زبان کو واسطہ بنانے کی، دوگنا چوگنا محنت کا بوجھ بھی نہ ہوگا، اور دوسرے فنون کو زیادہ سہولت کے ساتھ حاصل کیا جاسکے گا، اور انگلش کی زبان سے واقفیت کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1433ہجری فروری/2012ء، جلد9 شمارہ3)

(95)

ملکی ترقی کے لیے قومی زبان کی اہمیت

کسی بھی قوم کے لیے، اس کی زبان ایک اہم اثاثہ شمار کی جاتی ہے۔

تحریک پاکستان کے دوران جب مسلمان اپنے لیے الگ ملک پاکستان کے حصول کے لیے جدو جہد کررہے تھے، اور بہت سی مختلف قوموں اور زبانوں کے حامل افراد اس تحریک میں شامل تھے، اس وقت جس طرح ملک کی دینی جہت ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' کے اثاثی نعرہ کی صورت میں واضح تھی، اسی طرح ملک کی تہذیبی وثقافتی جہت میں بھی کوئی ابہام نہ تھا، جس کا اہم ترین عنصر اردو زبان تھی، جو خطے کے مختلف زبانوں پر مشتمل علاقوں اور صوبائی یونٹوں کو ایک لڑی میں پروکر ایک رنگ میں رنگتی اور باہم مربوط ومنظّم کرتی تھی۔

پھر قیامِ پاکستان کے بعد جہاں ایک طرف اردو زبان کی ترویج وترقی کی کوششیں ہوئیں۔ [1] اسی کے ساتھ اردو زبان کی ترویج وترقی کو روکنے کے لیے بھی بہت سی طاقتیں مصروفِ عمل ہوئیں۔

آہستہ آہستہ درپردہ ان طاقتوں کے اثرات پھلنے پھولنے لگے اور حکومت کیا عوام پر بھی اس کے اثرات نمایاں طور پر پڑے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں قومی زبان کے ساتھ بے گانگی برتی جارہی ہے، اور اس کے مقابلے میں دوسری اور خاص کر انگریزی زبان کو فوقیت دی جارہی ہے، شعوری یا غیر شعوری طور پر حکمرانوں سمیت قوم کا بہت بڑا طبقہ

---

[1] مثلاً جون 1948ء کی تعلیمی کمیٹی کی سفارشات 1958ء کی شریف کمیشن رپورٹ، بعد میں ائر مارشل نورخان کی تعلیمی رپورٹ، اور حمود الرحمٰن کمیشن، یہ سب قومی وملکی سطح کے کمیشن اور کمیٹیاں جو پاکستان کی تاریخ کے مختلف ادوار میں قائم ہوئیں، سب اس بارے میں یک زبان ہیں کہ قومی ترقی اور پاکستانی نوجوانوں کی ہر میدان میں صلاحیتوں اور قابلیتوں کو نکھارنے اور فروغ دینے کے لیے قومی زبان کو ابتدائی تعلیمی سلسلوں سے لے کر آخر تک رائج ونافذ کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں، لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شد''۔

زندگی کے ہر میدان میں اپنی اردو زبان کو دیوار سے لگانے اور اپنی قومی زبان کا دیوالیہ نکالنے پر تُلا ہوا ہے، جو اپنی تہذیب وثقافت، اپنی روایات واقدار اور اپنی بنیادوں کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے آئین سے بھی انحراف اور ایک طرح کی بغاوت ہے، کیوں کہ پاکستان کا آئین اردو کے قومی زبان ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ [1]

اس پر عمل درآمد کے لیے حکومت کو مناسب اور مؤثر جدوجہد کرنا ضروری ہے۔

گزشتہ ایک دو دہائیوں میں اجتماعی سطح پر قوم کا اپنی تہذیب، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان سے انحراف کر کے غیروں کے رنگ میں رنگنے اور غیروں کی اجنبی ومتوحش زبان کا چربہ اتارنے کا رجحان بہت بڑھا ہے، خصوصاً صدر پرویز مشرف صاحب کی نام نہاد روشن خیالی اور جدت پسندی کی نمائش اور آزادروی نے اپنی مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں سے انحراف کے عمل کو وبا کی طرح ملک کے طول وعرض میں پھیلا دیا ہے۔

اس عرصے میں مغربی تہذیب سے متاثرہ لوگوں نے ایوانوں میں بہت رسوخ حاصل کر لیا، اور انھوں نے ذرائع ابلاغ پر یہ بات باور کروائی کہ پاکستان کی بقا اور ترقی، غیروں کے مادر پدر آزاد کلچر اور انگریزیت کو سینے سے لگانے میں ہے۔

نااہل حکمرانوں نے اپنی قومی جہالت کو چھپانے کے لیے انگریزی زبان کے چند الفاظ رٹ

---

[1] ملاحظہ ہو 1973ء کے آئین کی دفعہ نمبر 251 شق 1:

پاکستان کی قومی زبان اردو ہے، اسے سرکاری اور دیگر مقاصد کے استعمال کے لیے آئین کے نفاذ سے ۱۵ سال کے اندر انتظامات کیے جائیں گے (بحوالہ پاکستانیکا انسائیکلوپیڈیا ص 192)

واضح رہے کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے 1979ء میں سرکاری ودفتری امور کے لیے انتظامی سطح پر اردو کی عملی ترویج ونفاذ کے لیے ''مقتدرہ قومی زبان'' کے نام سے ایک اتھارٹی ادارہ، ایک ہیئتِ حاکمہ تشکیل دی، جس نے دفتری وانتظامی اصطلاحات سازی کا ضروری کام باحسن وجوہ پورا کیا۔

لیکن اب ''بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے'' نتیجہ یہ کہ قیام پاکستان کا پہلا اور بنیادی مذہبی محرک یعنی اسلام کا نفاذ جس طرح یہاں اقتدار کی غلام گردشوں، اسٹیبلشمنٹ کی سازشوں اور سیکولر ولادین مقتدر مافیا کی ہٹ دھرمی کی نذر ہوا، تو دوسرا اہم اور تہذیبی محرک یعنی اردو زبان کا قومی اور ریاستی سطح پر فروغ بھی انھی مذکورہ عناصر کی بے حسی اور ڈھیٹ پن کی نذر رہوا، نیز فرقہ پرست صوبائی وعلاقائی اور لسانی سیاسی تحریکوں نے بھی اردو کے قومی زبان بننے کے عمل کی مزاحمت کی۔

کر عوام پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کی کہ وہ پڑھے لکھے اور مہذب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
دوسری طرف ان کی یہ حالت رہی کہ نماز روزہ جیسے اہم فرائض کے بنیادی مسائل سے بھی آشنا نہیں۔
اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک کے صدر اور وزیر اعظم سے لے کر گلی محلوں کے معمولی سیاست سے تعلق رکھنے والے افراد تک میں اب یہ احساسِ کم تری پھیل چکا ہے کہ کہیں غلطی سے انگریزی الفاظ کے بجائے اردو کے الفاظ ادا ہونے سے میری انگریزی زبان کی قلعی نہ کھل جائے، اور عوام میں یہ تاثر نہ پھیل جائے کہ میرا تعلیمی کیریئر کمزور ہے۔
صدر اور وزیر اعظم یا دیگر حکمرانوں کے سیاسی و غیر سیاسی بیانات میں انگریزی الفاظ کی جا بجا اور بے ربط انداز میں جس طرح ملاوٹ دیکھنے میں آتی ہے، اس کو قومی اور انگریزی زبان میں سے کسی اصول کے مطابق درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔
ہمیں آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ قومی زبان کو چھوڑ کر انگریزی زبان کی آبیاری میں قوم کی تعمیر و ترقی کا کون سا راز چھپا ہوا ہے؟ [1]
دنیا کی جس قوم اور جس ملک نے بھی آج تک ترقی کی ہے، اس میں قومی زبان کا کلیدی

---

[1] یہاں بانی پاکستان کی ایک تقریر کا اقتباس نقل کرنا بے موقع نہ ہوگا:

"میں واضح الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی، جو شخص آپ کو اس سلسلے میں غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کرے، وہ پاکستان کا پکا دشمن ہے، ایک مشترک قومی زبان کے بغیر کوئی قوم نہ تو پوری طرح متحد ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اور کام کر سکتی ہے" (قائد اعظم کا جلسہ عام سے خطاب ڈھاکہ 21 مارچ 1948ء بحوالہ ماہ نامہ اخبار اردو اسلام آباد اکتوبر 2011ء، پاکستانیکا انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۹۲)

فرانس، چین اور ایران نے اپنی زبان کے تحفظ، ترقی اور ترویج کے لیے قانون سازی کی ہے، تاکہ دیگر تہذیبیں اور زبانیں ان پر اثر انداز نہ ہو سکیں، زندہ قومیں اپنی زبان کے لئے حساس ہوتی ہیں (بہ حوالہ اخبارِ اردو، شمارہ اکتوبر 11ء)

ستمبر 11ء میں کراچی میں "اردو عصرِ حاضر" کے موضوع پر منعقدہ بین الاقوامی سیمینار جس میں ملکی ادیب، شعرا، سکالر، اہلِ قلم کے علاوہ دنیا بھر سے اردو مشاہیرِ ادب نے شرکت کی تھی اور مقالات پیش کیے تھے، سیمینار کے مقررین و شرکا نے جناب جمیل الدین عالی صاحب بالقابہ کی پیش کردہ قرارداد کہ اردو کو سرکاری و غیر سرکاری اور کمرشل اداروں میں عملی طور پر نافذ کیا جائے، متفقہ طور پر منظور کی تھی (ایضاً حوالہ بالا)

کردار رہا ہے، پڑوسی ممالک میں چین اور انڈیا کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کتنی تیزی سے یہ دونوں ملک ترقی کر رہے ہیں، خاص طور پر چین عالمی سطح پر، ترقی یافتہ ملکوں میں سرِ فہرست ہے، جس میں ان کی قومی زبان کی ترویج نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔

افسوس ہے کہ کسی اور ملک کو تو ہماری قومی زبان کو اپنے ملک میں رائج کرنے کا شوق نہیں، مگر ہمیں اپنے گھر میں بیٹھ کر غیر قوموں کی اجنبی زبانوں کو خواہ مخواہ اپنے اوپر اور اپنی نسلوں پر مسلط کرنے کا بڑا جذبہ اور اہتمام ہے، اور ایک اجنبی زبان کی ترویج و ترقی کی فکر دامن گیر ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ اس فکر اور سوچ کے جذبہ کو ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کی طرف گامزن فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ "التبلیغ" ربیع الآخر/1433ہجری مارچ/2012ء، جلد 9 شمارہ 4)

---

[1] یہ تحریر 2012ء کی ہے، اس کے بعد سپریم کورٹ کے جسٹس جواد ایس خواجہ نے 8 ستمبر 2015ء میں سرکاری سطح پر اردو کی ترویج اور دفتری نفاذ کے لیے حکومت کو عملی اقدامات کرنے کا نوٹس اور محدود و متعین وقت میں اس پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ دیا، جس پر اس وقت کے وزیرِ اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف اور ان کے مشیر برائے قومی زبان و ادب اور تاریخی ورثہ جناب عرفان صدیقی صاحب کی دل چسپی اور عملی اقدامات اس سلسلے میں عمدہ کاوش اور اچھی پیش قدمی ہے، اللہ کرے سپریم کورٹ کے اس فیصلے پر صحیح معنوں میں پورا پورا عمل ہو جائے، اور حکومتوں کے اَدلنے بدلنے سے یہ سلسلہ نہ رُکے۔

(96)

کیا عصری تعلیم کا معیار خالص انگلش زبان پر ہے؟

آج کل عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم کی کام یابی اور طالب علم کی ترقی کا سارا مدار خالص انگلش زبان پر سمجھا جاتا ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انگریزی زبان اس وقت عالمی زبان ہے، اور دنیا میں اس زبان کو جو ہمہ گیری اور وسعت حاصل ہے، وہ کسی اور زبان کو حاصل نہیں، لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ جملہ عصری علوم وفنون میں مہارت وقابلیت پیدا کرنے کے لیے بچہ کو شروع سے ہر فن کی تعلیم انگریزی زبان میں دینا ضروری ہے، یہ ہماری نظر میں بڑی غلط فہمی ہے۔

سائنس، معاشرتی علوم، ریاضی، اسلامیات وغیرہ جیسے علوم کو سیکھنے اور سمجھنے کے لیے نہ تو انگریزی زبان سے بھرپور واقفیت ضروری ہے، اور نہ ہی انگریزی زبان پر عبور حاصل کیے بغیر ان علوم کا حصول ناممکن ہے، دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک ایسے ہیں، جہاں سائنس، معاشرتی علوم اور ریاضی وغیرہ کو ان کی اپنی قومی زبان میں پڑھایا جاتا ہے، اور اس کے ذریعے سے بہتر نتائج حاصل کیے جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ عصری تعلیمی نظام میں انگلش زبان کی ضرورت، دوسرے رائج علوم سے زیادہ نہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ انگریزی زبان کو سائنس، معاشرتی علوم وریاضی وغیرہ کی طرح بہ حیثیت ایک علم کے پڑھایا جائے، نہ یہ کہ دیگر تمام علوم وفنون کی تعلیم وتعلم اور افہام وتفہیم کا مدار انگریزی زبان پر رکھ دیا جائے، جیسا کہ آج کل عام طور سے ہونے لگ گیا ہے۔

اس طرزِ عمل کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ شروع ہی سے بچے پر ایک غیر مادری وغیر مانوس زبان کو سیکھنے کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے، اور اس کی وہ تمام صلاحیتیں اور کاوشیں، جو دوسرے علوم وفنون کو حاصل کرنے پر خرچ ہوتیں، وہ انگریزی زبان کے حل اور اس کی افہام وتفہیم میں

خرچ ہونے لگتی ہیں، اور نتیجتاً طالبِ علم کو، دوسرے علوم وفنون میں وہ لیاقت وصلاحیت اور عبور حاصل نہیں ہو پاتا، جس کی کہ اسے ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر آپ کسی ابتدائی بچے کو یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں، تو جب آپ اسے انگریزی زبان میں ''ٹو ٹو زا فور'' (2×2=4) پڑھائیں گے، تو اس مختصر سے جملہ کو سمجھنے کے لیے تین غیر مانوس اور غیر مادری الفاظ اور ان کے معانی کو سیکھنا پڑے گا، ایک لفظ ''ٹو'' دوسرے لفظ ''زا'' تیسرے لفظ ''فور''۔

یہ ایک سادہ اور ابتدائی بچے سے متعلق مثال پیش کی گئی ہے، ورنہ جوں جوں تعلیمی سلسلہ آگے بڑھتا ہے، مشکلات اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں، بلکہ بڑھتی رہتی ہیں۔

ہم نے بے شمار بچوں کو سائنس وغیرہ علوم کی کتابوں کے الفاظ کو طوطے کی طرح رَٹے لگاتے ہوئے دیکھا، بچہ رَٹے مارتے مارتے تھک جاتا ہے، مگر وہ الفاظ اسے صحیح طرح یاد نہیں ہو پاتے، اور اگر ہو بھی جاتے ہیں، تو وہ زیادہ وقت تک یاد نہیں رہتے، اور اگر یاد بھی رہتے ہیں، تو ان الفاظ کے معنیٰ اور مطلب کی افہام وتفہیم سے معاملہ کوسوں دور ہوتا ہے۔

اس کے برعکس سائنس وغیرہ کے اس مفہوم ومضمون کو طالبِ علم کی مادری وقومی زبان میں سادہ طریقے پر اچھی طرح سمجھا دیا جائے، تو خواہ بچے کو الفاظ یاد بھی نہ ہوں، مگر مقصود بآسانی وبہ سہولت حاصل ہو جاتا ہے، اور بچہ اس مفہوم کی ترجمانی، اپنی زبان کے دوسرے مترادف الفاظ کے ساتھ بھی کر سکتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ عصری علوم کی تعلیم وتعلم کے معیار کا سارا مدار خالص انگریزی زبان پر رکھنا سراسر غلط فہمی ہے، اس پر اہلِ حل وعقد کو نظرِ ثانی اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اصلاحِ احوال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1433ہجری اپریل/2012ء، جلد9 شمارہ5)

---

(97)

بچوں کے عصری نصاب کو ہلکا کرنے کی ضرورت

آج کل بیش تر اسکولوں میں بچوں کی ابتدائی کلاسوں سے ہی کتابوں کی بھرمار کردی جاتی ہے، اور بعض اوقات کتابوں کا وزن اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ جو بچوں کو اٹھا کر لانا اور لے جانا بھی مشکل ہو جاتا ہے، جس کے لیے بعض اوقات یا تو کسی ملازم کی مدد حاصل کرنا پڑتی ہے، یا گھر کا کوئی فرد اس بوجھ کو اٹھانے کی زحمت کرتا ہے، اور یا پھر پہیوں (یعنی ٹائر) والے بستوں کی مدد حاصل کرنا پڑتی ہے، جس کو گھسیٹ کر بچے اپنی کتابیں اسکول لاتے اور لے جاتے ہیں۔

دوسری طرف بچوں کی تعلیم کے حوالے سے عام ذہنیت یہ بنتی جارہی ہے کہ ابھی معصوم اور بے چارے بچے کو صحیح طور طرح سے بولنا چالنا بھی آتا نہیں اور اسے سکول بھیجنے کی فکر سوار ہو جاتی ہے۔

اس طرح ایک انتہائی معصوم، کم عمر و ناسمجھ بچہ، تعلیم کے ساتھ کتابوں کے بوجھ تلے دبا چلا جاتا ہے، نہ اس کو سکول میں آرام ملتا ہے اور نہ گھر میں آنے کے بعد آرام ملتا، سکول سے فارغ وقت میں ٹیوشن بھیج کر بچہ کی ذہنی وجسمانی ورزش اور کھیل کود کے اوقات پر بھی پابندی عاید کر دی جاتی ہے۔

اس طرزِ عمل کے نتیجے میں بچہ کی ذہنی اور جسمانی نشوونما پر بہت غلط اثر پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ابتدا میں بچے کی ذہنی وجسمانی صلاحیتیں کمزور ہوتی ہیں، اس لیے بچوں کی نشوونما کے لیے ان پر جسمانی وذہنی بوجھ کم از کم رکھنا ضروری ہے۔

اسلامی تعلیمات میں بھی سات سال سے پہلے بچے کو نماز پڑھوانے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ سات سال کی عمر ہونے پر حکم دیا گیا ہے کہ اسے نماز کا حکم دیا جائے اور دس سال کی عمر ہونے پر نماز کے لیے اس پر سختی کی جائے۔

سوچنے کی بات ہے کہ نماز جو کہ عاقل، بالغ مسلمان پر فرض عین ہے، جب اس میں سات سال سے پہلے شریعت نے رعایت رکھی ہے تو سات سال کی عمر سے پہلے، بچہ پر بھاری بھرکم کتابوں کا بوجھ ڈالنا اور مشکل ترین نصاب کا مکلّف کرنا کس طرح روا ہوسکتا ہے۔

اسی لیے تجربے و مشاہدے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن بچوں کو کم عمری میں ابتدا سے مشکل ترین اور بھاری بھرکم نصاب کا مکلّف بنایا جاتا ہے، ان کی صحت اور جسمانی و دماغی صلاحیتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں، اور اس کے برعکس ابتدائی نصاب ہلکا پھلکا مگر کارآمد و مفید اختیار کرنے سے بچوں کی صحت پر برے اثرات نہیں پڑتے اور ان کی جسمانی و دماغی نشو ونما میں بھی خلل نہیں آتا، جس کی وجہ سے ایسے بچے آگے چل کر ان بچوں سے زیادہ بہتر صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں، جو ابتدا میں بھاری بھرکم اور مشکل ترین نصاب کے بوجھ تلے دب کر اپنی صلاحیتوں کو کھو چکے ہوتے ہیں۔

ہم نے کئی بچوں پر اس کا تجربہ کر کے دیکھا اور ان میں یہ فرق واضح طور پر محسوس کیا۔

اس لیے ہمارے خیال میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ابتدائی بچوں کے نصاب کو ہلکا کر کے اور کتابوں کے وزن کو کم سے کم تر کر کے مختصر جامع اور بامقصد نصاب پڑھایا جائے، اور بچوں کے کھیل کود اور تفریح کے لیے حاصل ہونے والے اوقات کو تضیع اوقات شمار نہ کیا جائے، بلکہ ان چیزوں کو بچپن کے نصاب کا حصہ اور ضرورت سمجھی جائے، جس کے نتیجے میں ان شاء اللہ آگے چل کر بچہ باصلاحیت کردار کا مالک بن کر دوسرے بچوں پر فوقیت حاصل کر سکے گا۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1433ہجری مئی/2012ء، جلد9 شمارہ6)

(98)

کاشت کاری، ذریعۂ معاش بھی اور صدقہ بھی

ہمارا ملک بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے، زراعت اور زمینی پیداوار، ملکی معیشت میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، اور خود کاشت کار و زمین دار طبقے کے لیے جو محنت و ایمان داری کے ساتھ زمین سے اناج کی شکل میں زَراُگاتے ہیں، یہ معاشی ترقی اور برکت کا بھی اہم ذریعہ ہے۔

جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ خدمتِ خلق کا انتہائی اعلیٰ شعبہ ہے۔

اسلام نے بھی اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا۔

چنانچہ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

جو مسلمان بھی کوئی شجر کاری کرتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے، پھر اس سے کوئی پرندہ، یا انسان، یا جانور کھالیتا ہے، تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے (بخاری) [1]

ایک حدیث میں ہے:

جس کسی مسلمان نے کوئی درخت (خواہ فصل کی شکل میں ہو) لگایا، پھر اس سے کھایا گیا (خواہ کھانے والا کوئی بھی ہو) تو وہ درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہے، اور جو اس سے چوری کیا گیا وہ بھی درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہے، اور جو اُس سے کسی درندے نے کھایا، تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہے، اور جو اُس سے کسی پرندے نے کھایا، تو وہ بھی درخت لگانے والے

---

[1] عن أنس بن مالک رضی الله عنه، قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :ما من مسلم یغرس غرسا، أو یزرع زرعا، فیأکل منه طیر أو إنسان أو بهیمة، إلا کان له به صدقة(بخاری، رقم الحدیث ٢٣٢٠)

کے لیے صدقہ ہے، اور جس نے اس میں سے کچھ کمی کی (مثلاً کسی غرض سے اس میں سے لے لیا) تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہے (مسلم) [1]

اور ایک حدیث میں ہے کہ جو کوئی مسلمان بھی کوئی درخت یا بوٹا لگاتا ہے پھر اس درخت سے کوئی انسان اور کوئی چوپایہ اور کوئی پرندہ جو بھی (اس درخت کے پھل، پھول، پتے، شاخ، تنے، لکڑی وغیرہ سے) کھاتا ہے (اور فائدہ اُٹھاتا ہے) تو وہ درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے، قیامت تک (مسلم) [2]

گزشتہ چند سالوں سے کاشت کاری اور کھیتی باڑی کے شعبے میں ہمارے یہاں سُست روی دیکھنے میں آ رہی ہے، جس کی دوسری وجوہات کے علاوہ ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ کاشت کاری، دراصل محنت اور جفاکشی کا کام ہے، جس میں خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے، جب کہ ہماری نئی نسلوں میں محنت اور جفاکشی کا رجحان کم یا ختم ہوتا جا رہا ہے، اور اس کی جگہ سہولت پسندی، بلکہ عیش پرستی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ گاؤں، دیہات کے علاقوں میں اب بڑی عمر کے لوگ تو کچھ کھیتی باڑی کے شعبے سے وابستہ ہیں، لیکن آگے اُن کی اولاد، اس طرف متوجہ نہیں، بلکہ اولاد کو کاشت کاری کی بنیادی باتوں کی بھی معلومات نہیں، یہی وجہ ہے کہ اب بہت سے بڑے بڑے کاشت کاروں کی اولاد، یا تو چند ٹکوں کی ملازمت پر اپنا گزر بسر کر رہی ہے، یا بیرون ملک بیٹھ کر اپنی صلاحیتوں کو خرچ کر رہی ہے، اور یا پھر اپنے ملک میں پنکھوں اور ائیر کنڈیشن

---

[1] عن جابر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما من مسلم يغرس غرسا إلا كان ما أكل منه له صدقة، وما سرق منه له صدقة، وما أكل السبع منه فهو له صدقة، وما أكلت الطير فهو له صدقة، ولا يرزؤه أحد إلا كان له صدقة(مسلم، رقم الحديث ١٥٥٢ ”٧“)

[2] أخبرني عمرو بن دينار، أنه سمع جابر بن عبد الله، يقول :دخل النبي صلى الله عليه وسلم على أم معبد حائطا، فقال :يا أم معبد، من غرس هذا النخل؟ أمسلم أم كافر؟ فقالت :بل مسلم، قال :فلا يغرس المسلم غرسا، فيأكل منه إنسان، ولا دابة، ولا طير، إلا كان له صدقة إلى يوم القيامة(مسلم، رقم الحديث ١٥٥٢ ”١٠“)

کی ہواؤں میں بیٹھ کر ہلکے پھلکے پیشے اختیار کیے ہوئے ہے۔

کھیتی باڑی کے لیے صبح سویرے اُٹھ کر کھیت میں پہنچنا، چلچلاتی دھوپ میں کھیتی باڑی کرنا، بڑی ہمت و جواں مردی کا تقاضا کرتا ہے، اور دل گردے کا کام ہے۔

ہمارے پچھلے بزرگوں میں ہمت و جفاکشی کی یہ صفات بہ مقدارِ وَافر پائی جاتی تھیں، لیکن یہ لوگ تو دنیا سے اٹھ گئے، اور اٹھتے جا رہے ہیں۔

پاکستان کوئی صنعتی ملک نہیں، بلکہ غالب حد تک زرعی ملک ہے، نئی نسل کو زراعت کے حوالہ سے اپنے پہلے بزرگوں کی جگہ لینی ہوگی، ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایک زرعی ملک کی اقتصادیات کا ڈھانچہ تباہ ہو کر نہ رہ جائے۔

پس کاشت کاری اور کھیتی باڑی کے شعبے میں، جو اس طرح کی سست روی پر مشتمل صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے، یہ ہمارے اور ہمارے ملک کے لیے کوئی خوش آیند بات نہیں ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آنے والی نسل کو کاشت کاری اور کھیتی باڑی کے لیے تیار کیا جائے، حکومتی سطح پر بھی کھیتی باڑی اور کاشت کاری کے فروغ کے لیے منظّم طریقہ پر اقدامات اور وسیع پیمانے پر انتظامات کیے جائیں، اور دینی حوالہ سے کاشت کاری اور کھیتی باڑی کی دنیاوی اور اخروی اہمیت وافادیت اور فضیلت کو اُجاگر کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1433ہجری جون/2012ء، جلد9 شمارہ7)

(99)

لوڈ شیڈنگ، ہڑتال اور املاک کی تباہی

ایک مدت سے ملک میں بجلی اور گیس کی قلت اور لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری ہے، اور عرصۂ دراز گزرنے کے باوجود موجودہ نااہل اور تعیش پرست حکمران اس کے لیے کوئی موثر اور دیرپا حل پیش نہیں کر سکے، آئے دن مختلف قسم کی عارضی تدابیر اختیار کر کے ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا رہا ہے۔

لوڈ شیڈنگ کے اس لمبے اور طویل عرصے میں ملک کو صنعتی اور دوسرے شعبوں میں کیا کیا نقصانات ہوئے، کتنی مہنگائی ہوئی، اور کتنے ادارے اور فیکٹریاں بند یا ملک سے باہر منتقل ہو گئیں، اور اس کے نتیجے میں ملک کتنا پیچھے اور تنزلی میں چلا گیا، یہ ایک مستقل داستان ہے۔

ان حالات میں قومی اور عوامی مشکلات اور مصائب ایک لازمی بات ہے، گرمی کی شدت میں بجلی کی طویل ترین لوڈ شیڈنگ قیامتِ صغریٰ سے کم نہیں، خاص کر اس شہری زندگی میں جہاں لوگ تنگ و تاریک رہائشی علاقوں میں آباد ہیں، اور وہاں فطری ہوا کی آمد و رفت بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ اور مہنگائی کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے عوامی ردِ عمل کے طور پر مختلف احتجاجات اور ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے، لیکن ان احتجاجات اور ہڑتالوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے آتا ہوا دکھائی نہیں دیتا، عارضی طور پر چند دنوں کے لیے عوام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے لوڈ شیڈنگ کے دورانیے کو کم کر کے کسی دوسرے علاقہ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، اور جب اس علاقہ میں عوامی دباؤ بڑھتا ہے، تو اس کا رخ کسی اور علاقہ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ مسائل کا کوئی مستقل حل نہیں۔

دوسری طرف ہمارے یہاں کے مروجہ احتجاج اور ہڑتالوں کے ماحول میں عوامی لوٹ مار اور

سرکاری وغیر سرکاری املاک کونقصان پہنچانا بھی کم وبیش لازمی روایت بن گئی ہے۔
اپنے جذبات کے نہ صرف اظہار بلکہ اس کے استعمال اور غم وغصے کی تسکین کا آسان ترین ذریعہ بہت سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ایسے مواقع پر توڑ پھوڑ کی جائے، لوٹ مار کر کے ناجائز طریقے سے مال بٹورا جائے۔
اس حیثیت سے بغل میں چھپے ملک وملت کے دشمن، شر پسند عناصر اور چور ڈاکوؤں کے لیے ہڑتال اور احتجاج کا موقع ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتا، اور اس کے نتیجے میں عوامی مشکلات میں کمی کے بجائے، دوسرے طریقوں سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔
بعض لوگ تو اس قسم کی ہڑتال اور احتجاج کے دوران اپنی جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اور بہت سے لوگ لوٹ مار، جلاؤ اور گھیراؤ کی زد میں آ کر ہاتھ پاؤں وغیرہ سے ہمیشہ کے لیے معذور واپاہج ہو جاتے ہیں، یا احتجاجیوں کے ہاتھوں اپنا چلتا کاروبار، پراپرٹی گنوا کر بیٹھے بٹھائے درماندہ وتہی دست ہو جاتے ہیں، اور غربت وتنگ دستی کے غار میں جا گرتے ہیں۔
چنانچہ بعض لوگوں کے چلتے کاروبار لوٹ مار اور جلاؤ گھیراؤ کے نتیجہ میں بند ہو جاتے ہیں، کتنی گاڑیاں اور کتنی دکانیں نذرِ آتش کر دی جاتی ہیں، اور وہ غریب طبقہ جو روزانہ کی بنیادوں پر محنت مزدوری کر کے اپنا چولہا گرم رکھنے کے قابل ہوتا ہے، مزدوری اور دہاڑی نہ لگنے سے فاقہ کشی تک پہنچ جاتا ہے۔
جہاں تک احتجاج اور ہڑتال کے دوران سرکاری املاک کی تباہی کی بات ہے، تو یہ اور بھی زیادہ سنگین معاملہ ہے، کیوں کہ سرکاری املاک کسی حکومت یا حکمران کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتیں، بلکہ اس کے ساتھ ملک کے تمام باشندوں کا حق وابستہ ہوتا ہے، جس میں لاکھوں نہیں کروڑوں افراد شامل ہوتے ہیں، اور سرکاری املاک میں عوام کے خون پسینہ کی محنت شامل ہوتی ہے، بلکہ ان مقدس ہستیوں کا خون بھی شامل ہوتا ہے، جو وطنِ عزیز کے حصول کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر گئیں، اور جامِ شہادت نوش کر گئیں، اسی لیے سرکاری املاک کی تباہی یا

لوٹ مار کی معافی یا تلافی کوئی آسان کام نہیں۔

ایسے شر پسند عناصر کے خلاف آواز بلند کرنا اور موثر کارروائی کرنا انتہائی ضروری ہے، اور ایسے مواقع پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کا چپ سادھنا سنگین جرم ہے۔

جب ہم ملک میں بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ کے اسباب اور اس کے حل پر غور کرتے ہیں، تو اس میں حکمران اور عوام دونوں ہی طبقوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

حکمرانوں کی نااہلی اور بجلی وگیس پیدا کرنے والے اداروں کے واجبات ادا نہ کرنا وغیرہ، جیسے مسائل تو اپنی جگہ ہیں، لیکن جب کسی جگہ ڈیم بنانے کا مسئلہ آتا ہے، تو اس میں متعلقہ علاقوں کے عوام کا رکاوٹ ڈالنا، اور قومی وسیع تر مفادات کے مقابلے میں ذاتی مفادات کو آڑ بنانا، کسی طرح بھی عقل مندی پر مبنی نہیں۔

اس کے علاوہ عوامی دنیا میں بجلی اور گیس کا بے جا استعمال اور ضیاع بھی ہمارے کلچر ومعاشرت کا حصہ بن گیا ہے، اور یہ بجلی وگیس کی قلت کا بڑا سبب ہے، جس کا ہم بارہا تذکرہ کر چکے ہیں۔

تیسری طرف بجلی اور گیس کے متعلقہ محکمے کے افسرانِ بالا بھی جرم سے بری نہیں ہیں، کیوں کہ ان کی طرف سے محکموں کو حاصل ہونے والی آمدنی اور املاک کے بے جا استعمال اور خرد برد اور اپنی جیبیں بھرنے کا سلسلہ اتنا طویل اور شرم ناک اور اس کی داستان اتنی دردناک وہولناک ہے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

اگر چور بازاری اور کرپشن نہ ہو تو واپڈا اور سوئی گیس کے اداروں کو عوامی بلوں کی شکل میں حاصل ہونے والی آمدنی کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ یہ محکمے دوسرے محکموں پر بوجھ ہونے کے بجائے، دوسرے کئی محکموں کی کفالت کا بھی فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں، لیکن ان محکموں کے افسرانِ بالا کا شاہی خرچ اور خرد برد، اور بڑے بڑے سرمایہ کاروں کے ساتھ مل کر ساز باز کرنا اور بجلی وگیس کی بھاری مقدار کے استعمال کا معاوضہ لینے کی بجائے رشوت اور ماہانہ

وسالانہ بھتہ لے کر اپنی جیبیں بھر لینا، اس راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان محکموں کے نظام کو صاف وشفاف بنایا جائے، اور بددیانتی کرنے والے افسران کو معزول کر کے ان کے خلاف موثر تادیبی کارروائی کی جائے۔

آخر میں عوامی دنیا کو اس مسئلے کے اہم ترین اور دیرپا حل کے لیے ہماری ذاتی تجویز یہ ہے کہ بار بار سڑکوں پر نکلنے اور ہڑتال واحتجاج کرنے سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ انتخابات کے موقع پر اپنے ووٹ کا استعمال اور حتی الامکان صحیح استعمال کیا جائے، کیوں کہ موجودہ دور میں حکمرانوں کے انتخاب، اور ان کی تبدیلی کے ظاہری اسباب کے درجے میں طریقے اور ذریعے مروجّہ انتخابات ہی ہیں، جس میں ملک کے تمام رائے دینے کے اہل باشندے مل کر ایسی تبدیلی کا اختیار رکھتے ہیں کہ اس طرح کی تبدیلی نہ تو ہڑتالوں سے حاصل ہو سکتی، اور نہ احتجاجوں سے۔

لہٰذا ملک کا ہر رائے دینے کا اہل باشندہ، انتخابات کے موقع پر اپنے ووٹ کا لازمی اور ممکنہ حد تک صحیح استعمال کرے، اور نااہل لوگوں کے لیے اس میدان کو آزاد نہ چھوڑے، تو ہمارے خیال میں دیرپا اور موثر تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہاں دینی ذہن رکھنے والا ایک بڑا مقتدر طبقہ، ہمیشہ سیاسی انتخابات میں عوام کے حصہ لینے کو جرم باور کراتا رہا ہے، جس کے نتیجے میں اکثر عوام الناس ووٹ کے استعمال ہی کو جرم سمجھنے لگے ہیں، اور وہ انتخابات کے دن اپنے گھروں میں بیٹھ کر چھٹی مناتے ہیں، مگر پھر ایک پانچ سال یا اس سے کم وبیش عرصہ کے لیے ووٹوں کے بل بوتے پر منتخب شدہ حکمرانوں کے خلاف زبان درازی اور جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس اُلٹی رِیت کا فلسفہ ہمیں آج تک سمجھ نہ آیا۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/1433ہجری جولائی/2012ء، جلد9 شمارہ8)

(100)

ماہِ رمضان میں خدمتِ خلق اور نفع رسانی کی ضرورت

رمضانُ المبارک کا مہینہ انتہائی عبادت اور فضیلت کا مہینہ ہے، اور اس مہینے کی عبادتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن کا اپنی ذات سے تعلق ہے، اور دوسری وہ جن کا دوسرے لوگوں سے تعلق ہے۔

جن عبادات کا اپنی ذات سے تعلق ہے، اُن میں روزہ، اور تراویح وغیرہ داخل ہیں۔

اور جن عبادات کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے، اُن میں سخاوت اور دوسرے کی اعانت، جیسے اعمال داخل ہیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضانُ المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے (بخاری) [1]

اس لیے اس مہینے کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان دونوں قسم کی عبادات کا حق ادا کریں۔

آج کل عام طور پر پہلی عبادت کو تو بہت سے لوگ اہمیت دیتے ہیں، جس کا تعلق اپنی ذات سے ہوتا ہے، لیکن دوسری عبادت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، اور اگر کچھ لوگوں کے دِلوں میں اس عبادت کی اہمیت ہوتی بھی ہے، تو وہ مخصوص صورتوں میں ہوتی ہے، مثلاً کسی روزہ دار کو افطار کرا دینا، اور کچھ صدقہ خیرات کر دینا وغیرہ۔

جب کہ اس عبادت کا دائرہ بہت وسیع ہے، جس میں خدمتِ خلق، اور نفع رسانی کی تمام

---

[1] عن ابن عباس، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أجود الناس، وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان يلقاه في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن، فلرسول الله صلى الله عليه وسلم أجود بالخير من الريح المرسلة (بخاری، رقم الحدیث ٦)

صورتیں داخل ہیں، کیوں کہ سخاوت کا مقصد بھی دوسرے کی مدد کرنا، اور اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے۔

لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں ہر مسلمان حسبِ حیثیت اپنے متعلقہ شعبے کو خدمتِ خلق اور دوسروں کی نفع رسانی کا ذریعہ بنائے۔

چنانچہ تاجر کو چاہیے کہ وہ اچھی اور معیاری چیز تیار اور فروخت کرے، اور اپنی تجارت کے نفع کے تناسب کو کم کرکے آخرت کی تجارت کے نفع میں اضافہ کرے۔

ملازم کو چاہیے کہ وہ اپنی ملازمت کے شعبے کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دے، تاکہ اُس کے نفع رسانی کے عمل کی وجہ سے آخرت کے ثواب میں اضافہ ہو۔

اسی طرح ہر شعبۂ زندگی سے منسلک مسلمان کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق خدمتِ خلق اور نفع رسانی کے جذبہ کو بروئے کار لانا چاہیے۔

مگر ایک مدت سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں بیش تر مسلمان عبادت کے اس اہم پہلو کو نظر انداز کردیتے ہیں، اور وہ اس مہینے کو آخرت کے بجائے دنیا کے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں، اور بہت سے لوگ تو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کم ناپنے، کم تولنے، غلط بیانی کرنے، جھوٹ بولنے حتیٰ کہ جھوٹی قسمیں اُٹھانے اور کام چوری کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتے، اور اس طرح کی حرکات میں عام طور پر لوگ روزہ رکھ کر مبتلا ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں رمضان المبارک کے اہم عمل روزہ کے آغاز اور اختتام میں بھی حرام خوری کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ان حالات میں ہر سال رمضانُ المبارک کا مہینہ ایک روایتی انداز میں آکر گزر جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے اپنے اندر کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آتی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رمضانُ المبارک کا آغاز ہونے سے پہلے ہی ذخیرہ اندوز حرکت میں آجاتے ہیں، اور کئی اشیائے ضروریہ اور خورد ونوش کے سامان کا ذخیرہ کرکے رکھ لیتے ہیں،

تاکہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں مہنگے ترین داموں پر بیچ کر دنیا کا زیادہ سے زیادہ نفع کماسکیں۔

پھر جب رمضانُ المبارک کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے، تو ذخیرہ اندوزوں کے علاوہ تاجر سے لے کر ملازم اور ادنیٰ درجہ کے پیشہ ور شخص کی طرف سے بھی زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانے اور جمع کرنے کی ہوس میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل انتہائی افسوس ناک اور باعثِ عار ہے۔

دوسری طرف جب ہم دنیا میں پائے جانے والے دیگر مذاہب کے لوگوں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں، تو معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے کہ اُن لوگوں کے مذہبی عبادت والے خاص مواقع پر چیزوں کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کردی جاتی ہے، بطورِ خاص عیسائیوں کے کرسمس ڈے کے موقع پر قیمتوں میں غیر معمولی کمی دیکھنے میں آتی ہے، جس کا آغاز کرسمس ڈے کی آمد سے کافی پہلے ہوجاتا ہے، اور اس کی وجہ سے ان کے اس تہوار کو معاشرتی پہلو کے لحاظ سے بھی عالمی سطح پر غیر معمولی اہمیت وشہرت دی جاتی ہے، جب کہ رمضانُ المبارک اور عیدین وغیرہ کے مواقع پر مسلمانوں کو اس طرح کی آسانی اور ارزانی پیدا کرنا چاہیے تھی، یہ اُن کے دین کا مطالبہ تھا، مگر ان ہی کا معاملہ اس سلسلے میں ناگفتہ بہ ہوچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے ان احوال کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' رمضان المبارک/1433 ہجری اگست/2012ء، جلد 9 شمارہ 9)

(101)

ایک اور سیلاب کے خطرات

جیسا کہ وطنِ عزیز کے ہر خاص و عام باشندہ کو معلوم ہے کہ وطنِ عزیز ایک عرصے سے متعدد قسم کی قدرتی آفات سے دوچار ہے، جن میں پانی وبجلی کی قلت سرفہرست ہے، اور وطن عزیز کے موجودہ نظام کے تحت بجلی کی قلت کا بڑا سبب بھی دراصل پانی ہی کی قلت ہے، جس کا مختلف طریقوں سے رونا رویا جاتا ہے، اور اس کی قلت کو دور کرنے کے لیے سینکڑوں تجاویز پیش و منظور کی جاتی ہیں، مگر سب بے سود ثابت ہوتی ہیں۔

لیکن دوسری طرف پانی کی قلت کی اس موجودہ صورتِ حال میں چند سالوں سے جب برسات کا موسم آتا ہے، تو قدرت کی طرف سے وطنِ عزیز کو پانی کے ایک بڑے سیلاب کی تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور ایسے حالات میں قدرت کی طرف سے یہ عبرت دلائی جاتی ہے کہ پانی کی جس قلت کا تم رونا روتے ہو، قدرت کے پاس اس کے اتنے ذخائر موجود ہیں کہ جو تمھارے مکانوں اور فصلوں کے بھرنے اور بہانے کے لیے بھی کافی ہیں۔

اس صورتِ حال اور قدرت کے فیصلے کو دیکھ کر یقین ہوجاتا ہے کہ مسائل کا حل وہ نہیں ہے، جو ہم نے سمجھا ہوا ہے، بلکہ اصل مسائل کا حل یہ ہے کہ اللہ کی طرف متوجہ ہوا جائے، اس کی ناراضگی کو دور کیا جائے، تاکہ جس نعمت و رحمت کے لیے پوری قوم بلک اور سسک رہی ہے، وہی نعمت و رحمت کہیں مصیبت و زحمت کی شکل اختیار نہ کرلے۔

موسمِ برسات میں چند سالوں سے لگاتار تباہ کن سیلابوں سے وطنِ عزیز کو مختلف قومی واقتصادی شعبوں میں سخت دھچکا لگا ہے، اور اب جب کہ موسمِ برسات جاری ہے، ماہرین موسمیات و تجربہ کاروں نے دوبارہ پیشین گوئی کی ہے اور اس بات کے خطرات و خدشات کا اظہار کیا ہے کہ امسال بھی دریاؤں میں طغیانی اور سیلاب کا خدشہ ہے، جب کہ ابھی تک

گزشتہ تباہ کن سیلابوں کے اثرات کا خاتمہ نہیں ہوا۔

قدرتِ الٰہی کی طرف سے یہ بار بار کی وارننگ ہمیں اپنی حالت کو درست کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے، اور گناہوں کی شکل میں عذابِ الٰہی کو دعوت دینے والے کاموں سے بچنے بچانے کی فکر دلاتی ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آیندہ عذاب وابتلاء سے وطن اور قوم کی حفاظت فرمائے، اور پانی جو کہ اجتماعی طور پر وطنِ عزیز کی اس وقت سب سے عظیم واہم ضرورت ہے اس کو مصیبت وزحمت کے بجائے نعمت ورحمت کا باعث بنائے، اور پوری قوم کو توبہ واستغفار کے ذریعے سے اپنے ناراضگی والے کاموں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1433ہجری ستمبر/2012ء، جلد9 شمارہ10)

(102)

گستاخانہ فلم کے خلاف ہڑتال اور احتجاجی مظاہرے

امریکا میں تیار کردہ گستاخانہ فلم کے خلاف حکومتِ پاکستان کی اپیل پر 3 ذیقعدہ 1433 ہجری 21 ستمبر 2012 بروز جمعہ ملک بھر میں یومِ عشقِ رسول منایا گیا، ملک بھر میں شٹر ڈاؤن اور پہیہ جام ہڑتال کی گئی، احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور ریلیاں نکالی گئیں، امریکی پرچم اور ملعون پادری کے پتلے نذرِ آتش کیے گئے۔

ملک بھر میں احتجاجی مظاہروں میں تشدد کے واقعات بھی پیش آئے، اور پشاور سے شروع ہونے والے پرتشدد احتجاج کا سلسلہ کراچی تک پھیل گیا، مختلف مقامات پر مظاہروں کے دوران اسلحہ کا آزادانہ استعمال کیا گیا، مظاہروں کے دوران تشدد اور آتش زدگی کے واقعات میں 31 افراد جاں بحق، اور سینکڑوں زخمی ہوگئے، جن میں سے بعض کی حالت نازک ہے، مشتعل مظاہرین نے متعدد سینما گھر، بینک، نجی و سرکاری عمارتوں، پولیس موبائلز سمیت متعدد گاڑیوں اور دیگر املاک کو نذرِ آتش کر دیا، جب کہ بعض مقامات پر لوٹ مار بھی کی گئی۔

(بہ حوالہ ''روزنامہ ایکسپریس اسلام آباد'' 4 ذیقعدہ 1433 ہجری، 22 ستمبر 2012ء بروز ہفتہ)

گستاخانہ فلم کے خلاف موثر تدبیر کرنا، بلاشبہ مسلمانوں کا حق اور ایمانی تقاضا ہے، لیکن اس میں ضروری ہے کہ شرعی احکام کی پابندی و پاسداری کی جائے، اور ہر قسم کے گناہ اور پُرتشدد کاروائی سے اجتناب کیا جائے۔

اور یہ بات یاد رکھی جائے کہ مسلمان خواہ خوشی و مسرت کی حالت میں ہوں، یا غم و غصہ اور صدمہ کی حالت میں، ان پر شرعی احکام کی پابندی ہر حال میں لازم ہے، غم و غصہ یا صدمہ میں مبتلا ہو کر شرعی احکام کو توڑنا، ہرگز بھی جائز نہیں ہو جاتا۔

مگر ایک عرصے سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں احتجاج اور ہڑتال کے

دوران پُر امن رہنے کی شرط پر عام طور سے عمل نہیں ہوتا، اور قتل، آتش زدگی، توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ اور لوٹ مار وغیرہ کے واقعات ضرور رونما ہوتے ہیں۔

اور انھی جیسی وجوہات کی بناء پر بعض اہلِ علم حضرات نے مروجہ ہڑتالوں اور مظاہروں کو غیر شرعی قرار دیا ہے، خواہ وہ کسی عظیم مقصد کے لیے کیوں نہ ہوں۔ [1]

لیکن اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو، اور وہ اس طرح کے گستاخانہ واقعات کے سدِ باب کے لیے ہڑتال یا مظاہرے کو ضروری قرار دے، تب بھی بہرحال شرعی اعتبار سے اس بات میں دورائے نہیں ہوں گی کہ ہڑتال یا مظاہرے کے دوران کسی مسلمان کو قتل یا زخمی کرنا، یا کسی کی عزتِ نفس کو مجروح کرنا، یا کسی مسلمان کا مال لوٹنا، یا نجی وسرکاری املاک کو نذرِ آتش کرنا سخت گناہ کا کام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جن کی نسبت سے مروجہ ہڑتالوں اور مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے) حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو اس قسم کے گناہوں سے بچنے کی خاص تلقین فرمائی تھی۔

اس کے علاوہ بھی دوسرے مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، جن میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں، تاکہ ہم غور کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’جن چیزوں کی حاجت (ضرورت) خیر القرون میں نہ ہوئی ہو اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص (قرآن وحدیث) ان کے خلاف نہ ہوں وہ تو مسکوت عنہا (یعنی ایسی چیز جس پر شریعت نے کوئی حکم نہ لگایا ہو بلکہ سکوت رکھا ہو) ہوسکتی ہیں لیکن ان چیزوں کی تو حاجت ہمیشہ ہی پیش آتی رہی پھر بھی نصوص (قرآن وحدیث) میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ (جس پر شریعت نے کوئی حکم نہیں لگایا) نہ ہوگا (بلکہ) منہی عنہ (ممنوع) ہوگا کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا اختیار نہیں کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لیے ممنوع ہوگا۔ علاوہ ان سب باتوں کے ایک یہ بات باریک ہے جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کے لیے حدود کی ضرورت ہے ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے سو اس (حدود کی رعایت) کا تحفظ کون کرے گا یا کون کرائے گا؟............ اگر تدابیر جدیدہ (موجودہ نئے طریقے اور تدبیریں) جائز بھی ہوں تب بھی اس کی ضرورت ہے کہ کوئی امیر ہو، تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے اور دوسروں سے بھی کرائے، بلا امیر کے کچھ نہیں ہوسکتا‘‘

(الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج ا ص ۱۱۰، ۱۱۱، ملفوظ نمبر ۱۱۶)

کافروں کی طرف سے سرزد ہونے والی گستاخی کے خلاف جدوجہد کرنے کے نتیجے میں وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام اور رسالت کا کلمہ پڑھنے کے باوجود کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی خلاف ورزی کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا و تکلیف پہنچانے کا تو باعث نہیں بن رہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عید الاضحیٰ کے دن خطبہ دیا، اور فرمایا کہ اے لوگو! یہ کون سا دن ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ یومِ حرام (یعنی انتہائی عظمت واحترام والا دن) پھر فرمایا کہ کون سا شہر ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ بلدِ حرام (یعنی انتہائی عظمت واحترام والا شہر) پھر فرمایا کہ کون سا مہینہ ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ شہرِ حرام (یعنی انتہائی عظمت واحترام والا مہینہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح سے کہ تم پر یہ دن حرام ہے، اس شہر میں اور اس مہینے میں، آپ نے یہ جملہ کئی مرتبہ دہرایا، پھر اپنا سر مبارک اٹھایا، اور فرمایا کہ اے اللہ! میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے، اے اللہ! میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کو وصیت ہے، پس چاہیے کہ حاضر شخص غائب شخص کو پہنچا دے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ) تم میرے بعد کافروں کی طرح مت ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کو قتل کرنے لگو (بخاری) [1]

---

[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، أن رسول اللہ ﷺ خطب الناس یوم النحر فقال: یا أیہا الناس أی یوم ہذا؟، قالوا :یوم حرام، قال :فأی بلد ہذا؟، قالوا :بلد حرام، قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر ہمارا کتنا عمل ہے؟ اس کو سوچ لینا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

نہیں چوری کرتا کوئی چوری کرنے والا جب کہ وہ مومن ہو، اور کوئی لوٹ مار نہیں کرتا، جس کی طرف لوگ لوٹ مار کرتے وقت اپنی نظروں کو اٹھا کر دیکھ رہے ہوں جب کہ وہ مومن ہو (بخاری) [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آواز بلند کرنے کے نام پر لوٹ مار کرنے والے مذکورہ احادیث کی روشنی میں اپنے ایمان واعمال کا جائزہ لیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ کون سا اسلام افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں (بخاری) [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے خلاف مظاہرہ کر کے دوسروں کو جانی ومالی تکلیف پہنچانے والے سوچ لیں کہ ان کا اسلام کس درجہ کا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأى شهر هذا؟، قالوا :شهر حرام "، قال :فإن دماء كم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، فى بلدكم هذا، فى شهركم هذا، فأعادها مرارا، ثم رفع رأسه فقال " :اللهم هل بلغت، اللهم هل بلغت -قال ابن عباس رضى الله عنهما : فوالذى نفسى بيده، إنها لوصيته إلى أمته، فليبلغ الشاهد الغائب، لا ترجعوا بعدى كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض "(صحيح بخارى، رقم الحديث ١٧٣٩)

[1] عن أبى هريرة رضى الله عنه، قال :قال النبى صلى الله عليه وسلم :لا يزنى الزانى حين يزنى وهو مؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشرب وهو مؤمن، ولا يسرق حين يسرق وهو مؤمن، ولا ينتهب نهبة، يرفع الناس إليه فيها أبصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن(صحيح بخارى، رقم الحديث ٢٤٧٥)

[2] عن أبى موسى رضى الله عنه، قال :قالوا يا رسول الله، أى الإسلام أفضل؟ قال : من سلم المسلمون من لسانه، ويده(صحيح بخارى ، رقم الحديث ١١)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان تو وہی ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے، مسلمان سلامت رہیں (بخاری) [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے سلامت رہنے والے ہی اصل مسلمان ہیں، جو لوگ دوسرے مسلمانوں کو اپنے ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچا رہے ہوں، خواہ وہ گستاخِ رسول کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہوں، اپنا جائزہ لے لیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے عمر! آپ طاقت ور آدمی ہیں، آپ حجرِ اسود پر مزاحمت نہ کریں، جس سے ضعیف لوگ تکلیف اٹھائیں، اگر آپ خالی جگہ پائیں، تو اس کو بوسہ دے لیں، ورنہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھ لیں (مسند احمد) [2]

حجرِ اسود کا بوسہ لینا عظیم عبادت ہے، مگر اس عبادت کی انجام دہی کے وقت بھی دوسرے مسلمان کی ایذا رسانی کو گوارا نہیں کیا گیا، اور اس عبادت کا متبادل طریقہ تجویز کیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے خلاف مظاہرے کرنے والے سوچ لیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اشادات اور ہدایات پر کس درجہ عمل پیرا ہیں۔

اگر ان پر عمل پیرا نہیں، تو پھر سوچ لیں کہ کل قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس منہ سے پیش ہوں گے؟ اللہ اس گھڑی کی رسوائی سے محفوظ فرمائے۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1433ہجری اکتوبر/2012ء، جلد 9 شمارہ 11)

---

[1] عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه (صحيح بخارى، رقم الحديث ١٠)

[2] عن عمر بن الخطاب، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال له "يا عمر، إنك رجل قوى، لا تزاحم على الحجر فتؤذى الضعيف، إن وجدت خلوة فاستلمه، وإلا فاستقبله فهلل وكبر (مسند احمد، رقم الحديث ١٩٠)

قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن رجاله ثقات رجال الشيخين غير الشيخ بمكة (حاشية مسند احمد)

(103)

بنجر زمینوں کو آباد کرنے کی ضرورت

آج کل ملک کو غیر معمولی معاشی مشکلات اور بے روزگاری کا سامنا ہے، جس کو دُور کرنے کے لیے مختلف تدابیر بروئے کار لانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ ان مشکلات کو دُور کرنے کے لیے غیر معمولی سرمایہ درکار ہے، جب کہ ملک پہلے سے خود بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہونے اور شاہ خرچیوں کی وجہ سے اس کا متحمل نہیں ہے۔

ان حالات میں ضرورت یہ ہے کہ ایسی تدابیر بروئے کار لائی جائیں کہ جو اس مشکل گھڑی میں کارآمد ہوں۔

اس سلسلہ میں ہمیں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ملک میں وسیع وعریض اور غیر معمولی رقبے ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ جو بالکل بنجر اور بے آباد ہیں، ان کو مختلف طریقوں سے آباد کیا جائے، جس سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری میں بھی غیر معمولی کمی واقع ہوسکتی ہے۔

اسی کے ساتھ ملک کو معاشی اعتبار سے بھی بہت بڑا سہارا حاصل ہوسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ''ہم خرما وہم ثواب'' کا مصداق بن کر صدقۂ جاریہ کا ثواب بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

احادیث میں درخت لگانے، کھیتی باڑی کرنے، اور پانی کا انتظام کرنے کو صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا ہے، اور بتلایا گیا ہے کہ ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق جن جن شکلوں میں بھی جب تک فائدہ اٹھاتی اور مستفید ہوتی رہتی ہے، اس وقت تک اس طرح کا عمل انجام دینے والے کو ثواب ملتا رہتا ہے۔ [1]

---

[1] أخبرني عمرو بن دينار، أنه سمع جابر بن عبد الله، يقول :دخل النبي صلى الله عليه وسلم على أم معبد حائطا، فقال :يا أم معبد، من غرس هذا النخل؟ أمسلم أم كافر؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جب تک درخت لگا ہوا ہوتا ہے، اس وقت تک تو اس سے انسان اور چرند پرند مختلف شکلوں سے فائدہ اٹھاتے ہی ہیں، اور کچھ بھی نہ ہوتو چرند پرند اس پر رہایش رکھتے ہیں، اور اس کے ذریعے سے گرمی، سردی، بارش، دھوپ اور موذی جانوروں سے حفاظت کا سامان کرتے ہیں۔ انسان اور جانور اس درخت کے سایہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اس درخت پر آنے والے پھل سے دوسرے پھلوں کے بیج اور گٹھلیاں نکلتی ہیں، اور کتنے دوسرے درخت اور پودے تیار ہوتے ہیں۔

بعض درختوں اور جڑی بوٹیوں کے مختلف اجزا بے شمار دوائیوں میں استعمال ہوتے ہیں، اور درخت سے گوند وغیرہ بھی نکلتا ہے، جو مختلف شکلوں میں کام آتا ہے، پھر اس درخت سے کاٹی جانے والی لکڑی، بلکہ اس کے پتوں سے آگ جلا کر مختلف طریقوں سے ضرورت پوری کی جاتی ہے، لکڑی سے بے شمار ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اور اگر درخت کاٹ لیا جائے، تو اس سے بڑے بڑے شہتیر اور کڑیاں، دروازے، کھڑکیاں، میزیں اور صوفے اور چھٹے وغیرہ بنتے ہیں، اور درخت کے بانس بھی سیڑھی اور دوسری شکلوں میں کام آتے ہیں۔

غرضیکہ درخت کا نفع بہت عام اور وسیع ہے، اس لیے یہ عظیم صدقہ بلکہ صدقۂ جاریہ ہے۔

پانی بھی عام ضرورت کی چیز ہے، جس سے اللہ کی مخلوق مختلف طریقوں سے فائدہ اُٹھاتی ہے، اس لیے پانی کا انتظام بھی صدقۂ جاریہ ہے۔

جو زمین بنجر و بے آباد ہو، اس کو آباد کرنے اور استعمال کے قابل بنانے سے ہی اس پر کھیتی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقالت :بل مسلم، قال :فلا يغرس المسلم غرسا، فيأكل منه إنسان، ولا دابة، ولا طير، إلا كان له صدقة إلى يوم القيامة(مسلم، رقم الحديث ١٥٥٢ "١٠" كتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، عن جابر)

عن أنس بن مالك، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :ما من مسلم غرس غرسا، فأكل منه إنسان أو دابة، إلا كان له به صدقة(بخارى، رقم الحديث ٦٠١٢، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، عن انس)

باڑی کی جاسکتی ہے، اور دوسرے طریقوں سے اللہ کی مخلوق کے لیے فائدہ کی صورتیں مہیاء کی جاسکتی ہیں۔

اس لیے بنجر زمین کو آباد کرنے کے بھی احادیث میں فضائل آئے ہیں، بلکہ اگر کوئی بنجر زمین کو آباد کرے، اور وہ زمین پہلے سے کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو، بلکہ سرکاری زمین ہو، اس کو آباد کرنے والے کو شریعت نے مالکانہ حقوق فراہم کیے ہیں۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مردہ (یعنی بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ کیا، تو اس کو اس عمل سے اجر حاصل ہوتا ہے اور جو کوئی رزق کا طلب گار (انسان یا کسی بھی قسم کا جانور یا چرند پرند) اس (کھیتی باڑی اور اس کی جڑ، تنے، شاخ، پتے، پھل و پھول) سے کھاتا ہے، تو اس میں اس شخص کو اجر حاصل ہوتا ہے (مسند احمد) [1]

ایک روایت میں ہے کہ:

جس نے کسی مردہ (یعنی بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ کیا، تو اس کو اس عمل سے اجر حاصل ہوتا ہے اور جو کوئی رزق کا طلب گار (انسان یا کسی بھی قسم کا جانور یا چرند پرند) اس (کھیتی باڑی اور اس کی جڑ، تنے، شاخ، پتے، پھل و پھول) سے کھاتا ہے، تو اس میں اس شخص کو صدقہ کا اجر حاصل ہوتا ہے (مسند احمد) [2]

---

[1] أخبرني عبيد الله بن عبد الرحمن الأنصاري، قال: سمعت جابر بن عبد الله، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من أحيا أرضا ميتة له بها أجر، وما أكلت منه العافية فله به أجر "(مسند احمد، رقم الحديث ١٤٣٦١)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وهذا إسناد حسن(حاشية مسند احمد)

[2] عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من أحيا أرضا ميتة، فله فيها أجر، وما أكلت العافية منها، فهو له صدقة "(مسند احمد، رقم الحديث ١٤٥٠٠)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وهذا إسناد حسن(حاشية مسند احمد)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ جس آدمی نے کسی (بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ وآباد کیا، پھر اس سے کسی جان دار (آدمی یا جانور) نے پیا، یا رزق کے طلب گار (انسان یا کسی بھی قسم کے جانور یا چرند پرند) نے اس سے کچھ حاصل کیا (خواہ رزق کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں) تو اللہ اُس آباد کرنے والے کے لیے اس کا اجر لکھ دیتا ہے (طبرانی) [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی زمین کو آباد کیا، جو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں تھی، تو وہ اس زمین کا زیادہ حق دار ہے۔

حضرت عروہ (اس روایت کے راوی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا (بخاری) [2]

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مُردہ (بنجر و بے آباد) زمین کو زندہ

---

[1] حدثنا يحيى بن أيوب العلاف، ثنا سعيد بن أبي مريم، ثنا موسى بن يعقوب، حدثتني عمتي قريبة بنت عبد الله، أن أباها، قالت له أم سلمة :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول :ما من امرء يحيى أرضا، فيشرب منه كبد حرى أو يصيب منه عافية، إلا كتب الله له به أجرا (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٩٤٩، ج٢٣ص٣٩٧)

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الأوسط، وفيه موسى بن يعقوب الزمعي وثقه ابن معين وابن حبان، وضعفه ابن المديني، وتفرد عن قريبة شيخته (مجمع الزوائد،ت تحت رقم الحديث ٦٧٨٢، باب إحياء الموات)

[2] عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :من أعمر أرضا ليست لأحد فهو أحق، قال عروة :قضى به عمر رضي الله عنه في خلافته (بخاري، رقم الحديث ٢٣٣٥، باب من أحيا أرضا مواتا)

(آباد) کیا، تو وہ زمین اسی کی ہو جائے گی (ترمذی) [1]

اس قسم کی اور بھی احادیث مروی ہیں۔ [2]

جب کسی بے آباد و بنجر زمین پر کوئی تعمیر کر لی جائے، یا اس میں کھیتی باڑی شروع کر دی جائے، یا اس میں پانی کا انتظام کر لیا جائے، تو ان سب طریقوں سے اس زمین کو آباد کرنا، وجود میں آ جاتا ہے۔ [3]

---

[1] عن سعيد بن زيد، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من أحيا أرضا ميتة فهى له وليس لعرق ظالم حق (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٣٧٨ ، باب ما ذكر فى إحياء أرض الموات)

قال الترمذى:هذا حديث حسن غريب وقد رواه بعضهم، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن النبى صلى الله عليه وسلم مرسلا.

[2] عن جابربن عبد الله، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من أحيا أرضا ميتة فهى له :هذا حديث حسن صحيح (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٣٧٩ ، باب ما ذكر فى إحياء أرض الموات)

عن سمرة، عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال" :من أحاط حائطا على أرض فهى له" صحيح لغيره(ابوداؤد، رقم الحديث ٣٠٧٧، باب فى إحياء الموات، واللفظ لهٗ ، مسند احمد، رقم الحديث ٢٠١٣٠)

قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره(حاشية مسند احمد)

عن فضالة بن عبيد قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الأرض أرض الله، والعباد عباد الله، من أحيا مواتا فهى له(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٨٢٣، ج١٨ ص٣١٨)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد،ت تحت رقم الحديث ٦٧٨٣، باب إحياء الموات)

[3] يكاد يتفق الحنفية والمالكية فيما يكون به الإحياء ، فقد نص الحنفية على أن الإحياء يكون بالبناء على الأرض الموات، أو الغرس فيها، أو كريها (حرثها) ، أو سقيها.

ونص مالك على أن إحياء الأرض أن يحفر فيها بئرا أو يجرى عينا أو يغرس شجرا أو يبنى أو يحرث ما فعل من ذلك فهو إحياء .وقاله ابن القاسم وأشهب .وقال عياض :اتفق على أحد سبعة أمور :تفجير الماء ، وإخراجه عن غامرها به، والبناء والغرس والحرث، ومثله تحريك الأرض بالحفر، وقطع شجرها، وسابعها كسر حجرها وتسوية حفرها وتعديل أرضها.

أما الشافعية فقد نصوا على أن ما يكون به الإحياء يختلف بحسب المقصود منه، فإن أراد مسكنا اشترط لحصوله تحويط البقعة بآجر أو لبن أو محض الطين أو ألواح الخشب والقصب بحسب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر کسی بنجر زمین کو آباد کرنے کی وجہ سے آباد کرنے والے کو ملکیت حاصل ہونے کے لیے بعض فقہائے کرام کے نزدیک ضروری ہے کہ حکومت کی اجازت سے اُس نے اُس بنجر زمین کو آباد کیا ہو، جب کہ بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العادة، وسقف بعضها لتتهيأ للسكنى، ونصب باب لأنه المعتاد فى ذلک .وقيل لا يشترط، لأن السكنى تتحقق بدونه .وإن كان المقصود زريبة للدواب فيشترط التحويط، ولا يكفى نصب سعف أو أحجار من غير بناء، ولا يشترط السقف، لأن العادة فى الزريبة عدمه، والخلاف فى الباب كالخلاف فيه بالنسبة للمسكن .والإحياء فى المزرعة يكون بجمع التراب حولها، لينفصل المحيا عن غيره .وفى معنى التراب قصب وحجر وشوک، ولا حاجة إلى تحويط وتسوية الأرض بطم المنخفض وكسح المستعلى.

فإن لم يتيسر ذلک إلا بما يساق إليها فلا بد منه لتتهيأ للزراعة .ولا تشترط الزراعة بالفعل على أحد قولين، لأنها استيفاء منفعة، وهو خارج عن الإحياء .والقول الثانى :لا بد منها، لأن الدار لا تصير محياة إلا إذا حصل فيها عين مال المحيى، فكذا الأرض.

وللحنابلة فيما يكون به الإحياء روايتان، إحداهما، وهى ظاهر كلام الخرقى ورواية عن القاضى : أن تحويط الأرض إحياء لها سواء أرادها للبناء أو الزرع أو حظيرة للغنم أو الخشب أو غير ذلک ونص عليه أحمد فى رواية على بن سعيد، فقال :الإحياء أن يحوط عليها حائطا، أو يحفر فيها بئرا أو نهرا .ولا يعتبر فى ذلک تسقيف، وذلک لما روى الحسن عن سمرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم :قال من أحاط حائطا على أرض فهى له .رواه أبو داود والإمام أحمد فى مسنده، ويروى عن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله، ولأن الحائط حاجز منيع، فكان إحياء، أشبه ما لو جعلها حظيرة للغنم .ويبين من هذا أن القصد لا اعتبار له .ولا بد أن يكون الحائط منيعا يمنع ما وراء ه، ويكون مما جرت به العادة بمثله .ويختلف باختلاف البلدان.

ورواية القاضى الثانية " :أن الإحياء ما تعارفه الناس إحياء، لأن الشرع ورد بتعليق الملک على الإحياء، ولم يبينه ولا ذكر كيفيته، فيجب الرجوع فيه إلى ما كان إحياء فى العرف، ولا يعتبر فى إحياء الأرض حرثها ولا زرعها، لأن ذلک مما يتكرر كلما أراد الانتفاع بها فلم يعتبر فى الإحياء كسقيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص٢٤٨ وص ٢٤٩، مادة"احياء الموات"، ما يكون به الإحياء)

[1] فقهاء المذاهب مختلفون فى أرض الموات هل هى مباحة فيملک كل من يحق له الإحياء أن يحييها بلا إذن من الإمام، أم هى ملک للمسلمين فيحتاج إحياؤها إلى إذن؟

ذهب الشافعية والحنابلة وأبو يوسف ومحمد إلى أن الإحياء لا يشترط فيه إذن الإمام، فمن أحيا أرضا مواتا بلا إذن من الإمام ملكها.

وذهب الإمام أبو حنيفة إلى أنه يشترط إذن الإمام، سواء أكانت الأرض الموات قريبة من العمران أم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کے دور میں کسی سرکاری جگہ کو آباد کرنے سے، ملکیت حاصل ہونے کے لیے حکومت کی اجازت کا ہونا انتظامی طور پر مصلحت کے مطابق ہے۔

اس لیے اگر حکومت کی طرف سے ملک کے وسیع وعریض پڑے ہوئے رقبوں کو مختلف شکلوں میں آباد کرنے کی صورت میں مالکانہ حقوق دینے کا اعلان کیا جائے، اوراس کی ترغیب دی جائے، اور مختلف علاقوں کی ضروریات کے لحاظ سے بنجر زمینوں کو آباد کرنے کی مختلف مناسب شکلوں کی بھی نشان دہی کردی جائے، اوراس کے لیے ایک صاف شفاف، عدل وانصاف پرمبنی نظام وقانون وضع کردیا جائے۔

تو متعدد بے روزگار لوگوں کی ضروریات بھی پوری ہوں گی اور ملک کی معاشی ضروریات پوری ہونے، بلکہ معاشی ترقی کے حصول میں بھی مدد حاصل ہوگی۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1433ہجری نومبر/2012ء، جلد9 شمارہ12)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعيدة .واشترط المالكية إذن الإمام فى القريب قولا واحدا .ولهم فى البعيد طريقان :طريق اللخمى وابن رشد أنه لا يفتقر لإذن الإمام، والطريق الآخر أنه يحتاج للإذن .والمفهوم من نصوص المالكية أن العبرة بما يحتاجه الناس وما لا يحتاجونه، فما احتاجوه فلا بد فيه من الإذن، وما لا فلا.

احتج الجمهور بعموم قوله صلى الله عليه وسلم :من أحيا أرضا فهى له ، ولأن هذه عين مباحة فلا يفتقر ملكها إلى إذن الإمام كأخذ الحشيش، والحطب.

واحتج أبو حنيفة بقوله صلى الله عليه وسلم :ليس للمرء إلا ما طابت به نفس إمامه ، وبأن هذه الأراضى كانت فى أيدى الكفرة ثم صارت فى أيدى المسلمين، فصارت فيئا، ولا يختص بالفيء أحد دون رأى الإمام، كالغنائم ، ولأن إذن الإمام يقطع المشاحة .والخلاف بين الإمام وصاحبيه فى حكم استئذان الإمام فى تركه من المحيي المسلم جهلا .أما إن تركه متعمدا تهاونا بالإمام، كان له أن يسترد الأرض منه زجرا له .وكل هذا فى المحيي المسلم فى بلاد الإسلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ٢٤١ وص ٢٤٢، مادة ''احياء الموات''، إذن الإمام فى الإحياء)

(104)

2013ء کے انتخابات کی تیاری

بے نظیر بھٹو کی وفات کے بعد پیپلز پارٹی یا آصف زرداری کی موجودہ حکومت کا پانچ سالہ دورِ حکومت مکمل ہونے کے قریب ہے، اور آیندہ انتخابات کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔

ہم کئی مرتبہ یہ واضح کر چکے ہیں کہ موجودہ انتخابات کے طریقہ کار میں کئی اصلاحات کی ضرورت ہے، اور اس میں متعدد قسم کے نقائص پائے جاتے ہیں، لیکن کیوں کہ ان اصلاحات کا اختیار ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور موجودہ طریقۂ کار کے مطابق انتخابات کے ذریعے ایک عرصے سے حکومتوں کی آمد جامد ہوتی رہی ہے، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اس لیے ملک کا شہری ہونے اور انتخابات میں حقِ رائے دہی حاصل ہونے کے اعتبار سے ووٹ دینے کی اہلیت رکھنے والے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو ضائع ہونے سے بچائے، اور اس کا امانت دیانت کے ساتھ استعمال کرے، اور اس سلسلے میں اپنی طرف سے غفلت ولاپروائی کا مظاہرہ نہ کرے، کیوں کہ ظاہری اسباب کے درجے میں انتخابات میں ووٹ کی تعداد اور گنتی کے کم یا زیادہ ہونے کی بنیاد پر کسی امیدوار کی فتح و شکست کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اور اس حالت میں ایک ایک ووٹ کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

مگر بدقسمتی، کم علمی، خیانت، مال و منصب اور عہدوں کی بے جا محبت وغیرہ جیسی بداخلاقیوں کی وجہ سے ووٹوں کے سلسلے میں بڑی بڑی بے اعتدالیاں سامنے آتی ہیں، ملک کے ایک بڑے طبقے کا تو حال یہ ہے کہ اسے ووٹوں سے کوئی سروکار ہی نہیں، نہ اس نے کبھی ووٹ کو استعمال کرنے کی ضرورت سمجھی، اور نہ کبھی ووٹ کا استعمال کیا، اور کیا تو کس طرح کیا، خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ ووٹ ڈالنے کو وہ اپنی شان و شوکت کے خلاف سمجھتا ہو، یا پھر یہ وجہ ہو کہ وہ بہر حال ووٹ کے استعمال کو ہی شرعاً گناہ بلکہ بڑا گناہ تصور کرتا ہو، یا پھر یہ وجہ ہو کہ اس کے

نزدیک اپنے ایک ووٹ کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو، اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ میرے ایک ووٹ یا میرے گھر کے چند ووٹوں کے استعمال سے کون سی فتح وشکست کا فیصلہ ہوتا ہے، یا پھر یہ کہ ووٹ کا استعمال جس کے حق میں بھی کر دیا جائے، بس ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے، خواہ وہ امیدوار کسی بھی طرح کا ہو، یا پھر اس کے نزدیک ووٹ کی حیثیت ایک نوٹ کی طرح ہو کہ جہاں ووٹ کے استعمال میں نوٹ حاصل ہوں، وہاں استعمال کرنے کی ضرورت سمجھتا ہو، اور ووٹ اس کے نزدیک ایک مال اور سودے کی طرح خرید وفروخت کی چیز ہو۔

بہر حال یہ اور اس طرح کی کئی بے اعتدالیوں کے پائے جانے کی وجہ سے ووٹوں کا معاملہ قدم قدم پر بے اعتدالیوں کا شکار ہے، اور ان بے اعتدالیوں کے نتائجِ بد سے پورا ملک دوچار ہے۔

ہمارے نزدیک ووٹ کو درحقیقت ایک بڑی شہادت وگواہی کا درجہ حاصل ہے، جس کا چھپانا اور استعمال نہ کرنا بھی جرم ہے، اور اپنے نزدیک نااہل کے حق میں اس کا استعمال کرنا بھی جرم ہے۔

جب تک اس قسم کی بے اعتدالیاں اور غلط فہمیاں دور نہ ہوں، اس وقت تک ظاہری اسباب کے درجے میں کسی بہتر تبدیلی، اور ملک وملت کی خوش حالی کی توقع رکھنا اور ملک میں جاری دہشت گردی، قتل وغارت گری، کرپشن، لوٹ مار، اغوا کاری، مہنگائی، بے روزگاری، فحاشی اور بے حیائی وغیرہ جیسی خرابیوں سے نجات کا حاصل ہونا بظاہر مشکل ہے۔

اس لیے موجودہ انتخابات میں ملک کا ہر شہری امانت ودیانت کے ساتھ اپنے ووٹ اور ذمہ داری کا استعمال ضرور کرے۔

اس میدان کو نااہل امیدواروں اور ووٹروں کے حوالے کر کے گھر میں بیٹھ جانے کے طرزِ عمل سے بچنا چاہیے، جس سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بدتر کے مقابلے میں بہتر نتائج سے محروم نہیں فرمائے گا۔ اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ''، محرم الحرام/1434ہجری دسمبر/2012ء، جلد10 شمارہ1)

(105)

21دسمبر 2012ء یا قیامت کا دن

آج جب کہ ہم یہ سطور قلم بند کر رہے ہیں، مؤرخہ 21دسمبر 2012ء بروز ہفتہ کی شام ہونے کو ہے، اور الحمد اللہ تعالیٰ 21دسمبر 2012ء کی تاریخ بخیر و عافیت گزر چکی ہے، جس کے بارے میں کئی سال سے عالمی سطح پر خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی گئی تھی کہ یہ قیامت قائم ہونے کا دن ہوگا، معلوم نہیں، اس کے پسِ پردہ کیا مقاصد ہوں گے کہ ڈاکومنٹری، فلمیں، رسائل و جرائد، کتب، سروے، رپورٹیں، تجزیے و تبصرے اور سائنسی امکانات، غرضیکہ وسیع پیمانے پر اور ہر سطح پر اس تاریخ کو دنیا کی تباہی کا عندیہ دیا گیا تھا، اور میڈیا نے اس کی خوب تشہیر کی تھی، اور اس کے نتیجے میں دنیا میں بہت سے لوگ، دہشت اور خوف و ہراس کا شکار تھے، بلکہ بعض لوگوں کے متعلق تو یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ وہ اپنے بعض اہم کام اور آیندہ کے بڑے منصوبوں کو بھی چھوڑ چھاڑ کر اس لیے بیٹھ گئے ہیں کہ اب اس محنت کے کرنے کا کیا فائدہ، جب 21دسمبر 2012ء کو قیامت آجائے گی اور سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

ہم سے بھی اس کے متعلق بہت سے لوگوں کی طرف سوالات کیے جاتے رہے، جس کے جواب میں ہم نے یہی کہا کہ قربِ قیامت میں قرآن و سنت میں بہت سی بڑی بڑی اور اہم پیشین گوئیاں مذکور ہیں، مثلاً حضرت مہدی رحمہ اللہ کی آمد، یاجوج ماجوج اور دجال کا خروج، اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا آسمان سے نزول وغیرہ وغیرہ، ان علامتوں کے ظہور سے پہلے قیامتِ کبریٰ کا قائم ہونا ممکن نہیں، البتہ بعض عالمی تغیرات و حادثات کے قیامت سے پہلے رونما ہونے سے انکار نہیں، احادیث میں قیامت سے پہلے بڑے بڑے زلزلوں اور طوفانوں کی پیشین گوئی کی گئی ہے، لیکن ساتھ ہی ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور گناہوں کو چھوڑ کر توبہ استغفار کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، جس کی

برکت سے نہ صرف آخرت کے عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی عذاب سے محفوظ فرمالیتا ہے۔

مگر ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگوں کے ذہن اس 21 دسمبر 2012 کو قیامت کے قائم ہونے کے سلسلے میں بہت پختہ ہو چکے تھے، اور وہ اس کے مقابلے میں کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے، بلکہ بعض لوگ تو اس سے بڑھ کر قرآن وسنت میں مذکور پیشین گوئیوں کے بارے میں بھی طرح طرح کی تاویلات کر کے طاغوتی قوتوں کی مذکورہ پیشین گوئی کو ہی درست قرار دینے کی کوشش کرتے تھے، ان حالات میں ہم نے فیصلہ کرلیا کہ اب جب کوئی اس سلسلے میں سوال واستفسار کرے گا، تو اسے اس سوال کے جواب کے لیے 21 دسمبر 2012 تک منتظر رہنے کا کہا جائے گا، لہٰذا اس کے بعد جب ہم سے کوئی اس سلسلے میں سوال کرتا، تو ہمارا جواب یہی ہوتا کہ اس کا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ 21 دسمبر 2012 خیر وعافیت سے گزرنے کے بعد خود ہی مل جائے گا، اور جس پروپیگنڈے کے آپ شکار ہو رہے ہیں، اس کا پول بھی کھل جائے گا۔ ؏ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

اور اب ہماری اس تحریر کے دوران ہی آج بحمد اللہ تعالیٰ 22 دسمبر 2012 کے دن کا سورج بھی طلوع ہو چکا ہے، تو طاغوتی قوتوں کی اس پیشین گوئی کے جھوٹے ہونے کا جواب نہ صرف ہماری طرف سے حاضرِ خدمت ہے، بلکہ الحمد للہ تعالیٰ خود دنیا اور یہ کائنات اور اس کا ہر ذرہ اپنے وجود باجود سے اس پیشین گوئی کی تردید وتکذیب کر رہا ہے، اور قرآن وسنت کی پیشین گوئیاں اپنی جگہ قائم ودائم ہیں، اور انسانیت کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے اور گناہوں سے بچ کر توبہ واستغفار کی طرف متوجہ کر رہی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو شیطانی وطاغوتی تلبیسات اور چال بازیوں ومکاریوں سے محفوظ رکھے، اور ہم سب کو قیامت کے دن کی حقیقی تیاریاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' صفر المظفر / 1434ہجری جنوری / 2013ء، جلد 10 شمارہ 2)

(106)

کیا سیاست وحکومت پر تبصروں سے تبدیلی آجائے گی؟

آج کل عام طور سے مزاج یہ بن گیا ہے کہ کسی بھی کام کی صحیح اور موثر تدبیر اختیار کرنے کے بجائے، اس پر تبصرے اور تجزیوں پر زورِ زبان وقلم خرچ کیا جاتا ہے، بلکہ بعض لوگ تو تبصروں وتجزیوں ہی کو کافی اور اصل تدبیر سمجھتے ہیں، یہی معاملہ سیاست وحکومت کے معاملات میں بہت سے لوگوں کی طرف سے سامنے آتا ہے۔

جب کہ حکومت وسیاست پر سال ہا سال کے تبصروں وتجزیوں کا نتیجہ سامنے ہے کہ مجموعی طور پر حکومت وسیاست کے معاملات بہتری کے بجائے ابتری کی طرف گئے ہیں۔

اور بعض لوگوں کی طرف سے ہمارے ملک میں موجودہ سیاست کو جمہوری سیاست قرار دے کر اگرچہ کامیاب قرار دیا جارہا ہے، مگر پانچ سالہ دورِ حکومت پورا ہونے کے قریب ہے، اور ملک کی صورتِ حال یہ ہے کہ نہ بہ قدرِ ضرورت بجلی ہے، نہ گیس ہے، اور نہ ہی عام طور پر ساز گار روزگار ہے، اور بھی بہت کچھ کہنے کو ہے، مگر اس موقع پر اصل بات جو قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ کیا سیاست وحکومت پر تبصروں وتجزیوں سے تبدیلی ممکن ہے، یا اس کے لیے موثر عملی تدبیر بھی ضروری ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دور میں ہمارے یہاں انتخابات کا طریقہ رائج ہے، جس میں ووٹوں کے ذریعے سے حکمرانوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، اور قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک اس طریقہ سے حکمران منتخب ہوکر سامنے آتے رہے ہیں، جب کہ کئی حکمران ملک میں غیر انتخابی راستے سے بھی آئے ہیں، مگر ہمارے خیال میں اس کی اصل وجہ بھی ملک کے بڑے حلقے اور طبقے کی ووٹوں کے استعمال سے عدمِ دلچسپی ہے۔

اس لیے موجودہ سیاست وحکومت کی تبدیلی یا اصلاح کے حوالے سے اصل کام یہ ہے کہ ملک

کے تمام ووٹوں کے اہل حضرات بروقت ووٹ کا استعمال کریں، اور ذمہ دارانہ طریقے سے استعمال کریں، جس میں کسی ذاتی مفاد کے بجائے ملک وملت کے اجتماعی مفاد کو ترجیح دیں، اور ذاتی تعلقات، لسانیت، برادری وقوم پرستی کے بجائے حق پرستی کو ترجیح دیں، اور چند ٹکوں کے بجائے وسیع تر قومی مفاد کو ترجیح دیں۔

ہمیں امید ہے کہ اگر ملک کے سب ووٹ دینے کی اہلیت رکھنے والے افراد ذمہ دارانہ طریقے پر اپنے ووٹ کا استعمال کریں گے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک ہی دن میں تبدیلی آجائے گی۔

اور اگر آپ نے ووٹ کا استعمال ہی نہیں کیا، یا غلط استعمال کیا، تو پھر آنے والے پانچ سالہ دورِ حکومت کی بدعنوانیوں میں بھی برابر کے شریک سمجھے جائیں گے۔

مگر تعجب ہے کہ ہمارے ملک کے بڑے طبقے کا حال یہ ہے کہ وہ سرے سے ووٹ کا استعمال ہی نہیں کرتا، اور اس کے بجائے ووٹوں کے دن صبح سے شام تک گھر میں بیٹھ کر ٹی وی وغیرہ پر ووٹوں کی خبروں کا تماشا دیکھتا ہے، اور شام یا صبح ہونے پر نتائجِ بد سامنے آنے کے بعد سال ہا سال تک تبصرے وتجزیے کرتا ہے، جب کہ نماز روزہ کے پابند ایک بڑے طبقے کا حال یہ ہے کہ یا تو اسے ووٹوں کے معاملات سے کوئی سروکار ہی نہیں، یا وہ اس طریقہ کو سراسر گمراہی تصور کرتا ہے، اور یا پھر مساجد میں بیٹھ کر دعاؤں اور ذکر میں مشغول رہتا ہے، مگر یہ بات نہیں سمجھتا کہ دعاؤں اور ذکر واذکار کے لیے تو سال ہا سال موجود ہیں، مگر اب ووٹ کے صحیح استعمال کا موقع تھا، اس وقت یہی تدبیر اختیار کرنا ضروری تھا۔ اس طرح کے تصورات وخیالات کم علمی، عدمِ بصیرت اور ناواقفی وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، جو کہ شرعی وقانونی نکتۂ نظر سے کوئی وقعت نہیں رکھتے، شنید ہے کہ ملک میں سو فیصدی ووٹوں کے استعمال کے ضروری ہونے کو قانونی حیثیت دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں، ہمارے خیال میں یہ ایک اچھا اقدام ہے، بشرطیکہ معذور ومجبور لوگوں کے لیے متبادل بندوبست بھی کیا جائے، اور سو فیصدی افراد کے تناسب سے ووٹ ڈالنے کا مناسب انتظام بھی کیا جائے۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1434ہجری فروری/2013ء، جلد10 شمارہ3)

(107)

ملک اندھے، بہرے اور گونگے فتنوں کی لپیٹ میں

گزشتہ کئی سالوں سے وطنِ عزیز جہاں اور کئی مسائل کا شکار ہے، وہیں اس کو تاریخی دہشت گردی کا بھی سامنا ہے، جگہ جگہ دھماکے، بم حملے جاری ہیں، جس کی وجہ سے بے شمار بچے، بڑے اور بوڑھے، جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، یا معذور و یتیم اور لاوارث وغیرہ ہو چکے ہیں، اور جو زندہ ہیں، وہ بھی اپنے آپ کو گھر سے باہر نکل کر محفوظ نہیں سمجھتے۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس قسم کی زیادہ تر کارروائیاں اسلامی ملکوں میں ہی جاری ہیں۔

ان کارروائیوں کے بارے میں بعض تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ کارروائیاں دشمنانِ اسلام کی طرف سے کرائی جارہی ہیں، تاکہ مسلمان اپنے اندرونی مسائل میں الجھے رہیں، اور اس طرح اندر ہی اندر سے کھوکھلے ہو جائیں۔

جب کہ بعض تجزیہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کی کارروائیوں کے پیچھے اسی ملک کے اپنے حکمرانوں کا ہاتھ ہے، تاکہ وہ اپنے ملک کے عوام کو ان مسائل سے دوچار رکھ کر اور ان کی توجہ ان مسائل کی طرف مبذول رکھ کر اپنی حکومتوں کو توسیع دے سکیں، یا اپنی مرضی کے فیصلے مسلط کرسکیں، یا پھر ان کارروائیوں کو بہانہ بنا کر اپنے بڑے منصوبوں اور مقاصد کی تکمیل کرسکیں۔

جب کہ ان کے برعکس بعض تجزیہ نگاروں کے خیال میں اس قسم کی کارروائیاں مسلمانوں میں فرقہ واریت کے نتیجے میں ہورہی ہیں، مختلف فرقے ایک دوسرے کے مقابلے میں برسرِ پیکار اور سرگرمِ عمل ہیں۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ایک مسلمان نوجوان جذباتی طبقے کو بعض لوگوں نے آلۂ کار بنا کر دین واسلام کے نام پر قربانی کا بکرا بنایا ہوا ہے۔

اور بھی اس سے ملتے جلتے یا اس سے مختلف تجزیے آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک واقعہ یہ ہے کہ یہ اندھے، بہرے اور گونگے فتنے ہیں، جن کا سر وپیر معلوم نہیں، اور ان کو ہر ایک ہی چلتا دریا سمجھ کر ہاتھ دھونے میں مصروف ہے۔

احادیث میں اس طرح کے فتنوں کو اندھے اور بہرے قرار دیا گیا ہے، اور ایسے حالات میں زبان کو قابو میں رکھنے اور ان فتنوں سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ اس سلسلے کی ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ:

عن قریب تیز ترین ہواؤں کی طرح فتنے رونما ہوں گے، جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہونے والا، چلنے والے سے بہتر ہوگا، جو اُن فتنوں میں جھانکے گا، تو فتنہ اُس کو جھانک لے گا (یعنی اُس کو بھی کسی درجے میں فتنہ پہنچ جائے گا) (ابنِ حبان) [1]

اس طرح کے مضمون کی اور بھی کئی احادیث آئی ہیں، اور بعض احادیث میں اس زمانے میں زبان کے فتنہ کو انتہائی شر انگیز قرار دیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: سَتَكُوْنُ فِتَنٌ كَرِيَاحِ الصَّيْفِ، اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي، مَنِ اسْتَشْرَفَ لَهَا، اِسْتَشْرَفَتْهُ (ابن حبان، رقم الحديث ٥٩٥٩، باب ماجاء في الفتن)

قال شعيب الارنووط:

إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية صحيح ابن حبان)

[2] عن أبي هريرة، ذكر النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول " :ويل للعرب من شر قد اقترب من فتنة عمياء صماء بكماء ، القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي، ويل للساعي فيها من الله يوم القيامة " (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٦٧٠٥)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية ابنِ حبان)

عن حذيفة قال :قلت :يا رسول الله، هل بعد هذا الخير شر كما كان قبله شر؟ قال ": يا حذيفة، اقرأ كتاب الله واعمل بما فيه "، فأعرض عني، فأعدت عليه ثلاث مرات، وعلمت أنه إن كان خيرا اتبعته وإن كان شرا اجتنبته، فقلت :هل بعد هذا الخير من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کی احادیث کے پیشِ نظران فتنوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے، اس کی حقیقتِ حال کا علم، تو اللہ ہی کو ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم معاشرے میں اس طرح کی اندھی کارروائیوں اور حملوں ودھماکوں سے مسلم امت کا سر دوسری اقوام کے سامنے شرم سے جھکا ہوا ہے، اور مسلم معاشرے امن وسکون کی زندگی بسر کرنے، بلکہ چین وسکون کے ساتھ عبادت واطاعت کرنے سے بھی محروم ہیں۔

کیوں کہ ان حملوں اور دھماکوں کا دائرہ اب عام مقامات سے تجاوز کر کے دینی مساجد ومراکز تک پہنچ چکا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اندھے، بہرے اور گونگے فتنوں کی لپیٹ سے امتِ مسلمہ کو جلد از جلد نجات عطا فرما کر مسلمانوں کی معاشرت کو پوری دنیا کے لیے ایک چین وسکون والی مثالی معاشرت بنا دے، جس سے خود مسلمان بھی مستفید ہوں، اور غیروں کے لیے بھی اسلام کی طرف رغبت وکشش کا سامان پیدا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ربیع الآخر/1434ہجری مارچ/2013ء، جلد10 شمارہ4)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

شر؟ قال " :نعم، فتنة عمياء صماء ، ودعاة ضلالة على أبواب جهنم، من أجابهم قذفوه فيها "(مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٤٤٩)

قال شعيب الارنؤوط:حديث حسن(حاشية مسند احمد)

عن أبي هريرة، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال" :ستكون فتنة صماء بكماء عمياء ، من أشرف لها استشرفت له، وإشراف اللسان فيها كوقوع السيف "(ابوداؤد، رقم الحديث ٤٢٦٤)

قال شعيب الارنؤوط:وإسناده ضعيف لضعف عبد الرحمن بن البيلماني(حاشية سنن ابى داؤد)

(108)

2013ء کے انتخابات اور ذرائع ابلاغ کا کردار

وطنِ عزیز میں (پیپلز پارٹی یا آصف زرداری کی) سابقہ حکومت اپنی پنج سالہ مدت پوری کرنے کے بعد تحلیل ہوچکی ہے، اور نئے انتخابات کی تیاریاں جاری ہیں، ملک میں جمہوری حکومت نے پہلی مرتبہ اپنی قانونی وآئینی مدت پوری کی ہے، جس میں حزبِ اختلاف (اور اپوزیشن) جماعت کا بڑا اہم کردار ہے۔

کیوں کہ جمہوری حکومت کی آئینی مدت پوری ہونے سے پہلے اس کو ختم کرنے میں اب تک حزبِ اختلاف اور اپوزیشن جماعتوں کا بڑا دخل رہا ہے، اور متعدد مرتبہ آمروں کی طرف سے بھی جمہوری حکومت کی آئینی مدت پوری ہونے سے پہلے ان کا دھڑن تختہ ہوتا رہا ہے۔

اس مرتبہ جمہوری حکومت کے دورِ حکومت میں اگرچہ ملک کی تعمیر وترقی کے لیے کوئی موثر اور پائیدار اقدامات نہیں ہوئے، اور مہنگائی، بے روزگاری، بدامنی، دہشت گردی وغیرہ میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، لیکن قانون سازی کے حوالے سے کئی اقدامات بہتر ہوئے۔

بطورِ خاص الیکشن کمیشن کو موثر وفعال بنانے اور عدلیہ کی آزادی وغیرہ کے حوالے سے کئی بہتر اور مناسب اقدامات ہوئے، اور ہمارے خیال میں ملک کے دیگر صوبوں کے مقابلے میں صوبۂ پنجاب کا سیکورٹی وانتظامی نظم وضبط نسبتاً بہتر رہا، اور ترقیاتی کام وسیع پیمانے پر ہوئے، عوامی فلاح وبہبود کے لیے بہت کچھ عملی اقدامات سامنے آئے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومتِ پنجاب کی پالیسیاں ملک کے لیے نسبتاً بہتر رہیں۔

اب کیوں کہ سابقہ حکومت کی آئینی مدت پوری ہوچکی ہے، اور نئے انتخابات سَر پر ہیں، ان حالات میں ملک کے باشندوں پر یہ بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اپنے ووٹوں کا دیانت داری کے ساتھ استعمال کا اہتمام کریں، تاکہ آیندہ چند سالوں کے لیے زیادہ بہتر

حکومتی سیٹ اپ وجود میں آ سکے۔

موجودہ صورتِ حال میں ذرائع ابلاغ اور میڈیا پر بھی یہ بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ ملک کے عوام میں دیانت وامانت داری کے ساتھ شعور پیدا کرے، اور لوگوں کے سامنے محض منفی پروپیگنڈا کرنے، ریٹنگ بڑھانے اور بلیک میلنگ کے بجائے تعمیری اور مثبت سوچ کو پروان چڑھائے، اور اچھی کارگزاری والے افراد اور سیاسی جماعتوں کے کردار کو اُجاگر کرے، تاکہ لوگ حقائق سے آگاہ ہوکر بہتر اور مناسب فیصلہ کرسکیں۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں میڈیا باوجود آزاد ہونے کے اپنی ذمہ داری کا صحیح حق ادا نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس آزادی سے غلط فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے ذاتی اغراض ومفادات کی خاطر لوگوں میں سنسنی پھیلاتا اور افراتفری مچاتا ہے۔

نااہل لوگوں کو اہل اور اہل لوگوں کو نااہل ظاہر کرنے، اور جھوٹ، بہتان اور غلط بیانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، جس کا دنیا اور آخرت میں وبال بڑا سخت ہے۔

دوسری طرف عوام کو بھی چاہیے کہ وہ صرف ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے تبصروں، جائزوں، نیز پروپیگنڈوں وافواہ سازیوں کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنے سے گریز کریں، اور اس سلسلے میں دیانت وامانت داری کے ساتھ وطنِ عزیز کے صحیح خیرخواہ اور دیانت دار لوگوں کے مشورے کے مطابق عمل کریں، یا خود اپنے شعور اور عقل کا دوربینی کے ساتھ استعمال کر کے فیصلہ کریں۔

ہماری مکرر گزارش ہے کہ لوگ اپنے ووٹوں کو ضائع ہونے سے بچائیں، اور ووٹوں کا دیانت وامانت کے ساتھ استعمال ضرور کریں، آپ کے ووٹ کی ایک ایک پرچی پر ظاہری اسباب کے درجے میں وطن کے آئندہ اچھے برے حالات کا دارومدار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1434ہجری اپریل/2013ء، جلد10 شمارہ5)

(109)

نگران حکومت کا قیام اور 2013ء کے انتخابات کی آمد

وطنِ عزیز میں گزشتہ پانچ سالہ دورِ حکومت مکمل ہونے پر نگران حکومت کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے، اور دو ہزار تیرہ (2013 عیسوی) کے نئے انتخابات کی آمد آمد ہے۔

حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف جماعتوں کی مشاورت سے نگران حکومت کا قیام عمل میں آچکا ہے، جو اس حیثیت سے خوش آیند ہے کہ گزشتہ تجربات کی روشنی میں سابق حکومتوں کی موجودگی ونگرانی میں انتخابات کے آزادانہ ومنصفانہ ہونے پر خدشات کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔

اس کے علاوہ آزاد اور فعال الیکشن کمیشن کا قیام بھی کئی اعتبار سے بہتر ثابت ہوا ہے، اگرچہ اس کے بعض اقدامات سے کچھ لوگوں کو اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن الیکشن کمیشن کی طرف سے کئی اقدامات بہت مناسب ہوئے ہیں، مثلاً اسلحہ کی نمائش پر پابندی، اور اپنے مخالف امیدواروں اور جماعتوں پر بے جا الزام تراشیوں سے بچنے کے لیے ضابطۂ اخلاق کی مؤثر پابندی وغیرہ وغیرہ۔

امید ہے کہ اس قسم کے اقدامات سے انتخابات کے موقع پر جو ہڑبونگ مچتی ہے، اور طوفانِ بدتمیزی بپا ہوتا ہے، اس پر کچھ قابو پایا جاسکے گا۔

دوسری طرف ملک میں جاری دہشت گردی کی وجہ سے بھی انتخابات کی گہما گہمی میں کچھ کمی دکھائی دے رہی ہے، ملک میں دہشت گردی اور افراتفری کا ماحول تو کافی عرصے سے بنا ہوا ہے، لیکن انتخابات کے زمانے میں کثرت سے اجتماعات منعقد ہونے اور سیاسی شخصیات کے منظرِ عام پر آنے کی وجہ سے دہشت گردوں اور مخالفوں کے لیے حملے کرنے کا یہ آسان راستہ نکل آتا ہے، اس لیے متعدد مقامات پر سیاسی جلسوں واجتماعات اور سیاسی

شخصیات پر حملوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

اس طرح کے حملے کس جماعت یا کن افراد کی طرف سے کیے جا رہے ہیں، اور ان کے پیچھے کیا عزائم ومقاصد کارفرما ہیں؟

یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات واضح اور متعین طریقہ پر معلوم نہیں، اور حقیقتِ حال سے اللہ ہی باخبر ہے، تاہم ایسے مواقع پر چلتے دریا میں ہاتھ دھونے کے لیے پرانی دشمنیاں نکالنے والے اور ذاتی اختلاف رکھنے والے لوگوں کو بھی اچھا موقع میسر آ جاتا ہے، اور وہ اس طرح اپنی دشمنی کی بھڑاس نکال کر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو جاتے ہیں، اور معاملہ ایک عام جاری دہشت گردی کے پسِ منظر میں چلا جاتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اللہ کی نظر اور قیامت کے دن راز افشا ہونے سے تو نہیں بچا جا سکتا، اور کسی مسلمان کو قتل کرنے کا معاملہ انتہائی نازک وسنگین ہے، بالخصوص آج کل کے بم اور خودکش حملوں کا معاملہ اس حیثیت سے بھی زیادہ نازک ہے کہ اس کی زد میں بیک وقت کئی افراد اور غیر متعلقہ وغیر مجرم لوگ بھی آ جاتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وطنِ عزیز کی فضا کو امن وسکون عطائے فرمائے، اور نئے انتخابات ملک کے لیے بہتر ثابت ہوں، اور خیر وعافیت کے ساتھ یہ مرحلہ طے ہو۔

گزشتہ حکومت کا دورانیہ اگرچہ پانچ سالہ عرصے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جمہوریت کے استحکام کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے، لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سابق دورِ حکومت میں بہتر اپوزیشن میسر آنے اور پورے پانچ سالہ دورِ حکومت حاصل ہونے کے باوجود حزبِ اقتدار کی طرف سے بہت سے اہم کام انجام نہ دیے جا سکے، اور بہتری نہیں لائی جا سکی۔

چنانچہ بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، بے روزگاری، کرپشن اور دہشت گردی وغیرہ کے واقعات میں کمی کے بجائے مختلف طریقوں سے اضافہ ہوا، اور اس جہت سے گزشتہ حکومت کی کارکردگی کچھ بہتر ثابت نہ ہو سکی۔

صوبائی سطح پر البتہ صوبہ پنجاب میں دیگر صوبوں کے مقابلے میں کئی غیر معمولی اور بلند سطح کے دیرپا تعمیر وترقی کے کام ہوئے، اور صوبائی سطح کے سیاسی وحکومتی شعبوں کی کارکردگی بدتر کے مقابلے میں کافی بہتر رہی۔

موجودہ بڑی سیاسی جماعتوں میں ہمارے خیال میں گزشتہ کارکردگیوں کو دیکھتے ہوئے نوازشریف کی حکومت ملک کے موجودہ معاشی مسائل اور بحرانوں کے حوالے سے غنیمت معلوم ہوتی ہے، اگرچہ بعض دوسری سیاسی جماعتیں بھی زوروشور کے ساتھ ابھر رہی ہیں، اور ان کی طرف سے مختلف تبدیلیوں کے نعرے لگائے جارہے اور دعوے کیے جارہے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ صرف نعرے لگانے اور دعوے کرنے سے حالات میں تبدیلی نہیں آیا کرتی، اور بعض اوقات نئے تلخ تجربات کے نتیجے میں پرانے کفن چور کو یاد کرنا پڑا کرتا ہے۔

موجودہ انتخابات کے موقع پر ہماری گزارش یہی ہے کہ ہر شخص کو ذمہ دارانہ ودیانت دارانہ طریقہ پر اپنے ووٹ کا حق خوب غوروفکر کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے، اور صرف دعووں یا نعرے بازیوں سے متاثر ہونے کے بجائے سنجیدگی کے ساتھ تمام مالہٗ وماعلیہا کو دیکھ کر انتخاب کا فیصلہ کرنا چاہیے، اور ووٹ کو دین وشریعت سے خارج سمجھ کر اس کو ضائع کرنے سے بچنا چاہیے۔

اس سلسلے میں تفصیلات کے لیے ہمارا رسالہ ''انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب'' ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اصلاحِ اعمال واحوال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1434ہجری مئی/2013ء، جلد10 شمارہ6)

(110)

2013ء کے انتخابات اور ان کے نتائج

اللہ کا شکر ہے کہ ملک بھر میں 11 مئی 2013ء کو خیر و عافیت کے ساتھ انتخابات کا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے، اب نئی حکومت کی تشکیل کا مرحلہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی خیر و عافیت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچائے، اور نو منتخب حکومت، ملک و ملت کے لیے بہتر اور خیر کا باعث بنے۔ آمین۔

انتخابات سے پہلے ملک کے بعض حصوں میں امیدواروں اور ان کے جلسوں وغیرہ پر جو حملوں اور فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا، اس کے پیشِ نظر لگتا تھا کہ ملک میں شاید بروقت انتخابات مشکل ہوں، اور خود بعض گم نام حملہ آوروں کی طرف سے بھی انتخابات کو سبوتاژ کرنے کی دھمکیاں دی جارہی تھیں، لیکن ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے، جو بھی وجہ ہو، بہر حال بحکمِ الٰہی، 11 مئی کو نہ صرف یہ کہ ملک بھر میں انتخابات ہوئے، بلکہ عوام کی بھاری اکثریت نے ووٹ ڈالنے کے عمل میں حصہ لے کر امیدواروں کے انتخابات میں اپنی ذمہ داری کو کافی حد تک پورا کرنے کی کوشش کی، اور اس سلسلے میں حملہ آوروں کی دھمکیوں کی کوئی پروا نہیں کی۔

دوسری طرف الیکشن کمیشن، نگران حکومت، فوج اور پولیس وغیرہ کے اداروں نے بھی انتخابات کے انعقاد اور بہتر انعقاد میں مؤثر کردار ادا کیا، اور آزاد ذرائع ابلاغ نے بھی ووٹ کی اہمیت لوگوں تک پہنچانے میں ایک حد تک کردار ادا کیا۔

اگرچہ ہمارے یہاں کے ذرائع ابلاغ میں ابھی بہت کچھ خامیاں موجود ہیں، اور ان کے لیے اخلاقی ضابطۂ کار مقرر کرنے کی ضرورت ہے، جس کے نہ ہونے کی وجہ سے جھوٹ اور غلط بیانی اور بے جا پروپیگنڈا وغیرہ میں ہمارے ذرائع ابلاغ پیش پیش نظر آتے ہیں۔

بہر حال گیارہ مئی کے انتخابات کے بعد سیاسی جماعتوں و پارٹیوں کے درجات اور پوزیشنیں

واضح ہوچکی ہیں، اور دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں جناب نواز شریف صاحب کی مسلم لیگ نے موجودہ انتخابات میں بھاری اکثریت حاصل کی ہے، جس کی وجہ سے یہ جماعت کسی دوسری سیاسی جماعت کی مدد کے بغیر مرکز میں حکومت بنانے کی پوزیشن میں آگئی ہے، اور صوبہ پنجاب میں بھی حکومت سازی کے حوالے سے اس کی پوزیشن بہت مستحکم ہے، اور صوبہ بلوچستان سے بھی اس جماعت کو معتدبہ سیٹیں ملی ہیں، اور وہاں بھی دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر حکومت سازی کی کوششیں کامیاب دکھائی دے رہی ہیں۔ البتہ صوبہ سندھ میں پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کی اکثریت، اور صوبہ خیبر پختونخوا میں عمران خان صاحب کی تحریکِ انصاف پارٹی کو اکثریت حاصل ہے، اور ان دونوں صوبوں میں بالترتیب ان ہی جماعتوں کی حکومتوں کا قیام نظر آرہا ہے۔

موجودہ انتخابات میں پیپلز پارٹی کو صوبہ سندھ کے علاوہ باقی تینوں صوبوں میں غیر معمولی اور تاریخی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے، بلکہ ایک طرح سے اس جماعت کا ان تینوں صوبوں سے صفایا ہوگیا ہے، جس کی بنیادی اور ظاہری وجہ گزشتہ پانچ سالہ دورِ حکومت میں اس جماعت کی خراب کارکردگی ہے۔

جب کہ عمران خان صاحب کی تحریکِ انصاف کی پارٹی کو صوبہ خیبر پختونخوا میں کافی سیٹیں اور پنجاب میں بھی کچھ سیٹیں ملی ہیں، لیکن انتخابات سے قبل عمران خان صاحب کی طرف سے جو ملک بھر میں تاریخی کامیابی اور سونامی بن کر چھانے وغیرہ کے عنوان سے مختلف قسم کے دعوے کیے جارہے تھے، وہ دیوانے کی بڑ ثابت ہوئے۔

وطنِ عزیز میں توانائی، بجلی وگیس کی قلت اور دہشت گردی کی کثرت ہے، جس سے نبرد آزما ہونے کے لیے نومنتخب حکومت کو دیانت داری وذمہ داری کے ساتھ بڑے بڑے اقدامات کی ضرورت ہوگی۔

اور ہمارے خیال میں جناب نواز شریف صاحب کی جماعت میں دوسری بڑی سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں اس کی بہتر صلاحیت موجود ہے، جس کا اندازہ گزشتہ پانچ سالہ

پنجاب میں اس جماعت کے دورِ حکومت کی کارگردگی سے لگایا جاسکتا ہے۔

مگر اس موقع پر افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ جماعتیں جو انتخابات سے پہلے الیکشن کمیشن کو آزاد، غیر جانب دار اور ذمہ دار قرار دے رہی تھیں، اب اپنی ناکامی کے بعد ان میں سے کئی جماعتوں نے الیکشن کمیشن کے جانب دار ہونے اور انتخابات میں تاریخی اور بدترین دھاندلی ہونے کے الزامات لگا کر قوم کو مشتعل کرنے اور نومنتخب حکومت سے متنفر کرنے اور اس سے اعتماد ہٹانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں، مگر گزشتہ انتخابات کو دیکھتے ہوئے ہمارے یہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر دور میں شکست خوردہ جماعت کا تقریباً اور عموماً یہی رویہ اور کردار رہا ہے۔

ہمارے خیال میں قوم میں بے اعتمادی پیدا کرنے کی اس طرح کی کوششوں سے وطنِ عزیز کی کوئی خاطر خواہ خدمت نہیں کی جاسکتی، بالخصوص موجودہ انتخابات، جو ایک کٹھن اور دشوار گزار مراحل سے گزر کر منعقد ہوئے ہیں، ان پر اجتماعی اور مجموعی اعتبار سے عدمِ اعتماد کا اظہار، کوئی کارِ خیر کہلائے جانے کا مستحق نہیں، خواہ یہ کوشش دینی سیاسی جماعتوں کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کوئی اپنے اس قسم کے دعووں میں سچا ہے، تو اسے قانونی راستہ اختیار کرنا چاہیے، اور اس کے بجائے قوم میں افراتفری پیدا کرنا اور بغیر ٹھوس ثبوت کے بے بنیاد الزامات عاید کرنا، کسی طرح بھی شرعی واخلاقی اعتبار سے درست طرزِ عمل کہلائے جانے کے قابل نہیں ہے۔

بہرحال ظاہری اسباب کے درجے میں مناسب انتخابات کے بعد دوسری بڑی سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں نواز شریف صاحب کی جماعت کو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اور ہمیں امید ہے کہ اگر نومنتخب حکومت کے ساتھ قوم اور اداروں نے مناسب رویہ اور تعاون، نیز صبر وتحمل کا راستہ اختیار کیا، تو آنے والی حکومت کے ذریعے سے قوم کا مستقبل ان شاء اللہ تعالیٰ روشن ہوگا، بجلی وگیس کی قلت، دہشت گردی، مہنگائی اور بے روزگاری وغیرہ جیسے بحرانوں میں کمی واقع ہوگی۔ اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ"، رجب المرجب/1434ہجری جون/2013ء، جلد 10 شمارہ 7)

(111)

نئی حکومت اور رمضان کی آمد

وطنِ عزیز میں مئی 2013 عیسوی کے انتخابات میں جناب نواز شریف صاحب کی جماعت نے اکثریت کے ساتھ کام یابی حاصل کر کے مرکز اور صوبہ پنجاب میں حکومت قائم کرلی ہے، جب کہ دیگر صوبوں میں دیگر جماعتوں نے اپنی اپنی حکومت قائم کی ہے۔
البتہ صوبہ بلوچستان میں مرکزی حکومت کی اتحادی جماعت کو اقتدار سپرد کیا گیا ہے۔
نئی حکومت کا قیام ایسے وقت ہوا ہے، جب ملک کو مختلف قسم کے بحرانوں کا سامنا ہے، جن میں انرجی، معیشت، امن وامان اور سیکورٹی کے بحران، سرِ فہرست ہیں، اور باوجودیکہ حکومت کی طرف سے ان بحرانوں پر قابو پانے اور ان کے خاتمے کے لیے مختلف کوششیں کی جارہی ہیں، مگر ابھی ان کوششوں کے غیر معمولی نتائج سامنے نہیں آئے، ممکن ہے کہ کچھ وقت میں بہتر نتائج سامنے آجائیں۔
نئی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی تیز ترین گرمی کی لہر بھی شروع ہوچکی ہے، اور بجلی کی غیر معمولی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے عوام کو مختلف مشکلات کا سامنا ہے۔
اور اسی کے ساتھ ماہِ رمضانُ المبارک کی آمد قریب ہے، جس میں اگر بجلی کی غیر معمولی لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری رہا، تو مشکلات میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔
اس لیے حکومت کو ہنگامی وجنگی بنیادوں پر بجلی کی قلت وکمی کو دُور کرنے کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔
اگر سرِ دست زیادہ نہ ہوسکے تو کم از کم ماہِ رمضان میں بجلی کی غیر معمولی لوڈ شیڈنگ میں کمی کرنی چاہیے۔
اس کے علاوہ ہمارے یہاں ایک مدت سے ہر سال ماہِ رمضانُ المبارک میں اشیائے

ضروریہ کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کا کلچر رائج ہے، جس کی وجہ سے ماہِ رمضان میں عوامی مشکلات میں ہوش رُبا حد تک اضافہ ہو جاتا ہے۔

حکومت کو اس دیرینہ مسئلے کے حل کی طرف بھی خصوصی توجہ دینا چاہیے، اور ذخیرہ اندوزوں اور مصنوعی قلت پیدا کرنے والوں کو زجر و تنبیہ اور تعزیر کرنے کا موثر طریقہ اپنانا چاہیے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو، آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/1434ہجری جولائی/2013ء، جلد10 شمارہ8)

(112)

عید دوسروں کی بھی ہے

آج کل ہمارے معاشرے میں ہر سال عید کے موقع پر رمضان کی آمد سے ہی تقریباً ہر شخص کو عید کی تیاریوں کی فکر شروع ہو جاتی ہے، اور بعض لوگ تو رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی گھر وغیرہ کی صفائی ستھرائی اور رنگ وروغن کرالیتے ہیں، جب کہ بہت سے لوگ رمضان کے مہینے میں اپنی عید کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے مختلف قسم کی تیاریاں کرتے ہیں، اور عید کی تیاری کی یہ ایک ایسی ہوا چلتی ہے کہ جس کی زَد میں تقریباً ہر شعبۂ زندگی کا شخص مبتلا ہو جاتا ہے، چنانچہ ریڑھی فروش بھی عید کی تیاری کے لئے بھرپور جدوجہد کرتے ہیں، اور جوں جوں عید کی آمد کا سلسلہ قریب ہوتا جاتا ہے، اسی کے ساتھ عید کی تیاری کا یہ سلسلہ بھی تیز ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ عید کی رات میں یہ سلسلہ اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے، اور مرد بازاروں میں خرید وفروخت میں اور خواتین گھریلو کام کاج میں اتنی منہمک ہو جاتی ہیں کہ عید کے مبارک دن کی فجر کی نماز تک بھی اس کی وجہ سے قضا ہو جاتی ہے، جب کہ بعض لوگ کسی طرح بھاگ دوڑ کر عید کی نماز میں شرکت کر پاتے ہیں۔

اگر عید کی تیاری کا یہ معاملہ جائز چیزوں کی جدوجہد تک محدود رہتا، تو زیادہ تشویش کی بات نہ تھی، اگرچہ جائز چیزوں میں بھی غلو اور مبالغہ کو شریعت پسند نہیں کرتی، لیکن قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ عید کی تیاری کی اس جدوجہد کا دائرہ مختلف ناجائز طریقوں سے مال سمیٹنے اور ناجائز منافع خوری تک پہنچ چکا ہے، جس کی بے شمار شکلیں مختلف شعبوں میں جاری ہیں، چنانچہ ذخیرہ اندوزی سے لے کر ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، جعل سازی، بے جا منافع خوری، خیانت، ملاوٹ، رشوت ستانی، لوٹ مار، چوری، ڈاکہ زنی، اغواء کاری وغیرہ جیسی بدترین خصلتوں میں عید کی تیاری کی غرض سے ریکارڈ اضافہ ہو جاتا ہے، اور ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ

دوسرے کی جیب یا پیٹ کاٹ کر اپنی عید کی صحیح طرح اور دل کھول کر تیاری کرے، پھر اسی دوسرے کے جیب یا پیٹ کاٹے ہوئے مال سے وہ اپنے لیے قیمتی جوڑے تیار کرتا ہے، اور مہنگے جوتے حاصل کرتا ہے، اور عید کے دن عمدہ ولذیذ کھانے تیار کرتا ہے، اور عید کا مبارک دن اسی طرح کے مال سے حاصل کیے ہوئے لباس اور غذا کے ساتھ گزارتا ہے، بلکہ اسی لباس میں عید کی نماز پڑھنے کے لیے اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس طرح ناجائز منافع خوری سے عید کی تیاری کا اہتمام کرنا، عید کی ایسی تیاری ہے کہ جس کی شریعتِ اسلام میں کسی طرح سے گنجایش نہیں ہے، شریعتِ اسلام میں تو عید کے موقع پر دوسروں کا خاص خیال رکھنے اور دوسرے کا تعاون اور مدد کرنے پر زور دیا گیا ہے، اور صدقۂ فطر بھی عید کی نماز سے پہلے ادا کرنے کی فضیلت واہمیت ہونے میں یہی حکمت ہے کہ دوسرے ضرورت مندوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کرلیا جائے اور اسی وجہ سے عید کے دن صدقہ کی کثرت کی فضیلت ہے، نیز روزہ کی ایک اہم حکمت بھی بھوکوں اور پیاسوں کی ضرورت کا احساس دلانا اور غم خواری کے جذبہ کا اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔

شریعت کی ان پاکیزہ تعلیمات وہدایات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ عیدُ الفطر کا مبارک موقع دوسرں کی ضرورت پوری کرنے، دُکھ درد میں کمی کرنے اور خوشیوں کو بانٹنے یا دوسروں کو عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کا درس دیتا ہے۔

لیکن ہمارے یہاں شریعت کی ان پاکیزہ تعلیمات کو اولاً تو اپنایا نہیں جاتا، اور اگر اپنایا بھی جاتا ہے تو رسمی انداز میں اپنا کر دوسروں کو عید کی خوشیوں میں شریک کرنے کے بجائے، ان کی حقیقی خوشیوں پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔

ہمیں یہ رِیت ترک کرکے عید کی حقیقی روح وفلسفہ کو سمجھنا چاہیے، اور اپنی عید کی تیاری کرتے وقت یہ استحضار ہمیشہ رکھنا چاہیے کہ ”عید دوسروں کی بھی ہے“

(ماہ نامہ ”التبلیغ“، رمضان المبارک/1434ہجری اگست/2013ء، جلد10 شمارہ9)

(113)

سیلاب کی تباہ کاریاں اور حفاظتی تدابیر

وطنِ عزیز کو سالہا سال سے خطرناک سیلابوں کا سامنا ہے، اور اب کئی سالوں سے ملک کے بڑے حصے کو ہر سال خاص طور پر موسمِ برسات میں بڑے سیلابی ریلوں کی تباہ کاریوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، گزشتہ سالوں کے سیلابوں کے زخم بھرتے نہیں کہ دوسرے بڑے سیلاب کے تازہ اور گہرے گھاؤ ابھر آتے ہیں۔

اور ہر مرتبہ کے سیلاب کے نقصانات اور تباہیوں سے نئی تاریخیں رقم ہوتی ہیں۔

اب تک وطنِ عزیز میں ہونے والی سیلاب کی جسمانی، مالی، معاشی و معاشرتی تباہ کاریاں اتنی زیادہ ہیں کہ جن کو احاطۂ شمار میں لانا مشکل ہے۔

سیلاب کی زد میں اب تک کتنی قیمتی انسانی جانیں تلف ہوچکیں، کتنے بچے یتیم ولاوارث ہو چکے، کتنی عورتیں بیوہ ہوچکیں، کتنے بچے، بڑے اور بوڑھے معذور واپاہج یا بیمار ہوچکے، کتنے قیمتی جانور اور مویشی ضائع ہوچکے، کتنے مکانات وعمارات منہدم ونا کارہ ہوچکیں، کتنا قیمتی مال ناکارہ ہوچکا، کتنی کھڑی فصلیں تباہ ہوچکیں، اور ملک کو سیلاب کی وجہ سے کتنے معاشی نقصان کا سامنا کرنا پڑا، اور اب تک کتنے لوگ کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، ان سب چیزوں کا اعداد وشمار بہت مشکل ہے۔

بلاشبہ سیلاب اور زلزلہ وغیرہ جیسی چیزیں، قدرتی آفتیں اور آزمائشیں کہلاتی ہیں، اور ان میں جہاں ایک طرف قدرت کی طرف سے بندوں کے صبر اور بے صبری کا امتحان ہوتا ہے، اسی طرح گناہوں کی کثرت اور انسانوں کی بداعمالیوں کا بھی ان آفتوں میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اس عالمِ اسباب میں ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کا بھی

قدرت کی طرف سے انسان کو مکلّف قرار دیا گیا ہے، اس لیے صبر و ہمت اور اپنے اعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہمیں، سیلاب کے ظاہری اسباب پر بھی غور کرنا اور ان کا مناسب انتظام اور حفاظتی تدابیر کو اختیار کرنا، وقت کی ضرورت ہے۔

ہمارے نزدیک صبر و ہمت، نیک اعمال اور توبہ کے ساتھ ساتھ چند ظاہری تدابیر ایسی ہیں کہ ان کو عوامی اور حکومتی سطح پر اختیار کرنے سے کافی حد تک سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچایا جا سکتا ہے، جن کو ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

(1)...... پانی گزرنے والے مقامات (نالوں، ندیوں اور دریاؤں وغیرہ) کی صفائی اور ستھرائی کا اہتمام کیا جائے اور ان میں کوڑا کرکٹ ڈالنے اور بھرنے سے پرہیز کیا جائے۔

(2)...... پانی گزرنے والے نشیبی مقامات اور ان کے قرب و جوار میں رہائش اختیار کرنے، اور وہاں مکانات وعمارات کی تعمیر کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

حکومتی سطح پر ایسی جگہ کے مکینوں کو متبادل جگہیں، آسان طریقوں پر فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے۔

(3)...... ہر سال موسمِ برسات میں ایسے نشیبی اور برساتی پانی گزرنے والے علاقوں سے قبل از وقت لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقل ہو جانا چاہیے۔

(4)......حکومت کی طرف سے آبادیوں کی طرف کے دریاؤں کے بندوں کو مضبوط کیا جائے، اور مناسب مقامات سے پانی گزرنے والی جگہوں کو کشادہ اور صاف کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

(5)...... ملک میں مختلف مقامات پر بڑے اور چھوٹے ڈیم تعمیر کیے جائیں، جن کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچنے میں مدد حاصل ہوگی، بلکہ اسی کے ساتھ ملک میں بجلی و پانی کی قلت دور ہو کر معاشی استحکام بھی حاصل ہوگا۔

ہمارے نزدیک بطورِ خاص ملک میں بڑے اور چھوٹے مختلف قسم کے ڈیمز تعمیر کرنا کئی جہات

سے اس وقت ملک کی شدید اور اہم ضرورت ہے۔

مگر افسوس کہ ہمارے یہاں کم علمی، بلکہ ایک سازش کے تحت لوگوں کو الٹا سبق پڑھایا، اور سکھایا جاتا ہے، چنانچہ ڈیمز جو ہر طرح سے ملک کی ضرورت وافادیت کا باعث ہیں، ان کو الٹا ملک کے لیے نقصان دہ اور تباہی کا باعث گردانا جاتا ہے۔

حالانکہ اولاً تو ڈیموں کی تعمیر سے ملک کو نقصان کے بجائے ان گنت فوائد حاصل ہوتے ہیں، دوسرے اگر کوئی نقصان بھی ہو، تو وہ جزوی نوعیت کا ہوتا ہے، مثلاً کچھ لوگوں کو ڈیم تعمیر ہونے والی جگہ سے اپنی رہائشیں اور زمینیں چھوڑنا پڑتی ہیں، اور دوسری جگہ میں منتقل ہونا پڑتا ہے، اس لیے وہ وہاں کے متاثرین کہلاتے ہیں، مگر یہ بات اہلِ دانش واہلِ عقل کے درمیان مسلم ہے کہ:

''کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے''

اور اگر غور کیا جائے تو اس نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کہ اب تک ان گنت سیلاب کے نتیجہ میں جو تباہ کاریاں ہو چکی ہیں، اور جو ہونے والی ہیں، ان کے مقابلے میں ڈیموں کی تعمیر سے ہونے والے جزوی نقصانات اور متاثرین کی کوئی حیثیت واہمیت نہیں، اور اگر حکومتی سطح پر ایسے متاثرین کو متبادل مقامات اور مناسب سہولیات فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے، تو وہاں کے لوگوں کے کافی حد تک خدشات کا ازالہ ہوسکتا ہے، اس غرض کے لیے اگر حکومت کی طرف سے پیشگی کوئی مناسب متبادل جگہیں فراہم کردی جائیں، جہاں رہائشی ضروریات وسہولیات فراہم کردی جائیں، تو بہت بہتر ہے۔

ہمارے یہاں سیلاب کے مواقع پر بھارت کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے کہ وہ اپنے ڈیموں میں زیادہ پانی ہوجانے کی صورت میں اضافی پانی چھوڑ دیتا ہے، جس سے سیلاب میں اضافہ ہوجاتا ہے، لیکن ہمارے یہاں اس طرح سے آنے والے پانی کو ڈیم بنا کر ان میں پانی ذخیرہ کرنے کا انتظام نہیں کیا جاتا، اور وہی پانی جو ڈیم ہونے کی صورت میں قومی افادیت کا

حاصل ہوسکتا تھا، وہی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔

بھارت کے ساتھ عالمی اداروں کی ثالثی میں پانی کی منصفانہ تقسیم کے جو معاہدے 50، 60 عیسوی کے عشروں سے ہیں، ان کی خود بھارت کی جانب سے خلاف ورزی کرنے اور مختلف ڈیم بنانے پر اعتراضات واحتجاجات تو بجا ہیں، لیکن خود اپنے یہاں ڈیم بنا کر اپنی ضرورت پوری کرنے کا بھی انتظام اور فکر ہونی چاہیے۔

اس لیے اب اس بات میں تاخیر کی کوئی گنجایش نہیں رہی کہ حکومت اور عوام سب متحد ہوکر ''کالا باغ'' جیسے بڑے اور چھوٹے دوسرے ڈیمز تعمیر کرنے میں یک جان ہوجائیں، اور اس سلسلے میں پائے جانے والے بے جا شکوک وشبہات کا خاتمہ کریں۔

ہمیں امید ہے کہ مذکورہ بالا تجاویز وتدابیر کو بروئے کار لانے سے سیلاب کی تباہ کاریوں سے ہماری قوم بڑی حد تک نجات وحفاظت پاسکتی ہے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1434ہجری ستمبر/2013ء، جلد10 شمارہ10)

(114)

مضاربہ کمپنیوں کا سکینڈل

آج سے چودہ سو سال پہلے نبی برحق نے اپنی امت کو خبر دار کر دیا تھا کہ:

''ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوا ہے، اور میری امت کا فتنہ مال ہے'' (ترمذی) [1]

اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ:

دینار و درہم (یعنی روپیہ و پیسہ) اور ریشمی اور اونی (یعنی عمدہ) لباس و کپڑوں کے بندے (یعنی مال و دولت اور اسباب کے پجاری) ہلاک ہوں، اگر انھیں یہ چیزیں ملتی ہیں، تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہیں ملتی، تو راضی نہیں ہوتے (بخاری) [2]

مگر امت نے نبی برحق کے ان پیغامات کو زیادہ اہمیت نہیں دی، اور مال کے فتنوں میں طرح طرح سے ابتلائے عام رہا، جس کی معاشرے میں مختلف شکلیں پائی جاتی رہیں۔

ایک عرصے سے غیر معمولی نفع، یا بالفاظِ دیگر راتوں رات بغیر محنت کے امیر بننے کے شوق کی شکل میں مالی فتنہ کی زد میں بڑا طبقہ مبتلا رہا ہے، جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

کبھی یہ فتنہ بزناس ڈاٹ کام (Biznas.com) کے عنوان سے رونما ہوا، کبھی شینل کمپنی کے نام سے، کبھی ٹائنز کمپنی (Tiens) اور کبھی مختلف مضاربہ و مشارکہ کمپنیوں کے

---

[1] عن كعب بن عياض، قال :سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول :إن لكل أمة فتنة وفتنة أمتي المال(سنن الترمذي، رقم الحديث ٢٣٣٦)

قال الترمذي:هذا حديث حسن صحيح غريب إنما نعرفه من حديث معاوية بن صالح.

[2] عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :تعس عبد الدينار، والدرهم، والقطيفة، والخميصة، إن أعطي رضي، وإن لم يعط لم يرض(بخاري، رقم الحديث ٢٨٨٦)

خوب صورت اور مزین عنوانات سے، مگر وقت کے ساتھ ہر ایک کا پول کھلتا گیا، اور عوام ہاتھ ملتے رہ گئے۔

ابھی حال ہی میں مضاربہ کمپنیوں کا بہت بڑا اسکینڈل سامنے آیا ہے، جس کے بارے میں آئے دن دل خراش اور حیرت انگیز انکشافات سامنے آ رہے ہیں، اور جو آنا ابھی باقی ہیں، اللہ حفاظت فرمائے، ان کا سلسلہ بہت طویل محسوس ہو رہا ہے۔

مال، اس امت کا عظیم فتنہ ہے، اور اس کا فتنہ ہونا امت کے کسی طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں، اس لیے عام لوگوں کے ساتھ، دین دار، ائمہ، حفاظ، قراء، خطبا اور علمی شخصیات، بلکہ مفتی کہلائے جانے والے حضرات کا بڑا طبقہ بھی اس میں شامل ہے۔

مگر یہ سمجھنا انصاف پر مبنی نہیں ہے کہ کسی خاص سلسلہ کے تمام علماء، اس تحریک اور مہم میں شامل تھے، یا اس کی سرپرستی، یا کسی اور حیثیت سے تعاون کر رہے تھے۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مستند اہلِ علم اور اصحابِ افتاء کی بڑی تعداد اس تحریک اور مہم سے نہ صرف یہ کہ علاحدہ تھی، بلکہ اس کی طرف سے وقتاً فوقتاً اس تحریک کے بارے میں لاتعلقی، تنبیہ اور تردید بھی سامنے آتی رہی، اور مستند علماء ومفتیانِ عظام کا بڑا طبقہ عوام کو اس تحریک سے علاحدگی پر آمادہ وآگاہ کرتا رہا۔

ان کی طرف سے اس سلسلے میں بے شمار فتاویٰ جاری ہوئے، رسائل وجرائد اور اخبارات میں بھی مختلف طرح کے انتباہات شائع ہوئے۔ [1]

---

[1] اس مضاربہ کمپنی کے کاروبار کے شرعی حکم کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں ہمارے ادارہ غفران سے ایک جواب مؤرخہ 15 / صفر 1432ھ کو تحریر کیا گیا تھا، اور یہ جواب ماہ نامہ ''التبلیغ'' ادارہ غفران، راولپنڈی کے شمارہ 1432ھ میں شائع بھی ہوا تھا، جس میں اس کمپنی کے کاروبار کے وجود اور شرعی جواز کے مبہم، مشکوک اور غیر مطمئن ہونے کا اظہار کیا گیا تھا۔

پھر اس کے بعد دوسری مرتبہ ماہ نامہ التبلیغ، ادارہ غفران، راولپنڈی کے شمارہ ربیع الاول 1433ھ (فروری 2013ء) میں اس کاروبار کے متعلق عدمِ اطمینان کے بارے میں سات صفحات پر تفصیلی مضمون شائع ہوا، جس میں دارالعلوم کراچی کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زبانی کلامی عوام کو فہمائش کا سلسلہ علاحدہ جاری رہا، مگر جب تک بھاری مفادات حاصل ہوتے رہے، اور ایک طرح کی بندر بانٹ چلتی رہی، اس وقت تک نہ تو قابلِ ذکر طریقے پر عوام کو فکر لاحق ہوئی، اور نہ اس تحریک اور مہم سے وابستہ دین دار، حفاظ، قرا، ائمہ اور خطبا کو توجہ ہوئی، بلکہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا مصداق بن کر متنبہ کرنے والے مستند اہلِ علم واصحابِ افتاء اور علماء ومشائخ حضرات پر طرح طرح کے الزامات اور طعن وتشنیع کا سلسلہ جاری رہا۔

اور اب جب کہ مضاربہ نامی تحریک ومہم کا سکینڈل سامنے آچکا ہے، اور بندر بانٹ کا سلسہ ختم ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، تو یکا یک بلاتفریق وامتیاز علماء ومشائخ اور مفتیان کو موردِ الزام ٹھہرایا جارہا ہے، اور ان پر عدمِ اطمینان کا اظہار کیا جارہا ہے۔

مگر یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ اکثر عوام کی اس تحریک سے وابستگی مستند علماء ومفتیان کے کسی قابلِ ذکر فتوے واجازت کی بنیاد پر نہیں تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اس تحریک ومہم کے مالہٗ وماعلیہا کے ساتھ کسی مستند دارالافتاء سے جواز کا نہ تو فتویٰ جاری ہوا، اور نہ مستند علماء ومشائخ کی طرف سے اس تحریک کی سرپرستی وعہدہ داری کا کوئی کردار سامنے آیا، بلکہ خود اس تحریک کے بانی حضرات نے اپنی مہم کے طریقۂ کار اور وجود کو عوام اور مستند اہلِ علم واہلِ فتویٰ حضرات سے مخفی رکھا، اور مبہم ومجمل انداز میں مختلف طرح

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متعدد فتاویٰ بھی شامل تھے، اور اس مضمون پر دارالافتاء دارالعلوم کراچی کے ایک مفتی صاحب کی تصدیق بھی موجود تھی۔

اس مضمون کے آخر میں ادارہ غفران سے وابستہ جن اہلِ علم حضرات کے اسمائے گرامی شائع ہوئے، اس کی بعینہٖ نقل درجِ ذیل ہے:

محمد رضوان

۲۸/صفر۱۴۳۳ھ۔23/جنوری2012ء

ادارہ غفران راولپنڈی

منظور احمد	محمد امجد	محمد یونس
۲۸/صفر۱۴۳۳ھ۔	۲۸/صفر۱۴۳۳ھ۔	۲۸/صفر۱۴۳۳ھ۔
ادارہ غفران راولپنڈی	ادارہ غفران راولپنڈی	ادارہ غفران راولپنڈی

کی باتیں اوراس سے بڑھ کر متضاد بیانات اور مستند علماء ومشائخ کی سرپرستی کے جھوٹے دعوے سامنے آتے رہے، جن کے بارے میں علماء، مفتیان ومشائخ کو بار بار وضاحتیں کرنا پڑیں۔

یہ سب چیزیں کوئی ایسی نہیں ہیں کہ عوام الناس سے مخفی ہوں، بلکہ اصل بات وہی ہے کہ مال کے لالچ اور حرص نے آنکھوں پر پٹیاں باندھے رکھیں، اور عقل وفکر کو صحیح استعمال ہونے سے باز رکھا، اور اس طرح اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر کھرے کھوٹوں کا امتیاز سامنے آ چکا ہے۔

ہوسِ زر کے نتیجے میں یہ جو دھچکا اور جھٹکا لگا ہے، اللہ کرے اس سے عبرت پکڑ کر آئندہ کے لیے عوام، اس طرح کی تحریکات سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں، جو کہ مال کی حرص وہوس کے ہوتے ہوئے بہت مشکل ہے، اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد اس طرح کی دوسری تحریکات کے فتنوں میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔

مال کے لالچی اور حریص یا سادہ لوح اور غیر ذمہ دار، دین دار، حفاظ، قراء، ائمہ اور خطباء، بلکہ مفتیان حضرات معاشرے میں موجود ہیں۔

عوام کو چاہیے کہ ان پر بھی آنکھ بند کر کے اس طرح کے معاملات میں ہرگز اعتماد نہ کریں، جب تک مستند ومعتمد اور ذمہ دار علماء ومفتیان سے تمام مالہٗ وما علیہا سامنے لا کر شرعی وقانونی اعتبار سے اطمینان حاصل نہ کرلیں، اور جن حضرات سے مال کے لالچ وحرص یا غفلت ولاپرواہی میں بے احتیاطی اور غلطیوں کا صدور ہوا، وہ اپنی ان کوتاہیوں پر توبہ کریں۔

دین کی عظیم خدمت پر مال ودنیا کو ترجیح دینے کی بھاری غلطی کا جو ارتکاب کیا، اس پر صدقِ دل سے اللہ اور بندوں کے حضور نادم ہوں، ورنہ خدائی ذلت ورسوائی کا سلسلہ بڑا طویل ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مال کے فتنہ سے سب کی حفاظت فرمائے، اور آئندہ کے لیے اس طرح کی پُرکشش مالی فتنہ کی تحریکات سے متنبہ رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1434ہجری اکتوبر/2013ء، جلد10 شمارہ11)

(115)

ماہِ محرم یا عشرۂ محرم میں شادی بیاہ

آج کل ہمارے معاشرے میں لوگوں کی بڑی تعداد ایسی ہے کہ جو ماہِ محرم اور بطورِ خاص محرم کے ابتدائی عشرہ میں شادی بیاہ کو ممنوع یا مکروہ و منحوس سمجھتی ہے، اور اسی لیے بہت سے لوگ ماہِ محرم شروع ہونے سے پہلے ذی الحجہ کے مہینے میں جلدی جلدی شادی و بیاہ کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، یا پھر ماہِ محرم یا اس کے ابتدائی دس دن گزرنے تک شادی بیاہ کے معاملے کو ملتوی کر دیتے ہیں، اور اگر کوئی بندۂ خدا اتفاق سے محرم کے مہینے میں شادی بیاہ کرے، تو اس کو معیوب سمجھتے ہیں، اور طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔

اور اگر کوئی محرم کے ابتدائی عشرے کے دوران شادی بیاہ کرے، تو اس کو تو بڑا ہی معیوب و منحوس سمجھتے ہیں، اور اس پر طعن و تشنیع کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اور اگر کوئی دس محرم کو شادی بیاہ کرے، تو نہ معلوم اس کو کیا کچھ کہا جائے۔

حالانکہ اسلام میں کہیں بھی ماہِ محرم یا اس کے ابتدائی دس دنوں میں شادی بیاہ و نکاح سے منع نہیں کیا گیا، اور نہ ہی اس وقت شادی بیاہ کو مکروہ یا منحوس وغیرہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے ماہِ محرم یا محرم کے ابتدائی دس دنوں میں شادی بیاہ کو ممنوع، مکروہ یا ناپسندیدہ سمجھنا غلط ہے، اور اپنے اس غلط عقیدہ و نظریہ کی اصلاح کرنا چاہیے، اور ضرورت پڑنے پر ماہِ محرم یا اس کے ابتدائی دس دنوں میں نکاح کر لینا چاہیے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ماہِ محرم، نعوذ باللہ، منحوس یا مکروہ مہینہ ہے، جس میں بلائیں، آفتیں یا نحوستیں نازل ہوتی ہیں، حالانکہ ماہِ محرم، انتہائی مبارک، معظم و مقدس مہینہ ہے، اور یہ مہینہ سال کے عظمت و احترام والے مہینوں میں داخل ہے، اسی لیے اس مہینے میں عبادت کرنا خاص فضیلت و اہمیت رکھتا ہے، اور اسلامی اعتبار سے نکاح کرنا عبادت ہے، جس کا

تقاضا یہ ہوا کہ اس مہینے میں نکاح کی عبادت بھی ادا کرنا چاہیے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو ماہِ محرم کا دسواں، دن زیادہ باعثِ خیر وبرکت ہے، اس حیثیت سے دس محرم کو نکاح کرنا بھی زیادہ باعثِ خیر وبرکت ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ہر صدی میں ماہِ محرم میں شادی بیاہ وغیرہ کا سلسلہ جاری رہا ہے، اور بہت سے صحابہ وتابعین اور اتباعِ تابعین وبزرگانِ دین کے نکاح، ماہِ محرم یا عشرۂ محرم میں ہوتے رہے ہیں۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دس محرم کو کربلاء کا الم ناک ودردناک واقعہ وسانحہ پیش آیا تھا، لہٰذا ایسے مہینے میں شادی بیاہ کرنا زیب نہیں دیتا، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوچ کم علمی یا غلط فہمی پر مبنی ہے، کیوں کہ ماہِ محرم برکت اور خیر والا مہینہ ہے، اور دس محرم کا دن زیادہ ہی خیر وبرکت کا دن ہے، اور اس مہینے اور دن کی برکت کی وجہ سے تو شہدائے کربلاء کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ان کی شہادت اس مبارک مہینے کے اس مبارک دن میں ہوئی، جس کی وجہ سے ان کی شہادت کی فضیلت وعظمت میں اضافہ در اضافہ ہوگیا۔

تو جس طرح اس عظیم مہینے اور اس مبارک دن کی وجہ سے شہادت کی عبادت کی فضیلت وبرکت میں اضافہ ہوگیا، اسی طرح اس عظمت وبرکت والے وقت کی وجہ سے نکاح کی عبادت کی فضیلت وبرکت میں بھی یقیناً اضافہ ہوگا، مگر یہاں معاملہ اُلٹا ہے کہ ماہِ محرم یا محرم کے ابتدائی دس دنوں میں اور اس سے بڑھ کر دس محرم کو نکاح کرنا باعثِ برکت وفضیلت تو کیا سمجھا جاتا، اُلٹا ممنوع، مکروہ، اور معیوب ومنحوس اور نہ جانے کیا کچھ سمجھا جاتا ہے، یہ سب کچھ دراصل اس مبارک مہینے اور اس کے مبارک دنوں کی ناقدری یا غلط فہمی کی دلیل ہے۔

مذکورہ حالات کے پیشِ نظر اب جو کوئی بھی اس ماہِ محرم کے مبارک مہینے یا اس مبارک مہینے کے ابتدائی دس دنوں اور اس سے بڑھ کر دس محرم کو نکاح کرے گا، تو وہ یقیناً بہت بڑے اجر وثواب کو پائے گا، ایک تو اس وجہ سے کہ نکاح کرنا خود ہی عبادت ہے، دوسرے اس وجہ

سے کہ اس مہینے و دن میں نکاح کی عبادت کی زیادہ فضیلت و برکت ہے، اور تیسرے اس وجہ سے کہ اس کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے ایک خیر و بھلائی کا بند شُدہ راستہ کھلے گا، اور بہت سے لوگوں کی غلط فہمی کی اصلاح و درستگی ہوگی، اور ایک طرح سے دوسروں کو عملی تبلیغ ہوگی۔

مگر اس کے لیے بہادر ایمان والوں کی ہمت چاہیے، ہم نے تو بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ نکاح کے موقع پر ماہِ محرم یا اس کے ابتدائی دس دنوں کا وقت پڑنے پر بہت پریشان ہوتے ہیں اور کسی بھی طرح سے نکاح کے وقت کو آگے پیچھے کر کے ہی دم لیتے ہیں، اور اس موقع پر اچھے اچھے لوگوں کا علم، تقویٰ، پرہیزگاری وغیرہ سب کچھ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔

اللہ کرے کہ ہمارے اس غلط طرزِ عمل کی اصلاح ہو، اور ہمیں بے جا پابندیوں اور رسموں سے نجات حاصل ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1434ہجری نومبر/2013ء، جلد 10 شمارہ 12)

---

(116)

تقریبوں اور دعوتوں میں تاخیر کیوں؟

آج کل ہمارے معاشرے میں کسی کام کو اپنے مقررہ وقت پر انجام دیا جانا ایک مشکل مرحلہ بن گیا ہے، چنانچہ ہمارے معاشرے میں شاذ ونادر ہی کام ایسے ہوتے ہوں گے، جو مقررہ وقت پر انجام دیے جاتے ہوں، اکثر کاموں کو ان کے مقررہ وقت سے غیر معمولی تاخیر ہونے پر انجام دیا جاتا ہے، اور یہ صورتِ حال اجتماعی کاموں کے علاوہ انفرادی اور نجی کاموں میں بھی درپیش ہے۔

اس صورتِ حال کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ زندگی کا بہت سا قیمتی وقت ضائع چلا جاتا ہے، جو کہ ہر ایک کی زندگی کا اصل سرمایہ ہے، اسی کے ساتھ زندگی کے دوسرے کئی اور کاموں میں بھی خلل اور تعطل واقع ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے اپنے سمیت دوسروں کے بھی جانی و مالی نقصانات اور تشویش وایذا رسانی کے مناظر سامنے آتے ہیں۔

اس کی معاشرے میں ایک اہم شکل اجتماعی تقریبوں اور دعوتوں میں مقررہ وقت کی پابندی نہ کرنا ہے، چنانچہ شادی بیاہ اور نکاح وغیرہ کی جو تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، اور ان میں مختلف طبقات وشُعبہ جات سے تعلق رکھنے والے بے شمار لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، اور شادی کارڈ وغیرہ کے ذریعے سے، جن اوقات میں نکاح ہونے، کھانا شروع ہونے وغیرہ، کی تشہیر واطلاع دی جاتی ہے، ان میں خود اوقات کی تعیین کرنے والوں کی طرف سے کئی کئی گھنٹوں تک کی تاخیر کردی جاتی ہے۔

یہ صورتِ حال ایک عرصے سے جاری ہے، اور شروع شروع میں تو اس قسم کی تقریبوں اور دعوتوں میں شرکت کرنے والے کچھ لوگ، اوقاتِ مقررہ کی تھوڑی بہت پابندی بھی کرلیا کرتے تھے، لیکن جب مسلسل یہ بات دیکھنے میں آئی کہ مقررہ وقت بلکہ اس کے بھی کچھ بعد

تقریبوں اور دعوتوں میں پہنچنے سے فائدہ نہیں ہوتا، اور پندرہ بیس منٹ، یا آدھے گھنٹہ کھانے پینے کے عمل کی خاطر، کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر انتظار کرنا پڑتا ہے، تو رفتہ رفتہ کسی قدر اوقات کی پابندی کرنے والے لوگوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے، اور انھوں نے بھی غیر معمولی تاخیر سے تقریبات میں پہنچنے میں ہی عافیت سمجھی، لہٰذا اب عوام وخواص کی بڑی تعداد، وقت کی غیر معمولی تاخیر سے تقریبات میں پہنچنے کی عادی ہو چکی ہے۔

اور اب باوجودیکہ حکومت کی طرف سے بعض علاقوں میں ملک میں بجلی کی قلت کی وجہ سے رات کو دیر گئے تک تقریبات کا سلسلہ جاری رکھنے پر قانوناً پابندی عاید ہے، مگر جس معاشرے میں رشوت خوری، اور قانون شکنی عام ہو جائے، وہاں کس قانون کی پابندی ہوتی ہے؟

اب معاملہ یہ ہے کہ اگر کھانے وغیرہ کے حوالے سے دوپہر کی تقریب ہو، تو سہ پہر سے پہلے کھانا مشکل سے ملتا ہے، اور اگر شام کی تقریب ہو، تو رات گئے تک کھانا نہیں ملتا۔

جس کے نتیجے میں روزہ مرہ کھانے پینے کے اوقات کے معمولات خراب ہونے کی وجہ سے صحت وتن درستی سمیت بہت سے معاملات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، چنانچہ بہت سے لوگوں کی رات کی نیند خراب ہو جاتی ہے، اور اس کی وجہ سے دن کے فرائضِ منصبی میں خلل آتا ہے، بعض لوگوں کی فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، دعوت میں دور سے آنے والے حضرات کو کھانے سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، اور کھانا کھاتے ہی فوراً سو جانے سے صحت میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

یہ چیزیں تو عام لوگوں سے متعلق ہیں، ورنہ انفرادی طور پر نہ جانے لوگوں کو کس کس طرح کی مشکلات پیدا ہوتی ہوں گی۔

جہاں تک حکومت کی طرف سے رات کو جلدی تقریبات ختم کرنے کے قانون کا تعلق ہے، تو اس طرح کے قوانین پر عمل کو تو ہمارے یہاں کوئی اہمیت ہی نہیں دی جاتی، اور خلاف ورزی کو کوئی عیب یا گناہ نہیں سمجھا جاتا، جو کہ غلط فہمی پر مبنی اور قابلِ اصلاح طرزِ عمل ہے۔

اس کے علاوہ اگر کوئی تقریب کسی شادی ہال وغیرہ میں منعقد ہو رہی ہو، تو وہاں کی انتظامیہ

سے طے شدہ معاہدہ کے مطابق مقررہ وقت کی خلاف ورزی بھی معاہدہ شکنی کی وجہ سے شرعاً جائز نہیں، اور وقت جو زندگی کا اصل سرمایہ ہے، اس کا ضیاع تو ایسی چیز ہے کہ جس کا کوئی بدل ہے ہی نہیں۔

غرضیکہ مقررہ وقت سے غیر معمولی تاخیر کے ساتھ تقریبات کے منعقد کرنے میں متعدد خرابیاں اور مفاسد ہیں، جن سے بچنے کے لیے ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے طور پر اپنی تقریبات کو مقررہ وقت پر منعقد اور فارغ کرنے کا اہتمام کرے، اور جو لوگ وقت پر شریک ہو چکے ہوں، ان کے حق کی وقت پر ادائیگی کو ان لوگوں سے مقدم سمجھے کہ جو لوگ ابھی تک شریک ہی نہیں ہوئے، کیوں کہ اطلاع و طے شدہ وقت کی پابندی کرنے والے لوگ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کا حق مقررہ وقت پر ادا کر دیا جائے، بنسبت مقررہ وقت کی خلاف ورزی کرنے والوں کے۔

مگر ہمارے یہاں گنگا الٹی ہی بہتی ہے، وہ اس طرح سے کہ تاخیر سے آنے والے حضرات جو کہ اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر آتے ہیں، وہ تھوڑے وقت میں فارغ ہو کر واپس لوٹ جاتے ہیں، اور مقررہ وقت پر پہنچنے والے اور دیر تک انتظار کرنے والے مسکین لوگ اپنا قیمتی وقت خرچ کرتے اور طرح طرح سے کوفت اٹھاتے ہیں، جس کے ذمے دار تاخیر سے آنے والے لوگ ہوتے ہیں، لہٰذا اس کی سزا بھی تاخیر سے آنے والوں کو ہی ملنا چاہیے، جس کی ایک ادنیٰ صورت یہ ہے کہ مقررہ وقت پر کھانا وغیرہ کھلا کر فراغت حاصل کر لی جائے، اور تاخیر سے آنے والوں کا انتظار نہ کیا جائے۔

یہ عمل جہاں ایک طرف اصولوں کی پابندی میں داخل ہوگا، وہاں دوسری طرف تاخیر سے آنے والوں کے جرم وکوتاہی کی بھی اصلاح کا باعث ہوگا، مگر اس کے لیے ہمتِ مرداں کی ضرورت ہے، جو کہ اَن مول نعمت مگر اس وقت نایاب ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1435ہجری دسمبر/2013ء، جلد11 شمارہ1)

(117)

تشدُّد پرستی وسانحہ تعلیمُ القرآن

وطنِ عزیز کوایک مدت سے انتہاء پسندی وتشدد پرستی اورفرقہ واریت جیسے مسائل کا سامنا ہے، جس کے نتیجے میں دنیاوآخرت کے اعتبار سے مختلف نقصانات سامنے آرہے ہیں، اور وطنِ عزیز کے امن وامان کی فضا متاثر ہونے کے ساتھ، معاشی اعتبار سے بھی ملک کو غیر معمولی نقصان پہنچ رہا ہے۔

اسی وجہ سے ایک مدت سے، مساجد، مدارس، دینی مراکز تک محفوظ نہیں رہے، اوران مبارک مقامات پر بھی تشدد پرستی اور دہشت گردی کے الم ناک ودردناک واقعات رونما ہونے لگے ہیں۔

ابھی حال ہی میں دس محرم الحرام 1435ھ بروز جمعہ کو پاکستان کے راولپنڈی شہر میں ملک کے عظیم دینی ادارہ ومدرسہ، دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، میں تشدد پرستی اور دہشت گردی کا انتہائی دردناک والم ناک سانحہ پیش آیا، جس میں سینکڑوں معصوم افراد زخمی یا شہید ہوئے۔

دہشت گردی، ظلم وسفاکیت بلکہ بربریت کا ارتکاب کرنے والوں نے نہ نمازیوں کا خیال کیا، نہ مسجد کے احترام کوملحوظ رکھا، نہ معصوم بچوں اور دینی طلبا کی پروا کی، اور نہ ہی دس محرم الحرام اور جمعۃ المبارک کے معظم ومحترم اورمقدس دن کی رعایت کی۔

اس عظیم سانحے کے رونما ہونے کے بعد دوروز تک راولپنڈی شہر میں کرفیونافذ رہا، اورلوگوں کومشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے پڑوسی، وسیع تر ملک ہندوستان، بلکہ دیگر کئی ممالک میں بھی سنیوں کے علاوہ شیعہ فرقہ کے لوگ آباد ہیں، اور دس محرم کو وہاں بھی مختلف علاقوں میں شیعوں کے جلوس نکلتے ہیں، مگراس طرح دہشت گردی کے الم ناک ودردناک واقعات وہاں رونمانہیں ہوتے۔

غور کرنے سے اس کی بنیادی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے یہاں انتہا پسندی وشدت پرستی کا رجحان روز بروز کچھ زیادہ ہی بڑھ رہا ہے، اور صبر وتحمل اور برداشت کی بہت زیادہ کمی پائی جاتی ہے، اور بلا امتیاز تمام فرقوں اور مسلکوں میں انتہاء پسند اور تشدد پرست افراد کا کم و بیش مقدار و انداز میں وجود پایا جاتا ہے۔

انتہا پسندی وتشدد پرستی کا زیادہ تر تعلق زبان اور ہاتھ کے ساتھ ہے، اسی لیے احادیث میں کامل مسلمان اس کو قرار دیا گیا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ سلامت رہیں۔ نیز ہاتھوں کے ذریعے دوسرے پر زیادتی کرنے کا اہم سبب، زبان ہے کہ ایک طرف سے زبان یا اس کے ترجمان، قلم کے ذریعے سے کوئی غصہ بڑھکانے والی بات کی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں دوسرے کو پلٹ کر ہاتھ سے جوابی کاروائی کرنے کا جذبہ وداعیہ پیدا ہوتا ہے، اور سلسلہ طول پکڑتا ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ زبان اور ہاتھ سے متعلق شریعتِ مطہرہ کی جو ہدایات وتعلیمات ہیں، ان پر کاربند ہوا جائے، اور انتہا پسندی وتشدد پرستی پر مبنی تقریر وتحریر سے پرہیز کیا جائے، جس سے دوسروں کے جذبات اُبھریں۔

مکتبِ فکر کی مقتدا شخصیتوں پر بھی یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اپنی مذہبی قیادت کے لیے مہذب اور سنجیدہ طبقے کو منتخب کریں، جو اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اُجاگر کریں، اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے جذباتی طبقے سے اپنی برائت کا اعلان کریں، تاکہ انتہا پسندوں اور تشدد پرستوں کو کسی سلسلے کا سہارا حاصل کر کے، غلط فہمی پھیلانے اور فتنہ رونمائی کرنے کا موقع میسر نہ آئے۔

اور اس طرح کے تشدد پرستی پر مبنی واقعات کے رونما ہونے پر کئی مقتدر و مقتدا شخصیات کا مذمتی بیان کرنے پر اکتفا کرنا اور ان کے اسباب وعوامل کو نظر انداز کر دینا کافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ''، صفر المظفر/1435 ہجری جنوری/2014ء، جلد 11 شمارہ 2)

(118)

گیس لوڈ شیڈنگ، گھروں یا گاڑیوں کی

یہ تو سب جانتے ہی ہیں کہ ایک عرصے سے ملک میں سوئی گیس کی قلت کا سامنا ہے، جس کی وجہ سے سوئی گیس کی لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری ہے، موسمِ سرما میں ہیٹر اور گیزر وغیرہ کا استعمال بڑھ جانے کی وجہ سے گیس کی لوڈ شیڈنگ میں شدت آ جاتی ہے، اور گاڑیوں وغیرہ کو گیس کی فراہمی جاری رکھی جائے، تو گھروں میں گیس نہیں پہنچتی، اور گاڑیوں کو گیس کی فراہمی موقوف کر کے گھروں کو گیس کی فراہمی جاری رکھی جائے، تو پٹرول پر گاڑیاں چلانے میں اخراجات زیادہ پیش آتے ہیں، اس لیے دونوں طرف رسہ کشی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے موسمِ سرما میں گاڑیوں کے بجائے بلا تعطل گھروں کو گیس کی فراہمی جاری رکھنے کے اقدامات اُٹھائے گئے تھے، لیکن سی این جی اسٹیشن کے مالکان اور ٹرانسپورٹ والوں کی طرف سے پُر زور اصرار اور عدالتی فیصلہ کے باعث کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

اگر بہ نظرِ انصاف اور ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر سوچا جائے، تو ہمارے خیال میں گھروں اور ہوٹلوں وغیرہ کو گیس کی فراہمی کرنا، گاڑیوں کو گیس کی فراہمی کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ گھروں وغیرہ میں استعمال ہونے والی گیس زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ وہ کھانے پکانے، اور نہانے دھونے وغیرہ کی بنیادی ضروریات کے لیے روزانہ استعمال کی جاتی ہے، جس کے بغیر گزر بسر مشکل ہوتا ہے، اور ہر شخص کو متبادل ذریعہ میسر نہیں، بالخصوص شہری لوگوں کو۔

دوسرے اس وجہ سے کہ گھروں وغیرہ میں گیس سے ہمہ گیر اور تقریباً ہر گھر اور ہر فرد کی

ضرورت وابستہ ہے، بلکہ سفر واسفار کرنے والوں کی بھی ضرورت وابستہ ہے، کہ ان کو بھی کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے، جب کہ اس کے برعکس سفر واسفار ہر فرد کی یومیہ بنیادی ضرورت نہیں، اور پٹرول وغیرہ کی صورت میں اس کا متبادل ذریعہ بھی میسر ہے۔
ان وجوہات کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بطورِ خاص موسمِ سرما میں گھروں کو گیس کی فراہمی کا سلسلہ بغیر کسی وقفہ کے تسلسل کے ساتھ جاری رہنا چاہیے، خواہ اس کے لیے پٹرول کی قیمت میں بطور خاص گاڑیوں میں استعمال ہونے والے پٹرول کی قیمت میں کمی لائی جائے، یا پھر گاڑیوں میں بھری جانے والی گیس کی قیمت کو پٹرول کی قیمت کے قریب تر کیا جائے، تاکہ ٹرانسپورٹ والوں کی طرف سے اس کی طلب میں کمی واقع ہو، کیوں کہ عام طور پر مسافروں کے کرایے، پہلے ہی سے اتنے مہنگے ہیں کہ جو پٹرول پر گاڑیاں چلانے کی صورت میں بھی گاڑیوں کے مالکان کے لیے زیادہ تشویش کا باعث نہیں ہوں گے۔
مگر المیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں قومی و وسیع تر مفادات کو اولاً تو ترجیح نہیں دی جاتی، اور اگر کسی طرف سے اس طرح کی کوشش کی جاتی ہے، تو کسی مخصوص طبقے کے متاثر ہونے کی وجہ سے، اس کی طرف سے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں، حالانکہ وسیع تر قومی مفادات کو حاصل کرنے کے لیے جزوی مفادات کو قربان اور جزوی نقصانات کو برداشت کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کی پریشانیوں کو حل فرمائے، اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر نیک نیتی کے ساتھ انصاف اور عدل پر مبنی اور ہمہ جہتی نظر کے ساتھ اقدامات کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1435ہجری فروری/2014ء، جلد 11 شمارہ 3)

(119)

راولپنڈی، اسلام آباد میں میٹرو بس سروس

اسلام آباد شہر، اس وقت، پاکستان کا دارالحکومت شمار ہوتا ہے، اور اسلام آباد شہر کے ساتھ بالکل متصل راولپنڈی شہر واقع ہے، اس لیے دونوں شہروں کو ''جڑواں شہروں'' کا نام بھی دیا جاتا ہے، راولپنڈی واسلام آباد کے شہریوں اور مکینوں کی ایک دوسرے کے ساتھ باہمی کثیر ضروریات وابستہ ہیں، نیز اسلام آباد کا موجودہ انٹرنیشنل ائیر پورٹ بھی راولپنڈی شہر کی حدود کے ساتھ واقع ہے، اور موٹر وے کا روٹ دونوں شہروں کی لمبائی کو محیط ہے، اس طرح موٹر وے کے ذریعے دونوں شہروں کے تمام قابلِ ذکر جگہوں تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف راولپنڈی شہر کے طویل حصہ کو طے کرنے اور راولپنڈی واسلام آباد سے ایک دوسرے شہر میں جانے کے لیے مرکزی اور مشہور شاہراہ ''مری روڈ'' گنجان آبادی میں واقع ہے، جس پر ٹریفک کا دباؤ بہت زیادہ ہے، اور اسی وجہ سے اس روڈ پر سفر کرنے میں لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگرچہ مری روڈ پر مختلف مراحل میں کئی پلوں کی تعمیر ہو چکی ہے، اور اس کی وجہ سے لوگوں کو کافی سہولت حاصل ہوئی ہے، لیکن بعض حصوں میں روڈ کی تنگی اور ٹریفک کے زیادہ دباؤ کے باعث، شدید رَش اور ہجوم رہتا ہے، اور خاص طور پر مری روڈ کے حصہ کمیٹی چوک سے سینٹرل ہسپتال تک کے درمیانی حصے میں اس وقت رَش اور ہجوم بہت زیادہ ہے۔

رواں حالات ومشکلات کے پیشِ نظر موجودہ حکومت اور بالخصوص جناب شہباز شریف صاحب نے راولپنڈی سے اسلام آباد تک مری روڈ کے اوپر طویل پل اور ٹریک تعمیر کر کے میٹرو سروس شروع کرنے کا اعلان کیا ہے، جس کے تحت گیارہ مہینے کی قلیل مدت میں اس منصوبہ کو مکمل کرنے کا ہدف دیا گیا ہے، اور مری روڈ کے تنگ حصے کو کشادہ کرنے کا بھی

منصوبہ بنایا گیا ہے، جس کا آغاز وافتتاح رواں مہینے کی اٹھائیس تاریخ کو ہونے کا اعلان کیا جاچکا ہے۔

بلاشبہ یہ ایک انتہائی مفید اور دیرپا راحت رسانی پر مشتمل منصوبہ ہے، جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ اسلام آباد اور راولپنڈی کا سفر کرنے والے حضرات کو غیر معمولی وقت اور مال کی بچت ہوگی، بلکہ اس کے ساتھ مری روڈ پر رَش اور ہجوم کا دباؤ بھی کم ہوسکے گا۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے طویل اور وسیع منصوبوں کے تحت بعض لوگوں کو جزوی نقصان کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ پرانی کہاوت مشہور ہے کہ ’’کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے‘‘

اس لیے میٹرو بس منصوبہ کی تعمیر اور روڈ کے وسیع ہونے کے نتیجے میں یقیناً بعض لوگوں کی کمرشل جگہیں زَد میں آئیں گی، لیکن شرعی وقانونی اعتبار سے اجتماعی وہمہ گیر ضرورت کے پیشِ نظر، اس طرح کے جزوی نقصانات ایک مباح دائرہ میں آتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ قانونی دائرے میں رہتے ہوئے متاثرین کو حکومت کی طرف سے معاوضہ بھی دیا جاتا ہے، لیکن کچھ لوگ غیر قانونی طور پر بھی کئی جگہوں پر قابض ہیں، ظاہر ہے کہ وہ پہلے سے ہی ناجائز قبضہ وغصب کرکے مجرم ہیں، لہٰذا اِن کی حمایت کرنا، یا جزوی نقصانات کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں کی طرف سے میگوئیاں کرنا، اعتدال پسندی وحق پرستی پر مبنی موقف نہیں کہلا سکتا۔

امید ہے کہ اگلے مرحلہ میں نالہ لئی کے ساتھ ساتھ زیرِ غور ایکسپریس وے پر بھی کام شروع کیا جائے گا، اللہ کرے کہ ایسا ہو، اور مری روڈ پر میٹرو بس سروس کا آغاز اور اختتام خیر وعافیت کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچے۔ آمین۔

(ماہنامہ ’’التبلیغ‘‘ ربیع الآخر/1435 ہجری مارچ/2014ء، جلد 11 شمارہ 4)

(120)

کرکٹ کا کھیل

ایک زمانہ تھا، جب کھیل کود کو بچپن کی عمر کے ساتھ خاص سمجھا جاتا تھا، اور کھیل کود کے نام سے بچوں یا بچپن کا تصور ذہن میں آتا تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کھیل کود، ترقی کرکے جوانوں اور بڑی عمر کے لوگوں کی زندگی میں بھی داخل ہوگیا، مگراس کے باوجود کھیل کا تصور عملی طور پر ان لوگوں کی صرف نجی زندگی ہی تک محدود تھا، اور اس کو ایک ورزش وغیرہ کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کیا جاتا تھا۔

پھر ایک وقت آیا کہ کھیل میں حیرت انگیز طریقہ پر تبدیلی اور ترقی واقع ہوگئی، اور چند لوگوں کے مل کر کھیلنے کو غیر معمولی شہرت حاصل ہونے لگی، اور کھیل کے نتائج میں دل چسپی لینے والوں کی تعداد کھیلنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہوگئی، وہ اس طرح کہ چند لوگ کسی جگہ جمع ہوکر کھیلتے، تو ان کے کھیل کو دیکھنے کے لیے تماش بینوں کی بڑی تعداد جمع ہوجاتی۔

پھر ایک مرحلہ آیا کہ کھیل کو ایک پیشہ بنالیا گیا، چند لوگ عملی طور پر کھیلتے اور تماش بینوں سے کھیل دیکھنے پر معاوضہ بھی لیا جاتا، اور اس معاوضے کو کھیلنے والوں اور اس سے متعلقہ انتظامیہ میں تقسیم کرلیا جاتا۔

اور اب ترقی کرتے کرتے کھیل کا سلسلہ اتنا آگے بڑھ گیا ہے کہ کھیل کے تماش بینوں اور اس کے نتائج سے دل چسپی اور حالات سے آگاہی رکھنے والوں کا دائرہ کھیل کے میدان یا کھیل والی جگہ سے تجاوز کرکے، دنیا بھر میں گھر گھر تک پھیل گیا، اور کھیل کے براہِ راست اور لمحہ بہ لمحہ حالات سے آگاہی کے لیے کھیل کی کمنٹری (Commentary) کو مختلف ذرائع ابلاغ، ریڈیو اور دوسرے ڈیجیٹل طریقوں پر دوسروں تک پہنچایا جانے لگا، جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ ریڈیو کے ذریعے، بہت سے لوگ ٹیلی ویژن اور نیٹ وغیرہ کے ذریعے

ہونے والے کھیل کی لمحہ بہ لمحہ صورتِ حال سے آ گاہی حاصل کرنے لگے، اور بچے کھچے لوگوں نے اخبارات اور دیگر خبروں وغیرہ کے ذریعے نتائج سے آ گاہی حاصل کرنے کا اہتمام شروع کردیا۔

حد یہ کہ اس کھیل کو قسمت وتقدیر کی کام یابی وناکامی اور اس سے بھی بڑھ کر ایمان وکفر کے درمیان فیصلہ کن جنگ کا درجہ دے دیا گیا، اور کھیل کے میدان میں اپنی پسندیدہ جماعت یا ٹیم کی کام یابی کے لیے ''دامے، درھمے، سخنے'' ہر طرح سے سرتوڑ کوششیں شروع کردیں، چنانچہ آج کل کرکٹ نام کے کھیل میں اس طرح کی سب باتیں جمع ہیں۔

اس طرح کے کھیل کے دوران بہت سے لوگوں کی تمام تر دل چسپی کا مرکز یہی کھیل بن جاتا ہے، اور اپنی پسند کے موافق نتائج برآمد ہونے پر غیر معمولی خوشی کا اظہار اور مقصود کے خلاف نتائج برآمد ہونے پر غیر معمولی غم کا اظہار دیکھنے میں آتا ہے۔

بعض ممالک، جو ایک دوسرے کے تاریخی حریف ومقابل سمجھے جاتے ہیں، جیسا کہ پاکستان اور انڈیا، ان کے مابین ہونے والے کھیل کی طرف لوگوں کی انتہائی اور غیر معمولی دل چسپی دیکھنے میں آتی ہے، کھیل کے وقت کاروبارِ زندگی معطل اور اس دن کی معاشی حالت کا دیوالیہ ہوکر رہ جاتا ہے، اور دنیا وآخرت کے ضروری مشاغل سے اعراض کرکے کھیل کی طرف ہی ساری توجہ مرکوز ہوجاتی ہے، فتح یابی کے لیے دعاؤں کا اہتمام شروع ہوجاتا ہے، مختلف منتیں مانی جاتی ہیں، کھیل کے نتائج اور لمحہ بہ لمحہ ہونے والے اُتار چڑھاؤ پر جوا کھیلا جاتا ہے، اور مقصد کے مطابق نتیجہ برآمد ہونے پر گانا، باجا، فائرنگ، ڈھول تماشے، شور شرابا، فضول خرچی واسراف، فخر وتفاخر اور کبر وتکبر کا اظہار اور نہ جانے کیا کچھ ہوتا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس طرح کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا باعث ہیں، جن پر اللہ کی رضا اور حقیقی فلاح وکام یابی کا مرتب ہونا ممکن نہیں۔

اس کے برعکس اگر کھیل کا نتیجہ اپنے مقصود کے خلاف برآمد ہو، تو پھر جانی ومالی اور صحت وتن

درستی وغیرہ کے نہ جانے کیا کیا نقصانات سامنے آتے ہیں، خبر رساں ذرائع کے مطابق اس طرح کے کھیل میں فتح یا شکست کے بعد کئی جانیں بھی چلی جاتی ہیں، یا ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے عداوت ودشمنی قائم ہو جاتی ہے۔

کھیل کود کے ساتھ اس طرح کا طرزِ عمل، دراصل ایک طرح کا نشہ ہے، جو غیر حقیقی یا مصنوعی خوشی وغم پیدا کر کے انسان کو حقیقت سے دُور کرتا اور خیالی دنیا میں پہنچا دیتا ہے، اور کھیل کود کو ایک بہت بڑی چیز، بلکہ ایمان وکفر کا معاملہ بنا دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے نتائج واثرات والے کھیل کو اسلامی اعتبار سے کارِ خیر قرار نہیں دیا جاسکتا، کھیل کود کے ساتھ اس طرح کے منکرات کا اجتماع بلکہ اتنی دل چسپی اور اتنا انہماک، دنیا وآخرت کے اعتبار سے انتہائی نقصان دہ، بلکہ تباہ کُن ہے، اور دنیا کو کھیل کود کا مشغلہ بنانے والوں کی قرآن وسنت میں سخت بُرائی آئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو افراط وتفریط سے بچنے اور اعتدال کو ملحوظ رکھنے اور کھیل کے اس قدر نشہ آور جنون اور مستی سے نجات وحفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1435ہجری اپریل/2014ء، جلد11 شمارہ5)

(121)

رات گئے تک تقریبات پر قانونی مؤاخذہ

ہمارے یہاں تضیعِ اوقات ایک عام معمول بن گیا ہے، اور ہمارے معاشرے میں تضیعِ اوقات کے ساتھ تضیعِ مال کے مظاہرے بھی کچھ کم نہیں، بلکہ اکثر وبیشتر ان دونوں نعمتوں کا ضیاع ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

تضیعِ اوقات اور اس کے ساتھ تضیعِ مال کی ایک صورت رات کو دیر تک تقریبات میں مشغولی بلکہ بہت سے لوگوں کی طرف سے رات کے آخری حصہ تک گانے بجانے وغیرہ کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروفیت ہے، جس کے نتیجے میں رات، اور نیند وآرام کا بڑا قیمتی حصہ برباد ہونے کے ساتھ ساتھ بجلی کا بھی بے جا ضیاع لازم آتا ہے، اور پھر نیند وآرام میں خلل کی وجہ سے صحت وتن درستی کا بگاڑ بھی مقدر بنتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سنگین صورتِ حال میں اصلاح کے بجائے مزید بگاڑ پیدا ہوتا چلا گیا ہے، اور اب کسی شادی بیاہ کی تقریب میں رات کے وقت میں شریک ہونا دعوت کے بجائے ایک عداوت معلوم ہونے لگا ہے۔

ملک بھر میں بجلی کی بڑھتی ہوئی قلت کے پیشِ نظر پنجاب کی موجودہ شہباز شریف حکومت نے دیگر قوانین کے ساتھ ساتھ ایک قانون یہ بھی بنایا ہوا ہے کہ رات کو دس بجے تک شادی ہالوں میں تقریبات کا سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔

گزشتہ کچھ عرصے سے بعض شہروں میں اس قانون پر سختی کے ساتھ عمل بھی ہوتا رہا ہے، مگر راولپنڈی شہر میں اس پر خاطر خواہ عمل نہیں تھا، اور قانون نافذ کرنے والے ادارے رشوت اور بھتہ خوری وغیرہ کے مرتکب ہونے کی بنا پر اس قانون پر عمل کرانے میں کوتاہی برت رہے تھے، لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے راولپنڈی شہر میں اس قانون پر متعلقہ افسرانِ بالا کی طرف

سے سختی کے ساتھ عمل درآمد ہوتا ہوا دیکھنے کو ملا، چنانچہ گزشتہ چند ولیموں وغیرہ کی تقریبات میں جا کر معلوم ہوا کہ آج کل اس قانون پر سختی کے ساتھ عمل ہو رہا ہے، اور خلاف ورزی پر مؤاخذہ کیا جا رہا ہے۔

چند دن پہلے ایک رفیق کے ساتھ کسی ولیمے کی تقریب میں شادی ہال میں جانا ہوا، ان دنوں تازہ تازہ اس قانون پر سختی کے ساتھ عمل درآمد شروع ہوا تھا، اور بہت سے لوگوں کو اس قانونی سختی کا علم نہیں تھا، اور ہمیں کسی ذریعے سے اس کا پتہ چل چکا تھا، اس لیے ہم لوگ نو بجے کے قریب تقریب میں پہنچ گئے، دیکھا کہ پورا ہال خالی ہے، سوائے دو تین افراد کے اور کوئی فرد موجود نہ تھا، ادھر شادی ہال کے منیجر کا اصرار تھا کہ کھانا شروع کرا دیا جائے، کیوں کہ دس بجے ہال بند کر دیا جائے گا، مگر ابھی تک دُلہا میاں کی شکل میں اصل داعی بھی نہ پہنچے تھے، بالآخر بحث ومباحثے کے بعد چند افراد کی موجودگی میں ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ کھانا لگا دیا گیا، اور کھانا شروع کر دیا گیا، چند افراد سے کھانا شروع ہوا، اور جوں جوں افراد آتے رہے، وہ کھانے میں شریک ہوتے رہے، یہاں تک کہ دلہا میاں بھی کھانے کے آخری مراحل میں بھاگتے دوڑتے ہوئے پہنچے، دس بجے تک کھانے سے فراغت حاصل کر لی گئی، دیر سے آنے والے حضرات میں سے بہت سے لوگوں کو شرمندگی اٹھانا پڑی، اور کچھ لوگ تاخیر کے باعث کھانے سے بالکل ہی محروم رہے، اور اس طرح کسی شادی کی تقریب میں دس بجے کھانے سے فراغت پا کر بڑی خوشی اور ہلکا پن محسوس ہوا۔

اس کے بعد متعدد تقریبات میں شرکت کا موقع حاصل ہوا، اور سب جگہ پر یہ دیکھ کر بڑی خوشی محسوس اور راحت حاصل ہوئی کہ ٹھیک دس بجے کھانے وغیرہ سے فراغت پا کر بلب اور لائٹیں وغیرہ بند کر دی جاتی ہیں، اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، اور خلاف ورزی پر بھاری جرمانے عاید ہوتے ہیں، اس طرح کے کئی واقعات شہر میں سننے میں آئے کہ دس بجے کے بعد منعقد ہونے والی تقریبات پر چھاپہ پڑا، اور پروگرام درمیان میں معطل کرنا

پڑا، بلکہ ایک جگہ تو عجیب وغریب واقعہ ہوا کہ بارات کی تاخیر کے باعث شادی ہال کی تقریب منسوخ کردی گئی، اور سب پروگرام درہم برہم ہوکر رہ گیا، اور بارات کو کھانے وغیرہ سے محروم رہ کر واپس جانا پڑا۔

اس طرح کی قانونی سختی ہونے پر اب سب لوگ آہستہ آہستہ صحیح ڈگر پر آنے لگے، اور وقت کے پابند ہونا شروع ہوگئے ہیں، باراتیں بھی جلدی آنا شروع ہوگئی ہیں۔

لوگ بھی اپنے وقت پر پہنچنا شروع ہوگئے ہیں، اور کسی کے انتظار کی وجہ سے تقریب میں تاخیر کرنے کے عذاب سے لوگوں کو نجات حاصل ہونے لگی ہے، اور سب لوگوں نے سکھ کا سانس لینا شروع کردیا ہے، اور قانون پر سختی یا قانونی مؤاخذہ بجلی کے ضیاع سے حفاظت کے ساتھ ساتھ راحت کا بھی باعث معلوم ہونے لگا ہے، کسی نے سچ کہا ہے کہ ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے''

ہمارے لوگوں کا مزاج کچھ ایسا ہی ہوگیا ہے کہ جب تک اوپر سے ڈنڈا سخت نہ ہو، کوئی کام سیدھا نہیں ہوتا۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر کام کو اپنے وقت پر انجام دینے کی توفیق اور اوقات و اموال کی تضیع کے جرم سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1435ہجری مئی/2014ء، جلد 11 شمارہ 6)

---

(122)

ناجائز تجاوزات اور عوامی مشکلات

دوسروں کی ایذارسانی کرنا یعنی تکلیف پہنچانا، بلالحاظ مسلم وکافر، نیک وبد سب کے نزدیک بد ترین عمل ہے، اور مذہبِ اسلام میں تو ایذارسانی کو بہت سنگین جرم اور گناہ قرار دیا گیا ہے، یہاں تک کہ انسانوں کے علاوہ، جانوروں تک کو بھی ایذا پہنچانے کی سخت برائی بیان کی گئی ہے، اور اس پر دنیا اور آخرت میں سخت وبال اور عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور یوں تو ہمارے معاشرے میں ایذارسانی کے بے شمار مناظر اور مختلف صورتیں رائج ہیں، لیکن ایذارسانی کی ایک اہم صورت، جو اس دور میں ہمارے معاشرے میں کثرت کے ساتھ رائج ہے، اور اس کو نہ صرف یہ کہ عام طور پر کوئی جرم اور گناہ نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اسی کے ساتھ اس کو بعض لوگوں نے اپنا ایک حق اور کاروبار سمجھ اور بنالیا ہے، جو کہ انتہائی سنگین صورتِ حال ہے، وہ گزرگاہوں پر ناجائز تجاوزات ہے۔

راستوں، گزرگاہوں، سڑکوں وبازاروں اور گلیوں میں ناجائز تجاوزات کے نتیجے میں جہاں ایک طرف لوگوں کو سخت ذہنی وجسمانی تکلیف وایذا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی کے ساتھ اس کی وجہ سے بڑے بڑے جانی اور مالی نقصانات وحادثات بھی پیش آجاتے ہیں۔

چنانچہ ناجائز تجاوزات کے نتیجے میں گزرگاہوں پر جگہ جگہ رش اور ہجوم کی وجہ سے گھنٹوں گھنٹوں راستہ بند اور ٹریفک جام رہتا ہے، بعض اوقات منٹوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں مریضوں اور حادثات کے شکار لوگوں کو بروقت شفاخانوں میں پہنچنا، اور بروقت دوا وعلاج کی ضرورت کا میسر آنا، ناممکن ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی جان بھی چلی جاتی ہے، یا پھر زندگی بھر کے لیے معذوری اور محتاجی کا سامنا کرنا پڑجاتا ہے، اور اس طرح بہت سے لوگوں کے گھر کا چراغ گُل ہوجاتا ہے، عورتیں بیوہ

ہوجاتی ہیں، بچے یتیم ہوجاتے ہیں، بوڑھے والدین کا سہارا اٹھ جاتا ہے۔

ناجائز تجاوزات سے رَش اور ہجوم کے باعث، ملازموں کو اپنی ملازمت گاہوں اور دفتروں تک پہنچنا دشوار ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے پیچھے بے شمار لوگوں کے کام کاج معطل یا موخر ہوکررہ جاتے ہیں، مثال کے طور پر اگر رش اور ہجوم کے باعث کوئی جج اپنی ڈیوٹی پر مقررہ وقت پر نہیں پہنچ سکا، تو بے شمار لوگوں کے مقدمات خراب ہوسکتے ہیں، مجرموں کو سزا ملنے میں تاخیر کا سامنا ہوسکتا ہے، دور دراز سے آئے ہوئے مقدمات سے متعلقہ لوگوں کو جانی مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

ناجائز تجاوزات سے رَش وہجوم کے باعث کوئی ڈاکٹر ہسپتال وغیرہ میں بروقت نہیں پہنچ سکا، تو دور دراز سے آئے ہوئے مریض پریشان اور بے حال ہوسکتے ہیں، کسی محکمہ اور دفتر کے افسرِ بالا یا ذمہ دار شخص کے بروقت نہ پہنچنے کی وجہ سے وہاں پر موجود اور بیٹھے ہوئے، یا لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے ہوئے لوگوں کو سخت ایذا کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

اس کے علاوہ راستوں اور گزرگاہوں پر رش اور ہجوم کے باعث اساتذہ اور طلبا کو اپنی تعلیم گاہوں میں بروقت پہنچنا مشکل ہوجاتا ہے، اور تعلیم وتعلم کے نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

غرضیکہ سڑکوں اور گزرگاہوں پر ناجائز تجاوزات کی وجہ سے مسافروں کو اپنی منزلوں تک بروقت پہنچنا مشکل ہوجاتا ہے، اور کاروبارِ زندگی میں طرح طرح کی مشکلات اور رکاوٹیں پیش آتی ہیں، اور اس کے بُرے اثرات پورے معاشرے پر پڑتے ہیں، اور اس سے عوامی دنیا کا بڑا طبقہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

جہاں تک ناجائز تجاوزات کا تعلق ہے، تو اس کی مختلف شکلیں اور نوعیتیں وطریقے معاشرے میں رائج ہیں، جس کا کچھ نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

راستوں اور گزرگاہوں پر ناجائز تجاوزات کی ایک شکل، راستوں اور گزرگاہوں والے حصہ میں دکان یا مکان کی تعمیر کو بڑھادینے کی ہے، مثلاً دروازے، زینے، اور تھڑے وغیرہ باہر

نکال کر راستوں میں تنگی پیدا کر دینا، جس کے ناجائز تجاوزات میں داخل ہونے میں شبہ نہیں۔

راستوں اور گزرگاہوں پر ناجائز تجاوزات کی ایک شکل راستوں میں دکانوں کا ساز وسامان رکھنے کی ہے، مثلاً دکان داروں کا اپنی فروخت کیے جانے والی چیزوں کو فٹ پاتھوں اور گزرگاہوں پر رکھ کر تنگی پیدا کر دینا، جس کے ناجائز تجاوزات میں داخل ہونے میں بھی شبہ نہیں۔

راستوں اور گزرگاہوں پر ناجائز تجاوزات کی ایک شکل بعض مستریوں اور مکینکوں کا مرمت وغیرہ کا ساز وسامان باہر رکھ کر کام کاج کر کے راستوں میں تنگی پیدا کر دینے کی ہے، جیسا کہ موٹر سائیکل اور گاڑی وغیرہ ٹھیک کرنے والوں اور دوسرے مکینک ومستریوں کا گاڑیوں کو گزرگاہوں پر کھڑا کر کے، اور وہاں دیگر ساز وسامان رکھ کر اپنے کام کاج میں مشغول ہونا۔

راستوں اور گزرگاہوں پر ناجائز تجاوزات کی ایک شکل راستوں اور گزرگاہوں پر ریڑھی، اور مستقل ٹھیے وغیرہ لگانے والے لوگوں کی شکل میں ہے، جہاں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر بے شمار لوگ خرید وفروخت کی دکانیں لگا لیتے ہیں، اوپر سے وہاں خریدار بھی کھڑے ہو کر رہی سہی کسر پوری کر دیتے ہیں، اور ایک مستقل ''منی بازار اور مارکیٹ'' کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور اپنی دکان وغیرہ کے سامنے ریڑھی اور ٹھیہ وغیرہ لگانے والوں سے بہت سے لوگ، مستقل بھتہ بھی کرائے کے نام سے وصول کرتے ہیں، اور اس بھتہ خوری کے جرم میں بعض اوقات سرکاری افسران بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ناجائز تجاوزات کی ایک بدترین اور سنگین شکل ہے، جس میں مذکورہ سب لوگ درجہ بہ درجہ تعاون کرنے اور بھتہ خوری کی شکل میں حرام خوری کرنے کے مجرم شمار ہوتے ہیں۔

راستوں اور گزرگاہوں پر ناجائز تجاوزات کی ایک شکل اپنی گاڑیوں وغیرہ کی غلط مقامات پر یا

غلط طریقے پر پارکنگ کرنا ہے، اور یہ شکل بھی معاشرے میں بہت عام ہے۔

راستوں پر ناجائز تجاوزات کے یہ سرسری چند مناظر پیش کیے گئے، جس کی وجہ سے عوام و خواص کو طرح طرح کی مشکلات اور ذہنی، جسمانی، جانی و مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور شریعت وقانون کی نظر میں یہ چیزیں سنگین جرم کے زمرے میں آتی ہیں، جن سے ہم سب کو بچنے کی ضرورت ہے، ورنہ کسی مظلوم کی بددعاء کے نتیجے میں غیر معمولی وبال بھی آ سکتا ہے، بصورتِ دیگر اللہ کی ناراضگی اور آخرت کا وبال تو سر پر سوار ہی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس طرح کے سنگین جرائم سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1435ہجری جون/2014ء، جلد11 شمارہ7)

(123)

پانی کی قدر کیجیے

’’پانی‘‘ دراصل قدرت کی بہت بڑی نعمت ہے، اتنی بڑی کہ اگر کسی کو سخت پیاس لگی ہوئی ہو اور اسے پانی نہ ملے تو وہ سخت بے چین اور پریشان ہوجائے اور اسے ایک گلاس پانی کو حاصل کرنے کے لیے اپنی بیش بہا قیمتی دولت کیوں نہ دینی پڑے، تو وہ اس کے لیے بھی تیار و آمادہ ہوجائے، پھر بھی پانی میسر نہ آئے تو سِسک سِسک اور بلک بلک کر جان دے دے۔

اگر جسم کا پانی خشک ہوجائے اور فوری طور پر پانی میسر نہ آئے تو انسان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

آج زندگی کے مختلف شعبوں میں پانی کی اہمیت وضرورت کا احساس بہت زیادہ بڑھ گیا ہے، خواہ ان شعبوں کا تعلق انسان کی انفرادی اور نجی زندگی سے ہو، یا اجتماعی زندگی سے ہو، چنانچہ فصل و پیداوار کے لیے پانی لازمی اور ضروری چیز ہے، اسی طرح سستی بجلی کی پیداوار کے لیے بھی پانی کی بڑی اہمیت ہے، غرضیکہ پانی انسانی بلکہ حیوانی زندگی اور اس کی بقا کا لازمی جزو حصہ ہے، اور معمولاتِ زندگی کو جاری رکھنے کے لیے پانی کی ضرورت واہمیت ایک مسلمہ مسئلہ ہے، اس لیے انسانوں پر لازم ہے کہ وہ پانی کی قدر و قیمت کا احساس اور اس نعمت پر شکر کا اظہار کریں۔

مگر بدقسمتی سے ایک عرصہ سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ پانی کی نعمت کا مختلف شکلوں میں ضیاع بڑھ گیا ہے، خاص طور پر جب سے پانی حاصل کرنے کے لیے جسمانی مشقت کا سلسلہ کم یا ختم ہوا اور ڈول یا دستی نلکے وغیرہ کے بجائے بجلی کی مشینوں وغیرہ سے برق رفتاری کے ساتھ پانی حاصل کرنے اور ذخیرہ اندوزی کرکے رکھنے اور ٹونٹیوں کے ذریعے بآسانی تیز رفتاری کے ساتھ استعمال کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، اس وقت سے پانی کے ضیاع میں غیر معمولی

اضافہ ہوگیا ہے، پہلے زمانہ میں جہاں پانی کے ایک لوٹے سے ضرورت پوری ہوجاتی تھی اب اس ضرورت کے لیے بھری ہوئی بالٹیوں اور گھڑوں کی مقدار بھی پوری نہیں ہوتی، چنانچہ پہلے زمانے میں نہانے کے لیے ایک گھڑے یا بالٹی سے ضرورت پوری کر لی جاتی تھی، لیکن اگر اب کسی ایسے شخص کو ایک بالٹی یا گھڑے کے پانی سے نہانے کا کہا جائے کہ جو موجودہ ٹینکی اور ٹونٹی سے نہانے کا عادی ہو، بلکہ اگر اس نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی ہو، تو اس کے لیے اتنی مقدار پانی سے نہانا مشکل ہوجائے گا۔

اس طرح مختلف صورتوں اور شکلوں میں پانی کے غیر ضروری استعمال اور ضیاع کے نتیجے میں آج بہت سے علاقوں میں لوگوں کو پانی کی قلت کا سامنا ہے، اور آہستہ آہستہ زمین کے اندر موجود پانی کی سطح نیچے ہوتی جارہی ہے، جس کے نتیجے میں کنویں اور بورنگ وغیرہ خشک ہورہے ہیں، دریا بھی پانی کی قلت سے دوچار ہیں اور تقریباً ہر سطح پر پانی کی قلت کا رونا رویا جارہا ہے اور پانی کے حصول وغیرہ کے لیے مختلف تدبیریں اور کوششیں کی جارہی ہیں، حتّٰی کہ یہاں تک کہا جارہا ہے کہ آئندہ کئی ملکوں کی جنگیں بھی پانی کے حصول کے لیے ہی ہوں گی، انڈیا و پاکستان کی مسلسل جاری سرد جنگ میں پانی کی تقسیم کا تنازعہ بھی ایک اہم محرک ہے، مگر پانی کے ضیاع اور بے جا استعمال کے مسئلے پر قابو پانے کی عوامی اور عمومی سطح پر کوششیں نہیں کی جارہیں، جو اس پریشانی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

لہٰذا ہم سب کو پانی کی قدر و قیمت کا احساس پیدا اور شعور اجاگر کر کے پانی کے ضیاع سے بچنا چاہیے، پانی کو ضیاع سے بچانا دراصل اپنے مستقبل کو اندھیروں سے محفوظ رکھنے اور اپنی نسل کو پیاس اور ضروریاتِ زندگی کی محرومی اور جنگوں کے خطرات سے بچانے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/ رمضان المبارک/ 1435ہجری جولائی/ 2014ء، جلد 11 شمارہ 8)

(124)

عیدُ الفطر، بھائی چارے کا سبق

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے) دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو دنوں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمھارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عید الاضحیٰ کا دن، اور دوسرا عید الفطر کا دن‘‘ (ابوداؤد)

عید الفطر کا دن مسلمانوں کے حق میں خوشی اور برکت کا دن ہے، اور اسلامی نقطۂ نظر سے چونکہ آنے والا دن گزشتہ رات کے تابع ہوتا ہے، اس لیے عید الفطر کے بابرکت دن کی وجہ سے اس کی چاند رات کو بھی بابرکت قرار دے دیا گیا ہے۔

چنانچہ شعب الایمان بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ (شعب الإيمان، كتاب الصيام)

ترجمہ: ’’جب عیدُ الفطر کی رات ہوتی ہے تو، اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃُ الجائزہ (یعنی انعام کی رات) رکھا جاتا ہے‘‘ (بیہقی)

عیدالفطر کی رات کے انعام کی رات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک کی عبادت کا اجر وثواب اس رات میں طے کیا جاتا ہے، جس سے عیدالفطر کی رات کی فضیلت معلوم ہوئی۔

شوّال کے مہینے کے پہلے دن کا آغاز ''عیدالفطر'' کے ساتھ ہوتا ہے، اور عیدالفطر کے جملے میں عید کی نسبت فطر کی طرف ہورہی ہے۔

فطر کے معنٰی ''افطار کرنے'' کے ہیں جس سے یہاں مراد روزوں کی فرضیت کے بعد افطار یعنی روزے نہ رکھنے کی اجازت مل جانا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں جو روزے رکھنے کی پابندی تھی وہ شوال کے آغاز پر ختم ہوگئی۔

''عید'' عربی کا لفظ ہے، جس کے عربی میں کئی معنٰی آتے ہیں۔

ایک معنٰی خوشی کے ہیں اور کیونکہ عیدین کے دِنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی کا موقع حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس کو عید کہا جاتا ہے۔

عید کے ایک معنٰی لوٹ کر آنے والی چیز کے ہیں، اور کیونکہ عیدین کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر سال بندوں پر مختلف قسم کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں، مثلاً روزے میں کھانے پینے کی ممانعت کے بعد افطار کی اجازت، صدقۂ فطر، بڑی عید پر حج کی عبادت اور قربانی کا گوشت وغیرہ، اس لیے ان تہواروں کا نام عید رکھا گیا۔

ہر قوم اور ملّت میں سال کے کچھ دن خوشی کا جشن منانے کے لیے مقرر ہوتے ہیں، جنہیں عام بول چال میں تہوار کہا جاتا ہے، تہوار منانے کے لیے ہر قوم کا مزاج ومذاق، انداز اور طور طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور وہ ''خوشی منانا'' ہے۔

اسلام میں بھی سال میں دو دن خوشی کے لیے دوسری قوموں سے علاحدہ عبادت کے طور پر مقرر کیے گئے ہیں۔

عید کا دن مسلمانوں کے لیے عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں یا دوسری قوموں کے تہواروں کی طرح کا صرف ایک تہوار نہیں، بلکہ یہ دن مسلمانوں کی عبادت کا دن بھی ہے اور خوشی کا دن بھی، ان خوشیوں کا افتتاح ایک خاص شان کی عبادت، عید کی نماز سے کیا جاتا ہے، جسے تمام مسلمان مل کر اپنے رب کے سامنے ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی یہ اجتماعی عبادت، جہاں اللہ تعالیٰ کے حضور شکرانے کے طور پر ادا کی جاتی ہے وہاں یہ عبادت اسلامی بھائی چارے کا بھی سبق دیتی ہے کہ تمام مسلمان رنگ ونسل سے بالاتر ہوکر علاقائیت، قومیت اور تعصُّب کے تصورات کو چھوڑ کر ایک صف میں شانہ بہ شانہ اپنے ربِّ کریم کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔

عید کے دن مسلمانوں کا یہ عظیمُ الشَّان اجتماع اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں ان کے اندر رنگ ونسل اور علاقائیت وقومیت کی کوئی تفریق نہیں اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رنگ ونسل کے فرق کے بغیر عیدالفطر کا مبارک موقع اتحاد واتفاق کے ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1435ہجری اگست/2014ء، جلد11 شمارہ9)

(125)

اسلام آباد میں آزادی وانقلاب مارچ

آج کل وطنِ عزیز میں انتشار کی فضاء قائم ہے، تحریکِ انصاف کے سربراہ عمران خان اور عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے آزادی اور انقلاب مارچ کے عنوان سے پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں چند لوگوں کو ساتھ لے کر ملک کے کروڑوں عوام اور جمہوریت کو ایک طرح سے یرغمال بنا رکھا ہے۔

ان دونوں سربراہان نے اس وقت عورتوں اور بچوں کی معصوم جانوں کو ڈھال بنا کر غیر قانونی طریقہ پر ریڈ زون میں داخل ہو کر قومی اسمبلی اور دیگر حساس اور ملک کے اہم اداروں کے قریب دھرنا دے رکھا ہے، مُٹھی بھر لوگوں سے خوش نما اور مزین نعرے لگوا کر دھونس اور دھمکیوں کے ذریعے غیر قانونی اور غیر آئینی مطالبات پیش کر رکھے ہیں، جن میں سول نافرمانی کی تحریک اور جمہوریت وحکومت کی بساط لپیٹنے کے مطالبات بھی شامل ہیں۔

ان سب چیزوں کے نتیجے میں ایک مرتبہ پھر ملک کی جمہوریت اور عدلیہ کو خطرات لاحق ہیں۔ نتیجہ اس کا کچھ بھی ہو اور ہمیں اللہ تعالیٰ سے بہترائی کی امید رکھنا اور دعاء کرنا چاہیے، لیکن ملک کی موجودہ صورتِ حال نے ایک مرتبہ پھر یہ تاثر قائم کر دیا ہے کہ ہمارے ملک کی جمہوریت اور عدلیہ کے فیصلوں کے نفاذ میں اب بھی غیر معمولی کمزوری پائی جاتی ہے۔

شاید ایسا ملک اس روئے زمین پر نہ ہو، جس میں کھلے عام جھوٹے الزامات لگائے جائیں، گالم گلوچ کی جائے، عدلیہ اور حکومت کے فیصلے سڑکوں پر نااہل وغیر متعلقہ لوگوں کی طرف سے کیے جائیں اور حکومت وعدلیہ کو ایک خاص انتشار کی فضا پیدا ہو جانے کی وجہ سے خاموش تماشائی بننا پڑے۔

اسی کے ساتھ موجودہ حالات میں ہمارے ملک کے میڈیا کا کردار بھی انتہائی مایوس کن دکھائی

دیتا ہے، جو کہ جمہوریت، عدلیہ اور آئین کے اصولوں کی حمایت کرنے کے بجائے غیر آئینی اور غیر جمہوری قوتوں کو گدھے گھوڑے برابر کر کے اور صحیح وغلط کی تمیز کیے بغیر حق وناحق کی تبلیغ وتشہیر میں برابر کا شریک ہے، اور غیر آئینی وغیر اخلاقی دعووں اور مطالبات کی براہِ راست کوریج دینے میں مصروفِ عمل ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ وطنِ عزیز میں انتشار پھیلانے والی قوتوں اور سازشوں سے ملک وملت کی حفاظت فرمائے، اور شرپسند عناصر کی آزمایش سے ہمیں محفوظ فرمائے، اور ملک میں بغاوت وسرکشی پھیلانے والے عناصر کی کوششوں کو ناکام بنائے۔آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1435ہجری ستمبر/2014ء، جلد11 شمارہ10)

(126)

آزادی وانقلاب مارچ کے نتائج

وطنِ عزیز کے دارالحکومت ''اسلام آباد'' میں ڈاکٹر طاہر القادری کے انقلاب مارچ اور عمران خان کے آزادی مارچ کو ایک مہینے سے زیادہ ہوگیا ہے، اور چالیس دن مکمل ہونے کو ہیں، گویا کہ یہ دونوں دھرنے چلہ کشی کی تکمیل کے مراحل میں ہیں۔

ان دھرنوں کے مقاصد وعزائم کیا ہیں، اور دونوں دھرنوں میں باہم کس طرح کی مناسبت ومطابقت ہے؟ اس طرح کے کئی سوالات سے کافی حد تک پردہ اٹھ چکا ہے، اور باقی ماندہ حد تک آنے والے وقت میں امید ہے کہ پردہ اٹھ جائے۔

دونوں دھرنوں کے رہنماؤں کی طرف سے اس درمیان مختلف اداروں اور افراد پر کیا کیا الزامات لگائے گئے، اور کس طرح کی غیر سنجیدہ وغیر اخلاقی زبان استعمال کی گئی اور کس طرح سے بار بار ادَل بدَل کر دعوے کیے جاتے رہے، اور آج کل کی زبان میں کس طرح سے یوٹرن لیا جاتا رہا، اور اپنے مقاصد وعزائم کو پورا کرنے کے لیے قوم کو کس طرح سے اُکسانے اور ملک بلکہ ریاست کے خلاف بھڑکانے، بلکہ بغاوت کرانے اور انارکی پھیلانے کی کوشش کی جاتی رہی، اور آئین وقانون کی کس کس طرح قدم قدم پر خلاف ورزیاں کی جاتی رہیں، یہ تمام باتیں اہلِ دانش اور انصاف پسندوں سے مخفی نہیں۔

اس بحران پر قابو پانے اور ملک وریاست کی حفاظت کے لیے ایک حد تک سیاسی اور جمہوری پارٹیوں نے اگرچہ اپنا کردار ادا کیا ہے، لیکن ملک کے دیگر بڑے اداروں کی طرف سے جس طرح کے اقدامات کی ضرورت تھی، اس کے مطابق کارنامہ انجام نہیں دیا گیا، جس کے نتیجے میں کئی قسم کے شکوک وشبہات نے جنم لیا۔

اس تمام صورتِ حال کے نتیجے میں موجودہ حالات نے ایک مرتبہ پھر ثابت کر دیا ہے کہ وطنِ

عزیز کے بڑے اداروں میں ہم آہنگی اور ایک دوسرے کی موثر اعانت کرنے اور ایک دوسرے پر اعتماد کرنے میں کافی حد تک کمزوری پائی جاتی ہے، جو کہ افسوسناک صورتِ حال ہے۔

چنانچہ پارلیمنٹ اور بعض دیگر سرکاری ادارے، جو کہ ریاست کے ستون سمجھے جاتے ہیں، دھرنوں کے رہنماؤں وشرکاء کی طرف سے ان کے خلاف زبانی حملوں کے علاوہ دست اندازی کی شکل میں بھی حملے کیے گئے، پارلیمنٹ اور وزیر اعظم ہاؤس کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی گئی، اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا گیا، اتنے سنگین جرائم سرزَد ہونے کے باوجود حکومت کے ہاتھ بندھے ہوئے محسوس ہوئے، ورنہ اس سے بیسیوں گنا چھوٹی بڑی جگہوں میں حکومت اگلوں کا تیاپانچہ کرکے رکھ دیتی ہے، حالات کا جبر اور پس پردہ کپتانوں کا شاید اثر ہے کہ 90 عیسوی کے عشرے میں بے نظیر بھٹو کے اس سے بڑے بڑے دھرنوں اور لانگ مارچوں کی ہوا نکالنے والی سرکار آج کیا عبرت ناک منظر پیش کررہی ہے۔ ع

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہے

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ذرائع ابلاغ سمیت بعض حلقوں کی طرف سے ان اقدامات پر بے جا تشدد وجارحیت کا الزام عاید کیا گیا، بلکہ اس سلسلے میں مقدمات کا بھی اندراج کیا گیا۔

یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ملک وریاست کی حفاظت کے لیے صرف دفاعی حد تک کیے جانے والے اقدامات کو بھی ناجائز قرار دیا جائے، تو پھر ملک اور ریاست کی حفاظت کا اور کون سا طریقہ ہوسکتا ہے، اور دراندازوں سے کس طرح ملک وریاست کی حفاظت ممکن ہوسکتی ہے؟

دوسری طرف نئے پاکستان کی تعمیر کا دعویٰ کرنے والے عمران خان اور ان کے انقلاب اور غربت کے خاتمہ کا دعویٰ کرنے والے حمایتی ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کو صوبہ خیبر پختونخوا

میں اس آزادی اور انقلاب برپا کرنے میں نا معلوم کون سی چیز حائل نظر آتی ہے؟

اندریں حالات ہماری تمام سول اور غیر سول اداروں، جماعتوں اور وطنِ عزیز کا درد رکھنے والے طبقوں سے گزارش ہے کہ خدارا، ملک وریاست کی حفاظت اور آئین وقانون کی بالادستی کے لیے یک جان ہوکر موثر کردار ادا کریں، اور ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر موجودہ بحران سے نکلنے کے لیے عدل وانصاف کی راہ کو اختیار کریں، اور ''آدھا تیتر، آدھا بٹیر'' والے کردار سے اجتناب کریں، تاکہ ملک وریاست کے خلاف کسی بھی قسم کے خفیہ ایجنڈے کے تحت ہونے والی سازشوں کو ناکام بنایا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1435ہجری اکتوبر/2014ء، جلد11 شمارہ11)

(127)

یومِ عید کی تعیین میں افتراق وانتشار

وطنِ عزیز میں مدتِ دراز سے عید کے دن کی تعیین میں تقریباً ہر سال اختلاف وافتراق اور انتشار رونما ہوتا ہے، اور عموماً عیدالفطر کے موقع پر بعض علاقوں میں ایک دن کے فرق کے ساتھ آگے پیچھے دو دن عید منائی جاتی ہے، لیکن اس سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر ملک کے بعض علاقوں میں تین عیدیں ہوئیں، یہ تماشا ملک کے کچھ مخصوص علاقوں میں ہی رونما ہوتا ہے، اب تک تو ان مخصوص علاقوں میں اصل ملکی تقویم کے مطابق عید سے ایک دن پہل عید کی جاتی رہی، اس طرح ان علاقوں میں دو عیدیں ہو جاتیں، کچھ لوگ علاقائی عید کرتے، کچھ پوری قوم کے ساتھ اصل عید کرتے، لیکن اس مرتبہ نیا کام یہ ہوا کہ ان میں سے بعض جگہوں میں دو دن پہلے عید ہوئی، اس طرح مجموعی تین عیدیں ان علاقوں میں ہوئیں، یہ یک طرفہ تماشا ہے، جو ان لوگوں نے لگایا ہوا ہے، شکر ہے باقی ملک اس انتشار سے محفوظ ہے۔

اس عجیب صورتِ حال سے ملک میں انتشار وافتراق کی فضاء بنتی ہے، امسال بھی لوگوں کو تعطیلات وغیرہ کے حوالے سے بدنظمی کا سامنا کرنا پڑا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والے لوگوں کو عیدِ قربانی کے حوالے سے کئی مسائل سے دوچار ہونا پڑا، وہ تو اپنی جگہ ہے، اسی کے ساتھ غیر مسلموں کے سامنے اس عجیب صورتِ حال نے جگ ہنسائی کا بھی سماں پیدا کیا۔

جب کہ ہمارے ہمسایہ وسیع ملک ''ہندوستان'' میں اس طرح کی فضا قائم نہیں ہوتی، جہاں ہمارے ملک سے زیادہ تعداد میں مسلمان اور بڑے بڑے اصحابِ علم موجود ہیں۔

ہمارے یہاں ایک عرصے سے ''جس کی لاٹھی، اس کی بھینس'' کی جو فضا قائم ہے، وہ دنیا کے شعبوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ دین کے شعبوں میں بھی اس کے اثرات نمایاں طور پر نظر

آتے ہیں۔

جہاں ایک طرف مختلف علاقوں میں جاگیرداروں کا نظام قائم ہے، اسی طرح دین کے بہت سے احکام ومعاملات میں بھی بعض دینی رہبروں اور پیشواؤں نے اسی جیسا نظام قائم کیا ہوا ہے کہ انھوں نے دین کے معاملات میں لسانی، صوبائی تعصّبات اور بعض فروعی معمولی اختلافات کو ہوا دے کر امت کو افتراق وانتشار میں مبتلا کر رکھا ہے۔

حالانکہ اس طرح کی فضا قائم کرنے کی شریعت کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں گنجایش نہیں پائی جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے اتحاد واتفاق کو برقرار رکھنے کے لیے شریعتِ مطہرہ نے بہت سے احکامات جاری کیے ہیں، اور عیدین وغیرہ کے دن کی تعیین کے حوالے سے نظم وضبط اور اتحاد واتفاق کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کے ملک میں مسلم حکومت یا اس کی طرف سے مقرر کردہ حاکم کے فیصلہ کو حجت قرار دیا ہے، اگرچہ وہ بعض فقہاء کی رائے کے ہی موافق کیوں نہ ہو۔ [1]

یہاں تک کہ اگر کوئی حکمران فاسق، بدعتی مگر مسلمان ہو، تو اس کا فیصلہ بھی حجت قرار دیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] ذهب المالكية والحنابلة وبعض الشافعية والحنفية -إلا فى مسائل استثنوها -إلى أن قضاء القاضى فى المجتهدات بما غلب على ظنه وأدى إليه اجتهاده ينفذ ظاهرا وباطنا، ويرفع الخلاف فيصير المقضى به هو حكم الله تعالى باطنا وظاهرا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٣ص٣٣٨، مادة "قضاء")

[2] فلا يجوز عند الجمهور تولية فاسق، ولا من فيه نقص يمنع الشهادة، واستدلوا بقول الله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبإ فتبينوا)فأمر بالتبين عند قول الفاسق، ولا يجوز أن يكون القاضى ممن لا يقبل قوله ويجب التبين عند حكمه ، ولأن الفاسق لا يجوز أن يكون شاهدا فلئلا يكون قاضيا أولى.

قال القاضى عياض :وفى الفاسق خلاف بين أصحابنا هل يرد ما حكم به وإن وافق الحق، وهو الصحيح، أو يمضى إذا وافق الحق؟ .وقال النووى :الوجه تنفيذ قضاء كل من ولاه سلطان ذو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمارے ملک میں حکومت کی طرف سے ''رؤیتِ ہلال کمیٹی'' کے نام سے باقاعدہ ایک ادارہ قائم ہے، جو ملک کے تمام طبقات اور مکاتبِ فکر کا نمائندہ قومی ادارہ و کمیٹی ہے، اور اس کمیٹی کا ایک چیئرمین مقرر ہے، اور شرعی و آئینی اعتبار سے اس کو ''رؤیتِ ہلال'' کی جہت سے قاضی کا حکم حاصل ہے، اس لیے شرعی اعتبار سے اس کے فیصلہ کو ملک کی جملہ حدود میں ''قضائے قاضی'' یا ''حکمِ حاکم'' کا درجہ حاصل ہے۔

ان حالات میں اس کے مقابلے میں دوسرے لوگوں کی طرف سے فیصلے صادر کرنا، شرعی اعتبار سے درست نہیں، اس لیے ''مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی'' کے فیصلے سے انحراف و رُوگردانی کرنے والے حضرات کو اپنے طرزِ عمل پر منصفانہ طریقے سے غور کرنا چاہیے، اور وطنِ عزیز کو عیدین کے موقع پر اختلاف وانتشار اور افتراق سے بچانا چاہیے۔

جہاں تک سعودی عرب یا دوسرے ممالک کے ''رؤیتِ ہلال'' کے فیصلوں کا تعلق ہے، تو چونکہ وہاں کی حکومت کی طرف سے، اور مسلمانوں کی حکومت نہ ہونے کی صورت میں ''جماعتِ مسلمین'' کی طرف سے جو فیصلہ ہوتا ہے، تو وہاں کے لوگ اِنہیں فیصلوں کے پابند ہیں، اور جس طرح ہمارے یہاں کا فیصلہ ان پر حجت قرار نہیں دیا جاتا، اسی طرح ان کا فیصلہ بھی ہمارے اوپر حجت قرار نہیں دیا جائے گا۔

ہم نے جہاں تک نیک نیتی اور منصفانہ طریقہ سے غور کیا، تو ہمیں دوسرے ملکوں کے مقابلے میں مختلف جہات سے پاکستان کی ''مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی'' کے نظام اور فیصلوں پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شوكة وإن كان جاهلا أو فاسقا ، لئلا تتعطل مصالح الناس .وذهب الحنفية فى الأصل عندهم إلى أن الفاسق يجوز تقلده القضاء ؛ لأنه عندهم من أهل الشهادة فيكون أهلا للقضاء ، لكنه لا ينبغى تقليده ويأثم مقلده، قال ابن عابدين :والوجه تنفيذ قضاء كل من ولاه سلطان ذو شوكة وإن كان جاهلا فاسقا وهو ظاهر المذهب وحينئذ فيحكم بفتوى غيره .قال ابن الهمام :قال بعض المشايخ :إذا قلد الفاسق ابتداء يصح، ولو قلد وهو عدل ينعزل بالفسق، لأن المقلد اعتمد عدالته، فلم يكن راضيا بتقليده دونها، وذكر الخصاف أن العدالة شرط الأولوية، فالأولى أن يكون عدلا، لكن لو تقلد الفاسق ينفذ قضاؤه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٣ص ٢٩٤، ٢٩٥، مادة "قضاء")

اطمینان حاصل ہوا، اور اس کے خلاف علمی یا عوامی حوالے سے پیش کیے جانے والے شکوک و شبہات اور دلائل میں زیادہ قوت نظر نہیں آئی۔

دوسری طرف یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ''مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی'' کا کردار صرف عیدین کے ''رؤیتِ ہلال'' کے فیصلوں تک محدود نہیں، بلکہ سال کے بارہ مہینوں کے لیے اس کی طرف سے رؤیتِ ہلال کے فیصلے ہوتے ہیں، جب کہ ان منحرف حلقوں کی طرف سے صرف عیدین کے موقع پر ہی اختلاف سامنے آتا ہے، وہ بھی عموماً تیس کے چاند کے مقابلے میں انتیس کے چاند کے ساتھ، اور سال کے باقی مہینوں میں ملک کے طول وعرض میں دینی مدارس و جامعات تک میں ''مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی'' کے فیصلوں کے مطابق مہینوں کے آغاز واختتام اور تاریخوں کا استعمال اور اسی کے موافق عمل ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی ادارہ کے گیارہ یا دس مہینوں کے فیصلے، خواہ تیس کے چاند کے ہوں، یا انتیس کے، بغیر کسی شک وشبہ کے صحیح قرار پاتے ہیں، تو صرف ایک یا دو ماہ میں ہمیشہ انتیس کا مہینہ قرار دے کر اختلاف کرنے سے تو حساب درست نہیں ہوجاتا، بلکہ ہر ماہ میں ایک یا دو دن کا فرق ہونا چاہیے، اور سال کے دوسرے دن مثلاً دس محرم، بارہ ربیع الاول، پندرہ شعبان، یومِ عرفہ اور ہر ماہ کے ایامِ بیض میں بھی اختلاف ہونا چاہیے، جیسا کہ سعودی عرب سے ان ایام میں اختلاف واضح ہے۔

لہٰذا عیدین کے مبارک موقع پر ''مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی'' کے فیصلے سے انحراف کرنے والے حلقوں کو اپنے اس دہرے روّیے کو ترک کر کے پاکستانی مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے ساتھ چل کر عیدین وغیرہ کے اجتماعی مواقع پر اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا کر فتنہ وانتشار اور جگ ہنسائی کا باعث بننے سے بچنا چاہیے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1436ہجری نومبر/2014ء، جلد 12 شمارہ 1)

(128)

بجلی اور گیس چوری

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کرتے رہے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک مدت سے بجلی اور گیس کی قلت اور لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری ہے، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی قلتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، جس کی ایک وجہ تو بڑھتی ہوئی آبادی اور ان چیزوں کے استعمال اور برتاؤ کی کثرت و اضافہ بتلائی جاتی ہے اور دوسری وجہ ان چیزوں کا بے جا ضیاع اور ان کی مختلف طریقوں سے چوری کیے جانے کو قرار دیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ کو تو ظاہر ہے کہ ایک درجہ میں ضرورت و مجبوری قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن دوسری وجہ کو ضرورت اور مجبوری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بجلی اور گیس کے ضیاع کی مختلف شکلیں ہیں، جن کا ہم پہلے بھی ذکر کرتے رہے ہیں، مثلاً جیب سے بل ادا نہ کیے جانے والے مقامات اور بطور خاص سرکاری اور وقف اداروں میں طرح طرح سے بجلی اور گیس کا ضیاع، مختلف شکلوں میں گیس کی لیکیج اور پائپ لائنوں کی خرابی وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک بجلی اور گیس کی چوری کا تعلق ہے، تو واقعی ہمارے ملک میں بجلی اور گیس چوری بہت زیادہ اور بعض مقامات پر اجتماعی و ہمہ جہتی نوعیت کی ہے، جس میں دین داروں اور مال داروں کا بڑا طبقہ بھی شامل ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب بجلی اور گیس کا استعمال چوری کی شکل میں ہوتا ہے، تو پھر بل کی ادائیگی کا فکر نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کے استعمال میں بے دردی دیکھنے میں آتی ہے، اور ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' والی کہاوت سر چڑھ کر بولتی ہے۔

بعض علاقوں میں تو بجلی وغیرہ کا ناجائز طریقے پر استعمال اتنا عام ہے کہ وہاں کوئی فرد بھی بل ادا کرنے کی زحمت نہیں کرتا، بلکہ الٹا اوپر سے اس کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے، اور آوے کا آوا ہی

بگڑا ہوا ہونے کی وجہ سے سرکاری افسران اور ملازمین بھی بجلی چوروں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے متحرک نظر نہیں آتے، بلکہ وہ یا تو خود بجلی چوری کے جرم میں مبتلا پائے جاتے ہیں، یا پھر بجلی چوری کے نتیجے میں رشوت اور بھتہ خوری کرکے لوٹ مار کے دہرے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، خود بھی چوری کرتے ہیں، اور دوسروں سے چوری کروا کے جیبیں بھی بھرتے ہیں، اس طرح ''کریلا اور نیم چڑھا'' کا مصداق بنتے ہیں۔

اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ بجلی اور گیس چوری کو، چوری ہی تصور نہیں کرتے، بلکہ اس کو اپنا حق تصور کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ سرکاری املاک اور سرکاری خزانہ کا مال ہے، جو کہ عوام کا حق ہے، اور ان چیزوں کا استعمال کرنے والا دراصل ایک طرح سے اپنا حق استعمال اور وصول کرنے والا شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس کو چوری قرار دیے جانے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

حالانکہ اس طرح کی باتیں یا تاویلات شریعت اور قانون کی کسوٹی پر پرکھنے سے درست ثابت نہیں ہوتیں، کیوں کہ اس طرح کی سرکاری املاک اور خزانہ پر مشتمل اشیا پر اس وقت تک ملکیت کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا، جب تک ان کو قانونی طریقے پر یا مقررہ معاوضہ ادا کرکے وصول نہ کیا جائے، اور مقررہ معاوضہ ادا کیے بغیر اور قانونی تقاضوں کو پورا کیے بغیر ان چیزوں کا استعمال نہ صرف یہ کہ چوری کہلاتا ہے، بلکہ چوری کی بدترین شکل میں داخل ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کے سرکاری املاک اور خزانہ کے اخراجات سے چلنے والے اداروں سے ملک کے تمام افراد کا حق وابستہ ہوتا ہے، اور اس طرح کسی ایک یا چند افراد کا چوری کرنا ملک بھر کے لاکھوں اور کروڑوں عوام کا حق چوری کرنا کہلاتا ہے، اور اس پر ڈھٹائی اختیار کرنا اور چوری وسینہ زوری سے کام لینا لاکھوں ور کروڑوں افراد کے حق پر ڈاکہ ڈالنا کہلاتا ہے، اس لیے یہ عوام کی اجتماعی حق تلفی ہے، جن سے نہ تو معافی مانگنا ممکن ہے اور نہ ہی ان کے حق کی تلافی بآسانی ممکن ہے، کیوں کہ نہ تو ملک بھر کے تمام افراد سے معافی مانگنا ممکن

ہے، اور نہ ہی بآسانی ان کا یہ متعین حق ان تک پہنچانا ممکن ہے۔

بعض لوگ بجلی اور گیس کا پورا بل ادا نہ کرنے یا بجلی وگیس کے ناجائز اور چوری کے طریقہ پر استعمال کرنے کی یہ وجہ بیان کیا کرتے ہیں کہ بجلی اور گیس کے بلوں میں مختلف قسم کے ظالمانہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں، جو کہ ان اشیا کے اصل استعمال اور صرف وخرچ کی مقدار سے زیادہ ہوتے ہیں، اس لیے ان حالات میں بجلی اور گیس کا بل ادا نہ کرنا، یا برائے نام بل ادا کر کے بجلی اور گیس کا چوری چھپے یا رشوت وبھتہ خوری کے ساتھ استعمال زیادہ کرنا چوری نہیں کہلاتا۔

مگر غور کرنے سے اس طرح کی باتیں اور تاویلیں بھی شریعت اور قانون کی رو سے بے معنیٰ ثابت ہوتی ہیں، کیوں کہ بجلی یا گیس کے بل پر مختلف ناموں سے لگے ہوئے ٹیکس شامل کر کے مجموعی بل کی مالی مقدار ہی درحقیقت شرعی اعتبار سے اس بجلی یا گیس کا معاوضہ شمار ہوتی ہے اور چوری وناجائز استعمال کی حقیقت پھر بھی برقرار رہتی ہے، اور چوری خواہ مال دار کرے یا غریب، بہر حال وہ چوری ہی ہے، اور اوپر سے رشوت وبھتہ خوری کا ارتکاب بھی کیا جائے، تو یہ دہرا جرم ہے، کیوں کہ رشوت دینے اور لینے والے کے لیے جہنم کے عذاب کی وعید ہے۔

خلاصہ یہ کہ بجلی اور گیس کا بے جا استعمال وضیاع اور بالخصوص مختلف شکلوں میں بجلی اور گیس چوری، ایک بدترین چوری کی شکل ہے، جو کہ ملی وقومی جرم ہے، اور اس کی معافی وتلافی بھی بآسانی ممکن نہیں، اور اسی لیے اس جرم پر ملک میں سخت سے سخت قوانین کی ضرورت ہے، تاکہ اس طرح کے قومی وملی اور اجتماعی املاک اور حقوق کو چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' صفر المظفر/1436ہجری دسمبر/2014ء، جلد12 شمارہ2)

(129)

وطنِ عزیز میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی

ایک عرصے سے وطنِ عزیز میں دہشت گردی وانتہاء پسندی کا سلسلہ قائم ہے، جس کی زد میں اب تک ہزاروں بے گناہ شہری، بچے، بوڑھے، خواتین اور مرد حضرات آ چکے ہیں، کئی خواتین بیوہ ہو چکی ہیں، کئی بچے یتیم ہو چکے ہیں، بہت سے والدین اپنے بچوں کے سہارے سے محروم ہو چکے ہیں، اور کتنے افراد ایسے ہیں کہ جو اپاہج اور معذور ہونے کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، اور یہ سلسلہ کسی مرحلے پر تھمنے اور رکنے کا نام نہیں لے رہا، جب کہ اس سے بچنے کے لیے طرح طرح کے تبصرے، تجزیے، مذاکرات اور آپریشن جاری ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس طرح کے دہشت گردی پر مشتمل حملے اور فضا قائم کرنے والے بیش تر مسلح گروہ بھی مسلمان شمار کیے جاتے ہیں، بلکہ وہ اپنے آپ کو عظیم مسلمان تصور کرتے ہیں، اور وہ اس طرح کے اقدامات کو وقت کی اہم ترین ضرورت سمجھتے، اور اس کو اپنے تئیں جہاد تصور کرتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں مورخہ 16 دسمبر 2014ء کو پشاور میں ایک عظیم سانحہ رونما ہوا، جس میں کئی معصوم بچوں اور خواتین کو نشانہ بنایا گیا، اور ان کو بے دردی و بے رحمی کے ساتھ موت کی نیند سلا دیا گیا، اس واقعہ کے خلاف ملک بھر میں اور کئی دوسرے ممالک میں حکومتی وعوامی سطح پر شدید مذمت کی گئی اور غم وغصہ کا اظہار کیا گیا، مختلف مسالک کے علمائے کرام ومشائخِ عظام نے بھی اس واقعے کو غیر اسلامی اور ظالمانہ قرار دیا۔

اسی کے ساتھ فوجی وحکومتی اداروں اور سیاسی ومذہبی جماعتوں کی طرف سے دہشت گردوں کو پھانسی سمیت ان کے خلاف سخت ترین اقدامات کی بھرپور حمایت کی گئی، جس کے نتیجے میں پھانسی کے موقوف قانون پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا، اور مختلف مقامات پر چھاپہ مار کر مشتبہ

ومشکوک افراد کی گرفتاری کا عمل شروع کردیا گیا۔

اگر ایک طرف پشاور کا سانحہ انتہائی افسوسناک ہے، تو دوسری طرف یہ بات خوش آئند ہے کہ دہشت گردی کے خلاف مذمت اور کارروائی کرنے پر تقریباً تمام مذہبی وسیاسی جماعتیں واکابراہلِ علم متفق ہیں۔

لیکن موجودہ وقت میں ایک اہم کام علمی اور دوسرے سنجیدہ طبقوں کی طرف سے یہ ضروری ہے کہ وہ اس طرح کے واقعات کو اگر واقعتاً قابلِ مذمت سمجھتے ہیں، تو وہ شرعی دلائل اور شکوک وشبہات کے معقول جوابات کے ساتھ دہشت گردی اور مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہونے اور خاص کر عورتوں اور بچوں پر اس طرح کے اٹیکس (Attacks) کے ناجائز ہونے کی سنجیدہ انداز میں تحریراً وتقریراً تبلیغ بھی کریں، اور اس سلسلے میں کوئی اجتماعی تحریری فیصلہ بھی صادر کریں، تاکہ شرعی اعتبار سے مسئلہ واضح ہوجائے اور شکوک وشبہات زائل ہوجائیں، اور دین کے نام پر جو کئی قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، یا پیدا کی جاتی ہیں، وہ بھی دور ہوجائیں، مگر یہ سب کام نیک نیتی، اخلاص اور انصاف پسندی وسنجیدگی اور تسلسل کے ساتھ بغیر کسی لومۃِ لائم کے ہونا چاہیے۔

اس کے بعد تمام مسلح گروہوں کو بھی اپنے دینِ اسلام کی تعلیمات ہونے کی وجہ سے ٹھنڈے دل کے ساتھ ان ہدایات پر غور اور عمل کرنا چاہیے، تبھی اس میں نورانیت وبرکت اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

اسی کے ساتھ مسلح گروہوں کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کہیں درِ پردہ اسلام دشمن عناصر تو اسلام کے نام پر لوگوں کے جذبات ابھار کر اس قسم کے اقدامات کے لیے ذہن سازی کر کے اپنے مشن پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

دوسرا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ مختلف مسالک کے درمیان جو مسلکی اختلافات ہیں، ان میں ہر فریق کو معتدل اور سنجیدہ طرزِ عمل اختیار کرنے کی تلقین کی جائے، اور ایک دوسرے

پر بے جا نکیر کرنے اور ایک دوسرے کے جذبات ابھارنے اور بھڑکانے والے رویے کو ترک کرنے کی نہ صرف تبلیغ کی جائے، بلکہ اپنے اپنے مسلک کے متبعین کو اس کا پابند بنانے کا اہتمام کیا جائے۔

اس سلسلے میں ائمہ اور رہنما حضرات کو باقاعدہ تربیت دینے کا اہتمام وانتظام کیا جائے، تاکہ انتہا پسندی کا خاتمہ ہو۔

تیسرا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ پرائی جنگ کو اپنی جنگ کہہ کر جو ہم غیروں کے غلام بن کر خدمت سرانجام دیتے ہیں، آیندہ اس سے اجتناب کیا جائے، اپنے فیصلے دین وشریعت اور ملکی حالات کو پیشِ نظر رکھ کر سرانجام دینے چاہئیں، کیوں کہ غیروں کے اشاروں پر اپنے ملک اور مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ، اغوا کاری، ٹارگٹ قتل، اور مختلف حملوں کے نتیجے میں بھی ردّ عمل کے طور پر کئی مسائل جنم لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے تمام گروہوں اور مسالک کے حضرات کو فہمِ سلیم عطا فرمائے، اور تمام امتِ مسلمہ کو متحد ومتفق ہو کر ایک دوسرے کا معاند ومخالف اور فریق بننے کے بجائے، ایک دوسرے کا معاون ورفیق بننے کی نعمت سے نوازے، اور اسلام کے ہمہ گیر، وسیع الجہت بنیادی اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر اجتماعیت کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1436ہجری جنوری/2015ء، جلد12 شمارہ3)

(130)

اشتعال انگیز تحریر وتقریر پر پابندی

ایک مدت سے وطنِ عزیز میں بڑھتی ہوئی قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے مختلف قسم کی تدابیر وتجاویز زیرِ غور وزیرِ عمل آتی رہی ہیں، گزشتہ دنوں پشاور کے ایک سکول میں معصوم بچوں کی سفا کانہ وظالمانہ شہادت و ہلاکت کے بعد فوجی اور سیاسی قیادت نے مل کر قومی ایکشن پلان ترتیب دیا، اور اس کے بعد اس کے مطابق عمل درآمد شروع کر دیا گیا، جس کے تحت ملک میں اشتعال انگیز اور شرانگیز تحریرات وتقاریر کے خلاف بھی کارروائی اور مختلف لوگوں کی پکڑ دھکڑ کی جا رہی ہے۔

ہمیں اصولی طور پر اشتعال انگیز اور شرانگیز تحریرات اور تقاریر کے سدِّ باب کے لیے موثر کارروائی کرنے سے اتفاق ہے، لیکن اس سلسلے میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے، جن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

(1)...... اشتعال انگیز اور شرانگیز تحریرات اور تقاریر کے خلاف کارروائی کرنے کا عمل کسی مسلک کی تخصیص کے بغیر بلا امتیاز ہونا چاہیے، تاکہ ملک میں موجود تمام مسالک کے شدت پسند واشتعال انگیز لوگوں کی اصلاح ہو سکے، کیوں کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، اس لیے جب تک اس کارروائی کے عمل کو بلا تفریق عمومی انداز میں اختیار نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک اصل اہداف اور مقاصد حاصل نہ ہوں گے، اور ایسی صورت میں کسی ایک فریق کو یک طرفہ کارروائی کی شکایت بالکل بجا نہ ہوگی۔

(2)...... اشتعال انگیز اور شرانگیز تحریرات اور تقاریر کی تعیین کے لیے مختلف مسالک اور سلسلے کے سنجیدہ اور معتدل مقتدا حضرات کی مشاورت سے کچھ قواعد وضوابط اور اصول مقرر کر کے تمام فریقوں کو ان کا پابند کرنا چاہیے کہ وہ اپنے مسلک کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مسلک

کے متبعین کو اس کے مطابق اعتدال کے ساتھ رہنمائی کرسکیں، اور اگر دلائل کی ضرورت محسوس ہو تو ان کو بھی پیش کرسکیں، لیکن فریقِ مخالف کی تذلیل و توہین اور تحقیر یا جذبات کو بھڑکانے سے مکمل اجتناب کریں، جس کے لیے ایک بزرگ کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے کہ:

"اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں، اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں"

ہمارے یہاں ایک طویل عرصے سے مذہبی عنوان سے اس انداز میں تحریراً اور تقریراً تبلیغ پر زیادہ زور رہا ہے کہ اپنے نزدیک حق بات سے زیادہ فریقِ مخالف کی بات پر نکیر اور اس کی تحقیر و تذلیل کی جائے، اور اس مقصد کے لیے فریقِ مخالف کے سلسلے کی کتب سے چھانٹ چھانٹ بلکہ کاٹ چھانٹ کر حوالہ جات پیش کیے جاتے رہے ہیں۔

جب کہ یہ طرزِ عمل اشتعال اور شر پیدا کرنے اور دوسروں کے جذبات مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ انبیائے کرام کی تبلیغ کے اصول کے بھی خلاف ہے، ہر نبی کو اپنے زمانہ میں مخالفین اور منکرین سے سابقہ پڑا ہے، لیکن انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے مخالفین و منکرین کے خیالات کی تردید پر زور دینے کے بجائے، حق بات کے اثبات اور اس کے سنجیدہ اور معقول دلائل پر زیادہ زور رکھا ہے، اور حتی الامکان مخالفین و منکرین کا صراحتاً اور بار بار نام تک لینے سے اجتناب کیا ہے۔

(3)...... ہر مسلک اور سلسلے کے مقتدا و مقتدر حضرات کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ تحریر و تقریر کے طے شدہ اصولوں کے مطابق اپنے پیروکاروں کو تلقین کریں، اور ان اصولوں کی تبلیغ و تشہیر کریں، اور اپنی تعلیم گاہوں میں بھی ان اصولوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں اور اس سلسلے میں مختلف کورس منعقد کرکے آگاہی اور شعور پیدا کرنے کا اہتمام کریں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ دوسرے سلسلے کے متبعین کی اصلاح پر زور دینے کے بجائے ہر فریق کو اپنے سلسلے کے متبعین کی اصلاح پر توجہ دینا، زیادہ موثر و مفید ہوا کرتا ہے، جس کی ہمارے یہاں بہت زیادہ کمی، بلکہ عام طور پر فقدان پایا جاتا ہے۔

اگر خلوصِ نیت اور باہمی اتفاقِ رائے اور عدل وانصاف کے ساتھ اور عصبیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس طرح کے اصولوں پر عمل درآمد کیا جائے گا، تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد بہتر نتائج برآمد ہوں گے، اور شدت پسندی اور دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی لہر سے نجات حاصل ہوگی، اور ملک میں امن وامان کی فضاء قائم ہونے میں مدد حاصل ہوگی۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ربیع الآخر/1436ہجری فروری/2015ء، جلد12 شمارہ4)

(131)

قیمتی معدنی ذخائر کی دریافت

گزشتہ دنوں وطنِ عزیز میں چنیوٹ کے قریب ''رجوعہ'' کے مقام پر ابتدائی طور پر زیرِ زمین سونے، چاندی اور اعلیٰ معیار کے لوہے کے ذخائر کی دریافت ہوئی ہے، ماہرین کے محتاط اندازے کے مطابق یہ ذخائر ممکنہ طور پر دو ہزار کلومیٹر تک پھیلے ہوئے ہیں، تاہم ابتدائی طور پر 28 مربع کلومیٹر تک ان ذخائر کی نشان دہی ہوئی ہے، اور یہ ذخائر انتہائی کم گہرائی میں دریافت ہوئے ہیں۔

وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے رجوعہ کے قیمتی ذخائر کی ابتدائی دریافت کی نوید سنائی اور اس نعمتِ غیر مترقبہ پر انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔

یہ بات کسی انصاف پسند سے مخفی نہیں کہ وطنِ عزیز کی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور بزرگوں کی دعاؤں اور قربانیوں کی بدولت بہت سی قدرتی نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، پاک سرزمین کی تہوں میں قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ ٹھوس، مائع اور گیس تینوں قسم کے معدنی ذخائر کی کمی نہیں، تھر میں کوئلے کے وسیع ذخائر دریافت ہو چکے ہیں، بلوچستان میں سوئی کے مقام پر گیس کے بعد ریکوڈک میں سونے چاندی کے ذخائر دریافت ہوکر نکالے جانے کے منتظر ہیں۔

اللہ کے اس فضل وکرم اور بزرگوں کی دعاؤں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ مختلف اقوام اور ممالک کی طرف سے پاکستان کی تباہی وبربادی اور اسے ناگفتہ بہ حد تک معاشی مسائل کے شکنجے میں پھنسانے کی پے درپے کوششوں کے باوجود، ابھی تک ان اقوام اور ممالک کو اپنے اصل مقاصد واہداف میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی، اور آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ان کو اس میں

کام یابی حاصل نہیں ہو سکے گی۔

امید ہے کہ موجودہ دریافت شدہ ان ذخائر سے استفادہ کرنے کی صورت میں ملک کی کم زور معیشت کو استحکام ملے گا اور یہ ذخائر کسی اندرونی، یا بیرونی قوت کی سازش اور بیوروکریسی کی بے حسی وغیرہ کی نذر نہ ہوں گے۔

اہلِ وطن کو اللہ کی اس نعمت پر اس کے حضور سجدۂ شکر بجالانا چاہیے اور دعا کرنا چاہیے کہ یہ نعمت ملک اور قوم کے کام آئے، اور حکمرانوں اور مقتدر شخصیات کو توفیق حاصل ہو کہ وہ اپنی مخلصانہ کوششوں کے ساتھ جلد از جلد اِن قدرتی ذخائر سے اہلِ وطن کو مستفید کرنے کا اہتمام کریں، اور غیروں کا دستِ نگر بننے اور دوسروں کے قرض تلے دبنے سے حفاظت ونجات حاصل ہو، اسی کے ساتھ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے بہترائی کی امید رکھیں اور مایوسی کا شکار نہ ہوں۔

بے جا شکوے وشکایات اور ناشکری سے اپنے آپ کو بچائیں، کیوں کہ شکر کی بدولت نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اپنے فضل وانعامات کا سلسلہ جاری وساری رکھے، اور ہماری تمام تر کوتاہیوں اور غفلتوں کے باوجود ہماری مدد ونصرت فرماتا رہے۔ ع

توقع سے تیرے لطف وکرم کو بیش تر پایا

اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو، آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1436ہجری مارچ/2015ء، جلد12 شمارہ5)

(132)

لاہور چرچ میں دھماکا اور اسلامی تعلیمات

لاہور کے علاقے ''یوحنا آباد'' میں کیتھولک چرچ اور کرائسٹ چرچ کے باہر 15 مارچ 2015ء بروز اتوار کو دو خودکش دھماکے ہوئے، اس واقعے میں کئی پولیس اہل کاروں سمیت متعدد افراد ہلاک اور بے شمار افراد زخمی ہوگئے، دھماکوں کے وقت چرچ میں مذہبی تقریب کا سلسلہ جاری تھا۔

اس سے قبل بھی متعدد مرتبہ مختلف چرچوں کو نشانہ بنایا گیا ہے، 22 ستمبر 2013ء کو پشاور چرچ میں دھماکہ سے سو سے زائد افراد ہلاک اور دو سو سے زائد افراد زخمی ہوگئے تھے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے مطابق ملک کے ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے اور اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی حاصل ہے، اور اقلیتوں کے جائز حقوق کو تحفظ دیئے جانے کی صراحت موجود ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات طے شدہ ہے کہ جب مسلمانوں کے ملک میں غیر مسلم اقلیت کے لوگ قانونی اجازت کے ساتھ رہتے ہوں، تو وہ ایک معاہدہ کے تحت رہتے ہیں، اس لیے مسلمانوں پر ان کے جان و مال کا تحفظ ضروری ہوتا ہے، اور ایسے لوگوں کو شریعت کی زبان میں ''ذمی'' اور ''معاہد'' کہا جاتا ہے، احادیث میں ایسے لوگوں کو ''اہلِ ذمہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] أهـل الذمة:التعريف :الـذمة فى اللغة :الأمـان والعـهـد، فـأهل الذمة أهل العهد، والذمى :هو المعاهد . والـمراد بأهل الذمة فى اصطلاح الفقهاء الذميون، والذمى نسبة إلى الذمة، أى العهد من الإمام -أو ممن ينوب عنه -بالأمن على نفسه وماله نظير التزامه الجزية ونفوذ أحكام الإسلام .
وتـحـصل الذمة لأهل الكتاب ومن فى حكمهم بالعقد أو القرائن أو التبعية، فيقرون على كفرهم فى مقابل الجزية(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج،۷،ص ۱۲۰ ،مادة " أهل الذمة ")

فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ”اہلِ ذمہ“ کو ان کے گھروں اور عبادت خانوں میں ان کی مذہبی رسوم انجام دینے سے نہیں روکا جائے گا۔ [1]

اہلِ ذمہ کے عبادت خانوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا، چنانچہ صحابۂ کرام نے جو غیر مسلموں کے علاقے فتح کیے، تو صحابۂ کرام نے وہاں غیر مسلموں کے عبادت خانوں کو منہدم نہیں کیا، اور صدیوں سے مسلمانوں کی حکومتیں رہنے کے باوجود غیر مسلموں کے عبادت خانوں کو برقرار رکھا گیا۔ [2]

جہاں تک اہلِ ذمہ کو قتل کرنے کا تعلق ہے، تو اسلام میں اس کی بھی اجازت نہیں، الَّا یہ کہ کوئی ذمی قابلِ قتل جرم کا ارتکاب کرے، مثلاً کسی کو ناحق قتل کرے، تو قاتل سے قانونی قاعدے کے مطابق قصاص لیا جائے گا، مگر اہلِ ذمہ اور غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے اور عبادت خانوں یا گھروں میں اپنی مذہبی عبادات کو سرانجام دینے اور اپنے مذہب کے مطابق عقائد کی بنا پر ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں، یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ

---

[1] إجراء عباداتهم: الأصل في أهل الذمة تركهم وما يدينون، فيقرون على الكفر وعقائدهم وأعمالهم التي يعتبرونها من أمور دينهم، كضرب الناقوس خفيفا في داخل معابدهم، وقراءة التوراة والإنجيل فيما بينهم، ولا يمنعون من ارتكاب المعاصي التي يعتقدون بجوازها، كشرب الخمر، واتخاذ الخنازير وبيعها، أو الأكل والشرب في نهار رمضان، وغير ذلك فيما بينهم، أو إذا انفردوا بقرية. ويشترط في جميع هذا ألا يظهروها ولا يجهروا بها بين المسلمين، وإلا منعوا وعزروا، وهذا باتفاق المذاهب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج،۷،ص ۱۳۰،مادة ” أهل الذمة “)

[2] ذهب الحنفية إلى أن البيع والكنائس القديمة في السواد والقرى لا يتعرض لها ولا يهدم شيء منها، قال الكمال بن الهمام :إن البيع والكنائس في السواد لا تهدم على الروايات كلها، وأما في الأمصار فاختلف كلام محمد، فذكر في العشر والخراج :تهدم القديمة، وذكر في الإجارة :لا تهدم :وعمل الناس على هذا، فإنا رأينا كثيرا منها توالت عليها أئمة وأزمان وهي باقية لم يأمر إمام بهدمها، فكان متوارثا من عهد الصحابة رضي الله تعالى عنهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج،۳۸،ص ۱۵۱،مادة ” معابد“)

لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا

(مسند احمد، رقم الحديث ٥٧٤٥، مستدرك حاكم، رقم الحديث ٢٥٨٠) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اہلِ ذمہ میں سے کسی کو قتل کردیا، تو وہ جنت کی خوش بو نہیں پا سکے گا، اور بے شک جنت کی خوش بو چالیس سالوں کی مسافت سے پالی جاتی ہے (مسند احمد، حاکم)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا (بخاری، رقم الحديث ٣١٦٦)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایسے (غیر مسلم) شخص کو قتل کیا کہ جس سے (قتل وقتال نہ کرنے کا) معاہدہ تھا، تو وہ جنت کی خوش بو نہیں پا سکے گا، اور جنت کی خوش بو چالیس سال کی مسافت سے پالی جاتی ہے (بخاری)

اہلِ ذمہ سے چونکہ معاہدہ ہوتا ہے، اس لیے ان کو بھی شریعت کی زبان میں ''معاہَد'' کہا جاتا ہے، اسی لیے ایک روایت میں ''اہلِ ذمہ'' اور دوسری روایت میں ''معاہَد'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَتَلَ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ـــ أَوْ لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ، مَنْصُورٌ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)
وقال الحاكم: هذا حديث صحيح علىٰ شرط الشيخين ولم يخرجاه، وله شاهد من حديث ابى هريرة صحيح علىٰ شرط مسلم.
وقال الذهبى: على شرط البخارى ومسلم.

الشَّاکُّ ۔ إِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ قَدْرِ سَبْعِينَ عَامًا (مسند احمد، رقم الحديث ٢٣١٢٨) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اہلِ ذمہ میں سے کسی کو قتل کر دیا، تو وہ جنت کی خوش بو نہیں پا سکے گا، اور بے شک جنت کی خوش بو ستر سالوں کی مسافت سے پالی جاتی ہے (مسند احمد)

ممکن ہے کہ چالیس سالوں اور ستر سالوں کی مسافت سے دور رہنے کا یہ فرق، قاتل کے ظلم کی شدت اور خفت کی بنا پر ہو، اور جس نے زیادہ ظالمانہ طریقہ پر قتل کیا ہو، اس کا عذاب اور وبال زیادہ شدید وطویل ہو۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا فِيْ غَيْرِ كُنْهِهٖ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (ابوداود، رقم الحديث ٢٧٦٠، باب فى الوفاء للمعاهد وحرمة ذمته) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایسے (غیر مسلم) شخص کو ناحق قتل کیا کہ جس سے (قتل وقتال نہ کرنے کا) معاہدہ تھا، تو اللہ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا (ابوداؤد)

اس طرح کی احادیث کی بنا پر فقہائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہلِ ذمہ اور معاہدین کو ناحق قتل کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان، کسی ذمی کو ظلماً قتل کر دے، یا اس کا کوئی عضو تلف کر دے، تو امام ابوحنیفہ کے فقہ کے مطابق مسلمان سے اس کا قصاص بھی لیا جائے گا۔ [3]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح (حاشية ابى داوٗد)

[3] وكذلك لو قتل المسلم الذمى عمدا فعليه القصاص عندنا (المبسوط للسرخسى، ج ٢٦، ص ١٣١، كتاب الديات، باب القصاص)

اس کے علاوہ اہلِ ذمہ کو ناحق تکلیف وایذا پہنچانے اور ان پر جانی ومالی ظلم کرنے کی بھی اسلام میں نہ صرف یہ کہ سخت ممانعت ہے، بلکہ اس پر سخت وعیدوں اور سزاؤں کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ حِزَامٍ، أَنَّهُ مَرَّ بِأُنَاسٍ مِّنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ، قَدْ أُقِيمُوا فِي الشَّمْسِ بِالشَّامِ، فَقَالَ: مَا هٰؤُلَاءِ؟ قَالُوا: بَقِيَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ مِّنَ الْخَرَاجِ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعَذِّبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ، قَالَ: وَأَمِيرُ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ عُمَيْرُ بْنُ سَعْدٍ عَلٰى فِلَسْطِينَ، قَالَ: فَدَخَلَ عَلَيْهِ، فَحَدَّثَهُ فَخَلّٰى سَبِيلَهُمْ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۳۳۰) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ حزام رضی اللہ عنہ، اہلِ ذمہ کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، جن کو شام (کے علاقہ) میں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، حضرت ابنِ حزام نے فرمایا کہ ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟ لوگوں نے جواب میں کہا کہ ان پر کچھ ٹیکس باقی ہے، تو حضرت ابنِ حزام نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ بے شک اللہ عزوجل ان لوگوں کو قیامت کے دن عذاب دے گا، جو لوگوں کو عذاب دیتے ہیں، اور اس زمانہ میں لوگوں کے امیر فلسطین میں عمیر بن سعد تھے، ابنِ حزام نے ان کو جا کر یہ بات بیان کی، تو انھوں نے اہلِ ذمہ کو چھوڑ دیا (مسند احمد)

حضرت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهَدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سنن أبي داود، رقم الحديث ٣٠٥٢) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے معاہدہ کیے ہوئے (غیر مسلم) شخص پر ظلم کیا، یا اس کی حق تلفی وتحقیر کی، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا، یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس کی کوئی بھی چیز لی، تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے حجت بنوں گا (اور اس کے حق کے لیے کھڑا ہوؤں گا)

(ابوداؤد)

کئی احادیث میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ اگر غیر مسلم کو کوئی ایک عام مسلمان بھی امن دے دے، مثلاً اس کو اپنے ہاں ویزا پر بلوائے، تو وہ امن دینا سب مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٢١٥٥) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر کسی (غیر مسلم) کو پناہ دے سکتا ہے (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُجِيرُ عَلٰى أُمَّتِيْ أَدْنَاهُمْ (مسنداحمد، رقم الحديث ٨٧٨٠) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی کسی (غیر مسلم) کو پناہ دے سکتا ہے (اور پھر اس کی حفاظت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی) (مسند احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: اسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

[3] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا (بخاری، رقم الحدیث ۷۳۰۰)

ترجمہ: مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے، جس کو مسلمانوں کا ادنیٰ (سے ادنیٰ) شخص بھی اختیار کرسکتا ہے، جس نے کسی مسلمان کا (غیر مسلم کو دیا ہوا) عہد توڑا، تو اُس پر اللہ اور فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ نفل (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، مَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۵۶۲۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دھوکا دینے والے (اور معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے) کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا، مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے، جس کے لیے مسلمانوں کا ادنیٰ شخص بھی کوشش کرسکتا ہے، جو شخص کسی مسلمان کا (غیر مسلم کو دیا ہوا) ذمہ وعہد توڑے، تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کی فرض عبادت مقبول

---

[1] قال الهيثمي:
رواه الطبراني في الأوسط وأبو يعلى باختصار، وقد تقدم حديث أبي يعلى في الباب قبله ورجال أبي يعلى ثقات وإسناد الطبراني ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۶۹۱، باب ما جاء في الغدر)

ہوگی اور نہ ہی نفل (طبرانی)

اگر مسلمانوں کا حکمران امن وذمہ دے دے، تو وہ بدرجۂ اولیٰ سب ملک کے باشندوں پر لازم ہے، اور پاکستان کی اقلیت واہلِ ذمہ کو باقاعدہ پاکستان کے آئین وقانون کے تحت امن وذمہ دیا گیا ہے، جس کی پاس داری تمام ملک کے باشندوں پر شرعاً بھی لازم ہے۔

اس کے علاوہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد شکنی کرنے کی وجہ سے باہم قتل وغارت گری اور خانہ جنگی پیدا ہوتی ہے، اور مسلمانوں پر دشمنوں کا غلبہ اور تسلط ہوتا ہے، اور مسلمانوں کو معاشی بدحالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ قَطُّ، إِلَّا كَانَ الْقَتْلُ بَيْنَهُمْ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم بھی کبھی عہد کو توڑتی ہے، تو ان کے درمیان قتل وغارت گری پیدا ہو جاتی ہے (حاکم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۲۵۷۷، کتاب الجهاد، مسند البزار، رقم الحدیث ۴۴۶۳.

قال الحاكم:

هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه.

وقال الذهبي في التلخيص:

على شرط مسلم.

و قال الهيثمي:

رواه البزار، ورجاله رجال الصحيح غير رجاء بن محمد وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۲۱۵۰، باب وجوب إنكار المنكر)

و قال البوصيري:

وقال الحاكم: صحيح على شرط مسلم. وهو كما قال. وله شاهد من حديث ابن عمر، رواه ابن ماجه والبزار والبيهقي بإسناد حسن (اتحاف الخيرة المهرة، ج۳، ص ۱، باب مانع الزكاة وعقوبة من كنز)

مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ إِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوُّهُم (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٠٩٩٢، ج١١ ص٤٥) [1]

ترجمہ: جو قوم بھی عہد شکنی کرتی ہے، تو ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کردیا جاتا ہے (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَمْ تَجْتَبُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا؟ فَقِيْلَ لَهُ: وَكَيْفَ تَرٰى ذٰلِكَ كَائِنًا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: إِيْ وَالَّذِيْ نَفْسُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ، عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ، قَالُوْا: عَمَّ ذَاكَ؟ قَالَ: تُنْتَهَكُ ذِمَّةُ اللّٰهِ، وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَشُدُّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قُلُوْبَ أَهْلِ الذِّمَّةِ، فَيَمْنَعُوْنَ مَا فِيْ أَيْدِيْهِم (صحيح البخاری، رقم الحديث ٣١٨٠)

ترجمہ: اس وقت تمھارا کیا بنے گا، جب تم کو نہ تو دینار مل سکے گا اور نہ روپیہ پیسہ، عرض کیا گیا کہ اے ابو ہریرہ! تمھیں آئندہ ہونے والی یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ جس پر انھوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے، میں نے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے

---

[1] قال الهيثمی:
رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه إسحاق بن عبد الله بن كيسان المروزی، لينه الحاكم، وبقية رجاله موثقون، وفيهم كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٣٤٦، باب فرض الزكاة)

وقال المنذری:
رواه الطبرانی فی الكبير وسنده قريب من الحسن وله شواهد (الترغيب و الترهيب، ج١، ص٣١٠، كتاب الصدقات الترغيب فی أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وقال الالبانی:
وبالجملة فالحديث بهذه الطرق والشواهد صحيح بلا ريب، وتوقف الحافظ ابن حجر فی ثبوته إنما هو باعتبار الطريق الأولى .والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج١، ص٢١٧، تحت رقم الحديث ١٠٧)

یہ بات معلوم کی ہے، لوگوں نے معلوم کیا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کی بے حرمتی کی جائے گی، تو اس وقت اللہ عزوجل ذمیوں کے دل سخت کردے گا اور جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہوگا، اس سے مسلمانوں کو باز رکھیں گے (بخاری)

غرضیکہ بے شمار احادیث میں اہلِ ذمہ اور غیر مسلموں کے حقوق اور ان کے ساتھ خوش اخلاقی کی تاکید کی گئی ہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمائی ہے۔ [1]

اب اسلام کی ان تعلیمات کی روشنی میں تمام مسلمانوں کو نیک نیتی واعتدال پسندی کے ساتھ اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے، اور غیر مسلم اقلیتوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے، کیوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے، جس کے نام کا مسلمانوں نے کلمہ پڑھا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ بعض اوقات اس قسم کے حملے غیر مسلم اور اسلام وملک دشمن طاقتوں کی طرف سے بھی بروئے کار لائے جاتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو بدنام کیا جاسکے، ان پر دباؤ ڈال کر اپنے مقاصد حاصل کیے جاسکیں، اس قسم کی سازشوں پر بھی اہلِ اسلام کو نظر رکھنا چاہیے، اور متحد ہوکر سدّ باب کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1436ہجری اپریل/2015ء، جلد12 شمارہ6)

---

[1] عن أنس، قال :عاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یهودیا (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۴۸۸۳)

قال شعیب الارنؤوط:إسنادہ صحیح علی شرط البخاری(حاشیة ابنِ حبان)

(133)

پنجاب ساؤنڈ سسٹم (ریگولیشن) آرڈیننس 2015

ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر پاکستان کے صوبہ پنجاب میں لاؤڈ اسپیکر کے غیر قانونی/غیر ضروری استعمال کے سدِ باب کے لیے حکومتِ پنجاب نے ''پنجاب ساؤنڈ سسٹم (ریگولیشن) آرڈیننس 2015'' کا نفاذ کر دیا ہے۔

اس قانون کی رُو سے کسی بھی شخص کے لیے ایسا ساؤنڈ سسٹم استعمال کرنا، یا اس انداز سے استعمال کرنا، جو دوسرے لوگوں کے آرام وسکون میں مخل ہو، یا معاشرے میں انتشار، بے چینی یا تفرقے کا باعث بنے، غیر قانونی تصوّر ہوگا۔

مساجد اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہیں، حکومت کی جاری کردہ تفاصیل کے مطابق صرف ایک بیرونی اور اندرونی لاؤڈ اسپیکر استعمال کر سکیں گی، یہ لاؤڈ اسپیکر صرف اذان، جمعہ اور عیدین کے موقع پر عربی خطبہ، کسی فوتیدگی کے اعلان، یا کسی شخص یا چیز کی گمشدگی اور ملنے کی اطلاعات کے لیے استعمال ہو سکے گا، اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو 6 ماہ تک سزائے قید اور 25 ہزار سے ایک لاکھ تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے، اس آرڈیننس کی خلاف ورزی قابل دست اندازی پولیس اور نا قابلِ ضمانت جرم ہے (محکمہ داخلہ ''حکومتِ پنجاب'')

حکومتِ پنجاب کا مذکورہ آرڈیننس، جس میں لاؤڈ اسپیکر کے بے جا اور غیر ضروری استعمال پر پابندی عاید کی گئی ہے، شرعی اصولوں سے متصادم نہیں ہے، بلکہ شرعی اصولوں، اور تقاضوں کے مطابق ہے، بشرطیکہ ہر قسم کے تعصّبات اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اسے ملاحظہ کیا جائے۔

لیکن اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ ایک مذہبی طبقہ اس قانون کے خلاف مختلف طریقوں سے آواز بلند کرنے میں مشغول ہے، اور اس قانون کو شرعی تقاضوں کے خلاف اور شریعت کے متصادم قرار دینے کے بلند و بالا دعوے کر رہا ہے۔

مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہر قسم کے تعصّبات اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر نیک نیتی سے جائزہ لیا جائے، تو نہ صرف یہ کہ یہ قانون شرعی اصولوں کے خلاف نہیں، بلکہ اس میں شرعی تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

کیوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ اذان، خطبہ، نماز اور وعظ وتذکیر ایسے اعمال ہیں کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، محدثین اور فقہائے کرام کے زمانے سے چلے آرہے ہیں، اور اس وقت لاؤڈ اسپیکر ایجاد بھی نہیں ہوا تھا، اور لاؤڈ اسپیکر بہت بعد میں ایجاد ہوا، اور لاؤڈ اسپیکر کی ایجاد کا اصل مقصد اذان دینا، خطبہ پڑھنا اور نماز پڑھانا نہیں ہے، کیوں کہ یہ اعمال تو لاؤڈ اسپیکر وجود میں آنے سے پہلے سے چلے آرہے ہیں۔

کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اذان ونماز اور خطبہ اور وعظ کے لیے لاؤڈ سپیکر کا استعمال شرعاً ضروری ہے، اور نہ کوئی مسلمان اس کی جرأت کرے گا کہ تیرہ سو سال کے مسلمانوں کی اذان اور نماز اور خطبہ وغیرہ کو (جب کہ یہ آلہ ایجاد نہیں ہوا تھا) فاسد اور غلط قرار دے، کیونکہ اس دعوے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور گزشتہ امت کی عبادتیں، اس اہم اور ضروری چیز سے خالی تھیں اور پھر لاؤڈ سپیکر ایجاد کرنے والوں نے یہ احسان کیا کہ تیرہ سو سال کے بعد اس کی تکمیل کی۔

پس زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر دراصل ایک سہولت یا انتظامی ضرورت کے لیے ہے، اس لیے اس کا استعمال بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہونا چاہیے۔

فقہائے کرام نے بغیر لاؤڈ سپیکر کے بھی امام کو اپنی آواز میں اعتدال رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

جب لاؤڈ اسپیکر وجود میں آیا تو اس پر نماز پڑھانے اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز کے مطابق مقتدی کو نماز ادا کرنے پر سوال پیدا ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے دوسرے تک پہنچنے والی آواز متکلم کی اصل آواز ہے، یا نہیں؟ جس میں ماہرین کی ایک رائے یہ سامنے آئی کہ لاؤڈ اسپیکر سے پہنچنے والی آواز متکلم کی اصل آواز نہیں ہوتی، بلکہ وہ آواز اس مشین کی اپنی آواز ہوتی ہے،

جس پر بعض اہلِ علم حضرات نے نماز کو ناجائز قرار دیا، کیوں کہ اس صورت میں مقتدی کا اپنے امام کی اتباع کرنے کی بجائے مشین کی آواز کی اتباع کرنا لازم آتا تھا۔

پھر بعض ماہرین کی رائے یہ سامنے آئی کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے پہنچنے والی آواز متکلم کی ہی آواز ہوتی ہے اور یہ آلہ صرف اس آواز کو اونچی اور بلند کرنے یا برقی طریقے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا کام دیتا ہے، جس طریقے سے ہوا بھی یہ کام دیتی ہے اور جس طرف کی ہوا ہو اور تیز ہوا ہو، وہ اس طرف آواز کا رخ زیادہ اور تیزی سے موڑتی اور پہنچاتی ہے۔ اس لیے لاؤڈ سپیکر پر نماز کو درست قرار دیا گیا، لیکن اہلِ علم حضرات کا ایک طبقہ اب تک اس سلسلہ میں احتیاط کا قائل ہے۔

بہر حال گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ لاؤڈ سپیکر کوئی شرعی چیز نہیں ہے کہ اس کو سنت یا واجب قرار دیا جائے، بلکہ ایک ضرورت کی چیز ہے، لہٰذا اس کا استعمال ضرورت کی حد تک محدود رکھنا چاہیے، اور اس طرح کی چیزوں میں شریعت اس بات کا بہت لحاظ کرتی ہے کہ دوسروں کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچائی جائے، چنانچہ طواف کرتے وقت حجرِ اسود کو بوسہ دینا عبادت اور سنت ہے، لیکن اس عمل کو انجام دینے کی خاطر کسی کو تکلیف و ایذاء پہنچانا جائز نہیں، اگر ایسا ہو، تو اس سنت کو ترک کر دینے اور دور سے اشارہ پر اکتفاء کر لینے کا حکم ہے۔

اسی طرح اذان کو بلند آواز سے دینا سنت ہے، لیکن اس سنت کی تکمیل کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ضروری نہیں، اگرچہ بعض صورتوں میں جائز یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہوسکتا ہے، لیکن اتنی اونچی آواز کے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کہ جس سے قرب وجوار کے لوگوں خاص کر بچوں اور مریضوں کو اور گھروں میں عبادت کرنے والی خواتین اور مریضوں کو تکلیف وایذا پہنچے، مستحب ہونا تو دور کی بات ہے، اس کو شرعی اعتبار سے جائز قرار دیا جانا بھی ممکن نہیں، کیوں کہ کسی دوسرے کو ایذا و تکلیف پہنچانا، یا دوسرے کی عبادت و آرام میں خلل ڈالنا حرام ہے، جس سے بچنے کی خاطر سنت اعمال کو ترک کرنے یا ان میں تخفیف کا حکم دیا گیا ہے۔

جہاں تک لوگوں کو نماز کی طرف بلانے کا تعلق ہے، تو اس مقصد کے لیے اذان کا لاؤڈ اسپیکر کے بغیر دینا بھی جائز ہے، جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اور اگر لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جائے، تو اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ اس کی آواز اتنی تیز اور کرخت نہ ہو کہ جو لوگوں کی تکلیف وایذاء کا باعث ہو، اور آج کل گھڑیوں وغیرہ کا استعمال عام ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کو نمازوں کے قائم ہونے کے اوقات کا علم مشکل نہیں رہا، نمازوں کے اوقات تبدیل ہونے پر نماز کے وقت لوگوں کی حاضری اور موجودگی میں اعلان کرنے سے یہ مقصد بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ حکم تو اذان کے متعلق ہے کہ اس میں غائبین تک آواز پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے، جہاں تک خطبہ نماز اور وعظ وتقریر کا معاملہ ہے، تو ان چیزوں کا تعلق حاضرین سے ہوتا ہے، لہٰذا ان چیزوں کے لیے عموماً اوپر کے اور بیرونی یا بڑے لاؤڈ اسپیکر کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اور استعمال کرنے کی صورت میں کئی قسم کی شرعی قباحتیں لازم آنے کے علاوہ متعدد فتنے اور فسادات رونما ہوتے ہیں، اور اب تک بے شمار فتنے وفسادات رونما ہو چکے ہیں۔

اس لیے خطبہ ونماز اور وعظ وتقریر کے لیے تو بڑے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، جس کی آواز غیر متعلقہ لوگوں تک پہنچے، بلکہ اس کی آواز کا دائرہ حاضرین اور ضرورت مندوں تک محدود رکھنا چاہیے، چہ جائیکہ غیر متعلقہ لوگوں تک آواز پہنچائی جائے، اور لوگوں کی تکلیف وایذاء کا باعث بنا جائے۔

اور اذان کے لیے بھی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال فی نفسہٖ ضروری نہیں، اور اگر کوئی کرے تو معتدل آواز کے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال تک دائرہ کو محدود رکھنا چاہیے، جس سے قرب وجوار کے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے، اور کسی قسم کا فتنہ وفساد لازم نہ آئے۔

پس شریعت کے طے کردہ اصولوں کو پامال کر کے اس کے خلاف آواز بلند کرنا، یا احتجاج کرنا یا عامۃُ الناس کو اس پر اُکسانا اور بھڑکانا زیب نہیں دیتا۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1436ہجری مئی/2015ء، جلد12 شمارہ7)

(134)

میڈیا کی بے مہار آزادی کا نقصان

ہمارے یہاں پچھلے عشرے میں جب سے میڈیا کو بے مہار چھوٹ ملی ہے اور پرائیویٹ الیکٹرانک چینلز کی پوری ایک خودرو فصل اُگی ہے، اس وقت سے یہاں آزادی اظہار کے نام پر پروپیگنڈا، مبالغہ آرائی، جھوٹ، غیبت، تہمت و بہتان تراشی، بلیک میلنگ، جیسے قبیح جرائم کو صحافتی تقدس اور آزادی اظہار کی عصمت حاصل ہوگئی ہے، آزادی اظہار اور آزاد میڈیا کے ایک مثبت اصول اور قانون کو میڈیا کی کالی بھیڑوں اور زرد صحافت نے جس مکروہ دھندے اور مذموم مشغلے میں بدلا ہے، اس سے پورا ملک اور سوسائٹی کرب و اذیت میں مبتلا ہے، جس کی وجہ سے آئے دن نئے نئے المیوں اور بحرانوں سے گزرنا پڑتا ہے، ان کے ٹاک شوز نے ملک کو میدانِ جنگ بنا رکھا ہے، مختلف طبقات اور شخصیات کو مرغ اور بٹیروں کی طرح آپس میں بھڑا کر تماشا ملک کو دکھایا جاتا ہے اور جگ ہنسائی پوری دنیا میں کرائی جاتی ہے، ان کے بریکنگ نیوز نے قوم کو نفسیاتی مریض بنا چھوڑا ہے۔

میڈیا تو ساری دنیا میں، تمام ملکوں میں ہے، آزادی اظہار کا حق بھی تقریباً اکثر ملکوں میں میڈیا کو حاصل ہوگا، کیا کہیں اور بھی میڈیا کے اس قسم کے لچھن ہیں؟ کہ اپنے مادرِ وطن، اس کے اداروں، اس کے نظام، اپنی روایات واقدار، اپنے مذہب اور اس کے اصول واحکام کے خلاف اس طرح کی مہم جوئی کی جاتی ہو اور اداروں، نظامات کی عزت خاک میں ملائی جاتی ہو، ملک دشمن قوتوں اور لابیوں کی وظیفہ خوری کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری جاتی ہو، ملک کے ملی مفادات کا خون کیا جاتا ہو، جس طرح یہاں کے بہتیرے بوگس صحافتی اور میڈیائی حلقے کرتے ہیں۔

ہمارے یہاں کے آزاد میڈیا کے اب تک کے کردار اور رویہ کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے

کہ آزادی اظہار کے نام پر مادر پدر آزادی اور شتر بے مہارگی نے میڈیا کو ایسا بے لگام بنا دیا ہے کہ ان کی بیش تر شتر گربگی قسم کی حرکتوں کی نہ قانونی دائرے میں اجازت ہے، اور نہ ہی اخلاقی دائرے میں، اور شرعی دائرہ میں تو خیر اس قسم کی سوقیانہ روِش کی کیا گنجایش ہوسکتی ہے؟

اس طرح یہ شعبہ حقائق سے زیادہ غیر واقعی چیزوں اور معاشرے کی اصلاح کرنے سے زیادہ معاشرے میں بداخلاقی، اور بے راہ روی اور مایوسی وغیرہ جیسی خصلتوں کو ہوا دے رہا ہے۔

اولاً تو ہر بات کی نشر و اشاعت کو نہ کسی قانون میں پسند کیا جاتا، اور نہ ہی کسی مذہب میں اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی، بطورِ خاص مذہبِ اسلام میں بہت سی باتوں کے نشر و اشاعت کرنے کو بہت بڑا جرم اور گناہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ گناہ کرنے کے مقابلے میں اس گناہ کی نشر و اشاعت کرنا زیادہ بڑا گناہ تصور کیا گیا ہے، جس میں بہت سے حکمتیں ہیں۔

لیکن ان تمام اصولوں کو نظر انداز کر کے ہمارے یہاں کا اکثر میڈیا نہ تو کسی گناہ کی نشر و اشاعت کو گناہ سمجھتا اور نہ ہی کسی برائی کو ظاہر کرنے میں کوئی جرم خیال کرتا، بلکہ بیش تر میڈیا پر زیادہ تر برائی اور شر والی باتوں کو ہوا دی جاتی ہے، اور اچھائی کی باتوں اور خبروں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔

اس طرزِ عمل کے نتیجے میں ایک طرف تو معاشرے میں منفی اور مایوسی کے رجحانات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اور دوسری طرف جرائم کو ہوا مل رہی ہے۔

میڈیا سے رابطہ رکھنے اور اس کی باتوں سے متاثر ہونے والے لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے یہاں اچھائی کا نہ تو کوئی وجود ہے، اور نہ ہی اس کی توقع کی جاسکتی ہے، اس لیے ملک میں تعمیری اور مثبت کاموں کا ارادہ رکھنے والے لوگوں کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں، اور وہ کچھ کرنے کے بجائے یا تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں، یا پھر اسی دھارے اور رو میں بہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ میڈیا کے مادر پدر آزاد طرزِ عمل کے باعث بہت سی ایسی باتیں بھی نشر کردی

جاتی ہیں، جن کی وجہ سے عالمی سطح پر ملک کی ساکھ اور پوزیشن پر بُرے اثرات پڑتے ہیں، جس کو اپنے پاؤں پر خود سے کلہاڑی مارنے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ میڈیا کے متعلقہ حلقے اپنے اس طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کر کے، قانونی، اخلاقی اور شرعی پابندیوں پر عمل کریں، اور کالی بھیڑوں، زرد صحافت کے حاملین اور بلیک میلر بہروپیوں کو اپنی صفوں سے نکالیں، اور ملک کے مقتدر اداروں کو بھی اس سلسلے میں مل کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، تاکہ میڈیا کے تعمیری کردار کی وجہ سے معاشرے میں بہترائی پیدا ہو، اور بے راہ روی، بداخلاقی اور مایوسی جیسے مسائل کی روک تھام ہو۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/1436ہجری جون/2015ء، جلد12 شمارہ8)

(135)

راولپنڈی، اسلام آباد میں میٹرو بس سروس کا آغاز

پچھلے دنوں، جون کے پہلے ہفتہ میں اسلام اور راولپنڈی میں میٹرو بس سروس کا عملی طور پر آغاز ہوگیا۔

میٹرو بس ٹریک راولپنڈی کے مشہور و مصروف شاہراہ مری روڈ (Murree Road) کے اوپر ستونوں پر قائم کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے نیچے مری روڈ پر ٹریفک کے بہاؤ اور نظام میں میں خلل واقع نہیں ہوا، بلکہ میٹرو ٹریک کے بعد مری روڈ پر سے اشارے ختم ہوکر U ٹرن کی ترتیب قائم کی گئی ہے، جس سے ٹریفک کے بہاؤ کا نظم مزید بہتر ہوگیا، اور ٹریفک جام کے گھمبیر مسئلہ پر بڑی حد تک قابو پالیا گیا ہے۔

یہ میٹرو بس ٹریک راولپنڈی صدر سے شروع ہوکر مری روڈ سے گزرتے ہوئے راولپنڈی کے اسلام آباد سے متصل علاقہ فیض آباد، اور پھر وہاں سے اسلام آباد کے مختلف مصروف، گنجان سیکٹروں سے ہوتے ہوئے اسلام آباد سکریٹریٹ (Secretariat) پر اختتام پذیر ہوا ہے۔

میٹرو بس سروس جدید ترین سہولیات سے آراستہ اور بہت مناسب کرایہ میں راولپنڈی واسلام آباد آمدورفت کرنے والوں کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔

وطنِ عزیز میں موٹر وے کے علاوہ لاہور اور راولپنڈی و اسلام آباد میں میٹرو بس کا نظام نواز شریف وشہباز شریف حکومت کے اہم اور تاریخی کارناموں میں سے ہے۔

راولپنڈی واسلام آباد کا مذکورہ میٹرو بس پراجیکٹ اگرچہ مقررہ مدت سے چند ماہ کی تاخیر سے مکمل ہوا ہے، لیکن اس منصوبہ کی تاخیر میں جناب عمران خان اور طاہر القادری کے کئی ماہ کے لگاتار اور مسلسل دھرنوں کا بڑا دخل ہے، جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ مذکورہ میٹرو بس

پراجیکٹ تاخیر سے مکمل ہوا، اور کئی ماہ تک عوام کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، بلکہ یہ دھرنے ملکی معیشت کے لیے بھی تباہ کن ثابت ہوئے۔

خیر ''دیر آید درست آید'' کے تحت اب یہ میٹرو بس پراجیکٹ مکمل ہو چکا ہے، بس سروس کا آغاز ہو چکا ہے، جس کے ذریعے روزانہ لاکھوں مسافر سفر کر رہے ہیں، اور مری روڈ پر ٹریفک کا دباؤ بھی کافی حد تک کم ہو گیا ہے، نیز راولپنڈی اسلام آباد کی رونق اور ترقی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

موجودہ حکومت کی طرف سے اس طرح کے میٹرو بس سروس ملتان اور فیصل آباد وغیرہ میں بھی جاری کرنے کا منصوبہ ہے، جس سے امید ہے کہ لاہور، راولپنڈی و اسلام آباد کی طرح وہاں بھی جدید اور سستی ترین سفری سہولیات کا موقع میسر آ سکے گا، اللہ تعالیٰ ان منصوبوں کا خواب بھی شرمندہ تعبیر فرمائے۔

آج کل سفر و اسفار کی کثرت سے ضرورت پیش آنے کی وجہ سے اس بات کی بہت ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ گزرگاہوں، شاہراہوں اور ذرائع آمد و رفت میں زیادہ سے زیادہ سہولیات پیدا کی جائیں، اس حوالے سے موجودہ حکومت کے اقدامات و مساعی دیگر حکومتوں سے فائق تر اور قابلِ قدر ہیں، آیندہ سالوں میں اگر اللہ کو منظور ہوا، تو پاک چائنا اکنامکس کوریڈور کے مجوزہ منصوبوں سے رسل و رسائل، ابلاغیات و مواصلات کی دنیا میں مزید انقلاب برپا ہوگا، اللہ کرے کہ یہ سب ترقیاتی منصوبے شرور و فتنوں سے محفوظ رہ کر ملک و ملت کے لیے ہر طرح کی خیر و بھلائی کا باعث ہوں۔

اس تمام تناظر میں بعض حلقے اس طرح سفری سہولیات پر صلاحیتیں خرچ کرنے کو فضول قرار دے رہے ہیں، اور حکومت کو تنقید کے نشانے پر رکھا ہوا ہے، ان میں سے جو محض تنقید برائے تنقید اور اپنی خوئے مخالفت کی تسکین کے لیے یا اپنا سیاسی قد کاٹھ بڑھانے اور مخالفین کو نیچا دکھانے کے لیے ایسا کر رہے ہیں، ان کا یہ طرزِ عمل صحیح نہیں، لیکن جو قومی ترقیاتی فنڈ کے

استعمال میں ترجیحات کی تعیین کی بنیاد پر اختلاف کر رہے ہیں، ان کے اختلاف وتنقیدی نکات پر غور کرنا چاہیے۔

کیوں کہ مثبت تنقید، جس کا مقصد اصلاح ہو، کسی بھی سسٹم اور نظام کا حسن ہوتا ہے، اس سے افراد واداراے مستحکم ہوتے ہیں، خامیوں کی تشخیص ہوتی ہے، بدعنوانی وکرپشن کی نشان دہی ہوتی ہے، اوران کے ازالے کے مواقع ملتے ہیں، اور کرپشن وبدعنوانی بڑا المیہ شمار ہوتا ہے، اور جتنا بڑا قومی منصوبہ ہوتا ہے، اتنے ہی اس میں بدعنوانی اور لوٹ کھسوٹ کے مواقع پیدا کر لیے جاتے ہیں، اس حوالے سے موجودہ حکومت، خصوصاً پنجاب حکومت کے وزیرِ اعلیٰ کے چھاپہ مار اقدامات اور سخت گیری وباز پرس اور بر موقع ردعمل وایکشن سے بدانتظامیوں اور بدعنوانیوں کا کافی حد تک خاتمہ ہوا ہے، اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے۔

ہماری تو یہی دعاء ہے کہ ملک میں وسیع الجہت ترقیاتی کاموں کو زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہو، اور پوری قوم کو متحد ومتفق ہوکر ملک میں ترقی کے سلسلوں کو تیز کرنے اور اس میں دامے درہمے سخنے معاونت کرنے کی توفیق حاصل ہو۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' رمضان المبارک/1436ہجری جولائی/2015ء، جلد12 شمارہ9)

---

(136)

زکاۃ وصدقات کی جبری وصولی

گزشتہ کچھ عرصے سے مختلف ذرائع سے یہ باتیں معلوم ہوتی رہیں کہ بعض جماعتیں اور سیاسی پارٹیاں مختلف لوگوں سے جبرواکراہ کرکے زکاۃ وصدقات وصول کرتی ہیں، اور اگر ان کو زکاۃ وصدقات نہ دیئے جائیں، تو پھر وہ طرح طرح سے لوگوں کو ہراساں کرتی اور نقصان پہنچاتی ہیں اور بعض اوقات اغوا کاری اور قتل جیسے جرائم کا بھی ارتکاب کرتی ہیں، اس لیے بہت سے لوگ جانی ومالی نقصان سے بچنے کے لیے، ان کو زکاۃ وصدقات فراہم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اس طرح کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی یا قلبی ودلی رضامندی کے بغیر لینا جائز وحلال نہیں، بلکہ حرام ہے، احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''کسی بھی شخص کے لیے مسلمان کا مال حلال نہیں، مگر اسی صورت میں جب کہ وہ اسے اپنی خوش دلی سے دے'' [1]

---

[1] عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس فى حجة الوداع، فقال: قد يئس الشيطان بأن يعبد بأرضكم ولكنه رضى أن يطاع فيما سوى ذلك مما تحاقرون من أعمالكم، فاحذروا يا أيها الناس إنى قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا كتاب الله وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم، إن كل مسلم أخ مسلم، المسلمون إخوة، ولا يحل لامرء من مال أخيه إلا ما أعطاه عن طيب نفس، ولا تظلموا، ولا ترجعوا من بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٣١٨)

قال الحاكم: وقد احتج البخارى بأحاديث عكرمة واحتج مسلم بأبى أويس، وسائر رواته متفق عليهم، وهذا الحديث لخطبة النبى صلى الله عليه وسلم متفق على إخراجه فى الصحيح: يا أيها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”کسی مسلمان کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی لاٹھی بھی بغیر اس کی خوشدلی کے لے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے مال کے احترام کو سختی کے ساتھ لازم کر دیا ہے“ [1]

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث ہیں، جن سے مسلمان کے مال کو اس کی قلبی و دلی رضا مندی کے بغیر لینے بلکہ استعمال کرنے کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے، خواہ لینے کے بعد وہ خود اپنی ذات کے لیے استعمال کرے، یا کسی دوسرے ضرورت و غیر ضرورت مند کو دے۔

شریعت کی نظر میں جس طرح ڈاکہ، چوری اور لوٹ کا مال جائز نہیں، اسی طرح خوشدلی کے بغیر لیا ہوا مال بھی جائز نہیں، اور خوشدلی کے بغیر کسی کا مال زکاۃ و صدقہ کے عنوان سے لینا بھی جائز نہیں، اگرچہ اس طرح مال لینے والا اس مال کو بعد میں کسی کارِ خیر میں بھی لگا دے، جیسا کہ چوری کر کے یا ڈاکہ ڈال کر، یا شراب فروخت کر کے، یا جوا کھیل کر، یا سود سے پیسہ کما کر صدقہ، خیرات کرنا یا کارِ خیر میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اللہ پاکیزہ و حلال مال کو ہی قبول کرتا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الناس إني قد تركت فيكم ما لن تضلوا بعده إن اعتصمتم به كتاب الله، وأنتم مسئولون عني فما أنتم قائلون؟ وذكر الاعتصام بالسنة في هذه الخطبة غريب ويحتاج إليها ."وقد وجدت له شاهدا من حديث أبي هريرة.

وقال الذهبي في التلخيص: احتج البخاري بعكرمة واحتج مسلم بأبي أويس عبد الله وله أصل في الصحيح.

[1] عن أبي حميد الساعدي، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال " :لا يحل للرجل أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه "وذلك لشدة ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم من مال المسلم على المسلم (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٣٦٠٥)

قال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح (حاشيه مسند احمد)

وقال الهيثمي: رواه أحمد والبزار ورجال الجميع رجال الصحيح .(مجمع الزوائد، ج۴ص ۱۷۱ ،باب الغصب وحرمة مال المسلم، مكتبة القدسي، قاهرة)

ہے، اور حرام سے صدقہ قبول نہیں کرتا'' [1]

پس جب دوسرے مسلمان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حاصل کیا گیا تو وہ شریعت کی نظر میں حلال شمار نہیں ہوا، بلکہ حرام شمار ہوا، اور اس مال کو کسی کارِ خیر میں لگانا بھی اس میں داخل ہوا۔

پس جو لوگ یا جماعتیں، مسلمانوں سے زبردستی، جبر و اکراہ یا خوشدلی کے بغیر زکاۃ و صدقے کے عنوان سے مال اکٹھا کرتے ہیں، ان کو ایسا کرنا جائز نہیں اور ان کے ذمہ مالکوں کو اس طرح لیے ہوئے مال کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر وہ اس طرح لیا ہوا مال فتنہ و فسادات اور دہشت گردی کے لیے استعمال کریں تو دہرا جرم اور ''ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کا مصداق ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1436ہجری اگست/2015ء، جلد12 شمارہ10)

---

[1] عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب(بخاری، رقم الحديث ۱۴۱۰)

عن أبي المليح عن أبيه، عن النبي -صلى الله عليه وسلم -قال" :لا يقبل الله صدقة من غلول، ولا صلاة بغير طهور(سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۵۹)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية ابی داؤد)

[2] البتہ فقہائے کرام نے مسلمان حکمرانوں کو اموالِ ظاہرہ کی زکاۃ وغیرہ کا لینا طوعاً وکرہاً جائز قرار دیا ہے، مگر جو حکمران نہ ہوں، اور ان کو تسلط حاصل نہ ہو، وہ اس میں داخل نہیں۔

فصل ومن امتنع من أداء الزكاة أخذها الإمام كرها ووضعها موضعها، لقوله تعالى :(خذ من أموالهم)وقوله -عليه الصلاة والسلام :-خذها من أغنيائهم وهذا لأن حق الأخذ كان للإمام في الأموال الظاهرة والباطنة إلى زمان عثمان -رضي الله عنه -بهذه النصوص، ففوضها في الأموال الباطنة إلى أربابها مخافة تفتيش الظلمة إلى أموال الناس، فصار أرباب الأموال كالوكلاء عن الإمام، فإذا علم أنهم لا يؤدون طالبهم بها.

وما أخذه الخوارج والبغاة من الزكاة لا يثنى عليهم لأنه عجز عن حمايتهم، والجباية بالحماية، ويفتى أهلها بالإعادة فيما بينهم وبين الله تعالى(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ،ص ۱۰۴ ،كتاب الزكاة)

السلطان الجائر إذا أخذ صدقات الأموال الظاهرة يجوز وسقط في الصحيح ولا يؤمر بالأداء ثانياً (الفتاویٰ البزازية، ج ا ص ۴۰، كتاب الزكاة)

(137)

طالبِ علم چوری نہیں کرتے

قیام پاکستان سے قبل ہندوستان میں دیوبندی حلقۂ فکر کے ایک بڑے بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے مدرسے کا ایک طالب علم چوری کے الزام میں گرفتار ہوگیا اور جرم بھی ثابت ہوگیا۔ تھانیدار نے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ سے آ کر شکایت کی کہ حضرت طالبِ علم بھی چوری کرتے ہیں؟ مولانا نے انتہائی اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ ''طالبِ علم چوری نہیں کرتے'' تھانیدار نے پھر کہا کہ حضرت ہمارے پاس ثبوت موجود ہے کہ فلاں صاحب آپ کے مدرسہ کے طالبِ علم ہیں اور انھوں نے چوری کی ہے۔ حضرت نے پھر اطمینان کے لہجے میں جواب دیا کہ طالبِ علم چوری نہیں کرتے، تھانیدار نے پھر چوری کے الزام اور ثبوت کا الزام مزید تاکید کے ساتھ دہرایا، تو حضرت نے فرمایا کہ ''طالبِ علم چوری نہیں کرتے، بلکہ چور طالبِ علمی کرتے ہیں'' حضرت کا مطلب یہ تھا کہ دینی مدرسہ کے طالب علموں کو تو چوری اور ڈاکہ وغیرہ کے گناہ ہونے کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان کو اس طرح کے جرائم سے منع کیا جاتا ہے، اس کے باوجود کوئی طالبِ علم ہو کر چوری کررہا ہے، تو درحقیقت وہ چور ہے، جو طالبِ علمی کررہا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ دینی مدرسے میں کوئی طالبِ علم کے روپ میں بھی مجرم ہوسکتا ہے، مگر وہ جرم اس کا ذاتی ہوتا ہے، اس جرم کو طالبِ علمی کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں۔

چنانچہ آج کے دور میں بعض مدارس پر چھاپے مارے جاتے ہیں اور بعض طالب علموں پر دہشت گرد ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے، تو اگر کسی طالبِ علم کے متعلق اس قسم کا الزام حقیقت میں ثابت ہو، تو یہی کہا جائے گا کہ طالبِ علم دہشت گردی نہیں کرتے، بلکہ بعض دہشت گرد طالبِ علمی کا روپ دھار لیتے ہیں۔ (ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1436ہجری ستمبر/2015ء، جلد12 شمارہ11)

(138)

قربانی کی رُوح اخلاص ہے

عیدُ الاضحیٰ کی آمد آمد ہے، اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر سب کو معلوم ہے کہ اہلِ اسلام کی طرف سے قربانی کا عمل انجام دیا جاتا ہے، جس میں الحمدللہ تعالیٰ مسلمانوں کی بڑی تعداد شرکت کرتی ہے اور اس بابرکت عمل کو انجام دیتی ہے، جو کہ بڑی سعادت کی بات ہے۔

لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے عمل کے بارگاہِ الٰہی میں قبول ہونے کے لیے، اخلاصِ نیت شرط ہے، اخلاصِ نیت کے بغیر بارگاہِ الٰہی میں کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا، قربانی کا عمل بھی اس میں داخل ہے، جس میں اخلاص کا پایا جانا ضروری ہے۔

مگر آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ قربانی کے عمل میں ریاکاری، نام آوری اور شہرت کی آمیزش کر کے خطیر رقم خرچ کرنے کے باوجود اس بابرکت عمل کے ثواب اور اصل فضیلت سے اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں۔

چنانچہ آج کل بہت سے لوگ قربانی کے لیے ایسے جانور کا انتخاب کرتے ہیں کہ جس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک قربانی کے جانور پر کئی کئی لاکھ روپے صرف کر دیتے ہیں۔

اولاً تو قربانی کے عمل میں بلاوجہ اتنا تکلف اختیار کرنے کی ضرورت کیا ہے، بالخصوص جب کہ اس قسم کے تکلف اکثر و بیشتر وہ لوگ اختیار کرتے ہیں کہ جو زکاۃ و صدقات وغیرہ کی ادائیگی کا اتنا اہتمام نہیں کرتے، دوسرے عموماً اس طرزِ عمل میں ریاکاری اور نام آوری اور شہرت کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اتنے مہنگے اور قیمتی جانور خاموشی کے ساتھ قربان کرنے کے بجائے، پہلے ان جانوروں کی خوب نمائش کی جاتی ہے، اخبار اور دیگر ذرائع ابلاغ میں

ان کی تصاویر اور خبریں شائع ونشر کی جاتی ہیں اور عوامی گزرگاہوں اور مقامات پر ان کی نمائش کی جاتی ہے اور پھر قربانی کے موقع پر بھی نمود ونمائش والا طرزِ عمل اختیار کیا جاتا ہے، پھر ان جانوروں کی قربانی کے مناظر کی تصاویر بنا کر نیٹ وغیرہ پر ڈالی جاتی ہیں۔

اگر ان کو کہا جائے کہ آپ قربانی کا جانور تو عام انداز کا کرلیں، جس میں اس قسم کی شہرت نہ ہو، اور باقی جو رقم بچے اس کو اخلاص کے ساتھ غریبوں ومسکینوں وغیرہ پر خرچ کردیں، تو یہ اس پر تیار نہ ہوں گے، حالانکہ اس میں بوجہ اخلاص کے زیادہ ثواب اور غریبوں کا فائدہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسم نبھانے اور نام وری پانے جیسی اغراضِ فاسدہ کام کررہی ہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ گوشت خوری کی بنیاد پر بھاری اور بڑے جانور کا انتخاب کرتے ہیں، جس پر غیر معمولی رقم خرچ کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ زکاۃ اور دوسرے مالی واجبات، بلکہ قرض تک کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں، اور اس فرق کی بظاہر وجہ یہ ہوتی ہے کہ قربانی کا گوشت تو اپنے کھانے کے استعمال میں آتا ہے، جب کہ زکاۃ وغیرہ دوسرے غرباء ومساکین کے استعمال میں آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے لوگ عموماً قربانی کا سارا گوشت خود رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور غریبوں یا دوسرے لوگوں کو یا تو بالکل نہیں دیتے، یا تھوڑا بہت برائے نام دے کر باقی خود رکھ لیتے ہیں، اور پھر کئی کئی ماہ تک استعمال کرتے رہتے ہیں۔

اگرچہ فی نفسہٖ قربانی کا گوشت رکھنا اور کھانا منع نہیں، لیکن قربانی سے گوشت خوری کو مقصود وبنیاد بنالینا، قربانی کی روح کے خلاف ہے، قربانی کا اصل مقصود، اللہ کے حکم کو پورا کرنا، اللہ کی رضا کو حاصل کرنا اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (سورۃ الحج، رقم الآیۃ ۳۷)

ترجمہ: ہرگز نہیں پہنچتا اللہ کو ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت اور نہ ان کا خون، لیکن پہنچتا ہے اللہ کو تقویٰ (واخلاص) تمھاری طرف سے (سورۃ الحج)

لہٰذا قربانی کے موقع پر تمام اہلِ اسلام کو اخلاصِ نیت وتقوے کا بطور خاص اہتمام کرنا ضروری ہے۔

امید ہے کہ اگر تمام اہلِ اسلام عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کے عمل کو اخلاص وتقوے کے ساتھ انجام دیں گے، تو ان کے اندر قربانی کا سچا جذبہ پیدا ہوگا، اور اس کے نتیجے میں اپنے جان، مال اور وقت کو اللہ اور اس کے دین کے لیے قربان کرنے کے عمل میں ترقی اور اضافہ ہوگا۔

اور ایسی صورت میں کفار ومشرکین سے مقابلہ کرنے میں ان کو کم ہمتی پیش نہیں آئے گی، اسی کے ساتھ نفس وشیطان کا مقابلہ کرنے کی بھی ہمت بڑھے گی۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالحجہ/1436ہجری اکتوبر/2015ء، جلد12 شمارہ12)

(139)

اصلاح وترقی کے لیے خود احتسابی کی ضرورت

کسی بھی معاشرے اور شعبے بلکہ فرد کی اصلاح وترقی کے لیے اس کا احتساب ضروری ہے، اور سب سے اعلیٰ وعمدہ احتساب یہ ہے کہ ہر معاشرہ، ہر شعبہ اور ہر فرد اپنا خود سے احتساب کرے، جس کو خود احتسابی کہا جاتا ہے، اس سے پہلے کہ دوسرے کی طرف سے اس کا احتساب کیا جائے۔

اس سلسلے میں دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد رکھنے کے قابل ہے کہ:

”تم اپنے آپ کا حساب کرلو، اس سے پہلے کہ تمھارا حساب کیا جائے، اور تم اپنا وزن کرلو، اس سے پہلے کہ تمھارا وزن کیا جائے، کیوں کہ کل تم میں سب سے آسان حساب اس کا ہوگا، جو اپنا حساب اور اپنا وزن کر چکا ہوگا، اس سے پہلے کہ جس دن سب سے بڑے حساب کے لیے پیش کیا جائے گا، اور اس دن کے حساب میں کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہ سکے گی“ [1]

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک حساب اور ہر چیز کی پوری طرح سے ناپ تول ہوگی، اور اس دن کسی کی کوئی چیز حساب اور وزن ہونے سے چھپی نہیں رہ سکے گی، اس وقت کے آنے سے پہلے ہر شخص خود احتسابی کرے۔

---

[1] حدثنا عبد الله، حدثنا أبی، حدثنا سفیان بن عیینة، حدثنا جعفر بن برقان، عن ثابت بن الحجاج قال :قال عمر رحمه الله :حاسبوا أنفسكم قبل أن تحاسبوا وزنوا أنفسكم قبل أن توزنوا، فإن أهون عليكم فى الحساب غدا أن تحاسبوا أنفسكم تزنوا للعرض الأكبر يوم تعرضون لا تخفى منكم خافية (الزهد لاحمد بن حنبل، رقم الحديث ۶۳۳، زهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه)

پس ہر ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس دن کے آنے سے پہلے ہی اپنا حساب اور وزن کرے، اور اپنے کھرے کھوٹے کو پرکھ لے اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لے۔

آج تقریباً ہر معاشرے اور ہر شعبے بلکہ ہر فرد میں اس بات کی بہت زیادہ کمی بلکہ فقدان پایا جاتا ہے کہ کوئی خود سے اپنا احتساب کرنے یا بالفاظِ دیگر خود احتسابی کے لیے تیار نہیں ہے، اور پھر جب کسی دوسرے کی طرف سے احتساب کیا جاتا ہے، تو ناگواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بُرا منایا جاتا ہے، احتساب کرنے والے کو اپنا مخالف اور دشمن و معاند اور نہ جانے کیا کیا قرار دیا جاتا ہے، دنیا کے تقریباً ہر شعبے میں روزمرہ ان چیزوں کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ ہر سیاسی پارٹی، دوسری پارٹی کو قابلِ احتساب سمجھتی ہے، ہر ادارہ دوسرے کو قابلِ احتساب سمجھتا ہے، یہی حال دوسرے شعبوں کا بھی ہے۔

اس طرزِ عمل کا نتیجہ ہے کہ تقریباً ہر شعبے میں فساد، بگاڑ اور تنزلی کی کثرت ہے، اور معاشرے کا مزاج کچھ اس طرح کا ہو گیا ہے کہ ہر شخص دوسرے کو تو قابلِ اصلاح سمجھتا ہے، لیکن اپنے آپ کو قابلِ اصلاح نہیں سمجھتا۔

اس صورتِ حال سے دنیا کے شعبے تو کیا بچتے، اہلِ علم اور دینی مدارس اور معاشرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے والے مختلف شعبے بھی محفوظ نہیں رہے، جو انتہائی افسوسناک صورتِ حال ہے۔

چنانچہ بہت سے اہلِ علم اور دینی خدمات سرانجام دینے والے شعبے کے بیش تر حضرات بھی اپنے آپ کو قابلِ اصلاح سمجھنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ دوسروں کو قابلِ اصلاح سمجھتے ہیں۔

اس لیے جب کبھی ان کے کسی طرزِ عمل پر نکیر کی جاتی ہے، تو وہ اپنا احتساب کرنے اور اپنے اندر کوئی بات قابلِ اصلاح خیال کرنے کے بجائے فوراً نکیر کرنے والوں کو اسلام دشمن اور نہ جانے کیا کیا الزامات دینے بیٹھ جاتے ہیں۔

حالانکہ دوسروں کی طرف سے کسی تنقید و نکیر کا ہونا انسان کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے،

کیوں کہ عام طور پر انسان کو خود سے اپنے اندر کمی کوتاہی نظر نہیں آتی، اوراسی طرح عقیدت مندوں کی آنکھوں پر بھی پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے، انھیں بھی عقیدت کی وجہ سے کمی کوتاہی کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ عقیدت سے خالی بلکہ معاند ومخالف ہوتے ہیں، ان کی نظر بہت جلدی قابلِ اصلاح چیز کی طرف پہنچ جاتی ہے، اوراس کی وجہ سے قابلِ اصلاح چیز کی تعیین بہت آسان ہوجاتی ہے۔

دین کے شعبوں کے ساتھ وابستہ حضرات کو تو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ خود سے اپنا احتساب کریں، یعنی خود احتسابی سے کام لیں۔

اگر وہ خود سے اپنا احتساب ترک کرکے دوسروں کے احتساب پر بھی اعتراض کریں گے، تو پھر اصلاح کا کون سا راستہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عرصے سے آہستہ آہستہ دینی شعبوں کے اندر بھی روز بروز تنزلی دیکھنے میں آرہی ہے، اور معیار کم زور ہوتا جارہا ہے، اور دینی شعبوں کے ساتھ ایسے افراد وابستہ ہوتے اور کھپتے جارہے ہیں کہ جو اِن شعبوں کے لیے بڑی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، اور مختلف طریقوں سے دنیا وآخرت کے نقصان کا سبب بنتے ہیں۔

ایسے حالات میں ان اداروں کی قیادت وسیادت سنبھالنے والے حضرات پر بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اپنی ماتحتی ونگرانی میں چلنے والے اداروں اورشعبوں کے احتساب واصلاح کی طرف اپنی توجہات کو مبذول فرمائیں، اور متعصّبانہ رویہ کو ترک کریں۔

ان اداروں اورشعبوں سے وابستہ افراد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنا خود سے احتساب کریں، اوراپنے اندر پائی جانے والی قابلِ اصلاح چیزوں کی اصلاح کریں، اس کے بغیر اصلاح اور ترقی کی راہوں اور دروازوں کا کھلنا بلکہ آخرت کے کڑے اور کٹھن حساب سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/ 1437ہجری نومبر/ 2015ء، جلد 13 شمارہ 1)

(140)

مہنگائی، فضول خرچی اور کفایت شعاری

آج کل ہر طرف مہنگائی اور بے روزگاری کا رونا رویا جاتا ہے، آئے دن مہنگائی کے خلاف احتجاج کیے جاتے ہیں، اور ریلیاں نکالی جاتی ہیں، اور میڈیا پر طرح طرح سے شکوے شکایات کیے جاتے ہیں، گویا کہ ایک طرح سے ہائے مہنگائی اور ہائے مہنگائی کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے، اور اس وظیفے میں غریب لوگوں کے علاوہ امیروں اور مال داروں کا بڑا طبقہ بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے اس سلسلے میں جو اہم تعلیم دی ہے، اس کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی جاتی، جو معاشی مسائل کو بہتر بنانے کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسراف، فضول خرچیوں اور بے جا مال اڑانے سے اجتناب کیا جائے، اور کفایت شعاری کے اصول پر عمل پیرا ہوا جائے۔

آج کے دور میں لوگوں نے فضول خرچیوں اور بے جا بلکہ شاہی اخراجات کے بڑے بڑے پھاٹک کھول رکھے ہیں، بچہ کی پیدائش سے لے کر شادی بیاہ اور وفات تک بے شمار فضول رسموں میں لوگوں نے اپنے آپ کو گھیر رکھا ہے، اور روزمرہ کی فضول خرچیوں کا معاملہ الگ ہے۔

اگر ہم صبح سے شام تک اپنے ہونے والے اخراجات پر انصاف کی نظر ڈالیں گے، اور گہرائی سے جائزہ لیں گے، تو ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے زیادہ دشواری کا سامنا نہیں ہوگا کہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہونے والے اخراجات میں کمی اور کنٹرول کر کے اپنی معاشی بدحالی کا کافی حد تک ازالہ کر سکتے ہیں، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، برتنے اور استعمال کرنے کی تمام چیزوں کا جائزہ لے کر ہم اپنے اخراجات کو کافی حد تک کم کر سکتے ہیں، اور معاشی بدحالی کا رونا رونے سے جان چھڑا سکتے ہیں۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ غریب سے غریب لوگ بھی چائے وسگریٹ نوشی، مختلف قسم کے غیر ضروری بلکہ مُضر مشروبات، اخبار بینی اور اس جیسی کئی قسم کی چیزوں میں روزانہ کے حساب سے سینکڑوں روپے خرچ کردیتے ہیں۔

بجلی، پانی اور گیس اور پٹرول کا غیر ضروری استعمال کرکے ہر مہینہ ہزاروں روپے کا بل اپنے کھاتے میں جمع کرانے کا بوجھ اپنے اوپر لادتے ہیں۔

بلا وجہ ٹیلی فون اور موبائل وغیرہ کا استعمال کرکے سینکڑوں اور ہزاروں روپوں کے بل بھرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، بچہ کی پیدائش، شادی بیاہ اور فوتگی کے عنوان سے کئی رسموں میں ہزاروں نہیں، لاکھوں روپے برباد کرتے ہیں، صرف نمود ونمائش اور ریاکاری کے طور پر قیمتی ونمائشی لباس اور کپڑوں پر بھاری رقم قربان کردیتے ہیں۔

اگر ہم بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کے اصول پر عمل پیرا ہوں، اور روزمرہ کی زندگی میں اس کا اہتمام کریں، تو یقیناً ہم میں سے ہر ایک شخص سینکڑوں اور ہزاروں روپے کے اخراجات میں کمی کرسکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو حلال اور جائز طریقہ پر جتنا کچھ دیا ہے، وہ اس پر صبر وشکر اور قناعت کرے، اور اپنے سے اوپر اور مال دار لوگوں پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے سے کم تر اور غریب لوگوں پر نظر رکھے۔

اگر ہم نیک نیتی اور دُھن ودھیان کے ساتھ ان دونوں کاموں کو اختیار کرلیں گے، یعنی فضول خرچیوں سے اجتناب اور کفایت شعاری کا اہتمام کرلیں گے، تو امید ہے کہ مہنگائی اور بے روزگاری کا رونا رونے سے، مقروض ہونے سے، دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے، بلکہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے لوٹ مار، حرام خوری اور قتل وغارت گری کے کئی سنگین جرائم سے بھی بآسانی نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' صفر المظفر / 1437ہجری دسمبر/ 2015ء، جلد 13 شمارہ 2)

(141)

اولی الامر کی اطاعت

قرآن مجید کی سورہ نساء میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد ''اولی الامر'' کی اطاعت کا حکم آیا ہے۔

اولی الامر سے مراد، کسی بھی معاملہ کے اصحابِ حل وعقد اور ذمہ دار حضرات وہیں، لہٰذا جس شخص کا جو عہدہ اور ذمہ داری ہو، اس عہدہ اور ذمہ داری کے تحت آنے والے افراد کو اپنے حکام، ذمہ دار، نگران اور افسرانِ بالا وغیرہ کی متعلقہ امور میں اطاعت ضروری ہے۔

کئی احادیث میں بھی ''اولی الامر'' کی اطاعت کا ذکر آیا ہے، جن کے مجموعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر ماتحت کو اپنے ''اولی الامر'' اور بڑے کی متعلقہ امور میں اطاعت وفرماں برداری کا حکم ہے، بشرطیکہ اس اطاعت اور فرماں برداری میں کوئی گناہ لازم نہ آرہا ہو، یہاں تک کہ بہت سے مقامات پر ''اولی الامر'' اور بڑے کے حکم سے نفل ومستحب عمل کو بھی ترک کر دینے کا حکم ہے، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر شعبے میں بڑے اور چھوٹے کے درمیان قولاً یا فعلاً بڑے کی اطاعت کا عہد معاہدہ ہوتا ہے، جس کی خلاف ورزی شرعاً گناہ ہے، نیز اس کی مخالفت کرنے سے نہ کوئی محکمہ وادارہ صحیح چل سکتا ہے، اور نہ کوئی ملک صحیح چل سکتا ہے اور نہ ہی گھر کا نظام درست رہ سکتا ہے۔

پس ملکی سطح سے لے کر گھر کے نظام تک کو درست کرنے کے لیے ضروری ہے کہ درجہ بدرجہ ہر ماتحت اور چھوٹا اپنے بڑے کی جائز متعلقہ کاموں میں اطاعت کرے۔

اب شریعت کے اس اصول کی روشنی میں ہر محکمے اور شعبے میں درجہ بدرجہ ''اولی الامر'' اور بڑوں کی اطاعت لازم ہوتی ہے، چنانچہ رعایا پر جائز کاموں میں اپنے حکمرانوں کی اطاعت و فرماں برداری لازم ہے، اور اس میں جائز قوانین بھی داخل ہیں، اور حکمرانوں کے درجات

کے اعتبار سے بھی تقسیم ہے، کہ جس شعبے کا جو حکمران یا وزیر وغیرہ ہو، اس شعبے میں اس حکمران یا وزیر کی جائز کاموں میں اطاعت واجب ہے۔

اسی طرح اولاد کو اپنے والدین کی اور بیوی کو اپنے شوہر کی اور شاگرد کو اپنے استاذ کی اور ملازموں کو اپنے مالک یا مہتمم وافسر بالا کی جائز اور متعلقہ کاموں میں اطاعت واجب ہے۔

اور یہ سلسلہ دنیا اور دین کے سب شعبوں کے لیے عام ہے، اور اسی وجہ سے عوام کو علماء وفقہاء کی اطاعت واجب ہے۔

مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کے اس اصول کی عام طور پر پاس داری نہیں، اوپر سے لے کر نیچے تک ہر شعبے میں ''اولی الامر'' کی نافرمانی عام ہے، جس کا دین داروں کو بھی اہتمام وخیال نہیں۔

چنانچہ ملک کے جائز قوانین کی خلاف ورزی عام ہے، بلکہ جائز قوانین کی خلاف ورزی کو گناہ تو کیا سمجھا جاتا، الٹا اس کو فخر وتفاخر اور اپنی بڑائی کا ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے۔

مثلاً ٹریفک کے قوانین میں نظم وانتظام قائم رکھنے اور حادثات سے حفاظت کے لیے یہ چیز داخل ہے کہ راستے پر جب سرخ بتی کا اشارہ چلے تو رُک جانا چاہیے، یا ٹریفک پولیس کا مقرر کردہ نمائندہ جب رُکنے کا اشارہ کرے تو رُک جانا چاہیے۔

مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس قانون کی عام طور پر پابندی کا اہتمام نہیں کیا جاتا اور اگر کبھی کسی کو اس کا کچھ خیال بھی آتا ہے، تو صرف اس حد تک ہی آتا ہے کہ اس کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے چالان یا جرمانہ ہوسکتا ہے، لیکن یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی جاتی کہ اگرچہ کوئی چالان یا جرمانہ نہ ہو، پھر بھی اس کی خلاف ورزی کرنا شرعی اعتبار سے گناہ ہے۔

اسی طرح مثلاً آبادی اور راستے وغیرہ کی نوعیت کے اعتبار سے حادثات سے حفاظت کے لیے راستوں پر گاڑی کی رفتار کے لیے کچھ ضابطے اور قانون مقرر ہیں کہ فلاں مقام پر حدِ رفتار اتنی اور فلاں مقام پر حدِ رفتار اتنی ہے، مگر اس قانون کی بھی عام طور پر رعایت

نہیں کی جاتی۔

اسی طرح مثلاً موٹر سائیکل چلاتے وقت نقصان سے حفاظت کے لیے ہیلمٹ پہننا قانونی طور پر ضروری ہے، مگر اکثر وبیشتر اس قانون کی بھی پاس داری نہیں کی جاتی، اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس کی خلاف ورزی کی جاتی ہے، مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اسے ہیلمٹ پہننے سے الجھن ہوتی ہے، یا اس کو عادت نہیں، حالانکہ یہ کوئی معقول عذر نہیں، کیوں کہ یہ عذر تو شریعت کے دوسرے احکام کے متعلق بھی پیش کیا جا سکتا ہے، مثلاً کوئی کہے کہ اسے سردیوں کے موسم میں نماز کے لیے وضو کرنے سے الجھن ہوتی ہے، یا اس کو اس طرح وضو کرنے کی عادت نہیں، مگر اس کا یہ عذر وضو اور نماز کے ترک کرنے کے لیے معتبر نہیں، اسی طرح جائز قانون کی خلاف ورزی کرنا جب شرعاً گناہ ہے تو اس میں بھی اس طرح کا عذر معتبر نہیں ہوگا۔

اسی طرح بعض اوقات گاڑی وغیرہ چلاتے وقت حادثات سے حفاظت کے لیے فون پر بات چیت کرنے کی قانونی طور پر پابندی ہوتی ہے، تاکہ حادثات وغیرہ سے حفاظت رہے، اس لیے ایسے قانون کے مطابق عمل کرتے ہوئے فون کا استعمال شرعاً بھی جائز نہیں۔

ایسے وقت اگر کسی سے فون پر بات کرنا زیادہ ہی ضروری ہو، تو مناسب یہ ہے کہ گاڑی ایک طرف مناسب جگہ کھڑی کر کے ضرورت پوری کی جائے۔

مگر اس قانون پر بھی عام طور سے عمل کا اہتمام نہیں ہوتا۔

بعض علاقوں میں بجلی کی قلت سے بچنے کے لیے شادی بیاہ کی تقریبات اور بازاروں میں کاروباری مصروفیات کے لیے قانونی طور پر رات کو انتہائی وقت مقرر ہے، کہ اس کے بعد ان تقریبات اور کاروباری مصروفیات کو جاری رکھنا قانونی طور پر منع ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے قانون پر بھی عام طور پر عمل نہیں کیا جاتا، اور اگر کبھی کسی کو اس کی فکر بھی ہوتی ہے، تو صرف چالان یا جرمانے کے خوف کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اسی طرح کسی ادارے یا مدرسے میں ملازمت وتقرری اور داخلے کے وقت مخصوص شرائط مقرر

ہوتی ہیں، اوران شرائط کے تحت ہی ان اداروں میں ملازمت وتقرری اورداخلہ وغیرہ دیا جاتا ہے، اور قانونی طور پر کاروبار اور دوسری بہت سی چیزوں کی اجازت ومنظوری مخصوص شرائط کے تحت ہی ہوتی ہے، اور انھی شرائط کے تحت مختلف چیزوں کی سند، ڈگری، لائسنس اور اجازت نامے وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔

لیکن تقرری اور داخلہ واجازت نامے کے حصول کے بعد اس طرح کے عہد ومعاہدات کی پاس داری اوراس ادارہ کے مقررہ ضابطوں اورقاعدوں پرعمل درآمد کوشرعاً ضروری نہیں سمجھا جاتا، اور جابجاان کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔

غرضیکہ سرکاری وغیرسرکاری اداروں اور محکموں میں قدم قدم پر حکومتی اور غیر حکومتی اداروں اور محکموں کے قوانین اور ضابطوں کی خلاف ورزی کی جاتی ہے، اوراس کو گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا، جب کہ اس طرح کے قوانین نظم وضبط کو قائم رکھنے، عوام کو مشکلات سے محفوظ رکھنے اور مختلف قسم کے حادثات اور جرائم کی روک تھام اور عوامی سہولت پر مبنی ہیں، اوران قوانین اور ضابطوں کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہر جگہ بدانتظامی وبدنظمی اور طرح طرح کی مشکلات کا سامنا ہے، اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔

"اللہ کرے کہ اس کی اصلاح ہو"

(ماہنامہ "التبلیغ" ربیع الاول/1437ہجری جنوری/2016ء، جلد13 شمارہ3)

(142)

پڑوسیوں کی حق تلفی یہ بھی ہے

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے، یہاں تک کہ بعض احادیث میں ہے کہ اللہ کی طرف سے جبریلِ امین کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑوسی کے حقوق کی بار بار اتنی تاکید کی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف ہوگیا کہ کہیں پڑوسی کو قریبی رشتہ داروں کی طرح مال کی وراثت کا بھی حق دار نہ بنا دیا جائے (بخاری)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے (مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا کہ جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو (مسلم)

آج کل پڑوسیوں کی حق تلفی اور ایذا رسانی کی بعض صورتیں ایسی رائج یا عام ہوگئی ہیں کہ جن کو پڑوسیوں کی حق تلفی و ایذاء رسانی کی فہرست میں داخل ہی نہیں سمجھا جاتا، اور اس وجہ سے بے دھڑک ان کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

مثلاً بعض اوقات حکومت کی طرف سے بچھی ہوئی گیس کی پائپ لائنوں میں گیس کی مقدار کم ہوتی ہے، ایسی حالت میں بعض لوگ اپنے گھروں میں ''کمپریسر'' نام کی ایک مشین لگا لیتے ہیں، یہ مشین گیس کو کھینچ کر فراہم کرتی ہے، اب اس مشین کے ذریعے سے جب گیس کھینچی جاتی ہے، تو پڑوسیوں کے گھروں میں پہنچنے والی گیس بھی اس مشین سے کھینچنے والے کے یہاں آجاتی ہے، اور پڑوسی محروم ہوجاتے ہیں، پڑوسیوں کے ہاں یا تو گیس بالکل نہیں پہنچتی، یا اگر پہنچتی بھی ہے، تو بہت کم مقدار میں پہنچتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی ضروریات متاثر ہوتی ہیں، اور ان کو تکلیف پہنچتی ہے۔

اس طرح مشین کے ذریعے سے گیس کھینچنا ایک تو قانونی طور پر ویسے ہی ممنوع ہے، اور اس عمل میں ایک جائز قانون شکنی کا گناہ پایا جاتا ہے، اور دوسرے اس کی وجہ سے پڑوسیوں کی حق تلفی اور ان کی ایذا رسانی لازم آتی ہے، جو کہ گناہ ہے، کیوں کہ باہر بچھی ہوئی گیس کی پائپ لائن سے تمام متعلقہ علاقہ والوں کا جن کے پاس جائز طریقے پر گیس کا کنکشن لگا ہوا ہے، برابر حق ہے، اور جب اپنی حالت پر گیس آتی ہے، تو حسبِ توفیق سب کو تھوڑی یا زیادہ، جتنی بھی پیچھے سے گیس آرہی ہوتی ہے، پہنچتی ہے، مگر مذکورہ مشین لگانے کے بعد وہ گیس جو پڑوسیوں کو پہنچتی، وہ بھی اس مشین کی وجہ سے اس مشین چلانے والے کے ہاں پہنچ جاتی ہے، اور پڑوسی محروم ہوجاتے ہیں، اور بعض اوقات سخت تکلیف اٹھاتے ہیں کہ گیس کی ادنیٰ مقدار کے نہ ہونے سے کھانا تیار کرنے اور سخت سردی میں پانی وغیرہ گرم کرنے سے بھی محروم ہوجاتے ہیں، اور طرح طرح سے کوفت اور اذیت اٹھاتے ہیں۔

آج کل جب کہ سردی کا موسم ہے، اس صورتِ حال کا غریب لوگوں کو کثرت سے سامنا کرنا پڑ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بجلی نہیں ہوتی، تو یہ کمپریسر نہیں چلتا، اور اس وقت پڑوسیوں کے ہاں گیس کی آمد ہونے لگتی ہے، اور بجلی کے آنے پر جوں ہی کوئی پڑوسی کمپریسر چلاتا ہے، تو اس کے محلّہ، پڑوس اور آس پاس کے گھروں سے گیس غائب ہوجاتی ہے، اور بعض غریبوں کے پاس گیس کا متبادل انتظام بھی نہیں ہوتا، اس لیے وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، بچے بھوک و پیاس سے بلبلاتے رہتے ہیں، اور گیس نہ آنے پر طرح طرح کی شکایتیں اور بددعائیں کرتے ہیں۔

خدارا! غریبوں اور بے سہارا بچوں کے وبال سے ڈریے اور اس طرح پڑوسیوں اور غریبوں کی حق تلفی سے اپنے آپ کو بچائیے، کہیں کسی کی خاموش بددعاء بڑے وبال کا باعث نہ بن جائے۔

بعض لوگ اس موقع پر کہا کرتے ہیں کہ ہم تو مجبوری کی وجہ سے کمپریسر چلاتے ہیں، کیوں کہ

اس کے بغیر گیس نہیں آتی، لیکن اولاً تو ان لوگوں کا یہ عذرِ لنگ ہے، کیوں کہ اس کے بغیر بھی گیس کی آمد تھوڑی بہت مقدار میں ہوتی ہے، اور ایسی صورت میں ان کا اور دوسرے پڑوسیوں کا کچھ نہ کچھ کام چل جاتا ہے، مگر اس مشین کے چلانے کے بعد دوسرے پڑوسی بالکل محروم ہو جاتے ہیں۔

دوسرے اگر کسی کو زیادہ مقدار میں گیس یا آگ سے کام کرنا پڑتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اس کا کوئی دوسرا متبادل انتظام کرے، مثلاً سلینڈر رکھے، یا لکڑیوں والا چولھا استعمال کرے، وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ اپنی غیر معمولی ضرورت پوری کرنے یا سہولت حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی انتظام کرے۔

اپنے غیر معمولی اور سہولت پر مبنی کام کاج کی خاطر دوسروں کے عام اور بنیادی معمولات اور ضروریات کو متاثر کرنا جائز نہیں۔

لہٰذا خوب سمجھ لینا چاہیے کہ کمپریسر لگا کر پڑوسیوں کے حصے کی گیس بھی کھینچ لینا اور ان کو محروم کر دینا بھی پڑوسیوں کی حق تلفی کی ایک شکل ہے، جس سے سب کو بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الآخر/1437ہجری فروری/2016ء، جلد13 شمارہ4)

(143)

لالچ بری بلا ہے

یہ کہاوت تو آپ نے بھی بارہا سنی ہوگی کہ: ''لالچ بری بلا ہے''

مگر اس کہاوت پر پورا اترنا آسان کام نہیں، لالچ کے موقع پر اچھے اچھے سمجھ دار لوگ مار کھا جاتے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ''مضاربہ سکینڈل' کے نام سے بہت بڑا گھپلا سامنے آیا، جس سے قوم کا بہت بڑا طبقہ متاثر ہوا، اور اس کے زخم ابھی تک نہیں بھرے۔

اس واقعے وقضیے کی زَد میں لالچ کی وجہ سے اچھے اچھے دین دار اور اہلِ علم حضرات آ گئے، اور سارے کے سارے دعوے دھرے رہ گئے، بلند و بالا دعوے ریت کی دیوار ثابت ہوئے، شیخ چلی کے پلاؤ کی طرح دکھائے گئے سبز باغ دھوکا ثابت ہوئے۔

ان سب حالات وواقعات کے باوجود تھوڑے وقفے کے بعد اب پھر دوسرے عنوان سے مضاربہ کاروبار کی مختلف شکلیں سامنے آ رہی ہیں، اور بھاری منافع کا لالچ دے کر اور سبز باغ دکھا کر اب پھر بعض لوگوں کو جال میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور پہلے ''مضاربہ سکینڈل'' کو موجودہ صورتِ حال سے الگ اور محفوظ قرار دیا جا رہا ہے، جس کو دیکھ اور سن کر اب پھر بعض ناواقف اور ناعاقبت اندیش لوگوں کی رال ٹپکنے لگی ہے۔

اس لیے اس موقع پر ہماری درمندانہ گزارش ہے کہ ''لالچ بری بلا ہے'' اس لیے لالچ میں آ کر اپنی جمع پونجی اور سرمایہ کو اس قسم کا سبز باغ دکھانے اور بھاری نفع کا جھانسہ دینے والے شکاریوں سے محفوظ رکھیں، اور اس کے بجائے محنت، جفاکشی اور کفایت شعاری کے اصولوں پر عمل درآمد کریں، تاکہ آنے والی ناگہانی آفت سے محفوظ رہا جا سکے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ بعض اوقات پرانا شکاری نیا جال لگا کر شکار کو اپنے جال میں پھنساتا ہے، اس لیے ہوشیار باش۔ اللہ سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' جمادی الاولیٰ/1437ہجری مارچ/2016ء، جلد13 شمارہ5)

(144)

پتنگ بازی کا کھیل

''پتنگ بازی'' یوں تو بظاہر ایک تفریحی کھیل شمار ہوتا ہے، لیکن اپنی حقیقت اور نتائج کے لحاظ سے یہ کھیل انتہائی خطرناک اور متعدد گناہوں اور مفاسد پر مشتمل بلکہ جان لیوا کھیل ہے۔

پہلے زمانے میں تو یہ کھیل عام طور پر چھوٹے بچے اپنا دل بہلانے کے لیے کھیلا کرتے تھے، مگر ایک عرصے سے یہ کھیل نوجوانوں اور بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ کئی عورتوں میں بھی شوق کے ساتھ کھیلا جانے لگا ہے، جب کہ بعض لوگ اس کھیل کو اپنے کلچر کا حصہ بنانے کے خواہش مند ہیں۔

سال کے مخصوص دنوں میں بسنت کے عنوان سے اجتماعی طور پر پتنگ بازی کا کھیل کھیلا جاتا ہے، جس میں بہت زیادہ غلو ہونے لگا ہے، پتنگ بازی اور خاص طور پر بسنت کے تہوار کے موقع پر متعدد افراد کی اموات واقع ہو جاتی ہیں، اور زخمی افراد کا معاملہ اس سے جدا ہوتا ہے۔

پتنگ بازی کرتے ہوئے بعض افراد خاص کر بچے چھتوں سے گر کر یا تو فوت ہو جاتے ہیں، یا زخمی ہو جاتے ہیں، اور بعض ہمیشہ کے لیے معذور یا مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں، بعض بچے پتنگ یا ڈور لوٹنے اور پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں، مثلاً راستے میں ٹریفک کی زد میں آ جاتے ہیں، یا پھر راستے اور گزرگاہ میں ٹریفک وغیرہ کی رکاوٹ اور خلل کا باعث بنتے ہیں۔

بعض اوقات راہ گیر اور چلتے مسافروں کے سامنے سے پتنگ بازی کرنے والوں کی تیز ڈور گزرنے سے گلے کٹ جاتے ہیں، خاص طور پر جب کہ لوہے کی تار کی ڈور ہو، اور اس لوہے کی ڈور کے بجلی کے تاروں سے ٹکرا جانے سے بہت سے لوگوں کو کرنٹ لگ جاتا ہے، دھماکہ ہونے سے ٹرانسفارمر جل جاتا ہے، اور جگہ جگہ بجلی کے تاروں میں ڈور الجھنے سے بجلی کے نظام میں خلل واقع ہوتا ہے، پتنگ اڑانے والوں کے چھتوں پر چڑھنے اور شور وشرابہ کرنے سے

محلّہ وعلاقہ والوں کو تکلیف وایذاء پہنچتی ہے، اور بسنت وغیرہ کے موقع پر فائرنگ اور اونچی آواز سے موسیقی پر مشتمل ڈیک چلانے سے بھی لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے، بعض لوگ فائرنگ کی زد میں آ کر زخمی یا فوت ہوجاتے ہیں، اور مہنگی ترین ڈور اور پتنگ کی خریداری میں قیمتی دولت کا ضیاع الگ ہوتا ہے، اور یہ سارے کام نہ صرف یہ کہ گناہ ہیں، بلکہ بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اور اسی وجہ سے صوبہ پنجاب بھر میں حکومتِ پنجاب پاکستان کی طرف سے اس وقت پتنگ بازی پر قانونی طور پر پابندی عاید ہے۔

اس لیے پتنگ بازی اور خاص کر بسنت کا تہوار کئی گناہوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً و اخلاقاً اور قانوناً جرم ہے، جس سے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو بچانا ضروری ہے، اور اس میں کسی طرح کا تعاون کرنا بھی گناہ ہے، جس میں بچوں وغیرہ کو پتنگ بازی کے لیے پیسے فراہم کرنا بھی داخل ہے۔

افسوس کہ قانونی طور پر سخت پابندی ہوتے ہوئے بھی بسنت کا تہوار انتہائی جوش وخروش کے ساتھ منایا گیا، جمعے کے بابرکت دن کے علاوہ رات کے بڑے حصہ میں بھی خوب ہلّہ گُلّہ کیا گیا، پتنگ بازی اور ڈور لوٹنے کے چکر میں بہت سے بچے اور بڑے زخمی اور فوت ہوئے، بار بار بجلی کے نظام میں خلل واقع ہوتا رہا، مریضوں، کم زوروں اور عبادت گزاروں کو فائرنگ، موسیقی اور چیخ وپکار اور ہائے ہلاّ سے تکلیف الگ پہنچی، مگر معاشی بدحالی میں مبتلا قوم کا جوش وخروش عروج پر تھا، نہ تو ان بہادروں کو جمعے کی بابرکت رات کی پروا ہوئی، نہ جمعہ کے بابرکت دن کی، اوپر سے بسنت کے غیر اسلامی تہوار کو مناتے ہوئے جو بچے یا نوجوان فوت ہوگئے، ان کے متعلق بعض منچلوں کی طرف سے عظیم تہوار پر شہادت کا جام نوش فرمانے کا فتویٰ بھی جاری ہوا۔ اللہ ہی اس قوم کے فہم اور عمل کو درست کرے، ورنہ ہم نے ہلاکت و عذاب اور وبال کا سامان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1437ھجری اپریل/2016ء، جلد13 شمارہ6)

(145)

تجارت وملازمت اور عبادت

اسلام کی تعلیمات انتہائی وسیع ہیں، جو زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں، اس میں جس طرح نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وغیرہ جیسی عبادات داخل ہیں، اسی طرح اس میں تجارت وملازمت وغیرہ جیسے معاملات بھی داخل ہیں، اور اگر ایک مسلمان تجارت وملازمت اخلاص اور صحیح نیت کے ساتھ اور شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر کرے، تو وہ بھی عبادت میں داخل ہے، جس طرح سے اخلاص اور صحیح نیت کے ساتھ اور شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ہی نماز، روزہ اور حج کرنے سے وہ عبادت اور ثواب والا کام بنتا ہے۔

مگر بدقسمتی اور کم علمی کی وجہ سے ہمارے یہاں تجارت وملازمت وغیرہ کے شعبوں کو وہ حیثیت نہیں دی جاتی، جس کی کہ ضرورت تھی۔

چنانچہ اگر کوئی نماز، روزہ وغیرہ جیسی عبادات کو اخلاص کے ساتھ اور صحیح طریقے پر انجام دے، تو اس کو تو عبادت گزار اور نیک صالح سمجھا جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص اس کے بجائے تجارت وملازمت وغیرہ جیسے پیشوں اور شعبوں کو اخلاص کے ساتھ حلال طریقے پر انجام دے، تو اس کو عبادت گزار اور نیک صالح نہیں سمجھا جاتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نماز، روزہ وغیرہ جیسی عبادات میں کوتاہی کرے، تو اس کو تو بددین سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی تجارت وملازمت وغیرہ کے شعبوں میں کوتاہی اختیار کرے، اور اس میں شرعی حدود کا لحاظ نہ کرے، تو اسے بددین نہیں سمجھا جاتا۔

حالانکہ جس طرح نماز وغیرہ عبادات کے لیے شرعاً کچھ شرائط مقرر ہیں، مثلاً پاکی کا ہونا، قبلہ کی طرف رخ کرنا، اسی طرح تجارت وملازمت وغیرہ کے لیے بھی شریعت کی طرف سے کچھ شرائط مقرر ہیں، مثلاً خرید وفروخت میں سچ بولنا، کم تولنے اور کم ناپنے اور ملاوٹ وغیرہ

سے بچنا، اور ملازمت میں طے شدہ اوقات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنا۔

لیکن حیرت ہے کہ کسی مسلمان کو بغیر وضو کے نماز پڑھنا اور بغیر عذر کے قبلے کے بجائے کسی دوسری طرف رخ کر کے نماز پڑھنا گوارا نہیں، مگر اسی مسلمان کو تجارت و ملازمت وغیرہ میں جھوٹ بولنا بھی گوارا ہے، اور کم تولنا اور کم ناپنا اور ملاوٹ وغیرہ کرنا بھی گوارا ہے، بلکہ کتنے مسلمان نماز، روزہ کے پابند صفِ اول میں تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے والے اور تہجد گزار ایسے ہیں کہ جو تجارت کے دوران جھوٹ بولنے اور کم ناپنے اور کم تولنے اور ملاوٹ کرنے سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے، اور اسی طرح ملازمت کے طے شدہ اوقات اور ذمہ داریوں میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں، ان کو ان کوتاہیوں پر احساس نہیں ہوتا۔

اس فرق کی وجہ وہی ہے کہ عام مسلمانوں نے دین وشریعت کے دائرہ کو نماز، روزہ وغیرہ جیسی عبادات تک محدود سمجھ لیا ہے، اور تجارت وملازمت وغیرہ جیسے شعبوں کو دین وشریعت سے خارج سمجھ لیا ہے، یا ان چیزوں کو وہ اہمیت نہیں دی، جس کی کہ ضرورت تھی۔

بہت سے اہلِ علم حضرات کی طرف سے بھی اس معاملہ کی تبلیغ کرنے میں کوتاہی سامنے آئی، اور انھوں نے دین اور شریعت کی تعلیمات کو نماز، روزہ وغیرہ تک محدود انداز میں پیش کرنے کی طرف ہی اپنی توجہات کو مرکوز رکھا، جس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ "التبلیغ" رجب المرجب/1437ہجری مئی/2016ء، جلد13 شمارہ7)

(146)

حقوقِ نسواں کا نعرہ

وقتاً فوقتاً دنیا کے مختلف حلقوں سے حقوقِ نسواں کے متعلق آوازیں بلند ہوتی رہتی ہے، اور بعض مسلم معاشرے کی طرف سے عورتوں پر ہونے والے مظالم کو بنیاد بنا کر مختلف قسم کے اعتراضات وشبہات کیے جاتے رہتے ہیں، اوران کے سدِ باب پر زور دیا جاتا رہتا ہے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں میں دو قسم کے غیر معتدل ردِ عمل سامنے آتے ہیں، ایک طبقہ تو مادر پدر آزاد ہوکران مظالم کا سدِ باب اپنی عقل سے سوچتا ہے، اوراس کے لیے قانون سازی کی کوشش کرتا ہے، اور دوسرا طبقہ جو دین دار سمجھا جاتا ہے، وہ عورتوں پر ہونے والے مظالم کا شرعی حل اور سدِ باب پیش کرنے کے بجائے، خود ان اعتراضات وشبہات کے ردّ عمل کے درپے ہوجاتا ہے، اوراس سلسلے میں مسلمانوں کے مادر پدر آزاد طبقے کی طرف سے جوان مظالم کے سدِ باب کی کوششیں اور قانون سازی وغیرہ کی تدبیریں ہوتی ہیں، ان کو اسلام کے خلاف قرار دے کر جدو جہد میں لگ جاتا ہے، اوراس طرح عورتوں پر واقعی درجے میں ہونے والے مظالم کے سدِ باب کا شرعی حل سامنے نہیں آتا۔

ایسے حالات میں اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ زوجین کے حقوق پر شریعت نے جو تفصیلات پیش کی ہیں، وہ سامنے لائی جائیں، مثلاً عورتوں کی مار پیٹ کے حوالے سے فقہائے کرام نے جو تفصیلات ذکر کی ہیں، ان کو منظرِ عام پر لایا جائے، اور مشہور فقہی مذاہب کے استیعاب کے ساتھ کلام کیا جائے، تا کہ قانون سازی کرتے وقت مناسبِ حال اقوال کو سامنے رکھ کر فیصلے کیے جاسکیں، اسی طرح مثلاً بعض علاقوں میں عورتوں پر جو مظالم اس قسم کے ہوتے ہیں کہ عورتوں پر معاشی ضروریات اور گھر کے اخراجات مہیا کرنے کی ذمہ داری تک بھی ڈالی جاتی ہے، اور میاں حضرات آرام سے گھر میں بیٹھے یا دوستوں کے ساتھ گھوم پھر کر وقت گزارتے

ہیں، یا عورتوں پر سارے گھر کے افراد یہاں تک کہ اس کے پورے خاندان، ساس، سسر اور دیور، جیٹھ وغیرہ کی خدمت اور کام کاج کی ذمہ داریاں ڈال دی جاتی ہیں، اور ذرا کوتاہی ہونے پر مؤاخذہ کیا جاتا ہے، یا مثلاً بعض علاقوں میں عورتوں کو اس کے والدین کی میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس مقصد کے لیے قرآن مجید سے شادی کر دی جاتی ہے، یا مثلاً بعض جگہ عورتوں کو تیزاب ڈال کر یا آگ لگا کر جلا دیا جاتا ہے، یا مار کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب کام ایسے ہیں کہ جو سراسر شریعت کے خلاف ہیں، ان کے اسلام میں گناہ اور سخت گناہ ہونے پر بار بار اور تفصیل سے کلام کیا جائے، اور اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو سامنے لایا جائے، تو امید ہے کہ اسلام کی مبارک تعلیمات پر ہونے والے بہت سے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا خود بہ خود منہ توڑ جواب ہو جائے گا، لیکن اس کے بجائے خود اعتراض کرنے والوں پر تنقید کرنے بیٹھ جانا، یا ان اعتراضات سے متاثر ہو کر اور شریعت کو نظر انداز کر کے اپنی عقل سے فیصلے کرنا درست طرزِ عمل معلوم نہیں ہوتا۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کے خلاف، جس قدر آواز اٹھائی ہے، اور زور دیا ہے، اور اسی طرح کم زوروں اور عورتوں وملازموں بلکہ جانوروں کے حقوق بیان کیے ہیں، دنیا کے کسی مذہب اور قانون میں ان کی ادنیٰ نظیر اور مثال نہیں پائی جاتی، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے جو آخری کلام کیا، اس میں بھی عورتوں اور غلاموں کے حقوق کی تاکید پر زور دیا، احادیث میں ان چیزوں کی تفصیلات پائی جاتی ہیں۔

اہلِ علم حضرات پر بھی یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو ملاحظہ کریں، اور دوسروں کے سامنے اور منظرِ عام پر بھی لائیں، اور ان چیزوں کی تبلیغ کریں، تحریری طور پر بھی اور زبانی طور پر بھی، جس طرح کا موقع ہو۔

اللہ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شعبان المعظم/1437ہجری جون/2016ء، جلد13 شمارہ8)

(147)

عید کی تیاری

ماہِ رمضان المبارک، اسلام کے ایک اہم رکن ’’یعنی روزہ‘‘ کی ادائیگی کا مہینہ ہے، اور اس اعتبار سے یہ تمام مہینوں میں ممتاز مہینہ ہے کہ بارہ مہینوں میں سے صرف اس ایک مہینے کے ساتھ اسلام کا ایک مستقل رکن وابستہ ہے، نیز اسی بابرکت مہینے میں شبِ قدر ہوتی ہے، جس کو قرآن مجید میں ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے، اور اسی میں قرآن مجید کا نزول ہوا۔

اس کے علاوہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسنون اعتکاف کی عبادت ادا کی جاتی ہے، اور مسنون اعتکاف کی عبادت بھی ماہِ رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے۔

پھر تراویح کی نماز اور اس میں پورے قرآن مجید کو پڑھ کر یا سن کر انجام دینے کی سنت بھی اسی مہینے کے ساتھ وابستہ ہے۔

پس یہ مہینہ اسلامی اعتبار سے گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے۔

اس لیے اس مہینے کی عبادتوں اور خاص کر روزہ کے رکن کی تکمیل کے موقع پر اسلام کا ایک عظیم الشان تہوار رکھا گیا ہے، جس کو عیدالفطر کہا جاتا ہے۔

عیدالفطر کا تہوار دراصل ماہِ رمضان کی عبادات بطورِ خاص روزہ کے فریضہ سے فراغت کے شکرانے کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔

اس تہوار میں اظہارِ تشکر کے طور پر کئی خوشی والے کام عبادت قرار دیے گئے ہیں، جن میں صفائی ستھرائی، اچھا اور عمدہ لباس پہننا، اور اچھا کھانا پینا وغیرہ شامل ہیں۔

لیکن عیدالفطر کے حوالے سے مذکورہ اعمال، جو کہ سنت درجہ میں داخل ہیں، ایک تو ان میں اکثر لوگ غلو کرتے ہیں، اور ان کو فرض یا واجب کا درجہ دیتے ہیں، اور عید کی تیاریوں میں حد سے تجاوز کرتے ہیں، جو ریاکاری، اسراف اور فضول خرچی تک پہنچ جاتا ہے۔

دوسرے عید کی تیاری کے لیے جس رقم اور مال سے انتظام کرتے ہیں، یا جو مال اس مقصد کے لیے حاصل کرتے ہیں، اس میں حلال طریقوں اور ذریعوں کی عام طور پر رعایت نہیں کرتے، بلکہ کثرت سے خلاف ورزی کرتے ہیں، چنانچہ کم ناپ کر، کم تول کر، جعلی، نقلی اور دو نمبر مال فروخت کرکے، غلط بیانی کرکے اور نہ جانے کن کن طریقوں پر عید کی تیاری کرتے ہیں۔

تیسرے جو لوگ رمضان کے فرض روزوں کا اہتمام نہیں کرتے اور معقول عذر کے بغیر رمضان کے سب یا بعض روزے چھوڑ دیتے ہیں، یا روزہ رکھ کر گناہ اور روزہ کی مکروہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، بدنظری کرنا وغیرہ وغیرہ، وہ عید الفطر کی تیاریوں میں پُر جوش اور پیش پیش نظر آتے ہیں۔

حالانکہ عید الفطر کی اصل خوشی کا حق اس کو ہے، جس نے رمضان کے اعمال کو صحیح طرح انجام دیا ہو، اور رمضان کی قدر کی ہو، اور رمضان کی قدردانی میں یہ بھی داخل ہے کہ ہر قسم کے گناہوں سے بچا جائے، لہٰذا رمضان المبارک کے اعمال میں کوتاہی اختیار کرنے اور خاص طور پر ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے کے گناہوں اور روزوں کے ضیاع کا ارتکاب کرکے عید کی تیاری کرنا سراسر ناانصافی میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رمضان المبارک/ 1437ہجری جولائی/ 2016ء، جلد 13 شمارہ 9)

(148)

سیاسی رسہ کشی اور میڈیا کا کردار

ہمارے یہاں کی سیاسی روایت کچھ اس طرح کی پڑ گئی ہے کہ اکثر وبیش تر حالات واوقات میں سیاسی دنیا کے اندر ایک بھونچال سا قائم رہتا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ رسہ کشی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، سیاسی حلقوں نے جس طرح ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے اور ایک دوسرے پر بے جا الزام وبہتان تراشی کا طرزِ عمل اپنایا ہوا ہے، یہ کردار تو ایک عام انسان کے لیے بھی زیب نہیں دیتا، چہ جائیکہ لیڈرانِ قوم کو یہ طرزِ عمل زیب دے۔

پہلے دور میں جب میڈیا کا وجود نہ تھا، اس وقت تک تو عوام کو سیاست سے وابستہ افراد کی اس طرح کی سیاسی رسہ کشی سے آگاہی مشکل سے حاصل ہوتی تھی، مگر میڈیا کا سلسلہ قائم ہونے کے بعد عوامی دنیا میں بھی اس کے اثرات پڑتے گئے۔

اب جب کہ ٹیلی ویژن وغیرہ کی شکل میں مختلف سلسلے اور پروگرام معاشرے میں جاری ہو چکے ہیں، اور ان کو گلی گلی اور گھر گھر میں پہنچایا جا رہا ہے، اس قسم کی خبروں سے نہ صرف یہ کہ عوام کو لمحہ بہ لمحہ آگاہ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، بلکہ خبر رساں اداروں کی طرف سے خوب نمک مرچ لگا کر عوام کے سامنے اس طرح سے خبریں پیش کی جاتی ہیں کہ جس سے ایک طرف تو عوام کو اپنے حکمرانوں سے بدظنی پیدا ہوتی ہے، اور اسی کے ساتھ عوام الناس میں سخت اضطراب وبے چینی کی فضا قائم ہوتی ہے، اور غیر یقینی فضا سامنے آنے سے لوگوں کو یکسوئی کے ساتھ اپنے کام کاج اور معمولات کو انجام دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس صورتِ حال کے تناظر میں ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں کی سیاسی رسہ کشی اور مزید براں اس میں میڈیا کے رنگ بھرنے کا کردار نہایت مایوس کن اور پریشان کن ہے۔

اولاً تو ہمارے یہاں عدمِ برداشت کا جو مزاج بن گیا ہے، اس سے سیاست کا میدان بھی محفوظ نہیں، اقتدار سے باہر بیٹھنے والے سیاسی طبقات، ہر لحہ سیاسی اقتدار میں بیٹھی جماعت کی مخالفت کو اپنا اصل مقصد اور کام یابی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں، جس کے بعد سیاسی اقتدار کی حامل جماعت کو اس کا دفاع کرنا ضرورت بن جاتا ہے، اور اس صورتِ حال کے نتیجے میں ملک وملت کی ترقی وفلاح کے لیے تمام سیاسی طبقات کو مل کر جس کام کے کرنے کی ضرورت تھی، وہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے، اور ملک مزید تنزلی میں گرتا اور دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے، اوپر سے میڈیا کا کردار رہی سہی کسر پوری کر دیتا ہے۔

میڈیا کے پروگراموں میں وقتاً فوقتاً اور ذرا سا کوئی حادثہ اور واقعہ پیش آ جانے پر مختلف سیاسی پارٹیوں کے مقتدر طبقات کو ایک دوسرے کے مقابلے میں بٹھلا کر اور لا کر پوری قوم کے سامنے مرغانِ جنگی کا کھیل اور تماشا بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور ایک دوسرے کے خلاف خوب اُکسایا اور بھڑکایا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک میڈیا کا یہ کردار ملک وملت کے لیے سخت نقصان دہ اور مہلک ثابت ہو رہا ہے، اس قسم کے پروگراموں میں آنے والے افراد، ایک دوسرے کے خلاف دل کھول کر بغض وعداوت کا زہر اگلتے ہیں، اور بہتان والزام تراشی کی تمام حدوں کو پار کر دیتے ہیں، اور اس طرح کے پروگراموں کو منعقد اور نشر کرنے والے میڈیا کے ذمہ دار اس کردار کے بڑے مجرم شمار ہوتے ہیں۔

کسی مسلمان کو دوسرے کے خلاف بھڑکانا اور الزام و بہتان تراشی کے مواقع فراہم کرنا اور پھر اس طرح کی چیزوں کو عوام کے سامنے نشر کرنا شرعی واخلاقی اعتبار سے بڑے بڑے جرائم اور کبیرہ گناہوں کی فہرست میں داخل ہیں۔

اس لیے اس طرح کے پروگراموں کو نشر کرنا، اور ان میں حصہ لینا وشرکت کرنا، بلکہ اس طرح کے پروگراموں کو سننا پڑھنا اور دیکھنا، دنیا کے اعتبار سے نقصان دہ ہونے کے علاوہ شرعاً بھی

جائز نہیں۔

ان حالات میں تمام سیاسی پارٹیوں اور جماعتوں کے افراد پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی عزت وآبرو پر کیچڑ اچھالنے اور بہتان تراشی والزام تراشی کرنے اور باطل کا ساتھ دینے کے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو بچائیں اور مہذب قوم کا کردار ادا کریں، اور میڈیا کے ذمہ داران اس قسم کی چیزوں اور پروگراموں کی نشر واشاعت کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔

عوام الناس کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کے پروگراموں اور خبروں کو سننے، پڑھنے اور دیکھنے سے اپنے آپ کو بچا کر اپنی دنیا وآخرت کو خراب ہونے سے محفوظ رکھیں، اور ان پروگراموں میں اپنا وقت وصلاحیتوں کو خرچ کرنے کے بجائے مفید اور دنیا وآخرت کے اعتبار سے کارآمد چیزوں میں صرف کریں۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے پوری قوم کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1437ہجری اگست/2016ء، جلد13 شمارہ10)

(149)

بچوں کی اغواکاری کا سلسلہ

کچھ عرصے سے ملک میں بچوں کی اغواکاری کے واقعات گردش کررہے ہیں، اور ذرائع ابلاغ پر بچوں کی اغواکاری کے مختلف واقعات پیش کیے جارہے ہیں، مثلاً یہ کہ ایک مخصوص گروہ گلی، محلّہ میں کھیلنے کودنے اور گھومنے پھرنے والے بچوں کو بہکا پھسلاکر، یا بے ہوش کرکے یا زور زبردستی سے اپنے ساتھ لے جاتا ہے، جس کے بعد ان بچوں کے جسم کے مخصوص اعضاء نکال کر وہ لوگ فروخت کردیتے ہیں، اور بچوں کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلادیتے ہیں۔

شنید یہ بھی ہے کہ اس طرح کے واقعات کے پیچھے ڈاکٹروں کے مخصوص گروہ اور پولیس کے بعض افراد کا بھی ہاتھ ہے، پولیس کے وہ افراد اغواکاری کے عمل میں اغواکاروں کی مدد کرتے ہیں، اور ڈاکٹر وہ اعضاء مہنگے داموں اغواکاروں سے خرید لیتے ہیں، اور آگے پھر ضرورت مند مریضوں کے ساتھ ان کا منہ مانگا سودا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

خیر حقیقتِ حال جو کچھ بھی ہو، اس طرح کے واقعات کا روئے زمین کے کسی بھی حصہ پر رونما ہونا، انتہائی شرم ناک اور خوف ناک اور دلوں کو ہلا دینے والا اور انسانیت سوز طرزِ عمل ہے، اور ایک مسلمان کی طرف سے اس طرح کے واقعات کا تصور کرنا ناقابلِ یقین معلوم ہوتا ہے، لیکن جب حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے، اور نام نہاد مسلمان اس طرح کے واقعات میں ملوث پائے جاتے ہیں، تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ آج کا مسلمان اس حد تک گرگیا ہے، اور اسے مال وزر کی حرص وہوس نے اتنا اندھا کردیا ہے، جس کو پورا کرنے کی خاطر وہ معصوم بچوں کی جان سے کھیلنے سے بھی نہیں ڈرتا، اور بچوں کے مظلوم والدین اور بہن بھائیوں اور دیگر اعزہ واقربا کی بددعاؤں کا بھی خوف نہیں کھاتا۔

کئی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ مظلوم کی بددعاء سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب ورکاوٹ نہیں ہوتی۔

ظاہر سی بات ہے کہ مظلوم والدین، یا بہن بھائیوں وغیرہ کی ان ظالموں پر جو بددعاء ہوگی، وہ ان ظالموں کے لیے دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی کا بہت بڑا پیش خیمہ ثابت ہوگی، اس تباہی سے ان بچوں کے اعضاء فروخت کر کے حاصل ہونے والی بھاری رقم بھی نہیں بچاسکتی، اور اس زمرہ میں وہ تمام افراد شامل ہوں گے، جو کسی بھی حیثیت سے اس طرح کے شرم ناک اور انسانیت سوز واقعات میں ملوث ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی مریض ومعذور کی جان بچانے اور اسے کسی مہلک بیماری سے بچانے کے لیے دوسرے انسان کی جان سے کھیلنا شرعاً کسی بھی طرح جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

اور اسی طرح ایک انسان کے اعضاء فروخت کر کے جو رقم حاصل کی جائے، وہ بھی شرعاً حرام اور مردار ہے، جس کا لینا اور کسی طرح سے استعمال کرنا جائز نہیں، اور اگر کوئی اغوا کاری پر رقم وصول کرے، وہ بھی قطعاً حرام ہے، اس سے لاکھ درجے بہتر ہے کہ محنت مزدوری کر کے دال روٹی پر گزر بسر کیا جائے، یا پھر بامرِ مجبوری بھوکا پیاسا رہ کر چند لمحات کی عارضی زندگی گزار لی جائے، اور اپنی آخرت کی تباہی وبربادی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔

اس موقع پر والدین اور سرپرستوں کو بھی چاہیے کہ تنہا بچوں کو باہر گلی محلوں میں گھومنے پھرنے اور آوارہ گردی سے بچا کر رکھیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ غفلت اور حرص وہوس میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو عقل وشعور فراہم کر کے اور مظلوموں کی بددعاء سے محفوظ رکھ کر اپنی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کرنے سے بچائے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/ذوالحجۃ/1437ہجری ستمبر/2016ء، جلد13 شمارہ11)

(150)

ہندوستان کی انتہا پسند حکومت کا رویہ

یوں تو قیامِ پاکستان کے وقت سے ہی ہندوستان کا ملک اور اس کی حکومت، وطنِ عزیز پاکستان اور اس کے مسلمان باشندوں سے مخصوص عداوت اور دشمنی رکھتی ہے، جس میں وقتاً فوقتاً اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، اور اس کے نتیجے میں متعدد مرتبہ جنگی ماحول بھی پیدا ہو چکا ہے، لیکن گزشتہ سالوں سے ہندوستانی برسرِ اقتدار نریندر مودی کی حکومت کی طرف سے پاکستان اور مسلمانوں سے بغض وعداوت کا زہر ایک مخصوص انداز میں منظرِ عام پر آتا رہا ہے، جس کا ذرائعِ ابلاغ پر بھی ذکر آتا رہا ہے۔

ہندوستان کی موجودہ برسرِ اقتدار حکومت دراصل ہندو انتہا پسند طبقے کی نمائندہ وترجمان ہے، جس کی انتہا پسندی کے واقعات ہندوستان کے مختلف خطوں میں خاص طور پر گزشتہ عشرے میں گجرات کے مسلمانوں پر قیامت ڈھانے اور ان کی نسل کشی کرنے کی صورت میں بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں، اور پاکستان کے بارے میں بھی ہندو انتہا پسندی کا بغض وعناد کھل کر سامنے آتا رہا ہے۔

مگر افسوس کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک ان سب چیزوں پر خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہتے ہیں، مقبوضہ کشمیر میں نہتے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم بھی پوری دنیا کے سامنے ہیں، مگر اقوامِ متحدہ جیسے عالمی امن کے دعوے دار اداروں نے آنکھیں موندی ہوئی ہیں۔

عالمِ کفر کی آنکھیں ان سے بھی بند ہیں۔

اس پوری صورتِ حال کا اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے، تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہندوستان کی پاکستان اور مسلمان دشمنی کے پیچھے کئی کفریہ اور پاکستان دشمن طاقتیں بھی ہندوستان کے ساتھ ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کے روپ میں خوارج کی بہت بڑی تعداد بھی اس وقت دنیا کے مختلف خطوں میں موجود ہے، جو کفریہ طاقتوں کے اشاروں پر مسلمانوں کے ممالک اور اداروں کونشانہ بنائے ہوئے ہے، اوران پر اسلام کے احکام کا لیبل چسپاں ہونے کی وجہ سے عام مسلمانوں کو خوارج کے اس فتنہ سے آگاہی بھی بہت مشکل ہوگئی ہے، کیوں کہ عام مسلمان ان خوارج کو ڈاڑھی اور اسلامی وضع قطع میں دیکھ کر حق پر سمجھتے ہیں، اوران کے مقابلے میں اصل مسلمانوں کو غلط تصور کرتے ہیں، اس طرح کی غلط فہمیوں کو دور کرنے لیے ان احادیث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو منظرِ عام پر لانے اوران کی تبلیغ وتشہیر کی اشد ضرورت ہے، جن میں خوارج کی علامات کو بیان کیا گیا ہے، اوران کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، کیوں کہ خوارج کا فتنہ اسلام کے روپ میں ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے متعدد جہات سے ٹھیٹھ کافروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

وطنِ عزیز، ملکِ پاکستان چونکہ اس وقت روئے زمین پر مسلمانوں کے لیے ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے، اور گوناگوں صفات کے مجموعہ کا حامل ہے، جو کفریہ طاقتوں کو ہرگز نہیں بھاتا، اگرچہ کم علم اور ناعاقبت اندیش مسلمان، پاکستان کی قدر و قیمت اور اہمیت کو صحیح طرح نہیں سمجھتے، اور وہ غلط فہمی یا دشمنانِ پاکستان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر وطنِ عزیز کی نہ صرف یہ کہ طرح طرح سے ناقدری کرتے ہیں، بلکہ اس کی تبلیغ وتشہیر کرکے خود سادہ لوح مسلمانوں کے غم وغصے کو بھی وطنِ عزیز کے خلاف ابھارتے ہیں۔

پس موجودہ حالات میں مسلمانوں کو بہت چوکنا اور محتاط رہنے اور آپس میں اتحاد کو قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہے، بالخصوص وطنِ عزیز پاکستان کے دشمن عناصر کی سازشوں کو متحد و متفق ہوکر ناکام بنانے اور وطنِ عزیز میں چھپے ہوئے غداروں سے آگاہ رہنے کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' محرم الحرام/1438ہجری اکتوبر/2016ء، جلد14 شمارہ1)

(151)

دوسروں میں کیڑے نہ نکالیں

آج کے دور میں بہت سے لوگوں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح سے تو غافل نظر آتے ہیں، مگر دوسروں کی ذات میں کیڑے نکالنے اور دوسروں کی شان میں عیب جوئی کرنے میں بہت مستعد اور تیار دکھائی دیتے ہیں۔

ان کو اپنی ذات میں سال ہا سال سے موجود بڑے بڑے عیب دکھائی نہیں دیتے، لیکن دوسروں میں جہاں کوئی چھوٹا سا عیب دکھائی دیا، وہ ان کو فوراً پہاڑ بن کر نظر آتا ہے۔

یہ طرزِ عمل انسان کے لیے بہت خطرناک ہے، کیوں کہ ایک طرف تو اس طرزِ عمل کے نتیجے میں، انسان اپنی اصلاح سے محروم رہتا ہے، اور دوسری طرف خود اسلام میں اس چیز کو پسند نہیں کیا گیا کہ ایک شخص دوسروں کی عیب جوئی کرتا پھرے۔

عیب جوئی کرنے کے مذکورہ طرزِ عمل کی وجہ سے معاشرے میں باہم دشمنیاں اور عداوتیں بھی جنم لیتی ہیں، اور آپس کا اتحاد و اتفاق بھی متاثر ہوتا ہے، جو امتِ مسلمہ کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

اسی لیے قرآن و سنت میں اس قسم کی چیزوں پر سخت تردید کی گئی ہے، اور ان چیزوں کو برے اخلاق میں شمار کیا گیا ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سیاست سے لے کر نیچے تک تقریباً ہر شعبے میں اس وقت بہت بڑا طبقہ ایک دوسرے کی عیب جوئی اور دوسرے کے اندر کیڑے نکالنے میں مصروف نظر آتا ہے، اس طبقے کی رات دن کی جستجو یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح سے فریقِ مخالف کی کوئی کمزور بات یا عیب ہاتھ لگ جائے، جس کو خوب اچھالا جائے، اور اس کو واسطہ بنا کر دوسرے کی مٹی پلید کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ تعمیر واصلاح کے کاموں کے بجائے ساری توجہ دوسرے کی عیب جوئی یا بالفاظِ دیگر دوسرے پر بٹے مارنے کی طرف صَرف کی جاتی ہے۔

میڈیا پر ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی کا ایک نہ ختم ہونے والا طوفان نظر آتا ہے، جو اس دور میں بگڑے ہوئے اخلاق کی بدترین مثال ہے، اور اس جرم میں میڈیا کے وہ ذمے داران بھی شامل ہیں، جو اس قسم کے پروگرام منعقد کر کے لاکھوں عوام کے سامنے نہ صرف یہ کہ اس قسم کی بداخلاقی کا تماشا پیش کرتے ہیں، بلکہ اس قسم کی بداخلاقیوں کا مظاہرہ کرنے پر ایک دوسرے کے خلاف ابھارتے اور جوش بھی دلاتے ہیں۔

اس سلسلے میں میڈیا کا کردار انتہائی حیران کن اور افسوس ناک ہے، جس کے انتہائی برے اثرات معاشرے پر مرتب ہو رہے ہیں۔

مگر ان لوگوں کو نہ تو اللہ کا خوف ہے، اور نہ ہی کسی قانون کی پاس داری کا لحاظ ہے۔

اگر کبھی ان چیزوں پر نکیر کی جاتی ہے، تو اس کو میڈیا کی آزادی کے خلاف تصور کر کے ایک طوفانِ بدتمیزی بپا کیا جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ کل قبر میں جانے کے بعد اور قیامت کے دن کیا دوسروں کی عیب جوئی کام آئے گی، اور نجات کا سامان بن سکے گی، اگر یکسوئی اور توجہ کے ساتھ اس سوال کا جواب سوچیں گے، تو اس کے نتیجے تک پہنچنے میں مشکل پیش نہیں آئے گی۔

ہر شخص کو چاہیے کہ یکسوئی اور توجہ کے ساتھ اس سوال کا جواب ضرور سوچا کرے، تاکہ دوسروں میں کیڑے نکالنے کے مرض سے نجات حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ ''التبلیغ''، صفرالمظفر / 1438 ہجری نومبر/ 2016ء، جلد 14 شمارہ 2)

(152)

بدامنی پھیلانے والوں کا تعاون نہ کیجیے

وطنِ عزیز میں کچھ سیاسی وغیر سیاسی عناصر ایسے پائے جاتے ہیں کہ جو امن قائم ہونے کے دشمن اور بدامنی پھیلانے کے حامی ہیں، خواہ اس کی وجہ ان کی ملک سے دشمنی ہو، یا پھر موجودہ حکومت کی ناکامی ثابت کر کے، خود اپنے آپ کو آگے لانا ہو۔

اس لیے یہ عناصر اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف چیزوں کو بنیاد بنا کر ملک میں بدامنی کو ہوا دیتے ہیں، اور سیاسی مخالفت کی آڑ میں مختلف قسم کے محاذ کھڑے کر کے ترقیاتی کاموں میں روڑے اٹکاتے رہتے ہیں۔

ایسے حالات میں ہمیں بہت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ملک کو ترقی دینے اور بے روزگاری وغیرہ کو ختم کرنے کے عنوان سے در پردہ بعض عناصر اپنے مذموم مقاصد وعزائم حاصل یا پورے کرنے کے لیے ہمیں استعمال نہ کرلیں، جیسا کہ اس کی متعدد مرتبہ کوششیں ہو چکی ہیں۔

اس دوران پچھلے چند سالوں میں وطنِ عزیز کے دارالحکومت ''اسلام آباد'' میں جو ملک وقوم کا مرکزِ اعصاب ہے، چند مشتعل جماعتوں کی طرف سے دھرنوں کا سلسلہ جاری رہا، دارالحکومت میں یہ مہم جوئی وطالع آزمائی پورے نظامِ زندگی کو معطل، کاروبارِ حکومت کو مفلوج اور قوم کو یرغمال بنا کے رکھتی رہی، پھر ان دھرنوں میں جو حرکتیں ہوتی رہیں، ان پر شرافت، انسانیت اور اسلامیت سر پیٹ کر رہ گئی، اور ملکی معیشت پر جو اثرات ان دھرنوں کے پڑتے رہے، اور اس کے جھٹکے سال سال بھر تاجر برادری سہتی رہی ہے، وہ الگ داستان ہے۔

اب پھر گزشتہ دنوں دھرنے کے عنوان سے دوبارہ اس طبقے نے سر اٹھانے کی کوشش کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ سازش کو ناکام بنا دیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ملک میں بغاوت وانارکی پھیلانے اور تشدد کو ہوا دینے اور حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی اس وقت گنجایش نہیں ہے، ایسے حالات میں جب کہ انڈیا کی حکومت کا متعصّبانہ و جارحانہ رویہ سب کے سامنے ہے، اور ہم اپنی تاریخ کے نازک موڑ پر کھڑے ہیں، ایسے میں ملک میں خود ہی اپنے سسٹم کے خلاف اس قسم کی مہم جوئی کرنا خدانخواستہ

''لمحوں نے خطاء کی تھی، صدیوں نے سزا پائی''

کا کڑوا تاریخی سبق ہمارے لیے نہ دُہرادے۔

اس لیے ایسے عناصر سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ جو ملک کے اندر بیٹھ کر باہر بیٹھے ہوئے دشمنوں کے مشن کی تکمیل میں ہاتھ بٹا رہے ہیں، ایسے حالات میں بدامنی پیدا کرنے والے طبقے کی ہاں میں ہاں ملانا، یا اس کا زبانی، کلامی کسی طرح سے تعاون کرنا، انتہائی نقصان دہ ہے۔

افسوس کہ اس قسم کے ملک دشمن عناصر ترقی اور بہتری وغیرہ کا خوب صورت عنوان لگا کر آ گے آتے ہیں، جس سے بہت سے سادہ لوح عوام متاثر ہوجاتے ہیں، پھر یہ عناصر اپنے کام کر کے چلے جاتے ہیں، اور جب وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تو پھر آنکھیں کھلتی ہیں، اور حقیقت سے پردہ چاک ہوتا ہے، لیکن وقت ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے پھر کچھ نہیں ہو پاتا۔

اس لیے اس طرح کے عناصر سے پہلے ہی آ گاہ اور باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قسم کے شر پسند عناصر سے ملک وملت کی حفاظت فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ربیع الاول/1438ہجری دسمبر/2016ء، جلد14 شمارہ3)

(153)

برداشت پیدا کرنے کی ضرورت

ہمارے معاشرے میں قدم قدم پر جلد بازی، غصہ، لڑائی جھگڑا، نزاع واختلاف وغیرہ کی نوبت آتی ہے، ذرا ذرا سی بات پر بڑے بڑے جھگڑے اور تنازعات کھڑے ہوجاتے ہیں، جو بعض اوقات تھانہ، کچہری تک پہنچا دیتے ہیں، یا مدتِ دراز تک اوراس سے بڑھ کر زندگی بھر کے لیے ایک دوسرے سے قطع تعلقی وقطع رحمی کا باعث بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات انسان کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہوجاتے ہیں، ورنہ کم از کم کسی مالی نقصان یا جسمانی وذہنی صدمے کا باعث بن جاتے ہیں۔

مثلاً ہمارے یہاں گاڑی یا موٹر سائیکل چلاتے ہوئے جلد بازی کی خاطر کسی دوسرے سے گاڑی یا موٹر سائیکل ٹکرا جاتی ہے، اور عدمِ برداشت کی وجہ سے ایک بڑا مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے، اسی طرح مثلاً جلد بازی کی خاطر ڈرائیونگ کرتے ہوئے دوسرے کی حق تلفی یا ایذا رسانی ہوجاتی ہے، اور جھگڑے وتنازعہ کا باعث بن جاتی ہے، بعض اوقات راستے وگزرگاہ میں رَش اور ہجوم کے باعث ٹریفک کچھ وقت کے لیے رک جاتی ہے، ایسی حالت میں جلد بازی اور عدمِ برداشت کے عادی اپنی موٹر سائیکل یا گاڑی وغیرہ دوسرے سے آگے نکالنے کی خاطر آنے والے حصہ میں آگے تک پہنچا کر کھڑے ہوجاتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک تو دوسروں کی حق تلفی لازم آتی ہے، دوسرے لوگوں کی ذہنی اذیت کا بھی باعث بنا جاتا ہے، تیسرے اس کی وجہ سے ٹریفک میں مزید تعطل پیدا ہوجاتا ہے کہ آنے والوں کے آنے کا راستہ بھی بند ہوجاتا ہے، اور دونوں طرف سے ٹریفک پھنس کر رہ جاتی ہے۔

اسی طرح بعض اوقات کسی سے بات چیت اور گفتگو کے دوران کوئی بات مزاج کے خلاف سامنے آنے پر بات بگڑ جاتی ہے، اور تعلقات وروابط تک ختم کرلیے جاتے ہیں، اور بعض

اوقات خوامخواہ کسی سے بدگمانی کے نتیجے میں اس طرح کی صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔
اس قسم کی سب چیزیں دراصل ''عدمِ برداشت'' (Intolerance) کا نتیجہ ہیں، اور ان سے نجات پانے کے لیے ہمیں اپنے اندر ''برداشت'' (Tolerance) کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔
جس پر اسلام میں ''صبر'' (Patience) کے عنوان سے روشنی ڈالی گئی ہے۔
صبر کو اسلام میں بڑی اہمیت دی گئی ہے، اس پر ابھارا گیا ہے، اس پر عظیم اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اس عمل پر جنت و مغفرت کی بشارت سنائی گئی ہے، غرضیکہ اسلام میں صبر کا درجہ اور صبر کے فضائل بڑے وسیع اور عظیم ہیں۔
اور برداشت کا مزاج ''صبر'' کو اختیار کرنے سے ہی بن سکتا ہے۔
پھر صبر کے جہاں اخروی فضائل و انعامات ہیں، اسی کے ساتھ اس کے دنیاوی فائدے بھی بڑے عظیم الشان ہیں، اسی وجہ سے دنیا کی جو قومیں بھی اپنے اندر صبر و برداشت پیدا کرتی ہیں، وہ دنیا میں بھی ترقی کرتی ہیں۔
چنانچہ یورپ کے لوگوں میں تحمل و برداشت کا خاص مشاہدہ کیا جاتا ہے، جو اُن لوگوں کے مختلف شعبوں میں نظر آتا ہے، اسی وجہ سے وہاں لڑائی جھگڑے وغیرہ کے واقعات بھی کم پیش آتے ہیں، اور ٹریفک وغیرہ کا نظام بھی ہمارے یہاں کے مقابلے میں بہت زیادہ بہتر دکھائی دیتا ہے، تو اگر غیر مسلم بھی برداشت پیدا کر کے دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں، جن کے حق میں یہ عمل کوئی عبادت و ثواب والا کام بھی نہیں، تو مسلمان کیوں کر اس کے فوائد و ثمرات سے مستفید نہ ہوں گے۔
مگر ہم لوگوں کو دوسروں کے اندر کیڑے نکالنا تو آتا ہے، لیکن ان کی اچھی باتوں سے سبق سیکھنا نہیں آتا۔
ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنے اندر صبر و برداشت پیدا کرے، اور اپنی عملی زندگی

میں قدم قدم پر اس کا مظاہرہ کرے، تو ان شاء اللہ اخروی ثواب کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اس کے بہتر و عمدہ نتائج حاصل ہوں گے۔

اور اس عمل کو اجتماعی طور پر اختیار کرنے کے نتیجے میں ان شاء اللہ تعالیٰ ملک و ملت کی ترقی ہوگی، اور لڑائی جھگڑوں سے نجات حاصل ہو کر معاشرے میں امن و سکون حاصل ہوگا۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' ربیع الآخر/1438ہجری جنوری/2017ء، جلد 14 شمارہ 4)

(154)

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا سانحۂ ارتحال

15 فروری 2017ء بروز اتوار، شب ساڑھے نو بجے، صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان ''شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب'' 96 برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

شیخ موصوف، اتحادِ مدارسِ دینیہ پاکستان کے صدر بھی تھے۔

شیخ موصوف یوں تو گزشتہ کئی سالوں سے علیل چلے آرہے تھے، بڑھاپے کے ضعف کے علاوہ متعدد شکایات لاحق تھیں، لیکن وفات سے تین روز قبل طبیعت زیادہ علیل ہوگئی، جس کے باعث انھیں مقامی ہسپتال میں داخل کردیا گیا، جہاں وہ اتوار کی شب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

شیخ موصوف کا شمار، دارالعلوم دیوبند کے فضلا میں سے ہوتا ہے، آپ کا تعلق ہندوستان کے صوبہ یوپی اور ضلع مظفرنگر کی حدود میں واقع قصبہ حسن پور، لوہاری سے تھا، جوکہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے قصبہ تھانہ بھون، اور مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان جلال آبادی رحمہ اللہ کے قصبہ جلال آباد کے قریب واقع ہے۔

شیخ موصوف نے درسِ نظامی کی ابتدائی اور متوسط تعلیم، حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسہ مفتاح العلوم قصبہ جلال آباد، ضلع مظفرنگر، یوپی، ہندوستان میں حاصل کی، اور آخری چند سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، اور یہیں سے سندِ فراغت بھی حاصل کی، 1954ء میں آپ ہندوستان سے ہجرت فرما کر، پاکستان تشریف لائے۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت مسیح الامت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کے مدرسہ مفتاح العلوم، قصبہ جلال آباد، ضلع مظفرنگر میں تدریس فرمائی، اس زمانے میں وہاں تبلیغی جماعت کے مشہور بزرگ مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ نے

بھی (جو ابھی پہلے تین سال پہلے فوت ہوئے ہیں) موصوف سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا۔

1954ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے آئے، یہاں آنے کے بعد آپ نے ابتداء میں دار العلوم ٹنڈو الہ یار، صوبہ سندھ میں چند سال تدریس فرمائی۔

چند سال بعد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسہ دار العلوم کراچی میں تشریف لے گئے، اور عرصہ دس سال تک اس مدرسے میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔

1967ء میں اپنے زیرِ ادارت جامعہ فاروقیہ کراچی قائم کیا، جس کی تعمیر وترقی میں شب وروز کی محنتوں کی بدولت چار چاند لگائے۔

آپ عمر کے آخری حصہ تک مستعدرہ کر مختلف قسم کی خدمات سرانجام دیتے رہے، اور تدریس کے مشغلہ سے وابستہ رہے، جو کہ آپ کی امتیازی شان کہلائے جانے کی مستحق ہے۔

شیخ کا شمار وطنِ عزیز میں ایک معمر و تجربہ کار اور وسیع دینی سوچ کے حامل افراد میں ہوتا تھا، اور آپ کی ذات خاص طور پر دینی مدارس و جامعات کے لیے ایک شجرِ سایہ دار کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے آپ کی وفات دینی مدارس و جامعات کے لیے ایک عظیم سانحہ شمار ہوتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی مغفرتِ کاملہ اور درجات بلند فرمائے، اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے، اور اپنے فضل وکرم سے پاکستان کے دینی مدارس وجامعات کو شیخ موصوف کا نعم البدل، وسیع النظر اور وسیع الفکر سرپرست وصدر عطا فرمائے، جس کے زیر سرپرستی مدارسِ دینیہ میں اپنے نصاب ونظام میں اور عصرِ حاضر کے چیلنجوں سے نمٹنے میں مزید موثر کردار ادا کریں، موجودہ زمانے کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھ کر دینی مدارس وجامعات کے نصاب ونظام میں مزید بہترائی اور ترقی آج دینی تعلیمی اداروں کے لیے زمانے کا بڑا چیلنج ہے، اور مدارس کے تناظر میں معروضی حالات میں اتار چڑھاؤ کا اس سے گہرا تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ دینی مدارس کی حفاظت فرمائے، اور ان کو ترقیات سے نوازے۔

اور پیدا شدہ مختلف قسم کے مسائل سے نجات حاصل ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ "التبلیغ" جمادی الاولیٰ/1438ہجری فروری/2017ء، جلد14 شمارہ5)

(155)

وطنِ عزیز میں ایک بار پھر دھماکوں کی لہر

گزشتہ کچھ عرصہ سے الحمد اللہ تعالیٰ وطنِ عزیز میں بم دھماکوں میں کافی حد تک کمی واقع ہوگئی تھی، اور ایک مرحلے پر محسوس ہوتا تھا کہ اب الحمد للہ تعالیٰ یہ سلسلہ وطنِ عزیز میں موقوف ہوگیا ہے۔

لیکن گزشتہ چند ہفتوں سے وطنِ عزیز کے مختلف حصوں میں پے در پے چند دھماکے ہونے سے محسوس ہوتا ہے کہ ملک وملت کے دشمنوں اور شر پسندوں نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کردیا ہے۔

ان دھماکوں میں ''سیہون شریف'' کا دھماکہ زیادہ ہولناک تھا، جس میں سینکڑوں افراد لقمہ اجل بنے، معذور واپاہج وغیرہ ہونے والے افراد کی بڑی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

اس قسم کے دھماکے یا خودکش حملے، جس نوعیت کے بھی ہوں، وہ بہرحال ملک وملت کی ترقی و فلاح کے لیے سخت نقصان دہ اور شرعی اعتبار سے حرام ہیں، اگرچہ بعض خوارج یا دوسرے تشدد پسند حضرات، مختلف قسم کی تاویلات کے ذریعے ان کو اسلامی جامہ پہنا کر، بلکہ جہاد یا ''نہی عن المنکر'' کا پُرکشش لیبل لگا کر سندِ جواز یا باعثِ ثواب قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ مزارات یا درباروں پر عرس، یا میلے وغیرہ کی تقاریب پر توحید وسنت کا داعی ایک شدت پسند طبقہ شرک وقبر پرستی کا عنوان لگا کر اس قسم کے اعمال وافعال کے مرتکبین کو مشرک یا مرتد اور پھر اس کے نتیجے میں واجب القتل خیال کرتا ہے، جس کے نتیجے میں ایسے مقامات پر تشدد ودھماکوں یا خودکش حملوں کے لیے مختلف افراد کا ذہن بنتا ہے۔

مگر قرآن وسنت اور فقہی اصولوں کی روشنی میں اس سے کسی طرح اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام میں تو کسی مسلمان کے قول وفعل میں جب تک کوئی تاویل ہوسکتی ہو، یہاں تک کہ ننانوے احتمالات کفر کے اور ایک احتمال اسلام کا پایا جاتا ہو، اس وقت بھی صریح کافر ومرتد قرار دینے اور فتنہ وفساد برپا کرنے سے بچنے کا حکم ہے۔

موجودہ دور میں غیر مسلم خفیہ دشمنانِ اسلام طاقتوں کی طرف سے جہاد وقتال اور ''نہی عن المنکر'' وغیرہ کی حقیقت وشرائط کو اس قدر بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے کہ جس میں جہاد وقتال اور ''نہی عن المنکر'' کے بنیادی اصول وقواعد کا بھی لحاظ نہیں پایا جاتا۔

اسی وجہ سے کچھ شدت پسند عناصر کی طرف سے اس قسم کے خیالات بھی سامنے آتے ہیں کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، یا زکاۃ ادا نہیں کرتے، یا اسی طرح کے بعض گناہ کھلے عام کرتے ہیں، ان کو نعوذ باللہ قتل کرنا، یا ان کے خلاف مسلح جدوجہد کرنا، یہ دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک شکل ہے۔

اسی طرح بعض عناصر کا کہنا ہے کہ جو لوگ جہاد وقتال نہیں کرتے، ان کی نماز، روزہ وغیرہ، کوئی عبادت بھی قبول بلکہ صحیح نہیں، اور وہ جہاد کے منکر وتارک ہونے کی وجہ سے واجب القتل ہیں، اور ایسی صورت میں ان کو عین نماز ادا کرنے کی حالت میں قتل کردینا بھی جہاد وقتال یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حصہ ہے۔

اسی طرح بعض شدت وانتہا پسند افراد وطنِ عزیز کی متعلقہ حکومت کی غیر شرعی پالیسیوں وغیرہ کو بنیاد بنا کر اس کے خلاف یا حکومتی اداروں اور فوج کے خلاف مسلح جدوجہد کو جہاد وقتال یا ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ قرار دیتے ہیں، جو کہ سراسر غیر اسلامی سوچ اور غلط فہمی پر مبنی ہے، جس کی شرعی اصول وقواعد سے تائید نہیں ہوتی۔

اس قسم کے جہالت در جہالت پر مبنی دعوے کر کے بعض جذباتی اور زندگی سے مایوس یا شہادت کی فضیلتوں کے متلاشی نوجوانوں اور کم عمر بچوں کو بہکا پھسلا کر خودکش حملوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

بعض کفریہ طاقتیں بھی اس طرح کی ذہنیت والے نام نہاد مسلمانوں کو تیار کرتی ہیں، اور پھر ان کو مادی وسائل اور معلومات اور ٹارگٹ وغیرہ بھی فراہم کیا جاتا ہے، بعض اوقات میڈیا وغیرہ پر اس قسم کی خبریں نشر ہوتی رہتی ہیں۔

بہرحال واقعہ اور حقیقتِ حال جو کچھ بھی ہو، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے تمام مسالک کے مقتدا ورہنما حضرات اس طرح کے جہالت وشدت پر مبنی دعووں اور باتوں کی اصلاح اور امتِ مسلمہ میں اتحاد واعتدال پیدا کرنے اور تشدد کو ختم کرنے کی طرف تحریری و تقریری طور پر اپنی توجہات کو مبذول فرمائیں۔

سادہ لوح مسلمانوں کو دین کی صحیح رہنمائی فراہم کریں، تاکہ اسلام دشمن طاقتیں سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے مقاصد میں استعمال کرنے اور کم علم مسلمانوں کی عاقبت خراب کرنے کی سازش میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ ملک وملت کو نفس وشیطان، کفار اور ملک دشمن عناصر کی سازشوں اور شرارتوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ''التبلیغ'' جمادی الاخریٰ/1438ہجری مارچ/2017ء، جلد14 شمارہ6)

(156)

بسیار خوری

طبی اور میڈیکل کے بنیادی اصولوں سے یہ بات ثابت ہے کہ بسیار خوری، یعنی ضرورت سے زیادہ کھانے کی عادت، مختلف امراض و بیماریوں کا بہت بڑا سبب ہے۔

اور آج کل یہ سبب بہت عام ہے، بلکہ اب تو یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کھانے پینے کا کاروبار اس زمانے میں بڑی کمائی کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے، چنانچہ راستوں اور بازاروں وغیرہ میں جگہ جگہ کھانے پینے کے ہوٹل، دکان اور ریڑھیوں کا سلسلہ دوسرے شعبوں سے کچھ زیادہ ہی نظر آتا ہے، اور جب سے کھانے پینے کی اشیاء اور چیزوں میں تنوع بڑھا ہے، اس وقت سے یہ سلسلہ زیادہ ترقی کر گیا ہے۔

اور تعجب اس بات پر ہے کہ بیماریوں کے اس اہم سبب کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی جاتی، جب کہ اس سبب سے پیدا شدہ بیماریوں اور امراض کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ زندگی میں مختلف مسائل ومصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بلکہ ساتھ ہی اس سبب کے نتیجے میں پیدا شدہ امراض کے علاج ومعالجے پر بھی بہت سا پیسہ اور قیمتی دولت اور وقت کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔

گویا کہ پہلے تو بسیار خوری کی خاطر مال ودولت کو خرچ کیا جاتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں پیدا شدہ امراض و بیماریوں کی وجہ سے تکلیف اٹھائی جاتی ہے، اور پھر اس کے علاج ومعالجہ پر مال ودولت کو خرچ کرنا پڑتا ہے، اور وقت کا ضیاع الگ لازم آتا ہے۔

اور اگر شروع سے ہی بسیار خوری کے بجائے کم خوری یعنی اعتدال کے ساتھ کھانے پینے کی طرف توجہ کی جائے، تو اس قسم کے بے شمار مسائل ومصائب سے نجات حاصل ہو جائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہر انسان کو صرف وہی رزق حاصل ہوگا، جو اس کے مقدر

میں ہے، اگرچہ وہ اعتدال کے ساتھ ہو، یا اعتدال کے بغیر ہو، پس حرص وہوس میں ضرورت سے زیادہ کھانے کی کوشش مناسب نہیں۔

خلاصہ یہ کہ کھانے پینے کے سلسلے میں بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کے اصول پر عمل کرنا چاہیے، جس میں دنیا وآخرت کی خیر وبھلائی اور مختلف بیماریوں وامراض سے حفاظت پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' رجب المرجب/1438ہجری اپریل/2017ء، جلد14 شمارہ7)

(157)

تعصب اور اس کے نتائج

تعصب کا مطلب ہے کہ کسی فرد یا جماعت سے علاقائی، صوبائی، لسانی، برادری یا مسلک وغیرہ کی بنیاد پر ایسا تعلق ومحبت رکھنا کہ حق و ناحق کی تمیز کیے بغیر اس کا ساتھ دینا، اس کو حق سمجھنا اور اس کے مقابلے میں دوسرے کی مخالفت کرنا۔ مذہبِ اسلام میں تعصب سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، جس کے دنیاوی واخروی نقصانات بہت زیادہ ہیں۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

جو گمراہ جھنڈے کے نیچے لڑائی کرے، تعصب کی دعوت دے، یا تعصب کی وجہ سے (دوسروں پر) غصہ کرے، پھر وہ قتل ہو جائے، تو اس کا قتل ہونا جاہلیت کا قتل ہے (نسائی، رقم الحدیث ۴۱۱۴)

معلوم ہوا کہ تعصب کی بنیاد پر لڑنا جھگڑنا اور اس پر مرنا سخت نقصان دہ ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت رکھنا بھی تعصُّب میں داخل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ تعصب تو یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم (یعنی ناحق چیز) پر مدد کرے (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۹۸۹)

معلوم ہوا کہ اپنی قوم سے محبت رکھنا تعصب میں داخل نہیں، اور اس سے اسلام نے منع نہیں کیا، لیکن اپنی قوم کی بے جا حمایت اور اس کے ظلم وزیادتی پر مدد کرنا یہ تعصب میں داخل ہے، جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق مدد کی تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے، جو کنویں میں گر پڑا، اب وہ اپنی دم سے کھینچ کر نکالا جائے گا (ابوداؤد، رقم الحدیث ۵۱۱۷)

مطلب یہ ہے کہ اپنی قوم و جماعت کی ناحق مدد کرنے سے انسان ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس طرح سے کہ (کنویں میں) گرا ہوا اونٹ جس کو دُم سے کھینچ کر نکالا جائے، وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے، اور اس کا زندہ بچ پانا مشکل ہوتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کا تعصب عام تھا، اور اس کو گناہ و جرم بھی نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، جس کی وجہ سے قتل و خون ریزی کا سلسلہ عام تھا، اور امن و امان کا فقدان تھا۔

کیوں کہ تعصب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حق و سچ کی حمایت و اعانت نہیں ہوتی، اور باطل و ناحق کاموں اور باتوں کو ہوا ملتی ہے، جو فتنہ و فساد کا بڑا سبب ہے۔

ہم آج کے دور میں دیکھتے ہیں کہ ہمارے تقریباً تمام ہی شعبوں میں کم و بیش طریقے پر تعصب پایا جاتا ہے، جس سے دین کے متعدد اہم شعبے بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔

چنانچہ ہمارے یہاں لسانیت اور صوبائیت وغیرہ کی بنیاد پر بڑے بڑے اختلافات رونما ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے قتل و قتال کی بھی نوبت آ جاتی ہے، ایک مخصوص زبان بولنے یا ایک مخصوص علاقہ و صوبہ وغیرہ کے لوگ دوسری زبان اور دوسرے علاقے والوں کو پرایا اور اجنبی سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کو اپنے علاقے کی قدرتی اشیا سے مستفید ہونے بلکہ اپنے علاقے میں رہنے سہنے کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل سراسر اسلام کے خلاف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت نے بھی ہجرت فرمائی، تو مدینہ منورہ کے باشندوں نے مہاجرین کی ہر طرح سے اعانت و نصرت کی، مہاجرین کو اپنا بھائی قرار دیا، ان کو اپنے مال و دولت اور جائیداد وغیرہ میں شریک کیا، اپنے گھروں تک میں ان کو سکونت و رہائش فراہم کی،

جس کی وجہ سے وہ ''انصار'' کہلائے، اور یہ لقب قیامت تک کے لیے ان کے حق میں اعزاز واکرام کا باعث بن گیا، اور قرآن وسنت میں انصار صحابہ اور ان کے اس طرزِ عمل کا عظیم اجرو ثواب بیان کیا گیا۔

مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک علاقہ یا مخصوص زبان کے بہت سے مسلمان دوسرے علاقے اور دوسری زبان کے مسلمانوں کے ساتھ اعانت ونصرت تو کیا کرتے، الٹا ان کے خلاف صف بستہ ہوکر کھڑے ہوجاتے ہیں، ان کے خلاف مختلف قسم کی تحریکات چلاتے ہیں، اسی بنیاد پر سیاسی جماعتیں قائم کرتے ہیں، اور اپنے مدِ مقابل دوسروں کے جان و مال پر ڈاکہ زنی کرنے کو جہاد اور اہم عبادت خیال کرتے ہیں، بعض اوقات یہ معاملہ اتنی شدت اختیار کرلیتا ہے کہ دوسرے مسلمانوں سے الگ سلطنت وحکومت اور اسٹیٹ بنانے کا بھی مطالبہ و تحریک شروع ہوجاتی ہے۔

ہمارے ملک میں بلوچستان اور سندھ وغیرہ کے بلوچیوں اور سندھیوں کی طرف سے اس طرح کی مختلف کوششیں سامنے آتی رہی ہیں، جن کے پس پردہ بعض غیر مسلم اور اسلام دشمن طاقتیں بھی کارفرما رہی ہیں۔

آج کل کی سیاسی پارٹیوں میں بھی تعصب کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں، چنانچہ جس شخص کا جس سیاسی پارٹی سے تعلق اور وابستگی یا کوئی مفاد وابستہ ہوتا ہے، وہ ہمہ تن اس پارٹی کا حق و باطل میں تمیز کیے بغیر مدح خوانی کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور اس کے مقابلے میں دوسری سیاسی پارٹی کے ہر قول وفعل پر حق وناحق کی تمیز کیے بغیر تنقید کے لیے کوشاں رہتا ہے، جس کی وجہ سے ملک کو استحکام اور ترقی حاصل نہیں ہوتی۔

مختلف مذہبی مسالک سے وابستہ افراد وطبقات کا بھی کم وبیش یہی طرزِ عمل دکھائی دیتا ہے کہ اپنے مسلک یا اس سے وابستہ افراد وطبقات کے ہر قول وفعل کو سندِ جواز فراہم کرنے اور اپنے مدِّ مقابل کے ہر قول وفعل کو غلط و ناجائز ٹھہرانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے

ہیں، یہاں تک کہ اس مقصد کے لیے اگر قرآن وسنت کی نصوص وتعلیمات میں بھی دور دراز کی تاویلات کرنی پڑیں، تو اس سے بھی اجتناب نہیں کیا جاتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے مد مقابل مسالک واہلِ مسالک کے خلاف تردید کے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، جو بعض اوقات تشدد اور قتل وغارت گری تک پہنچ جاتے ہیں، مساجد اور دینی مدارس ومراکز اور علمی ومذہبی شخصیات کو نشانہ بنا کر خون ریزی تک سلسلہ پہنچ جاتا ہے۔

اسی تعصب کا نتیجہ ہے کہ ایک مسلک سے وابستہ مختلف مذہبی ودینی شعبوں میں کام کرنے والے افراد، دوسرے شعبوں اور ان سے وابستہ افراد کے مدمقابل کھڑے ہوکر تردید کرتے ہیں، اور اپنے شعبے یا اس سے وابستہ افراد کی ہر صحیح وغلط بات کو سندِ جواز فراہم کرنے کے درپے رہتے ہیں، اس طرزِ عمل میں جہاد، تبلیغ اور تعلیم وتدریس سے وابستہ بہت بڑا طبقہ بھی موجودہ دور میں محفوظ نہیں رہ سکا، **الا ماشاء اللہ**۔

ان حالات میں اب اہلِ اسلام کے درمیان مطلوبہ اتحاد واتفاق نظر نہیں آتا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ امتِ مسلمہ کی وہ صلاحیتیں جو اغیار اور اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف متحد ومنظّم انداز میں استعمال ہونا چاہیے تھیں، وہ اب خود مسلمانوں کی ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہو رہی ہیں، اور حد یہ ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں اور اختلافات، بلکہ ذاتی وشخصی تنازعات کی بنیاد پر دوسروں کو دائرۂ اسلام سے خارج، کافر ومرتد بلکہ زندیق قرار دینا اور بعض اوقات دوسرے کو قتل کر دینا ایک کھیل تماشا بن کر رہ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ہر طرح کے تعصّبات سے نجات دلا کر متحد ومتفق ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور باطل وناحق کا ساتھ دینے، اس کی اعانت ونصرت کرنے کے بجائے، حق کا ساتھ دینے اور اس کے ساتھ وابستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ "التبلیغ" شعبان المعظم/1438ہجری مئی/2017ء، جلد14 شمارہ8)

(158)

رمضان، عبادت اور تجارت

دنیا کے ہر شعبے اور کام میں اس شعبہ اور کام کا ایک سیزن ہوتا ہے، جو اس کام اور شعبے کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے، اور اس سیزن کے زمانہ میں اس شعبے سے منسلک لوگ خوب محنت اور جدو جہد کرتے ہیں، اپنے اکثر معمولات آگے پیچھے کر کے اور دوسری اکثر مصروفیات چھوڑ کر دن ورات ایک کر کے اس کام میں منہمک اور مشغول ہو جاتے ہیں، بعض اوقات سیزن کے زمانہ میں رات بھر جاگتے ہیں۔

پھر جس طرح دنیا کے مختلف شعبوں اور کاموں میں ان کا سیزن ہوتا ہے، اسی طرح دین کے مختلف شعبوں کا بھی سیزن ہوتا ہے۔

مثلاً اسلام میں روزے رکھنا عبادت اور اجر وثواب کا باعث ہے، عام دنوں میں نفلی روزے رکھنا بھی اجر وثواب کا باعث ہے، اور پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ رکھنا اور ہر مہینے میں ایامِ بیض (یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں) کے روزے رکھنا سنت ومستحب ہے، اور اسی طرح بعض مخصوص دنوں مثلاً یومِ عرفہ وغیرہ کے روزے رکھنے کی بھی عظیم فضیلت ہے۔

لیکن ماہِ رمضان المبارک، روزوں کا خاص سیزن ہے، اسی لیے اس مہینے کے روزے فرض کیے گئے ہیں، اسی طرح اور دنوں میں بھی قرآن مجید کی تلاوت وسماعت کرنا اجر وثواب کا باعث ہے، لیکن ماہِ رمضان المباک میں اس کی خاص فضیلت ہے، اور گویا کہ یہ مبارک مہینہ اس کا خاص سیزن ہے، جس کے لیے تراویح میں قرآن مجید سننے اور پڑھنے کو مقرر کیا گیا۔

اس مہینے کی راتوں میں نمازِ تراویح وغیرہ کی شکل میں رات کے اندر تطوع ونفلی عبادت کا سیزن رکھا گیا ہے۔

اسی طرح رمضان المبارک میں صدقہ وخیرات وغیرہ کرنے کی بھی عظیم فضیلت مقرر کی

گئی ہے۔

ان گونا گوں فضائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہِ رمضان المبارک عبادت اور بطورِ خاص روزہ کا اہم سیزن ہے، اور روزے کا اہم مقصد اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے''**لعلکم تتقون**'' اور تقویٰ دراصل سفر کا بہترین توشہ ہے'' **فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى** ''

دنیا میں چونکہ ہر انسان مسافر ہے، اور وہ آخرت کے سفر پر رواں دواں ہے، اور سفر میں توشہ یعنی سامانِ سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے، اور قرآن مجید کی رو سے سفر کا سب سے بہترین اور عمدہ توشہ ''تقویٰ'' ہے، اور سفر کا یہ توشہ ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھ کر بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے، جو دراصل مومن کو سال بھر کے لیے ذخیرہ کا کام دیتا ہے۔

اس لیے ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں مسلمانوں کو یہ سیزن خوب محنت سے اور اچھی طرح سیزن لگا کر زیادہ سے زیادہ توشہ جمع کر کے آخرت کی تجارت کو بڑھانے کا سامان کرنا چاہیے۔

پھر روزہ کو جتنے آداب کی رعایت کر کے اور گناہوں سے بچ کر رکھا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

کچھ لوگ ماہِ رمضان میں گناہوں سے بچتے ہوئے روزہ رکھ کر اور ماہِ رمضان میں دوسری عبادت کر کے تقوے اور آخرت کی تجارت کا خوب سیزن لگاتے ہیں، اور کچھ لوگ، گناہوں میں مبتلا ہو کر اس سیزن کو خراب کر لیتے ہیں۔

افسوس کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ وہ ہے کہ جس نے ماہِ رمضان المبارک کو تقوے اور آخرت کی تجارت بنانے کے بجائے دنیا کی تجارت اور دنیا کی دولت کمانے اور بڑھانے کا سیزن بنالیا ہے۔

چنانچہ بیش تر ذخیرہ اندوز، تاجر وملازم، مزدور اور دوسرے شعبوں سے منسلک لوگ، ماہِ رمضان المبارک میں خوب پیسہ اور مال ودولت کمانے کی فکر اور جدوجہد ومحنت کرتے ہیں،

یہاں تک کہ سحری وافطاری کے لیے بھی کھانے پینے کے مختلف شعبے متحرک ہوجاتے ہیں، اور جوں ہی ماہِ رمضان کا وہ آخری عشرہ شروع ہوتا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں زیادہ محنت اور جدو جہد کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ رات بھر عبادت میں مشغول ہوجایا کرتے تھے، عام مسلمانوں کی اس کے برعکس آخری عشرے میں دنیا کے لیے مشغولی بڑھ جاتی ہے، رات بھر کاروباری مصروفیات کے لیے قیامُ اللیل کا سماں پیدا ہوجاتا ہے، وہ بازار جوسال بھر رات کے وقت بند رہتے ہیں، وہ بھی آخری عشرے میں رات کو عام دن سے زیادہ رونق کا سماں پیش کرتے ہیں، اور وہاں دن سے زیادہ چھل پہل نظر آتی ہے، اور بعض لوگوں کی حالت تو زیادہ ہی تعجب خیز ہوتی ہے کہ ماہِ رمضان کی آخری رات اور اسی طرح عید کی مبارک رات بھی دنیا کی کاروباری مشغولیات میں گزر جاتی ہے، بعض اوقات تو کام میں مشغولی کے دوران ہی فجر کی نماز کا وقت گزر جاتا ہے، اور کسی طرح بھاگتے دوڑتے عید کی نماز میں بمشکل شرکت ہو پاتی ہے۔

ہر سال ماہِ رمضان المبارک میں چوروں اور ڈاکوؤں کا طبقہ بھی متحرک دکھائی دیتا ہے، اور رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کے دوران اس طرح کی وارداتوں میں اضافہ محسوس ہوتا ہے۔

ماہِ رمضان المبارک میں کم ناپنے، کم تولنے، تجارت میں جھوٹ بولنے، ملازمت وغیرہ میں رشوت لینے، اشیائے استعمال وصرف کی قیمتوں میں بے بہا اضافہ کرنے کے مناظر ڈھکے چھپے نہیں۔

مسلمانوں کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ انھوں نے ماہِ رمضان المبارک کو تقوے وطہارت اور عبادت وآخرت کی تجارت کے بجائے دنیا کی تجارت اور مال ودولت بڑھانے اور اکٹھی کرنے کا سیزن بنالیا ہے، جوکہ افسوس ناک حالت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس طرزِ عمل کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ ”التبلیغ“ رمضان المبارک/1438ہجری جون/2017ء، جلد14 شمارہ9)

(159)

عید کی اصل مبارک باد کا مستحق

عید الفطر ہر سال ماہِ رمضان المبارک کے اختتام پر آتی ہے، جو دراصل رمضان المبارک کی عبادات، خاص طور پر فرض روزوں کی ادائیگی کے شکرانہ کے طور پر رکھی گئی ہے کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے، خاص طور پر روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور رمضان المبارک کے مہینے کی مبارک و بابرکت گھڑیاں نصیب فرمائیں۔

ظاہر بات ہے کہ جو مہینہ اتنا اہم اور عظیم الشان مہینہ ہو کہ اس میں اسلام کے اہم رکن ''روزہ'' کی فرضیت وادائیگی کو مقرر کیا گیا، اس مہینے میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اس مہینہ کی مبارک راتوں میں ''تراویح'' کے نام سے ایک اضافی نماز مقرر کی گئی، اور اس میں مکمل قرآن مجید کی قرائت وسماعت کو طے کیا گیا، اس مہینے میں لیلۃُ القدر جیسی مبارک رات رکھی گئی، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے اندر مسنون اعتکاف کو جاری کیا گیا، اور شکرانے کے طور پر صدقۂ فطر اور پھر عید کے دن نمازِ عید کو مقرر کیا گیا۔

تو اس مہینے کے اختتام سے زیادہ اور کون سا مہینہ ہوسکتا ہے، جس کو عید قرار دیا جائے، اس لیے اصل عید منانے اور اس کی اصل مبارک باد کے مستحق بھی ظاہر ہے کہ وہی خوش قسمت مسلمان ہوں گے، جنھوں نے رمضان المبارک کے ان اعمال واحکام کو اچھی طرح ادا کیا، اور نبھایا، پھر خواہ وہ زیادہ اچھا اور عمدہ لباس بھی عید کے دن نہ پہنیں، تب بھی وہ عید الفطر کی اصل مبارک باد کے منجانبِ اللہ مستحق ہوں گے، اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عید الفطر کے دن مبارک باد پیش کی جائے گی۔

لہٰذا عید کی اصل مبارک باد کا مستحق ہونے کے لیے رمضان المبارک اور اس کے اصل اعمال کو زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ بجالانا چاہیے، نہ یہ کہ رمضان المبارک کے اصل اعمال کی

طرف تو توجہ نہ ہو، اور عید کے دن عمدہ سے عمدہ لباس پہن کر اور عمدہ ولذیذ کھانا تیار کر کے یا کھا کر اور لوگوں سے ''عید مبارک، عید مبارک'' سن کر اور حاصل کر کے اپنے آپ کو عید الفطر کی اصل خوشی کا مستحق سمجھ لیا جائے۔

آج کل بہت سے مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔

اللہ اصلاح فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' شوال المکرّم/1438ہجری جولائی/2017ء، جلد14 شمارہ10)

(160)

''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کا خمیازہ

موجودہ دور میں مال کی بے جا محبت کا سلسلہ عروج پر پہنچا ہوا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ جس طرح اور جہاں سے بھی جائز و ناجائز طریقے پر مال ملتا ہے، اس کو حاصل کرنے، بلکہ بٹورنے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔

اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ جب مفت میں مال حاصل ہوتا ہے، تو دل سے رحم نکل جاتا ہے، اسی وجہ سے یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ:

''مالِ مفت دلِ بے رحم''

اس کہاوت کی سینکڑوں مثالیں ہمارے معاشرے میں سامنے آتی رہتی ہیں۔

ہمارے ایک قریبی عزیز نے بتلایا کہ کسی جگہ راستے میں کولڈ ڈرنک کی بوتلوں کا ٹرالہ الٹ گیا، اور بوتلوں کے کریٹ (Crate) سڑک پر گر پڑے، ٹرالے کے ڈرائیور اور ٹرالے کے مالک وغیرہ تو اپنے ٹرالے کو بچانے کی فکر میں تھے، لیکن اسی دوران راستے میں گزرنے والوں نے ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کی کہاوت کی صداقت ثابت کرتے ہوئے اور دوسروں کے زخم پر نمک چھڑکتے ہوئے وہاں سے بوتلیں اور ان کے کریٹ اٹھانا شروع کردیئے، یہاں تک کہ ایک صاحب تو راستہ سے گزرتے ہوئے، بوتلوں کا ٹرک الٹا ہوا منظر دیکھ کر بڑی مہنگی کار ''ہنڈا'' کو روک کر برآمد ہوئے، اور جلدی سے بوتلوں کا ایک کریٹ اٹھایا اور اپنی گاڑی کی ڈگی میں رکھ کر چلتے بنے، ٹرالے کے ڈرائیور نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ اگر کسی نے غریب نہ دیکھے ہوں، تو ان صاحب کو دیکھ لے کہ بیس لاکھ کی گاڑی کے مالک کے پاس چند سو روپے کی بوتلیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔

ایک اور صاحب نے بتلایا کہ کسی جگہ ایک کار کا حادثہ ہوگیا، کار کھائی میں جا گری، کچھ لوگ

موقع پر فوت ہوگئے، اس کار کا ڈرائیور ابھی زندہ تھا، لیکن زخمی حالت میں کار میں پھنسا ہوا تھا، یہ منظر دیکھ کر کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے، اور انھوں نے کار میں موجود افراد کے ہاتھوں سے گھڑیاں اور جیب سے پیسے وغیرہ نکالنا شروع کردیئے، کار کے ڈرائیور کے ساتھ جب یہ کارروائی ہوئی، تو اس نے کہا کہ میں زندہ ہوں، مجھے باہر نکالو، لیکن لوگوں نے پہلے اس کی گھڑی اور جیب پر اپنے ہاتھ صاف کیے۔

اس طرح کے واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں مال کی محبت کس درجے عروج پر پہنچ چکی ہے کہ مال و دولت سب کچھ ہوتے ہوئے، دوسرے کے مال پر جب بس چلتا ہے، ہاتھ صاف کرنے کو کتنا بڑا ہنر اور فن سمجھا جاتا ہے، اور ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کی کہاوت کس طرح جگہ جگہ سامنے آتی ہے۔

اسی طرح کا ایک دلوں کو ہلا دینے والا منظر گزرے ہوئے رمضان المبارک 1438ہجری کے آخری دن یعنی 25جون 2017ء کو پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع بہاول پور کی تحصیل احمد پور شرقیہ کے قریب پیش آیا۔

جہاں مرکزی شاہراہ پر عید سے صرف ایک دن پہلے علی الصباح آئل ٹینکر الٹ گیا، اور اس سے تیل نکل کر سڑک کے ساتھ قریبی نشیبی کچی جگہوں میں جمع ہونے لگا۔

اس واقعے کا علم ہوتے ہی قریبی آبادی کے لوگ اور سڑک سے گزرنے والے راہ گیر زمین پر گرا ہوا تیل حاصل کرنے کے لیے جمع ہونا شروع ہوگئے، بوتل، برتن وغیرہ جس کے ہاتھ جو کچھ لگا، اس نے اسی میں تیل جمع کرنا شروع کردیا، بعض لوگوں کو کچھ میسر نہیں آیا، تو کولڈ ڈرنک خرید کر پہلے اسے پیا، پھر بوتل خالی کر کے اس میں تیل جمع کیا، جب کہ اتنی مقدار کے تیل کی قیمت، کولڈ ڈرنک سے آخر کتنی زیادہ ہوگی؟ تیل اکٹھا کرنے کے لیے جمع ہونے والوں میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، جو اپنے گھروں سے بوتلیں اور برتن جو کچھ ہاتھ لگا، وہ لا کر اس میں تیل بھر رہے تھے، کچھ لوگ موٹر سائیکل پر اور کچھ پیدل اور کچھ کاروں میں

بھی سوار ہوکر یہاں پہنچے تھے، اپنی موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کو انھوں نے قریب میں کھڑا کر رکھا تھا، اور تماش بین افراد الگ تھے کہ اسی دوران زمین پر بکھرے ہوئے تیل میں زوردار دھماکہ ہونے سے آگ بھڑک اٹھی، اور عورتیں، بچے، بڑے جو اس موقع پر جس حال میں تھے، جل کر کوئلہ بن گئے، یہاں تک کہ بعض نعشوں کی پہچان بھی نہ ہوسکی۔

اس واقعہ میں دوسو سے زائد بچے، بڑے اور خواتین ہلاک ہوگئے، بہت سے افراد حادثہ کی زد میں آ کر زخمی یا زندگی بھر کے لیے اپاہج ہوئے، جن میں سے بعض ابھی تک زیرِ علاج ہیں، سینکڑوں کی تعداد میں موٹر سائیکلیں اور گاڑیاں جل کر خاکستر ہوگئیں۔

اس واقعے سے علاقہ بھر میں کہرام مچ گیا، ایک ہی آبادی کے بیک وقت سینکڑوں افراد کا لقمۂ اجل بن جانا، جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوں، اور عیدالفطر کا موقع ہو، قیامتِ صغریٰ سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔

اس الم ناک اور دردناک واقعہ وحادثہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً ملک بھر میں پھیل گئی، میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر مختلف تبصرے وتجزیے کیے جانے لگے، اور اس حادثہ کے اسباب کی کھوج لگائی جانے لگی، جن کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

لیکن افسوس کہ بے جا مال کی محبت اور ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کا جو خمیازہ بھگتنا پڑا، اس پر ابھی تک صحیح معنوں میں توجہ کرنے کی زحمت نہیں کی گئی، آئل ٹینکر یا کسی دوسرے سامان کے ٹرالے اور ٹرک وغیرہ کا اس طرح حادثہ ہونے پر، یا دوسرے اس سے ملتے جلتے حادثات کے مواقع پر لوٹ مار کرنا اور ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کا مصداق بن جانا شرعاً واخلاقاً بڑا جرم اور گناہ ہے۔

مذکورہ واقعے سے دنیا بھر میں ہماری قوم کی ذہنیت کا یہ پیغام گیا کہ چند روپوں کے تیل کی خاطر گھر کے کئی کئی افراد نے جان دے دی، جوکہ اخلاقی اعتبار سے انتہائی گھناؤنی اور گری ہوئی حرکت ہے، اور شریعت کی نظر میں بھی گناہ ہے، جس پر آخرت کا وبال الگ ہے۔

مگر افسوس کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اس طرح کے واقعات سے ہماری قوم عبرت حاصل کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے، اور چند دن کے بعد پھر اسی طرح کے واقعات کو دہرایا جاتا ہے۔

چنانچہ اس واقعے کے چند دن بعد وہاڑی کے علاقہ میں سینچاوالہ روڈ پر ایک اور آئل ٹینکر الٹنے کے بعد لوگوں نے تیل بھرنا شروع کر دیا۔

معلوم نہیں کہ بے جاحبِ مال اور ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کے مرض سے ہماری قوم کو کب نجات حاصل ہوگی، اور اس کی دنیاوی واخروی تباہ کاریوں سے کب آنکھیں کھلیں گی۔

اللہ تعالیٰ بے جاحبِ مال اور ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کے مرض سے حفاظت ونجات عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ ''التبلیغ'' ذوالقعدۃ/1438ہجری اگست/2017ء، جلد14 شمارہ11)

(161)

2013ء کے منتخب وزیرِ اعظم کی نااہلی کا عدالتی فیصلہ

28 جولائی بروز جمعہ، پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ ''سپریم کورٹ'' کے پانچ رکنی بینچ نے پاکستان کے وزیراعظم جناب میاں محمد نواز شریف کو نااہل قرار دے کر ان کے اور ان کے بچوں اور داماد کے خلاف چھ ہفتوں میں احتساب عدالت میں ریفرنس دائر کرنے اور چھ ماہ میں فیصلہ کرنے اور سپریم کورٹ کے جج کو مقدمات کا نگران مقرر کرنے کا بھی حکم صادر کیا۔

جس کے بعد عدالت کے فیصلہ کو عملی طور پر قبول کرتے ہوئے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف صاحب، وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے الگ ہو گئے۔

اس کے بعد میاں محمد نواز شریف کی حزبِ اقتدار کی طرف سے جناب شاہد خاقان عباسی صاحب کا نئے وزیراعظم کے عہدے کے لیے چناؤ ہوا۔

یکم اگست کو جناب شاہد خاقان عباسی صاحب نے وزارتِ عظمیٰ کے لیے 221 ووٹ لے کر کام یابی حاصل کی، ان کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کے امیدوار جناب نوید قمر صاحب نے 45 ووٹ حاصل کیے اور جناب عمران خان صاحب کی تحریکِ انصاف اور شیخ رشید احمد صاحب کی ''ون مین'' پارٹی عوامی مسلم لیگ کے مشترکہ امیدوار، شیخ رشید احمد صاحب نے 33 ووٹ حاصل کیے، اسی دن ایوانِ صدر میں صدرِ پاکستان جناب ممنون حسین صاحب نے جناب شاہد خاقان عباسی صاحب سے وزیراعظم کے عہدے کا حلف لیا۔

اس کے بعد جناب شاہد خاقان عباسی صاحب کی نئی کابینہ بھی حلف اٹھا کر اپنے عہدے کی ذمہ داریاں سنبھال چکی ہے۔

مورخہ 9 اگست بروز بدھ، سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف، اسلام آباد سے براستہ مری روڈ، اور جی ٹی روڈ ہوتے ہوئے 12 اگست بروز ہفتہ کو لاہور پہنچے، راستہ میں جگہ جگہ عوام

کے بڑے اجتماعات سے سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے خطاب بھی کیا، اور نا اہلی کے عدالتی فیصلہ کو آئینی وقانونی اعتبار سے کم زور قرار دیا۔

عدالتِ عظمٰی کے اس فیصلہ کے محرکات کے متعدد پہلو مبہم ہیں، کچھ پہلوؤں کا ابہام وقت کے ساتھ ساتھ دور ہو رہا ہے، مستقبل میں اس فیصلہ کے شاید اصل محرکات سامنے آئیں۔

لیکن مستند ومعتدل ماہرینِ قانون کی ایک بڑی جماعت کی رائے کے مطابق اس میں کوئی شک نہیں کہ عدالتِ عظمٰی کی طرف سے میاں محمد نواز شریف صاحب کو جو نا اہل قرار دیا گیا ہے، اب تک اس کی آئینی وجوہات زیادہ مضبوط دکھائی نہیں دیتیں، اگرچہ بعض ماہرین اس فیصلہ کو آئین وقانون کے مطابق قرار دے رہے ہیں۔

سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کو ایک ایسے وقت میں نا اہل قرار دیا گیا ہے، جب ان کی آئینی مدت پوری ہونے میں ایک سال سے بھی کم کا وقت باقی تھا، اور ملک معاشی اعتبار سے تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا تھا، متعدد منصوبے تکمیل کے مراحل میں تھے۔

پاکستان کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہاں قیامِ پاکستان سے لے کر تاحال کوئی بھی وزیر اعظم اپنی آئینی مدت پوری نہیں کر سکا، اور تقریباً ہر وزیر اعظم کو کسی نہ کسی وجہ سے آئینی مدت پوری کرنے سے پہلے ہٹا دیا گیا، اس کے برعکس ڈکٹیٹروں کو دس، دس سال سے بھی زائد حکمرانی کے مواقع میسر آتے رہے، جس کی بنا پر ملک میں جمہوری نظام مستحکم نہیں ہو سکا۔

ملکی حالات پر گہری نظر رکھنے والوں کا کہنا یہ ہے کہ پاکستان کی جمہوری حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں غیر ملکی خفیہ طاقتوں کی سازش کارفرما رہی ہے، اسی کے ساتھ ملک کی کچھ اندرونی خفیہ طاقتیں بھی اس پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں، جن کو دوسروں سے زیادہ اپنی حکمرانی یا پھر اپنی مرضی کی حکمرانی عزیز رہی ہے۔

حقیقتِ حال سے تو اللہ تعالیٰ ہی پوری طرح باخبر ہے، اور ملکی سیاست کے اتار چڑھاؤ کی اصل کہانی، دس، بیس، تیس سال میں پوری طرح سامنے آجاتی ہے، تاریخ اور ریکارڈ کی

درستگی کے لیے مخصوص عرصے کے بعد خفیہ رپورٹیں عام نشر کردی جاتی ہیں۔

لیکن بہرحال ملک میں جمہوری و پارلیمانی نظام کی کم زوری ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں جہاں بیرونی اور اندرونی خفیہ طاقتوں کا ہاتھ ہوسکتا ہے، اسی کے ساتھ پارلیمانی جماعتوں کی اپنی کم زوریوں اور کوتاہیوں کا بھی عمل دخل ہے، کیوں کہ جمہوری طریقوں سے منتخب شدہ متعدد حکمرانوں کا کردار بھی کوئی زیادہ خوش گوار نہیں رہا، البتہ جب آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہو، اس وقت کسی فرد یا جماعت کا دوسروں سے کم شر والا ہونا بھی غنیمت ہوتا ہے، یہ کہاوت تو بہت مشہور ہے:

''اندھوں میں کانا راجا''

اسی وجہ سے غیر منقسم ہندوستان کے دور اور تحریکِ آزادی کے زمانے میں ایک بزرگ نے کہا تھا کہ میں مسلم لیگ کو قابلِ اصلاح سمجھتا ہوں، لیکن کانگریس کے مقابلے میں اس کی حیثیت ایسی ہے، جیسا کہ اندھے کے مقابلہ میں کانے کی حیثیت۔ [1]

مگر آج ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے ہمارے یہاں عوام کے بڑے طبقے کی حالت یہ ہے کہ وہ گدھے گھوڑوں کو برابر حیثیت دیتے ہیں۔

ہم اس طرزِ عمل سے اتفاق نہیں رکھتے، اور ایسے حالات میں واقعی کانے کو اندھے پر ترجیح دینے کے اصول کو اختیار کرنا چاہیے۔

ہمارے خیال میں گزشتہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے مقابلہ میں کئی جہات سے موجودہ حکمران جماعت غنیمت شمار ہوتی ہے، جس میں سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کی ذات بھی داخل ہے، باقی احتساب تو ہر ایک کا ہونا چاہیے، جس میں حزبِ اقتدار کے علاوہ حزبِ اختلاف اور دوسری سیاسی پارٹیوں، بلکہ غیر سیاسی پارٹیوں کے افراد بھی بشمول بیوروکریٹس، فوجی اور ججز صاحبان بھی داخل ہیں۔

---

[1] لیکن ظاہر ہے کہ مسلم لیگ کو قائد اعظم کے بعد کئی ڈکیٹٹر ہائی جیک کرتے رہے ہیں، جو قائدِ اعظم کی اصل مسلم لیگ کے اپنے آپ کو وارث ظاہر کرتے رہے۔

ان تمام افراد وطبقات کو نظر انداز کر کے کسی ایک جماعت یا خاندان کے احتساب کے درپے ہونا اور اوپر سے اس کے احتساب کے لیے امتیازی طریقے واصول، وضع واختیار کرنا، محلّ نظر اور مختلف شکوک وشبہات کا باعث ہے، اور مستقبل میں اس کے خاطر خواہ اچھے اثرات مرتب ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ انصاف کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ "التبلیغ" ذوالحجہ/1438 ہجری ستمبر/2017ء، جلد 14 شمارہ 12)

(162)

روہنگیا کے مسلمانوں پر مظالم

گزشتہ کچھ عرصہ سے برما ملک کے روہنگیا نامی علاقہ کے مسلمانوں پر وہاں کی فوجی طاقت کے ذریعہ ظلم وستم کی عجیب وغریب مثالیں سننے میں آ رہی ہیں، جس کے نتیجہ میں لاکھوں مسلمان، مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے سب ہی، وہاں سے ہجرت کر کے بنگلہ دیش میں پہنچ رہے ہیں۔

ممکن ہے کہ میڈیا پر بعض چیزیں مبالغہ آمیز بھی ہوں، لیکن تمام چیزوں کا انکار بھی درست نہیں۔

دنیا بھر میں مسلمانوں کی طرف سے ان مظالم کے خلاف مختلف تبصرے وتجزیے ہو رہے ہیں، اور احتجاجوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

اور اس سلسلہ میں اقوامِ متحدہ اور ترقی یافتہ غیر مسلم طاقتوں سے نہتے اور مظلوم مسلمانوں کے لیے تعاون کی اپیل کی جا رہی ہے۔

حالانکہ عرصۂ دراز کے مشاہدات کے بعد اس میں دو رائے ہونے کی گنجائش نہیں کہ موجودہ دور میں اقوامِ متحدہ سمیت دنیا کے ترقی یافتہ اور طاقت ور غیر مسلم ممالک، دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والے مظالم کے خلاف اپنی آنکھیں، زبان اور کان بند کر کے ''صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَایَرْجِعُوْنَ'' کا مصداق بنے ہوئے ہیں، خواہ فلسطین کا معاملہ ہو یا کشمیر کا یا کسی دوسرے ملک کا۔

جبکہ غیر مسلموں کے خلاف اس سے عشرِ عشیر درجہ میں کم ہونے والے ردِ عمل پر ان کے فوراً کان کھڑے ہو جاتے ہیں، اور کان، آنکھیں اور زبان سب کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

عالمِ اسلام کے ساتھ اس دُھرے رویے اور معیار سے اقوامِ متحدہ اور ان کے حواریوں کی قلعی کھل چکی ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کو اپنے خلاف ہونے والے مظالم کو دور اور ختم کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ اور غیر مسلم طاقتوں سے تعاون کی امید رکھنا ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ کوئی بے وقوف بلی سے دودھ کی نگرانی اور حفاظت کی امید باندھے، ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل دودھ کی حفاظت کے بجائے اس کے ضیاع کا طریقہ ہوگا۔

قرآن وسنت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے یہود ونصاریٰ کے مسلمانوں سے کبھی خوش نہ ہونے کا دوٹوک فیصلہ فرما دیا گیا ہے۔ اگر مسلمانوں پر قرآن وسنت سے اثر نہیں پڑتا، تو سالہا سال کے تجربات ومشاہدات سے تو مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں، اور انہیں اب اس کا قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح حل نکالنا چاہیئے۔

ہمارے نزدیک مسلمانوں پر اس طرح کے مظالم کو دور کرنے کا بنیادی حل ''ایک اور نیک ہونا'' ہے، یعنی مسلمان ایک تو آپس میں متحد ومتفق ہوں، اور تفرقہ بازی وانتشار سازی سے اجتناب کریں، دوسرے نیکی اور تقویٰ و پرہیز گاری اپنے اندر پیدا کریں۔

لیکن بدقسمتی سے آج کے دور کے مسلمان، ان دونوں چیزوں میں بہت کمزور ہیں، نہ تو ان کے اندر صحیح معنیٰ میں اتحاد واتفاق ہے، اور نہ ہی نیکی وتقویٰ کا اہتمام ہے۔

''او آئی سی'' (OIC) وغیرہ کے عنوان سے مسلمانوں کے مختلف ملکوں نے اگرچہ مشترکہ متحدہ پلیٹ فارم تیار کر رکھا ہے، لیکن اس کی اب تک کی کاروائی کوئی زیادہ خوش کن نہیں۔

اس کے علاوہ سیاسی وغیر سیاسی اور مذہبی سطح پر بھی مسلمان، افتراق وانتشار کا شکار ہیں، کہیں حزبِ اقتدار وحزبِ اختلاف کے عنوان سے افتراق و انتشار ہے، تو کہیں مختلف لسانی وصوبائی تعصّبات اور مذہبی مسالک کے عنوان سے فرقہ واریت اور مسلکی منافرت جاری ہے۔

اس طرح موجودہ دور میں مسلمان انٹرنیشنل سطح سے لے کر نیشنل اور لسانی، صوبائی، سیاسی و مذہبی سطح تک افتراق وانتشار کا شکار ہیں۔

جبکہ غیر مسلم طاقتیں مسلمانوں کے خلاف مشترکہ مقاصد میں متحد ومتفق ہیں۔

قرآن وسنت میں مسلمانوں کو متحد ہو کر رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اور بتلایا گیا ہے کہ آپس کے انتشار سے دشمن اسی طرح حملہ آور ہو جاتا ہے، جس طرح ریوڑ سے علیحدہ شدہ بکری پر بھیڑیا حملہ آور ہو جاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو: مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۱۴۵، وصحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۲۱۰۱)

مگر آج مسلمان اسی چیز کا مصداق بنے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کے ایک ایک ملک کو خاص رنگ دے کر، دوسرے مسلمانوں سے الگ کر کے ان پر دشمنوں کی طرف سے حملے کیے جاتے ہیں، اور ان کو ظلم وستم کی چکی میں پیسا جاتا ہے۔

ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام اسلامی ممالک اور مسلم مسالک اور سیاسی وغیر سیاسی گروہ غیر مسلم طاقتوں کے مقابلہ میں متحد و متفق ہو کر ''کَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ'' کا مصداق بنیں، اقوامِ متحدہ سے مدد طلب کرنے کے بجائے اپنے رب تعالیٰ سے مدد طلب کریں، اور اپنے اندر نیکی اور تقویٰ پیدا کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں مشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ بننے والے مظلوم ومغلوب مسلمانوں کو یہ حکم فرمایا تھا کہ وہ صبر کریں، اور ثواب کی امید رکھیں، جس کے نتیجہ میں اللہ عزوجل ضعیفوں اور مظلوموں کی مدد فرمائے گا۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی جلد ہی سچی ثابت ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی بھی فتح عطاء فرمادی، جو آج دنیا بھر کے سامنے ہے۔

مگر آج بدقسمتی سے نہ ان چیزوں کی طرف عام مسلمانوں کی توجہ ہے، اور نہ ہی ان کا خبروں وتبصروں میں کوئی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ التبلیغ محرم الحرام 1439ھ - اکتوبر 2017ء جلد 15 شمارہ 1)

---

[1] فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " یا أبا جندل اصبر واحتسب، فإن اللہ عز وجل جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجا ومخرجا، إنا قد عقدنا بیننا وبین القوم صلحا، فأعطیناهم علی ذلک، وأعطونا علیه عهدا، وإنا لن نغدر بهم (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۹۱۰)

(163)

مسلمان کی عیب جوئی وعیب گوئی بڑا جرم ہے

قرآن وسنت میں مسلمان کی عیب جوئی اور عیب گوئی سے منع کیا گیا ہے، اوراس پرسخت وعید سنائی گئی ہے، اور مسلمان کی عیب پوشی یعنی عیب پر پردہ ڈالنے کی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تم اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے، اور تم ایک دوسرے (کے عیبوں) کا تجسس نہ کرو، اور ایک دوسرے کی باتیں نہ سنو، اور (دنیا کے معاملات میں) ایک دوسرے سے آگے نہ بڑھو، اور ایک دوسرے پر اپنی فوقیت وبرتری ظاہر نہ کرو، اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو (یعنی اعراض نہ کرو) اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور تم اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ

(مسند احمد، بخاری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

جس نے اپنے مسلم بھائی کے عیب پر پردہ ڈالا، تو اللہ، قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا، اور جس نے اپنے مسلم بھائی کے عیب کو فاش (وظاہر) کیا، تو اللہ، اس کے عیب کو فاش (وظاہر) فرمائے گا، یہاں تک کہ اس کو اس عیب کی وجہ سے اس کے گھر میں ہی رسوا فرما دے گا (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

اگر آپ لوگوں کے عیبوں کی ٹوہ میں پڑیں گے، تو آپ ان میں فساد پیدا کردیں گے، یا قریب ہے کہ آپ ان میں فساد پیدا کردیں (ابن حبان، ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ مسلمان کے عیب کی ٹوہ میں پڑنے سے دنیا میں فساد پیدا ہوجاتا ہے، یعنی مسلمانوں کے اندر باہمی پھوٹ واختلاف شروع ہوجاتا ہے، جو سخت نقصان دہ ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان کی عیب پوشی کے اتنے اہم اور عظیم الشان عمل کو ہر مسلمان اختیار کرتا اور اس میں اپنی دنیا وآخرت کی کامیابی سمجھتا، لیکن آج اکثر مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے مسلمان کے عیب کو تلاش اور بیان کرنے میں مصروف ہے۔

ہمارے یہاں کے میڈیا نے تو اس سلسلہ میں تمام حدود پامال کردی ہیں، گویا کہ اس نے اپنا اوڑھنا بچھونا اور زندگی کا بہترین مشغلہ اسی عیب جوئی اور عیب گوئی کو بنالیا ہے، دوسرے مسلمانوں کی ٹوہ میں پڑ کر عیبوں کو تلاش کیا جاتا ہے، پھر گھنٹوں گھنٹوں میڈیا پر بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف عیب گوئی کے مشغلہ کو دیدہ دلیری کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے، جس پر میڈیا پرستوں کی ریٹنگ بڑھتی ہے، ان کی تجوریاں بھرتی ہیں، کوئی نامناسب واقعہ ہوجائے، تو میڈیائی بلیک میلروں کی چاندی ہوجاتی ہے، گا گا کر اسے نشر کرتے ہیں، اگر کسی واقعہ میں مبتلا فرد یا پارٹی ،واقعہ کی نوعیت کے لحاظ سے ان کو منہ مانگے دام دے دے، تو یہ گونگے شیطان بن جاتے ہیں، بڑے بڑے قومی اور اجتماعی جرائم کو معاوضہ ملنے پر یہ ضمیر فروش ہضم کرجاتے ہیں، اور اگر کوئی اپنے مخالفین کی چھوٹی موٹی کوتاہی نشر کراکر ان کو رسوا کرنا چاہے، ان کو منہ مانگے دام دے دے، تو یہ ظالم، ان بے چاروں کی عزت وحرمت سب کو تار تار کرکے رکھ دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمارے متعلقہ اداروں، مثلاً پیمرا کی ذمہ داری ہے کہ میڈیا کے لیے جو ضابطہ اخلاق مقرر ہے، ان کو اس کا پابند کریں، اسی طرح قوم بھی مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس بڑے فتنہ اور بگاڑ کی حوصلہ شکنی کرے، میڈیا کے ایسے پروگراموں میں دلچسپی نہ لے اور ہر مسلمان اپنی حسبِ قدرت اس فتنہ وبگاڑ کے سدِ باب کی کوشش کرے۔

لیکن افسوس کہ اس قسم کے پروگراموں اور خبروں کو شوق سے پڑھا، سنا اور دیکھا جاتا ہے، اور

اس کے نتیجے میں دنیا وآخرت کی تباہی اور فتنہ وفساد کا سامان کیا جاتا ہے۔

میڈیا سے ہٹ کر ہماری عام معاشرتی زندگی میں بھی مسلمانوں کی عیب جوئی اور عیب گوئی عام ہے، شاید ہماری کوئی مجلس اس سے محفوظ ہو، جب کبھی ہمیں جمع ہونے کا موقع حاصل ہوتا ہے، تو ایک دوسرے کے ساتھ کسی مسلمان کی عیب جوئی اور عیب گوئی کے مشغلہ کو شیئر کیے بغیر نہیں رہتے۔

انتہاء یہ ہے کہ بہت سے دین و مذہب کے مقتدا بھی اس طرزِ عمل سے محفوظ نہیں رہے، وہ برسرِعام دوسرے مسلمانوں کی عیب جوئی وعیب گوئی میں نہ صرف یہ کہ کوئی شرم محسوس نہیں کرتے، بلکہ اس کو تبلیغِ دین کا اہم ذریعہ سمجھتے ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ یہاں مسلک و مذہب کا عنوان لگا ہوا ہوتا ہے۔

احادیث میں مسلم کی عیب جوئی وعیب گوئی کرنے کی ممانعت اور مسلم کی عیب پوشی کی فضیلت کا ذکر آیا ہے، اور یہ حکم ہر اس شخص کو شامل اور حاصل ہے، جو مسلمان ہو، خواہ اس کا تعلق اپنی پسندیدہ سیاسی و مذہبی پارٹی و جماعت سے ہو یا کسی ناپسندیدہ دوسری سیاسی و مذہبی پارٹی و جماعت سے ہو۔

لیکن حیرت ہے کہ سیاست اور مذہب کے ہر شعبہ میں اس بنیادی اصول کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اور سیاسی، مذہبی ومسلکی اختلاف کی آڑ میں مسلمان کی عیب جوئی اور عیب گوئی کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم کیا جاتا ہے، بلکہ اس کو بڑا کمال سمجھا جاتا ہے، اور اس طرزِ عمل پر لوگوں کی طرف سے بھی خوب داد دی جاتی ہے، اور نعرہ بازی کی جاتی ہے، شیم شیم کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنے اپنے دائرے میں اس عیب جوئی اور عیب گوئی کے جرم وگناہِ عظیم سے بچنے اور اس کا سدِ باب کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، صفر المظفر 1439ھ - نومبر 2017ء، جلد 15 شمارہ 2)

(164)

کائنات کی وسعت اور موجودہ سائنس

بیسویں صدی سے پہلے غیر اسلامی سائنسی دنیا میں یہ نظریہ عام تھا کہ کائنات بالکل غیر متغیر اور مستقل نوعیت رکھتی ہے، اور لامتناہی عرصہ سے ایک ہی حالت پر چلتی آ رہی ہے۔

سائنس کا یہ نظریہ چونکہ اسلام کی بنیادی فکر سے متصادم تھا، جس کی رُو سے اس زمین و آسمان اور کائنات کو اللہ نے ایک وقت میں پیدا کیا تھا، اور قیامت قائم ہونے پر اس کو نیست و نابود کر دیا جائے گا، پھر دوبارہ ایک نئے سلسلہ یعنی آخرت کا آغاز ہوگا۔

اس لیے اُس وقت اسلامی اعتبار سے اس قدیم سائنسی نظریہ کو دلائل کے ساتھ رَد کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، اور اسی لیے اس زمانہ کے اسلامی فلسفہ میں یہ قاعدہ مشہور تھا، جو کہ آج تک دینی مدارس کی بعض کتابوں میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے کہ:

”العالم متغير و كل متغير حادث، فالعالم حادث“

مطلب یہ ہے کہ عالَم اور کائنات تغیر پذیر ہے، اور ہر تغیر پذیر چیز حادث ہوتی ہے، یعنی ایک زمانہ میں وجود میں آ کر دوسرے زمانہ میں ختم ہو جاتی ہے، وہ دائمی نہیں ہوتی، لہٰذا یہ عالَم اور کائنات حادث ہے، یعنی یہ ایک زمانہ میں وجود میں آئی ہے، اور دوسرے زمانہ میں ختم ہو جائے گی، اسی کا نام قیامت ہے۔

لیکن بیسویں صدی کے بعد سائنسی دنیا نے جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کائنات کا ایک نکتۂ آغاز ہے، اور اس وقت سے یہ مسلسل متغیر ہو رہی اور پھیل رہی ہے۔

1922ء میں روس اور بیلجیم کے بعض سائنس دانوں نے یہ اعتراف کیا کہ کائنات مسلسل حرکت کر رہی ہے، اور وسیع ہو رہی ہے۔

1929ء میں بعض امریکی ماہرین نے دوربین کے ذریعہ کیے گئے آسمان کے مشاہدات

سے اس بات کی تصدیق کی کہ ستارے اور کہکشائیں حرکت کرتے ہوئے ایک دوسرے سے دور ہٹ رہی ہیں، اور چکر لگا رہی ہیں۔

اس کے بعد سائنسدانوں کے لگاتار مشاہدات سے کائنات میں بہت سی تبدیلیاں محسوس کی جاتی رہی ہیں، جو آئے دن اخبار اور ذرائعِ ابلاغ کی زینت بنتی رہتی ہیں۔

سائنسدانوں کے مطابق نظر آنے والی کائنات کا کوئی مرکز، ابھی تک نہیں ملا، کیونکہ ان کے مشاہدہ وعلم کے مطابق کائنات کا کوئی سِرا، یا کنارہ نہیں ہے، ہر طرف کہکشاؤں کے جھرمٹ پھیلے ہوئے ہیں، اب تک سائنسدانوں کو کائنات میں نظر آنے والی عظیم ترین کہکشاؤں کے جھرمٹوں کی تعداد ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے، اور نسبتاً چھوٹی کہکشاؤں کی تعداد پچیس ارب کے لگ بھگ ہے، اور بڑی کہکشاؤں کی تعداد تین سو پچاسی ارب اور چھوٹی کہکشاؤں کی تعداد پینتس کھرب کے لگ بھگ ہے، جبکہ تیس ارب پدم کے لگ بھگ ستاروں کی تعداد ہے۔

لیکن آج سے ہزاروں سال پہلے قرآن مجید میں یہ خبر دے دی گئی تھی کہ:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (سورة الذاريات، رقم الآية ۴۷)

ترجمہ: اور آسمان کہ بنایا ہم نے اس کو ہاتھ سے، اور بلاشبہ ہم یقیناً وسعت دینے والے ہیں (سورہ ذاریات)

مذکورہ آیت سے آسمان اور اس کی وسعت کا پتہ چلا۔

ستاروں کے فاصلے ناپنے کے لیے انسانوں کے اعداد وشمار ناکافی ہیں، اس لیے سائنسدانوں نے اس قسم کے فاصلوں کا اندازہ کرنے کے لیے نوری سال کی اصطلاح وضع کی۔

''نور'' سے مراد ''روشنی'' ہے، سائنسدانوں کے مطابق روشنی تیز ترین سفر کرنے والی چیز ہے، جو بعض سائنسدانوں کے بقول، ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر کا سفر طے کرتی ہے، اور اس حساب سے ایک سال میں اس کا سفر تقریباً پچانوے (94) کھرب کلومیٹر بنتا ہے،

سائنسدانوں کے بقول، ستاروں کے باہم فاصلہ کا تخمینہ ایک نوری سال (یعنی تقریباً پچانوے کھرب کلومیٹر) کا ہے۔

سائنسدانوں کے بقول ہم ایک ایسی کہکشاں میں رہتے ہیں، جو ستاروں کے جھرمٹ سے بنی ہے، اور ہر کہکشاں میں اوسطاً سو (100) ارب ستارے پائے جاتے ہیں، مگر ہماری کہکشاں یعنی ملکی وے (Milky way) تین سو (300) ارب ستاروں پر مشتمل ہے، جن میں ایک ستارہ ہمارا سورج بھی ہے، ستاروں کے ایک جھرمٹ میں سورج بھی دوسرے ستاروں کی طرح کا ایک معمولی ستارہ ہے۔

کچھ ستارے سورج سے بھی بڑے ہیں، بلکہ غیر معمولی بڑے ہیں، یہ تمام ستارے جس مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں، اسے سائنسدان کہکشاں (Gallatic Center) کہتے ہیں۔

سائنسدان اس کہکشاں کی لمبائی کو ایک لاکھ نوری سال بتاتے ہیں۔

سائنسدانوں کے ان تمام مشاہدات سے کائنات کی وسعت، اس کے پھیلاؤ اور اس میں ہونے والے تغیرات کا اندازہ ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ (سورة الحج، رقم الآية ۷۰)

ترجمہ: کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے، ان چیزوں کو جو آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں، بے شک یہ کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہے، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے (سورہ حج)

چونکہ سائنسدان، زمین کو محفوظ سیارہ نہیں سمجھتے، اور وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ زمین کا یہ سیارہ مختلف تغیرات کے نتیجہ میں ایک دن تباہ ہو جائے گا، اس لیے وہ کسی محفوظ سیارہ پر پناہ حاصل کرنے کی تلاش وجستجو میں ہیں، اور وہ زمین کے قریب ترین سیاروں میں زندگی

کے آثار تلاش کر رہے ہیں، جس میں انہیں ابھی تک خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔
اور ان میں زندگی کے وہ ضروری آثار دستیاب نہیں ہوئے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے زمین میں عطا فرمائے ہیں۔
لیکن قرآن کی رُو سے قیامت ایک اٹل حقیقت ہے، جس کے واقع ہونے کے بعد زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں پر بھی پناہ حاصل نہیں کی جاسکے گی، بلکہ آسمان کو بھی ریزہ ریزہ کردیا جائے گا۔
اصل پناہ گاہ اسی خالقِ کائنات کے ذریعہ سے حاصل کی جاسکتی ہے، جس نے اس وسیع کائنات کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے، اور اس کا بنیادی اور مرکزی نقطہ ''توحید'' ہے، یعنی اس کائنات کا ایک ہی خالق و مالک تسلیم کیا جائے، اس خالقِ کائنات نے اپنی منشاء کی تکمیل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھیجی ہوئی تعلیمات کی صورت میں فرمادی ہے، اس پر چل کر ہی محفوظ پناہ گاہ یعنی جنت کو حاصل کیا جاسکتا ہے، اور اس کے بغیر کائنات میں کسی بھی محفوظ پناہ گاہ کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، ربیع الاول 1439ھ - دسمبر 2017ء، جلد 15 شمارہ 3)

(165)

اندر بھی دیکھئے کہ کیا ہو رہا ہے؟

گزشتہ کچھ عرصہ سے بلکہ کچھ سالوں سے وطنِ عزیز میں بطورِ خاص یہ بات دیکھنے میں آ رہی ہے کہ چند طبقات وافراد اپنے سیاسی یا غیر سیاسی مقاصد وعزائم کو پورا کرنے، بلکہ اپنے ذاتی مفادات کو حاصل کرنے کے لیے مختلف قسم کے احتجاجوں اور دھرنوں کو واسطہ اور آلہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، جن کے پس پردہ بعض اوقات ملک دشمن خفیہ طاقتوں کا ہاتھ بھی ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ انتہائی چالاکی کے ساتھ اپنے مقاصد ومفادات کو پورا کرنے کے لیے ظاہر میں خوب مہذب ومبارک عنوان اور لیبل لگا کر پردہ ڈال دیتے ہیں، خواہ وہ سیاسی نوعیت کا ہو، یا معاشی نوعیت کا ہو، یا پھر مذہبی نوعیت کا، جس وقت جس قسم کی فضاء سازگار پاتے ہیں، یا جس طرح کا ماحول بنا ہوا یا کوئی شوشہ چھیڑا ہوا پاتے ہیں، فوراً اس طرح کا عنوان اور لیبل لگا کر اور اس کی آڑ میں چھپ کر اپنا کام دکھا جاتے ہیں، چونکہ ان کا ظاہری عنوان اور لیبل اور ظاہر میں نعرہ انتہائی مہذب اور مبارک ہوتا ہے، اس لیے اکثر وبیشتر مسلمانوں کا بڑا طبقہ ان کی زد میں آ کر مخلصانہ طریقہ پر استعمال ہو جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے معاملہ بظاہر دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے، اور خفیہ طاقتیں یا ذاتی مفادات اٹھانے والے طبقات اپنا الو سیدھا کر کے روانہ ہو جاتے ہیں، خواہ اس کے نتیجہ میں ملک وملت کی تباہی وبربادی کیوں نہ ہو، اور کتنے ہی گناہ لازم کیوں نہ آئیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد ذاتی مفادات کا حصول، یا پھر ملک وملت کو اسی طرح کا نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔

اس لیے اس طرح کا سیاسی، معاشی یا مذہبی مہذب عنوان ولیبل یا نعرہ سامنے آنے پر جلدی سے متاثر ہو جانا اور ان کی حمایت اور نصرت ومدد کے لیے پیش قدمی کرنا، اس وقت تک درست نہیں، جب تک ان کے اصل مقاصد وعزائم کا گہرائی اور نیک نیتی سے جائزہ نہ لے لیا

جائے، بلکہ جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ مقصد کے مبارک اور درست ہونے کے ساتھ ساتھ جو طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے، وہ بھی شرعی اور اخلاقی و قانونی اعتبار سے جائز اور درست ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک نیک اور اہم کام کے لیے معاون بننے کے بجائے آپ کئی قسم کے کبیرہ گناہوں اور جرائم کے مرتکب نہ ہو جائیں، یا اپنے ہی ہاتھوں ملک وملت کے نقصان کے لیے استعمال ہو کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے والے اور ”نیکی برباد گناہ لازم“ آنے کا مصداق نہ بن جائیں۔

یہ بات ہمہ دَم یاد رکھنی ضروری ہے کہ کسی نیک مقصد کے لیے بھی کوئی گناہ کرنا، خاص کر دوسرے کی جان، مال سے کھیلنا اور ایذاء رسانی کا باعث بننا جائز نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حجرِ اسود کا بوسہ لینا انتہائی مبارک عمل ہے، جس کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں، لیکن اس کی خاطر دوسرے مسلمان کی ایذاء رسانی کو گوارا نہیں کیا گیا، اور ایسی نوبت آنے پر دور سے اشارہ کی شکل میں اس کا متبادل طریقہ تجویز کر دیا گیا ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اعلان فرما دیا کہ مسلمان تو بس وہی ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ سلامت رہیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت و مذہبِ اسلام کی نسبت اور نام سے اس طرح کے گناہ کیسے جائز ہو سکتے ہیں، اور گناہوں کا ارتکاب کر کے نیک اور اہم دینی مقصد کو پورا کرنے والے کیسے شمار ہو سکتے ہیں؟

مثلاً آج کل عام طور پر دھرنوں اور احتجاجوں کے لیے عوامی گزرگاہوں اور شاہراہوں کو استعمال کیا جاتا ہے، اور ایک لمبے وقت کے لیے عام مصروف گزرگاہوں اور شاہراہوں کو روک کر بلاک کر دیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں بہت سے مریض، علاج و معالجہ کے لیے بروقت شفاخانہ نہیں پہنچ پاتے، یا ان کو علاج و معالجہ کی ضروریات، بروقت نہیں پہنچ پاتیں، اور وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اسی طرح بہت سے لوگ اپنے ضروری کام کاج کی جگہ

بروقت نہیں پہنچ پاتے، یا اپنے بیوی بچوں کے ضروری نان ونفقہ کے انتظام سے بھی محروم رہتے ہیں، ججوں اور وکیلوں کے بروقت عدالت نہ پہنچنے کی وجہ سے مقدمات کی سماعت اور فیصلوں میں دشواری پیش آتی ہے، دفتروں میں افسروں اور کارندوں کے بروقت نہ پہنچنے کی وجہ سے سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کو مشکلات پیش آتی ہیں، اوران کی ضروریات متاثر ہوتی ہیں، بہت سے لوگ نمازِ جنازہ میں شامل نہیں ہو پاتے، یہاں تک کہ بعض لوگ، حج یا عمرہ کے سفر پر جانے والے بھی اپنے جہاز میں بروقت نہیں پہنچ پاتے۔

غرضیکہ اس قسم کے طریقہ کار پر مبنی اقدامات سے اللہ کی مخلوق کو طرح طرح سے جانی و مالی نقصانات وتکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پھر اگر اس طرح کے اجتماعات واحتجاجات اور دھرنے تشدد کا رنگ بھی اختیار کرلیں، اور جلاؤ گھیراؤ اور سرکاری یا نجی املاک کی تباہی کا بھی پیش خیمہ بن جائیں، تو شرعی اعتبار سے گناہوں کی کمیت وکیفیت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

ان حالات میں جہاں عوام کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ وہ کسی مذہبی، سیاسی، معاشی یا دوسرے مہذب عنوان ولیبل اور نعرہ سے متاثر ہوکر غیر شعوری طور پر ملک وملت کے نقصان کے لیے استعمال ہونے اور آلۂ کار بننے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، اوراس قسم کے گناہوں میں معاون بننے سے اپنے آپ کو بچائیں، اسی طرح میڈیا اور اصحابِ علم پر بھی یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان امور سے عوام کو آ گاہ کرنے کی ذمہ داری پوری کریں۔

مگر ہمیں افسوس ہے کہ کسی مذہبی وسیاسی یا معاشی مہذب عنوان ولیبل اور نعرہ سے جب عوام متاثر ہوکر اپنے جذبات کا ناجائز استعمال کرتے ہیں، یا غیر شعوری طور پر در پردہ ملک وملت کے دشمنوں یا ذاتی مفادات حاصل کرنے والوں کے آلۂ کار بنتے ہیں، تو میڈیا اور ہمارے بہت سے مذہبی قائدین اور دین کے علمبر دار حضرات بھی دنیاوی مفادات یا عوام کی خوشنودی کی خاطر چپ سادھ کر بیٹھ جاتے ہیں، بلکہ بعض تو اپنی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ شامل کرنا

شروع کر دیتے ہیں، جو انتہائی افسوسناک صورتِ حال ہے، ایسے حالات میں میڈیا اور اصحابِ علم اور مقتداء حضرات کی خاموشی بھی ایک جرم کی حیثیت رکھتی ہے، پھر اس ذمہ داری میں کوتاہی کرنے سے بڑھ کر، ان کا تعاون کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

پس جب کوئی تحریک یا شورش اٹھے، خواہ اس کے ساتھ ملک وملت اور مذہب کے تحفظ کا کتنا بڑا دعویٰ اور لیبل کیوں نہ ہو، اسے فوراً قبول کرنے سے پہلے، اس کا شرعی واخلاقی اور آئینی اعتبار سے جائزہ لے لینا اور اس پر غور کر لینا اور یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کے اندر در پردہ کیا ہو رہا ہے، اور ساتھ ہی اس کے طریقۂ کار کا بھی مذکورہ اصولوں کی روشنی میں جائزہ لے لینا ضروری ہے۔

تاکہ غیر شعوری طور پر ملک وملت کے دشمنوں یا ذاتی مفادات حاصل کرنے والوں کے ہاتھوں استعمال ہونے، یا پھر اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، ربیع الآخر 1439ھ - جنوری 2018ء، جلد 15 شمارہ 4)

(166)

سیاسی استحکام کی ضرورت

اس بات میں اہلِ دانش کی منصفانہ دورائے ہونے کا امکان نہیں کہ کسی بھی ملک کی تعمیر وترقی اوراس کے استحکام کے لیے اس میں سیاسی استحکام ضروری ہے، جب بھی کسی ملک کواس کی دشمن طاقتیں اورقوتیں نقصان اورتنزلی کی طرف پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں،تواس ملک کے سیاسی استحکام کونقصان پہنچا کرہی اپنےمقصوداورمشن کا آغاز کرتی ہیں۔

وطنِ عزیزاپنی گوناگوں خصوصیات اورمختلف جہات سے دنیا کی غیرمسلم دشمن طاقتوں کوشروع سے ہی کھٹکتا رہاہے، خاص طور پر ہمارے پڑوسی ملک بھارت کواس سے شروع سے ہی حسد اورخار ہے،اس لیے وطنِ عزیز میں شروع سے ہی کچھ بیرونی اوراندرونی قوتیں اس کوشش میں مصروف رہی ہیں کہ وہ ملک میں سیاسی استحکام نہ پیدا ہونے دیں،بعض اندرونی قوتیں اپنے ذاتی مفادات کے لیے بھی نفس وشیطان یا غیرمسلم دشمنوں کے ہاتھوں شعوری یا غیر شعوری طور پراستعمال ہوتی رہیں، اسی وجہ سے مختلف اوقات میں ان کی طرف سے سیاسی استحکام کونقصان پہنچانے کی مختلف صورتوں میں کوششیں ہوتی رہیں،اور یہ کوششیں آج بھی جاری ہیں،اوراپنے ان مقاصد میں ان قوتوں کوکافی حدتک کامیابی حاصل ہوتی رہی ہے، اسی کے نتیجہ میں سقوطِ بنگلہ دیش کا سانحہ پیش آیا۔

سیاسی استحکام کونقصان پہنچانے کے لیے کبھی فوجی راستوں کواختیار کیا گیا کہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں وغیرہ پیدا کرکے فوج اورسیاست کو باہم ایک دوسرے کے مقابل لاکھڑا کیا گیا،کبھی عدالتی راستوں کواختیار کرکے سیاست اورعدلیہ میں رسہ کشی اورتناؤ پیدا کیا گیا،کبھی سیاسی استحکام کونقصان پہنچانے کے لیے مذہبی طبقات کواستعمال کیا گیا،اورکبھی خودسیاسی جماعتوں کوسیاسی وملکی استحکام کے طور پرنقصان پہنچانے کے لیےبھی استعمال کیا گیا،جس کے نتیجہ میں

آج تک ہمارے ملک میں سیاسی وملکی استحکام پیدا نہ ہوسکا، اور عام طور پر سیاسی جماعتیں اپنی آئینی مدت پوری کرنے سے قاصر رہیں۔

دوسری طرف عوام کو بھی حقائق سے بے خبر یا دور رکھ کر ان میں صحیح سیاسی شعور پیدا ہونے کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی رہیں، بلکہ عوام کے سامنے حقائق کو مسخ کرکے پیش کرنے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔

اور جب سے ہمارے یہاں مادر پدر آزاد میڈیا نے جنم لیا، اس وقت سے حقائق کو نہایت بے دردی کے ساتھ مسخ کرنے اور عوام میں سیاسی ومعاشرتی شعور کو ذبح کرنے کا سلسلہ زیادہ ترقی پکڑ گیا۔

ہمارے یہاں کے آزاد میڈیا پر جس طرح مادر پدر آزاد اظہارِ رائے کو ہوا دی جاتی ہے، اس نے اخلاقیات اور غیرت سوزی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں، گھنٹوں گھنٹوں میڈیا کے ذریعہ ایسے لوگوں کی گفتگو نشر کی جاتی ہے کہ جن میں حیا وغیرت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، اور جب اس طرح کے پروگراموں یا ان میں غیر اخلاقی گفتگو کرنے والی شخصیات پر تنقید کی جاتی ہے، تو اسے میڈیا کی آزادی میں رکاوٹ ڈالنا قرار دیا جاتا ہے، اور اس پر طرح طرح کے احتجاج کیے جاتے ہیں، اور بالآخر کسی بھی طرح، دباؤ ڈال کر مادر پدر غیر اخلاقی آزادی کو سندِ جواز اور سندِ اجازت حاصل کیے بغیر سکون سے نہیں بیٹھا جاتا۔

اس طرح ہماری قوم پچاس سال سے زائد عرصہ سے ملکی سیاسی استحکام اور ملکی تعمیر وترقی کے راستوں سے بھٹکتی رہی، اور دشمن طاقتیں وقوتیں اپنے مقاصد حاصل کرنے اور ملک کی تعمیر وترقی کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کے مقاصد کو حاصل کرتی رہیں، اور ہم آج تک ملک کی تعمیر وترقی کے لیے سیاسی وغیر سیاسی اور عوامی سطح پر مطلوبہ اتحاد واتفاق قائم نہ کرسکے۔

ایسے حالات میں جب ہمارے یہاں کے سیاسی وغیر سیاسی ادارے، جماعتیں اور افراد ایک دوسرے کے دست وگریباں ہوں، ملک کی تعمیر وترقی کے لیے کیسے سوچا جاسکتا ہے، اور کس

طرح صحیح سیاسی شعور پیدا کیا جاسکتا ہے؟

گزشتہ کچھ سالوں سے ملک میں سیاسی استحکام کی کرن نظر آنا شروع ہوئی تھی، لیکن ''پرانے شکاری نے نیا جال'' لگا کر پھر سیاسی استحکام کو نقصان پہنچانے کے لیے تانے بانے بننا شروع کردیے ہیں۔

چنانچہ مختلف قسم کے مذہبی اور غیر مذہبی دھرنوں اور احتجاجوں کو سیاسی عدمِ استحکام پیدا کرنے کے لیے پے درپے استعمال کیا جاتا رہا، جس کا سلسلہ ابھی تک موقوف ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا۔

اور اب اس بات کی پوری قوت وطاقت کے ساتھ کوشش وجدوجہد جاری ہے کہ کسی طرح موجودہ حکومت بھی اپنی آئینی مدت پوری نہ کرسکے، یا کم ازکم آئندہ انتخابات سے پہلے ایسے حالات پیدا کردیے جائیں، اور عوام کے ذہنوں میں ایسا انتشار اور خلفشار پیدا کردیا جائے کہ وہ یکسو ہوکر آئندہ انتخاب کے لیے کسی سیاسی مستحکم جماعت کا انتخاب نہ کرسکیں، اور غیر مستحکم اور کمزور ومخلوط یا مرضی کی حکومت منتخب ہونے کے بعد آئندہ اپنے اہداف ومقاصد کو بروئے کار لانے میں ان کو سہولت وآسانی پیدا رہے۔

حالانکہ دیانت دارانہ اور منصفانہ غور کرنے کے نتیجہ میں ایسی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ جس کی وجہ سے موجودہ حکومت کو اپنی آئینی مدت پوری کرنے سے روکا جائے، اگرچہ تاویلات کا راستہ بہت وسیع ہے، ان کے ذریعہ کسی بھی طرح سندِ جواز فراہم کرلی جاتی ہے۔

ان حالات میں ہمیں نہایت بیدار مغزی سے فیصلہ کرنے اور قدم آگے بڑھانے اور ملک دشمن سازشوں سے پوری طرح آگاہ رہنے کی ضرورت ہے، موجودہ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں، کہ ملک کے تمام بڑے ادارے، جماعتیں اور افراد اپنی اپنی وسعت وقدرت کی حد تک ملک میں صحیح سیاسی شعور اور سیاسی استحکام پیدا کرنے میں مدد کریں، اور قیامِ پاکستان کے وقت سے آج تک جو اکھاڑ پچھاڑ کرکے ملک کے مستحکم اور مضبوط ہونے اور ملک کی تعمیر وترقی میں رکاوٹیں ڈالی جاتی رہی ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچائیں، جس

کے لیے قومی وملکی حمیت اور سچے جذبہ اور اخلاص اور اتفاق واتحاد کی ضرورت ہوگی، ورنہ ذاتی مفادات واغراض قدم قدم پر اس اہم عمل میں رکاوٹ پیدا کر کے ملکی تعمیر وترقی کی راہ میں حائل ہوتے رہیں گے۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں جو جماعتیں یا افراد ملک کی تعمیر وترقی سے زیادہ اپنی ذاتے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں، وہ سیاسی وملکی استحکام کے لیے تیار وآمادہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ ملک کی تعمیر وترقی پر اپنے ذاتی مفادات کو ترجیح دینے کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ان سے وطنِ عزیز کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، جمادی الاولیٰ 1439ھ - فروری 2018ء، جلد 15 شمارہ 5)

(167)

اصلاحِ معاشرت کی ضرورت

ہمارے یہاں عوام تو درکنار، بہت سے خواص اور اہلِ علم حضرات بھی معاشرت کے بنیادی اصولوں سے واقف یا ان پر عمل پیرا نہیں، جس کی وجہ سے ہر شعبۂ زندگی میں قدم قدم پر معاشرتی بگاڑ کے نمونے ملاحظہ کرنے کو ملتے ہیں، اس وقت شاید ہمارے یہاں کوئی شعبہ ایسا بچا ہوا ہو کہ اس میں معاشرتی حدود وقیود اور آداب کو پامال نہ کیا جاتا ہو، یہاں تک کہ مساجد میں بھی اکثر لوگ معاشرتی آداب کا خیال ولحاظ نہیں کرتے، جس کی وجہ سے خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں، اور ان کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں، اور قدم قدم پر ایذاء رسانی کے مناظر سامنے آتے ہیں۔

جبکہ اصلاحِ معاشرہ یا حسنِ معاشرت کی اصل خوبی یہی ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی تکلیف وایذاء سے محفوظ رہتے ہیں، اور انسان خود بھی ایذاء سے محفوظ رہتا ہے۔

مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلامی معاشرت کے بہت سے اصول وقواعد کو مسلمانوں کے مقابلہ میں اہلِ یورپ نے اختیار کرلیا ہے، بلکہ انہوں نے اسلامی معاشرت کی بہت سی چیزوں کو قانونی وآئینی حیثیت بھی دے دی ہے، اور وہ اس سے دنیا میں اجتماعی طور پر فائدہ وراحت اٹھا رہے ہیں، چنانچہ جو لوگ یورپ کے ممالک میں آتے جاتے ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے واپس لوٹتے ہیں کہ وہ لوگ کس قدر دوسروں کو تکلیف وایذاء رسانی سے بچانے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور ڈھنگ وسلیقہ سے کام کاج کرتے ہیں۔

مگر خود مسلمان اپنے گھر کی اصل نعمت ودولت سے محروم ہیں، جبکہ معاشرت کے اصول قواعد واصول، مسلمانوں کے لیے آئے ہیں، بلکہ مسلم کی اصل تعریف وتحدید میں ان کو

شامل کیا گیا ہے۔

مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

''بس مسلم تو وہی ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ سلامت رہیں''

اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ''مسلم'' کا لفظ ''اسلام'' سے نکلا ہے، اور ''اسلام'' دراصل ''سلامتی'' سے نکلا ہے، اس لیے ''مسلم'' کے نام ہی میں دوسرے کے لیے سلامتی رکھی ہوئی ہے، اور وہ سلامتی دوسرے کے مال کی بھی ہے، جان کی بھی ہے، اور دوسرے کی عزت وآبرو کی بھی ہے، پس جس مسلمان سے دوسرے کا مال اور دوسرے کی جان اور دوسرے کی عزت سلامت ومحفوظ نہ ہو، وہ کیونکر مسلم یا مسلمان کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمادیا کہ:

''بس مسلم تو وہی ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ سلامت رہیں''

اس لیے مسلمان کو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے قدم قدم پر اپنے مسلمان یا مسلم نام کے معنیٰ اور اس کی حقیقت پر غور کرتے رہنا چاہیے، اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں دوسروں کی جان، مال، عزت وآبرو کو نقصان پہنچانے کے بجائے امن وسلامتی فراہم کرنی چاہیے، بلکہ ایک مسلمان کو دوسروں کے مال وجان اور عزت وآبرو کا محافظ وسپاہی ہونا چاہیے۔

لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج دنیا بھر میں بیشتر مسلمانوں کا کردار اس سلسلہ میں ناگفتہ بہ حد تک پہنچ چکا ہے۔

مسلم معاشرہ میں ڈاکہ، چوری، قتل وغارت گری، تہمت وبہتان درازی، اغوا کاری، ملاوٹ، ناپ وتول میں کمی، دھوکہ، فریب وغیرہ جیسی چیزیں عام ہوچکی ہیں، بلکہ ان چیزوں کو بہت سے مسلمانوں نے پیشہ بنالیا ہے، جس کے آئے دن مناظر سامنے آتے ہیں۔

کوئی دن شاید ایسا نہ جاتا ہو کہ مختلف قتل کے واقعات سامنے نہ آتے ہوں، ڈاکہ اور چوری کی واردات کے متعلق بھی اخباروں میں روزانہ خبریں شائع ہوتی ہیں کہ فلاں شہر میں ڈاکو اور چور

اتنی اتنی مالیت کے زیورات، موٹر سائیکل، گاڑیاں اور پیسے وغیرہ لوٹ کر فرار ہوگئے، اسی کے ساتھ فلاں فلاں کو قتل بھی کردیا۔

ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے، عزت کا جنازہ نکالنے، بہتان بازی اور دشنام طرازی کا ذریعہ بنالیا گیا ہے، اور انتہاء یہ ہوچکی ہے کہ ذرائع ابلاغ پر مختلف سیاسی وغیر سیاسی افراد کی ''ڈمی'' (Dummy) بنا کر ان کا تمسخر کیا جاتا اور مذاق بنایا جاتا ہے، اور اس طرح دوسروں کی عزت سے کھیل کر ان کو ذہنی ایذاء پہنچائی جاتی ہے، جس کی قرآن مجید میں صاف ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسٰى أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ، وَلَا تَلْمِزُوْا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ (سورة الحجرات، رقم الآية ١١)

ترجمہ: اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ (جن سے کہ تمسخر کیا جارہا ہے) ان (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ (عورتیں کہ جن کا تمسخر کیا جارہا ہے) ان سے اچھی ہوں (جو کہ تمسخر کرنے والی ہیں) اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد بُرا نام رکھنا گناہ ہے اور جو (اس طرح کے گناہوں سے) توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں (سورہ حجرات)

لیکن اللہ تعالیٰ کے ان صریح احکامات کی نہ میڈیا والوں کو پرواہ ہے، نہ تماش بینوں کو پرواہ ہے، اور نہ ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھنے والوں کو پرواہ ہے، اور نہ ہی قانون نافذ کرنے اور قانونی مؤاخذہ کرنے والے اداروں کو پرواہ ہے۔

جبکہ یورپ کے معاشرہ میں اس قسم کی چیزوں کو معیوب سمجھا جاتا ہے، اور وہاں ایک دوسرے کی عزت اور جان و مال کی اہمیت کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔

ہمیں ان سب چیزوں پر ایک مسلم ہونے کی حیثیت سے غور کرنے اور اپنی بگڑی ہوئی معاشرت کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

اہلِ علم اور مقتدا حضرات کو بھی اصلاحِ معاشرہ کے سلسلہ میں ہمہ جہتی طور پر، اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ جدوجہد کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، جمادی الاخریٰ 1439ھ - مارچ 2018ء، جلد 15 شمارہ 6)

(168)

مسلم لیگ ن کا پانچ سالہ دورِ حکومت

وطنِ عزیز میں 2013ء کے انتخابات کے بعد مسلم لیگ ن کی حکومت کو قائم ہوئے پانچ سال کا عرصہ مکمل ہونے کو ہے، اگرچہ پانچ سالہ دورِ حکومت پورا ہونے سے پہلے برسرِ اقتدار حکومت کے بانی اور اصل سربراہ جناب میاں محمد نواز شریف صاحب کو عدالت کی طرف سے وزارتِ عظمیٰ سے نااہل قرار دے دیا گیا تھا، جس کے بعد انہیں پارٹی کی صدارت سے بھی نااہل قرار دے دیا گیا تھا۔

اور تاحال سابق وزیرِ اعظم میاں محمد نواز شریف اور ان کے خاندان کے خلاف عدالت میں مقدمات جاری ہیں، ساتھ ہی جو کوئی عدالت کے ان فیصلوں پر اپنے شکوک وشبہات وخدشات کا اظہار کرے، اسے بھی توہینِ عدالت کے عنوان سے گرفت میں لینے کا عمل جاری ہے، جس کی وجہ سے مختلف قسم کے شکوک وشبہات جنم لے رہے ہیں۔

اور ہمارے خیال میں عدالت اور دیگر اداروں کو اس سلسلہ میں محتاط روّیہ رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ لوگوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو، اور عدالت ودیگر اداروں سے اعتماد کی فضا میں خلل واقع نہ ہو۔

ہماری دیانت دارانہ اور غیر متعصّبانہ رائے میں موجودہ حکومت نے اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں ملکی تعمیر وترقی کے لیے بعض ایسے کام کیے ہیں، جو قیامِ پاکستان سے لے کر موجودہ دورِ حکومت سے پہلے کسی دورِ حکومت میں نہیں ہو سکے تھے۔

جس کا تقاضا یہ تھا کہ موجودہ حکومت کی حوصلہ افزائی کی جاتی، اور اس کی طرف سے جاری ترقیاتی کاموں میں معاونت کی جاتی، لیکن اس کے برعکس موجودہ حکومت کو برسرِ اقتدار آنے کے بعد شروع سے ہی کچھ ایسی خفیہ ونادیدہ قوتوں کا سامنا رہا ہے، جن کی وجہ سے موجودہ

حکومت، کھل کر اور آزادانہ طریقہ پر کام نہیں کرسکی، ان قوتوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں حکومت کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے کا سلسلہ جاری رہا، کبھی سیاسی اور مذہبی مارچ اور کبھی دھرنوں کی شکل میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی رہیں۔

عدالت کی طرف سے جو سابق وزیرِ اعظم میاں محمد نواز شریف کی نااہلی اور ان کے خلاف تیزی سے مقدمات کا سلسلہ جاری ہے، اس پر ملک کے ایک بڑے طبقہ کی طرف سے یہ شبہ ظاہر کیا جاتا رہا ہے کہ اس طرح کے فیصلے اور ان میں تیزی، دوسرے سیاسی وغیر سیاسی لوگوں کے مقدمات میں دیکھنے میں نہیں آئی، جن میں جناب پرویز مشرف صاحب، آصف علی زرداری صاحب، شیخ رشید احمد صاحب، اور عمران خان صاحب وغیرہ شامل ہیں، اور نہ ہی بڑے بڑے جرائم کے مرتکب لوگوں کو نااہلی کی سزا سنائی گئی۔

جس سے یہ تاثر ابھر کر سامنے آیا ہے کہ سابق وزیرِ اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب اور ان کی حکومت کے خلاف کچھ خفیہ طاقتوں نے پہلے سے متعین فیصلے کر لیے ہیں، جن کے لیے وقت کے ساتھ مختلف تدبیریں اور طریقے اختیار کیے جارہے ہیں، جبکہ یہ فضاء ملک وملت کی تعمیر وترقی اور بطورِ خاص جمہوریت کے لیے سخت خطرناک ہے۔

اگر موجودہ موقف حقیقت کے مطابق ہے، تو ملک وملت کے ذمہ داران اور اداروں کو اجتماعی طور پر ان سازشوں کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور ملک میں جمہوری نظام کو بہتر اور مضبوط کرنے کے لیے اجتماعی طور پر جدوجہد کرنی چاہیئے۔

اور اگر کچھ ادارے اس سلسلہ میں اپنا کام ذمہ داری سے نہ کرسکیں، تو عوام کو اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، جس میں عوام کے پاس ووٹ کی طاقت اہم تدبیر ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہماں یہاں کا ایک بڑا طبقہ ووٹ کی اہمیت اور اس کی ذمہ داری کو نہیں سمجھتا، بلکہ اس کے خلاف تبلیغ اور جدوجہد کرکے عوام کو ووٹ سے دور رکھنے کی سعی کرتا ہے، جو ہمارے خیال میں درست طرزِ عمل نہیں۔

اس موضوع پر ہم نے اپنی مستقل تصانیف میں تفصیل سے کام کر دیا ہے۔

بہرحال جو کچھ بھی ہو، اب 2018 کے انتخابات کا زمانہ قریب ہے، جس کے لیے دعاء ہے کہ:

اللہ تعالیٰ عوام کو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی توفیق اور ملک وملت کے لیے بہتر حکومت وحکمرانوں کا انتخاب فرمائے، ساتھ ہی یہ بھی دعاء ہے کہ ذمہ دارانِ قوم اور اداروں کو اس سلسلہ میں منصفانہ فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور خفیہ و نادیدہ طاقتیں جو ملک وملت کے خلاف سازشیں کرتی ہیں، اللہ ان سے ملک وملت کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، رجب المرجب 1439ھ - اپریل 2018ء، جلد 15 شمارہ 7)

(169)

قانون کی حکمرانی

ہمارے ملک کو قائم ہوئے نصف صدی سے زائد عرصہ گزر گیا ہے، لیکن ہم لوگ قانون کی حکمرانی میں ابھی تک کامیابی حاصل نہیں کر سکے، جبکہ ہمارے مقابلہ میں دوسرے بہت سے پڑوسی ملکوں میں قانون کی حکمرانی کا نظام بہت بہتر ہے، جس کے نتیجہ میں وہ ممالک خوشحالی اور ترقی کی طرف گامزن ہیں، اور ترقی یافتہ ممالک قانون کی حکمرانی میں بہت آگے ہیں، جس کے نتائج سے وہ فوائد اٹھا رہے ہیں۔

جبکہ قانون کی حکمرانی پر شریعتِ اسلامیہ نے بہت زور دیا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی ایسا قانون بنا دیا جائے، جس میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مختلف مذاہب میں سے کسی ایک مذہب پر عمل کیا گیا ہو، تب بھی دوسرے مذہب سے وابستہ رہنے والوں کو اس کی اطاعت و پیروی کا حکم ہے، شریعت میں اس ضابطہ کو ''حکمِ حاکم'' اور ''قضائے قاضی کے رافعِ اختلاف'' ہونے کا نام دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے جائز اور مباح وانتظامی امور میں حکم ماننا واجب ہے، اور قاضی کسی واقعہ میں کوئی ایسا فیصلہ کر دے کہ جس میں فقہاء کا اختلاف ہو، اور اس کا فیصلہ کسی مجتہد وفقیہ کے قول کے موافق ہو، تو اس کی متعلقہ فریقین کو پابندی ضروری ہے، خواہ ایک فریق دوسرے مجتہد وفقیہ کے قول یا مسلک کو اختیار و پسند کرتا ہو۔

احادیث میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ظالم اور فاسق حکمرانوں کی اطاعت بھی واجب ہے، مگر یہ کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم کریں کہ جو صریح اور واضح طور پر گناہ ہو۔

صریح اور واضح طور پر گناہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام ایسا ہو کہ جس کو شریعت نے واضح طور پر گناہ قرار دے دیا ہو، اور اس کے گناہ ہونے میں کوئی ابہام اور فقہاء کا اختلاف بھی نہ ہو۔

لیکن افسوس ہے کہ شریعت وفقہ کی ان اصولی تعلیمات وقواعد کو نظر انداز کر کے ہمارے یہاں

قانون کی حکمرانی اور پیروی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اور نہ ہی قانون کی خلاف ورزی میں کوئی گناہ سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نیک صالح اور متقی سمجھے جانے اور ایک فقہی مسلک کے مکروہ کاموں سے بھی بچنے والے شخص کا حال یہ ہے کہ وہ ملک کے ایسے قوانین پر عمل کرنے کے لیے آمادہ وتیار نہیں کہ جس کی اطاعت شرعاً اس کے ذمہ واجب ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تو سیاست کو دین سے خارج کر دیا، اور بعض لوگوں نے سیاست کو تو دین میں داخل سمجھا، لیکن ملکی قوانین کا دین سے تعلق نہ سمجھا، جبکہ کچھ لوگوں نے حکمرانوں کے فاسق ہونے اور ملک میں شریعتِ اسلامیہ کا پوری طرح نظام نافذ نہ ہونے کی بنیاد پر حکومت کی جائز امور میں اطاعت کو واجب نہ سمجھا، بلکہ اس کے برعکس حکومت کے خلاف بغاوت اور قانون شکنی کرنے کو عبادت وفخر سمجھا، اور اوپر سے تحریری وتقریری طور پر اس کی تبلیغ وتشہیر میں بھی کسر نہیں چھوڑی، حالانکہ اس طرح کے خیالات شرعاً درست نہیں۔

اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے یہاں اوپر سے نیچے تک دین ودنیا کے ہر شعبہ میں قانون شکنی عام ہے، اور اس کی وجہ سے بدانتظامی وبدنظمی، کام چوری، کرپشن، رشوت وغیرہ کا دور دورہ ہے، قانون شکنی سے اس قسم کے مفاسد کا جنم لینا اور ترقی کرنا بالکل واضح ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ملک میں قانون کی حکمرانی پر عمل درآمد کا اہتمام کریں، اور جب تک کوئی قانون ایسا نہ ہو کہ جس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں صریح گناہ کا ارتکاب لازم آتا ہو، اس وقت تک اس کی پابندی کریں، اس کے نتیجہ میں جہاں ایک طرف شریعت کا حکم پورا ہوگا، تو دوسری طرف ملک کی ترقی وخوشحالی میں بھی ہم آگے بڑھیں گے، کیونکہ جائز قوانین پر عمل کرنے سے ملک میں خوشحالی اور ترقی حاصل ہوتی ہے، جو کہ ایک واضح مسئلہ ہے۔

لیکن بگڑے ہوئے ماحول اور مزاج ومذاق کی وجہ سے ہم اس کا احساس کرنے سے بھی محروم ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس طرزِ عمل کی اصلاح فرما کر شریعت کے مطابق ملکی قوانین پر عمل درآمد کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، شعبان المعظم 1439ھ - مئی 2018ء، جلد 15 شمارہ 8)

(170)

جمہوری سیاسی نظام کو مضبوط کرنے کی ضرورت

یہ بات معلوم ہے کہ ملکِ پاکستان کے آئین کی رُو سے قیامِ حکومت کا اختیار عوام کو حاصل ہے، جو ووٹ کی شکل میں اپنی رائے کے ذریعہ سے حکمرانوں کے انتخاب کا حق رکھتے ہیں، اور پاکستان کے آئین کی تنظیم وتشکیل میں جید علمائے کرام کی معاونت شامل رہی ہے۔

لیکن ہمارے ملکِ پاکستان میں شروع سے ہی جمہوری نظام اور حکومتوں کو کمزور کرنے، ان کو نظر انداز اور برطرف کرنے اور ڈکٹیٹر شپ قائم کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، جس کے لیے کبھی کوئی راستہ اختیار کیا گیا، اور کبھی کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا گیا، اس کے نتیجہ میں ہمارے یہاں کی جمہوری حکومتوں کا آئینی زمانہ بھی بہت کم پورا ہوا، اور ملک کے وزیر اعظم کی آئینی مدت پوری ہونے میں بھی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی رہیں، اور ان حالات واسباب کی وجہ سے ہمارے یہاں کا جمہوری سیاسی نظام کافی کمزور رہا۔

اس کے برعکس ہمارے پڑوسی اور حریف ملک ''بھارت'' میں جمہور نظامِ حکومت کی بنیادیں، ہمارے مقابلہ میں کافی مضبوط دکھائی دیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے وہ ملک معاشی وسائنسی اور کئی دوسری جہات سے بہت آگے بڑھ گیا ہے، اور روز بروز ترقی کا سفر طے کر رہا ہے۔

ہمارے یہاں آج تک جمہوری اور بعض غیر جمہوری طاقتوں میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہوئی، اور آپس کی کشمکش ختم نہیں ہوئی، جس کا خمیازہ ملک وملت نے ناقابلِ تلافی نقصان کی شکل میں بھگتا، اس کے کئی مناظر اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔

دوسری طرف المیہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کی سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوری، سیاسی نظام کو مضبوط کرنے میں اتحاد واتفاق نظر نہیں آتا، بلکہ بہت سی سیاسی جماعتوں کے پیشِ نظر صرف

اقتدار حاصل کرنا یا ملک میں افراتفری اور غیر یقینی صورتِ حال پیدا کرنا ہے، اسی لیے کئی سیاسی جماعتیں غیر جمہوری قوتوں کے ہاتھوں استعمال ہوکر اور اقتدار وعہدوں کے سبز باغ دیکھ کر جمہوری نظامِ حکومت کے خلاف استعمال ہوجاتی ہیں، اور پھر بعد میں وہ خود اسی سازش کا شکار ہوجاتی ہیں۔

کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو کوئی دوسرے کے لیے گڑھا کھودتا ہے، ایک دن وہ خود اس کی نذر ہوجاتا ہے۔ [1]

ان حالات پر قابو پانے اور ملک میں جمہوری سیاسی نظام کو مستحکم ومضبوط کرنے کے لیے جمہوری وغیر جمہوری طاقتوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھنا اور مل بیٹھ کر جمہوریت کے خلاف ہونے والی سازشوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

اور عوام پر بھی یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعہ سے ایسی جماعت اور افراد کا انتخاب کرنے میں کوتاہی اختیار نہ کریں، جو ملک میں جمہوری نظام کو مستحکم ومضبوط کرنے اور ملک کی ترقی وخوشحالی میں مدد کرنے میں دوسروں کے مقابلہ میں بہتر اور مخلص محسوس ہوں۔

اگر سیاسی وغیر سیاسی قوتوں اور عوامی حلقوں کی طرف سے ان کاموں میں سستی کا مظاہرہ نہ ہو، اور ملک وملت کے لیے مخلص وبے لوث ہوکر مذکورہ امور کو اپنی اپنی آئینی حدود میں رہتے

---

[1] حدیث: من حفر لأخيه قليبا أوقعه الله فيه قريبا، قال شيخنا: لم أجد له أصلا، وإنما ذكر صاحب الأمثال: من حفر جبا أوقعه الله فيه منكبا، وذكر عن كعب الأحبار أنه سأل ابن عباس: من حفر مهواة كبه الله فيها، فقال ابن عباس: إنا نجد في كتاب الله }ولا يحيق المكر السيء إلا بأهله {، قلت: وهو على الألسنة أيضا بلفظ: من حفر بئرا لأخيه وقع فيه، قال الشاعر:

ومن يحتفر بئرا ليوقع غيره ...سيوقع يوما في الذي هو حافر(المقاصد الحسنة للسخاوي، ص ۶۴۴، تحت رقم الحديث ۱۱۱۴، حرف الميم)

ہوئے انجام دیں، تو ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ملک میں آئین کے مطابق جمہوری نظامِ حکومت وسیاست کو استحکام حاصل ہوگا، اور ملک میں ترقی وخوشحالی آئے گی، اور بے یقینی کی صورتِ حال کا خاتمہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ملک وملت کی ترقی وخوشحالی میں جدوجہد اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور ملک وملت اور آئین کے خلاف ہونے والی سازشوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، رمضان المبارک 1439ھ - جون 2018ء، جلد 15 شمارہ 9)

(171)

نئی حکومت کے انتخاب میں عوام کی ذمہ داری

وطنِ عزیز میں مسلم لیگ ن کی حکومت کا پانچ سالہ عرصہ مکمل ہوگیا ہے، اور نگران حکومت کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے، شکر ہے کہ کسی نہ کسی طرح گزشتہ حکومت کا پانچ سالہ آئینی دور مکمل ہوا اور اب نگران حکومت کا قیام بھی ہوچکا ہے، ورنہ ہمارے ملک کی جو گزشتہ تاریخ رہی ہے، اس کے پیشِ نظر ہمہ وقت آمروں اور ڈکٹیٹروں کے مسلط ہونے کے خطرات قوم کے سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں، کیونکہ آمروں کا یہ طبقہ موقع حاصل ہوتے ہی کسی بھی بہانے سے اچانک آدھمکتا ہے، جس کے بعد تمام آئین وقانون کو بالائے طاق رکھ کر اپنی من مانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

مسلم لیگ ن کا گزشتہ دورِ حکومت اگرچہ سخت کشمکش کی حالت میں گزرا، کبھی سیاسی اور مذہبی دھرنوں کی شکل میں رکاوٹیں ڈالی گئیں، اور کبھی کسی دوسری شکل میں، یہاں تک کہ معمولی سے نقطہ کی وجہ سے آئین کے مطابق منتخب وزیرِ اعظم جناب میاں محمد نواز شریف صاحب کو نااہل قرار دے دیا گیا، اور بعد میں ان ہی کی اپنی سیاسی جماعت کی صدارت سے بھی نااہل قرار دے دیا گیا۔

جس پر ہر شخص کی اپنی رائے ہوسکتی ہے، اور ہوگی، ہماری دیانت دارانہ وغیر متعصّبانہ رائے میں میاں محمد نواز شریف صاحب کی اچانک وزارتِ عظمیٰ کی نااہلی سے ملک کی معاشی وسیاسی اور اخلاقی ساکھ کو غیر معمولی نقصان پہنچا، اور ملک میں غیر یقینی کی کیفیت پیدا ہونے سے ملک کے وقار کو ٹھیس پہنچی، اسی کے ساتھ بہت سے لوگوں کے دلوں میں عدلیہ کا وقار بھی مجروح ہوا، اور بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں خفیہ اداروں کی مداخلت کے شکوک وشبہات بھی پیدا ہوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام صورتِ حال ملک وملت کی وحدت وقوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

ایسے حالات میں کہ جب دنیائے کفر اور خاص کر ہمارے تاریخی دشمن بھارت کی نظریں ہماری طرف پوری آب وتاب کے ساتھ لگی ہوں، اس طرح کے حالات سنگین نتائج کے حامل ہوسکتے ہیں، جس کے نتائج کا فی الفور ظاہر ہونا ضروری نہیں، بلکہ مستقبل کے اعتبار سے بھی اس کے نتائجِ بد کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔آمین۔

بہرحال ''مضیٰ ما مضیٰ'' اب نئے انتخابات کا زمانہ قریب ہے، جس میں قوم کا کردار بڑا اہم ہوگا، اگرچہ آزاد ذرائع اور پے درپے واقعات کی بناء پر تا حال خفیہ طاقتوں کی مداخلت کی بناء پر انتخابات میں شفافیت کمزور نظر آرہی ہے۔

دوسری طرف ملک کی گزشتہ تاریخ اور روایت، انتخاب اور ووٹ کے حوالہ سے کچھ زیادہ حوصلہ افزا محسوس نہیں ہوئی، کیونکہ دینی ذہن رکھنے والے ایک بڑے طبقہ نے تو آج تک ووٹ کے استعمال کی ضرورت واہمیت ہی کو نہیں سمجھا، بلکہ ووٹ ڈالنے کو بہت بڑا جرم سمجھا، جس کے نتیجہ میں ملک میں دینی ذہن رکھنے والی سیاسی جماعتوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔

اور ملک کے ایک سنجیدا اور تہذیب وتعلیم یافتہ بڑے طبقہ نے ووٹ کے استعمال کو اپنی شرافت اور عزت ووقار کے خلاف سمجھا، اور اس عمل کو غیر سنجیدہ اور اَن پڑھ یا جہلاء کا شیوہ سمجھ کر نظر انداز کیا، جس کے نتیجہ میں ملک میں سنجیدہ، مہذب وتعلیم یافتہ افراد کو سیاست میں پذیرائی حاصل نہ ہوسکی۔

اور ان کے مقابلہ میں زیادہ تر غیر دین دار اور غیر سنجیدہ، لوگوں نے ووٹ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھا، اور اپنے ہم جنس لوگوں کے حق میں رائے دے کر ان کو سیاست میں پروان چڑھایا، جس کے بعد ان کو ملک ودشمن اور خفیہ طاقتوں نے بھی اپنے مقاصد کے لیے

استعمال کیا۔

اس لیے ملک میں دین دار اور دیانت دار سیاسی جماعتوں کو وہ قبولیت حاصل نہ ہوسکی، جس کی ضرورت تھی، اور ہمیشہ اس کے برے نتائج سامنے آتے رہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ووٹوں سے متعلق اس طرح کی بے اعتدالیوں سے چھٹکارا حاصل کر کے ملک میں دیانت دارانہ وسنجیدہ سیاست کو فروغ دیا جائے، دین دار اور شریفوں کے اس طبقہ کو اپنے ووٹ کی شرعی وقانونی اور اخلاقی ذمہ داری کو سمجھ کر اس کا ذمہ دارانہ استعمال ضروری ہے، جو طبقہ غلط فہمیوں کے باعث اس شعبہ سے اب تک کنارہ کش رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ قوم کو اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھانے اور آئندہ ملک وملت کے لیے بہتر حکومت کے انتخاب کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، شوال المکرّم 1439ھ - جولائی 2018ء، جلد 15 شمارہ 10)

(172)

مختلف قوتوں کی باہمی کشمکش

قیامِ پاکستان کے آغاز سے لے کر اب تک وطنِ عزیز میں موجود بڑی قوتوں بالخصوص جمہوری اور غیر جمہوری قوتوں میں صحیح ہم آہنگی اور باہمی تعاون کی فضا قائم نہیں ہوسکی، جس کے نتیجہ میں ان قوتوں میں کشمکش اور رسہ کشی جاری رہی، اور اس سے وطنِ عزیز کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔

یوں تو ہمارے یہاں ہمیشہ سے جمہوری قوتوں پر غیر جمہوری قوتوں اور اسٹیبلشمنٹ (Establishment) کا اثر ورسوخ اور غلبہ رہا ہے، اور جمہوری قوتوں کو کام کرنے کے لیے آزادانہ ماحول کم ہی میسر آیا، لیکن دوسری طرف کئی جمہوری قوتوں کا کردار بھی مایوس کن رہا، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ جمہوری قوتوں کو کمزور اور زیر کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً دوسری جمہوری قوتیں بھی استعمال ہوئیں، تو بے جا نہ ہوگا۔

وقتی طور پر دوسرے کے ہاتھوں استعمال ہونے والی جمہوری قوتوں نے اس وقت اپنے وقتی و عارضی مفاد یعنی مال یا جاہ کے سبز باغ کے حصول کو تو پیشِ نظر رکھا، لیکن انہوں نے عام اجتماعی اور ملی وملکی مفاد پر نظر نہیں کی، نہ ہی آئندہ آنے والے دور میں اپنے متعلق غور کیا کہ کل ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوسکتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض جمہوری قوتیں نادانستہ یا دانستہ طریقہ پر ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوتی رہیں، اور بعد میں خود بھی دوسرے کے لیے کھودے ہوئے گڑھے میں گرتی رہیں۔

نیز وقتاً فوقتاً بعض غیر جمہوری قوتوں نے نہ صرف یہ کہ جمہوری و سیاسی استحکام کے مضبوط ہونے میں رکاوٹ ڈالی، اسی کے ساتھ سیاسی شعبوں کے علاوہ دوسرے شعبوں میں بھی اپنے اثر ورسوخ کو قائم رکھا، اور عوام میں بھی صحیح سیاسی و جمہوری شعور پیدا نہیں ہونے دیا گیا، بلکہ

درِ پردہ سیاست و جمہوریت کو بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے اختیار کیے گئے۔

غرضیکہ جمہوری و غیر جمہوری اور سیاسی و غیر سیاسی قوتوں کی باہمی رسہ کشی اور باہمی کشمکش ملک کے لیے سخت تباہ کن ثابت ہوئی، اور اس طرح وطنِ عزیز کا اجتماعی نظام اور ڈھانچہ مضبوط نہ ہوسکا، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملک اندھیروں میں گھرتا چلا گیا، نہ جمہوری و سیاسی نظام کو استحکام حاصل ہوا، نہ ملکی معیشت مضبوط ہوسکی، نہ ملک کی معاشرتی وتمدنی زندگی میں ترقی ہوئی، اور نہ ہی مطلوبہ اتحاد واتفاق حاصل ہوسکا، اور وطنِ عزیز میں فساد پیدا کرنے، بلکہ وطن کو تقسیم وٹکڑے کرنے والے عناصر نے زور پکڑا، جس سے آج تک ہم نجات نہیں پاسکے، اور تا حال اس سے نجات کی فضا بھی سازگار نظر نہیں آتی۔

اس قسم کی باہمی رسہ کشی اور فتنہ وفسادات کی بنیادی وجہ مال وزَر اور منصب وعہدوں اور ناجائز اختیارات کی محبت اور جنگ ہے۔

اگر جمہوری و غیر جمہوری قوتوں کو ملک وملت سے صحیح ہمدردی اور خیر خواہی ہے، تو ملک کی تمام قوتوں اور تمام شعبوں سے وابستہ افراد، اور رجالِ کار کو اپنی اپنی حدود میں رہ کر ملک وملت کے لیے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ کام کرنا چاہئے، اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے، اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہئے، اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کے بجائے ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہیے۔

البتہ کسی دوسرے شعبہ میں کوئی قابلِ اصلاح بات نظر ئے، تو اس کو بغرضِ اصلاح متوجہ کرنا چاہئے، اور اس کی وجہ سے مخالفت برائے مخالفت اور دوسرے کی تحقیر وتذلیل کے طرزِ عمل کو اختیار نہیں کرنا چاہئے، اسلام کی تعلیمات کا تقاضا بھی یہی ہے، اور اسی میں ہم سب کی بھلائی اور خیر مضمر ہے۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَـا ذِئْبَـانِ ضَـارِيَـانِ جَـائِـعَـانِ فِـي غَنَمٍ افْتَرَقَتْ، أَحَدُهُمَا فِي أَوَّلِهَا،

وَالْآخَرُ فِی آخِرِهَا بِأَسْرَعَ فَسَادًا مِنِ امْرِءٍ فِی دِینِهِ يُحِبُّ شَرَفَ الدُّنْيَا وَمَالَهَا (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۶۴۴۹) [1]

ترجمہ: دو بھوکے نقصان پہنچانے والے بھیڑیئے، جو بکریوں کے کسی ریوڑ میں اس طرح گھس کر فساد پیدا کریں کہ ایک بھیڑیا، اس ریوڑ کے شروع والے حصہ میں ہو، اور ایک آخر والے حصہ میں ہو، ان بھیڑیوں سے زیادہ دنیا کی بڑائی اور مال کی محبت، آدمی کے دین میں فساد پیدا کرتی ہے (مسند ابی یعلیٰ)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

سَيُصِيبُ أُمَّتِي دَاءُ الْأُمَمِ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا دَاءُ الْأُمَمِ؟ قَالَ: الْأَشَرُ وَالْبَطَرُ وَالتَّكَاثُرُ وَالتَّنَاجُشُ فِي الدُّنْيَا وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ حَتَّى يَكُونَ الْبَغْيُ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۷۳۱۱، کتاب البر والصلة، وأما حديث ابی هريرة) [2]

ترجمہ: عنقریب میری امت میں دوسری امتوں کا مرض پہنچے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ دوسری امتوں کا مرض کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نعمت کی ناشکری، اور اتراہٹ اور مال کو کثرت سے جمع کرنا اور دنیا میں ایک دوسرے سے کینہ اور بغض اور حسد رکھنا، یہاں تک کہ ان میں بغاوت (اور ایک دوسرے کے خلاف باہمی رسہ کشی اور قتل وغارت گری) پیدا ہو جائے گی (حاکم)

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ، وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ، يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ،

---

[1] قال حسين سليم أسد:
إسناده حسن (حاشية ابی يعلیٰ)

[2] قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.
وقال الذهبی فی التلخيص: صحيح.

وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٤٩١٨، كتاب الأدب، باب فى النَّصيحة) [1]

ترجمہ: مومن، مومن کا آئینہ ہے، اور مومن، مومن کا بھائی ہے، ایک مومن دوسرے مومن کو نقصان سے بچاتا ہے، اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی (اہل و عیال اور دوسری چیزوں کی) حفاظت کرتا ہے (ابوداؤد)

اگر ہم اسلام کی سنہری تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، تو ہم اپنے ملک وملت سمیت تمام اقوامِ عالم سے نہ صرف یہ کہ آگے بڑھ سکتے ہیں، بلکہ ان کی امامت و قیادت کر سکتے ہیں، اور ان تعلیمات کو نظر انداز کر کے اور سابقہ روش پر چل کر، اللہ نہ کرے کہ ایک دن سب کچھ ہی تباہ نہ ہو جائے۔

اللہ ہمیں اس دن سے محفوظ رکھے، اور ہمارے ملک وملت اور اہلِ وطن کی جان و مال اور عزت و آبرو سب کی حفاظت فرمائے، اور ہم سب کو ایک قوت بن کر اپنے ملک وملت کو مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، ذوالقعدۃ 1439ھ - اگست 2018ء، جلد 15 شمارہ 11)

---

[1] قال شعيب الارنوؤط: إسناده حسن (حاشية سنن ابى داؤد)

(173)

وطنِ عزیز میں 2018ء کے انتخابات

وطنِ عزیز ''پاکستان'' میں 11 ذوالقعدۃ 1439 ہجری، بمطابق 25 جولائی بروز بدھ کو 2018ء کے ہونے والے انتخابات کا عمل طے پا گیا ہے، اوراس کے نتیجہ میں جناب عمران خان صاحب کی جماعت ''تحریکِ انصاف'' کو اکثریت حاصل ہوگئی ہے۔

تحریک انصاف کے سرکردہ نمائندگان کے بقول آزاد امیدواروں اور بعض دوسری چھوٹی جماعتوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے نتیجہ میں ان کی جماعت کو حزبِ اقتدار بننے کی پوزیشن حاصل ہوچکی ہے، اور چند ہی دنوں میں جناب عمران خان صاحب کو وزارتِ عظمیٰ کے لیے باضابطہ طور پر منتخب کیا جائے گا، اوران کی کابینہ وغیرہ تشکیل دی جائے گی۔

جبکہ مسلم لیگ ن، پیپلز پارٹی، متحدہ مجلسِ عمل اور کئی دیگر سیاسی جماعتوں کی طرف سے موجودہ انتخابات کے نتائج کو تسلیم کرنے اوراس کے نتیجہ میں تحریک انصاف کے حزبِ اقتدار کا درجہ حاصل کرنے پر سخت ردِّعمل اور مختلف قسم کے شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا ہے، اور یہاں تک بھی کہہ دیا گیا ہے کہ ملک کی چند خفیہ طاقتوں بالخصوص اسٹیبلشمنٹ (Establishment) کی طرف سے موجودہ انتخابات میں مخصوص جماعت، یعنی تحریک انصاف کو جتوانے اوراس کو اقتدار میں لانے کے لیے مختلف طرح کی مداخلت اوراثر ورسوخ کو استعمال کیا گیا، اور الیکشن کمیشن کی طرف سے انتخابات اوران کے نتائج کے متعدد آئینی وقانونی تقاضوں کو بھی پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا گیا، جس سے محسوس ہوا کہ یہ الیکشن کے بجائے ایک طرح کا ''سلیکشن'' تھا۔ واللہ أعلم۔

موجودہ انتخابات کے دوران ملک کے طول وعرض سے جو مختلف واقعات کے تناظر میں رونما ہونے والی خبریں اور مناظر سامنے آئے، مثلاً نتائج کے اعلان وفیصلہ میں تاخیر، پولنگ یا

ووٹنگ کے عمل کے دوران مختلف جماعتوں کے نمائندگان کو بے دخل یا ہراساں کرنا، مخصوص فارم کا مہیا نہ کرنا وغیرہ، انہوں نے بھی عوام کی نظروں میں موجودہ انتخابات میں شفافیت کا عمل کافی حد تک مشکوک بنایا، جس کے اثرات ملک کے عوام کے ذہنوں میں بہت منفی طور پر پڑے، بطورِ خاص موجودہ انتخابات میں فوج کے کردار کو ایک بڑے طبقہ کی طرف سے اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔

شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات سامنے آنے پر رویوں میں کچھ تبدیلی پیدا ہوجائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ایک عرصہ سے افواجِ پاکستان کا جو وقار صرف وطنِ عزیز میں ہی نہیں، دنیا بھر میں امتیازی نوعیت کا قائم تھا، اس طرح کے طرزِ عمل اور ردّ عمل سے اس وقار کے مجروح ہونے کا خدشہ ہے، جو وطنِ عزیز اور بالخصوص افواجِ پاکستان کے لیے اچھا شگون نہیں، اس لیے افواجِ پاکستان کی اعلیٰ قیادت کی طرف سے اس سلسلہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، اور موجودہ انتخابات کے نتیجہ میں جو بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں افواجِ پاکستان اور اس کی اعلیٰ قیادت کے متعلق مختلف شکوک وشبہات پیدا ہوگئے ہیں، اعلیٰ قیادت کی طرف سے اس کی اپنے طرزِ عمل سے تلافی اور ازالہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں ملکی عدالتوں کا کردار بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، گزشتہ کچھ عرصہ سے ملکی عدالتوں کی طرف سے اس طرح کے کئی فیصلے اور اقدامات سامنے آتے رہے ہیں، جن کی وجہ سے کچھ طبقات کے ذہنوں میں عدالتی کردار میں بعض جماعتوں کی جانب داری اور بعض سے اس کے برعکس رویہ کا احساس ہوتا رہا ہے، ظاہر ہے کہ ملک میں کسی بھی اہم اور وسیع تر قومی وملکی معاملہ میں اختلاف رونما ہونے کے وقت عدالتوں کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے، اگر خدانخواستہ عدالتوں کے فیصلوں سے اعتماد اٹھ جائے یا ختم ہوجائے، تو یہ ملک کے آئین وقانون کے لیے بڑا دھچکا ہوگا، اور ”لمحوں نے خطا

کی ہے، صدیوں نے سزا پائی‘‘ والا معاملہ ہوگا۔

اس لیے اس سلسلہ میں عدالتوں کے اہلِ حل وعقد کو زبانی کلامی کے بجائے اپنے طرزِ عمل اور اپنے غیر جانبدارانہ آئینی وقانونی فیصلوں کے ذریعہ غیر جانبداری اور عدل وانصاف کے اصولوں پر قائم ہونے کے طرزِ عمل کو ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی۔

ورنہ اس وقت جس طرح بڑے پیمانے پر عوامی ذہنوں میں شکوک وشبہات جنم لے رہے ہیں، یہ ملک وملت بالخصوص وطنِ عزیز کے اہم اداروں کے لیے نیک شگون کا باعث نظر نہیں آتے۔

بہرحال ’’مَضٰی مَا مَضٰی ‘‘اور’’اَلْخَیْرُ فِیْ مَا وَقَعَ ‘‘کے پیشِ نظر، ہماری نظر میں، اب وطنِ عزیز میں 2018ء کے انتخابات کا عمل مکمل ہو چکا ہے، اور اس انتخاب کے سلسلہ میں جس طرح کے بھی شکوک وشبہات کسی کے ذہن میں ہیں، ان کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے، اب جناب عمران خان صاحب اور ان کی جماعت ’’تحریکِ انصاف‘‘ کو حکمرانی کرنے اور ملک میں مثبت تبدیلی لانے کا پورا موقع دینا چاہئے، تاکہ جناب عمران خان صاحب اور ان کی جماعت کے نمائندگان کی طرف سے مدتِ دراز سے جاری وساری دعووں کے تناظر میں عملی طور پر ان کے کردار کا جائزہ لیا جاسکے۔

اگر جناب عمران خان صاحب کی حکومت و جماعت نے اپنے کردار سے ثابت کردیا کہ وہ اپنے پُرزور دیرینہ دعووں میں مخلص اور سچے ہیں، اور وہ ملک میں بہتر تبدیلی لانے اور نیا پاکستان بنانے کا صحیح سمت کی طرف سفر کرنے میں کامیاب ہوئے، تو موجودہ انتخابات سے جو عوام کے ذہنوں میں بڑے پیمانہ پر تشویش واضطراب کی لہر پیدا ہوئی، اس کا کافی حد تک ازالہ ہوسکتا ہے، ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تشویش واضطراب میں اضافہ ہونے سے جناب عمران خان صاحب کی ہونے والی حکمران جماعت کے لیے آنے والا وقت مشکلات کا باعث نظر آتا ہے، جس سے ان کو کامیابی کے ساتھ بچ نکلنا آسان نہ ہوگا، کیونکہ

ان کی طرف سے اب تک پرزور انداز میں جس طرح کے دعوے کیے جاتے رہے ہیں، اور عوام کو امیدیں دلائی جاتی رہی ہیں، اس کے برخلاف ہونے پر ردِ عمل بھی فطری طور پر اسی نوعیت کا سامنے آنے کا قوی امکان ہے۔

اللہ تعالیٰ ملک وملت کی ہر طرح سے حفاظت فرمائے، اور اس کو اندرونی و بیرونی ہر قسم کی سازشوں سے محفوظ فرمائے، اور تمام اداروں کو اپنی آئینی وقانونی حدود میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو منصفانہ وعادلانہ طریقہ پر پورا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، ذوالحجہ 1439ھ - ستمبر 2018ء، جلد 15 شمارہ 12)

(174)

ہمارے اوقات میں برکت کیوں نہیں؟

پہلے زمانے میں ایسے بہت سے کام اپنے ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے کرنے پڑتے تھے، جو آج مشینوں کے ذریعہ سے انجام پارہے ہیں، اور پہلے وقتوں میں ان کاموں کی انجام دہی میں بہت وقت خرچ ہوتا تھا، لیکن اس کے باوجود اس زمانے میں لوگوں کی زندگی اور اوقات میں برکت تھی۔

لیکن آج جدید ٹیکنالوجی کے دور میں ہمارے بے شمار کام کاج مشینوں کے ذریعہ سے برق رفتاری کے ساتھ انجام پانے کے باوجود، نہ تو ہماری زندگیوں میں برکت دکھائی دیتی ہے، اور نہ ہی کاموں میں، قابلِ ذکر برکت محسوس ہوتی۔

پہلے زمانہ میں عام طور پر گندم کا آٹا گھروں میں ہی چکی کے ذریعہ سے پیسا جاتا تھا، لیکن اب بازار سے پسا ہوا آٹا ملتا ہے، پہلے زمانہ میں بازار سے چاول خریدنے کے بجائے گھر میں مونجی لاکر اس کو چکی پر پسوایا جاتا تھا، اور اب تیار شدہ چاول اپنی مرضی کے بآسانی خرید لیے جاتے ہیں، پہلے زمانہ میں گھروں میں ہی کھانا تیار کرنے سے پہلے مسالہ پیسا جاتا تھا، جس میں مرچ، ہلدی، وغیرہ سب کو پیسنا پڑتا تھا، لیکن اب اس طرح کی چیزیں بازار سے پسی ہوئی بآسانی حاصل کر لی جاتی ہیں۔

پہلے زمانہ میں کپڑے ہاتھ سے دھوئے جاتے تھے، خاص خاص لوگ رؤساء وغیرہ ہی خاندانی دھوبیوں سے دھلواتے تھے، اور کپڑوں کی دھلائی کا عمل بڑی محنت اور جدوجہد کا شمار ہوتا تھا، لیکن آج کے دور میں مشین سے بآسانی دھو لیے جاتے ہیں۔

پہلے زمانے میں پانی کو نلکے (ہینڈ پمپ) یا کنویں وغیرہ سے کھینچ کر حاصل کیا جاتا تھا، اور نل یا کنویں بھی گھر گھر میں اور ہر جگہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ خاص خاص جگہوں میں ہوتے تھے،

جس کی وجہ سے پانی حاصل کرنے کے لیے بڑی جدوجہد اور مشقت برداشت کرنی پڑتی تھی، لیکن آج کے زمانہ میں بجلی اور موٹر وغیرہ کے ذریعہ سے یا سرکاری لائنوں سے پانی بآسانی حاصل ہوجاتا ہے۔

پہلے زمانے میں عام طور پر آمدورفت پیدل ہوتی تھی، اور اس میں بہت زیادہ وقت صرف ہوجایا کرتا تھا، لیکن اب آمدورفت اور سفر واسفار کے مختلف تیز ترین، رفتار ذرائع میسر ہیں، جن کے ذریعے تھوڑے وقت میں دور دراز کا سفر غیر معمولی تھکاوٹ ومشقت کے بغیر طے کرلیا جاتا ہے۔

پہلے زمانے میں کسی دور کے شخص سے کوئی بات کرنی ہو، تو اس کے پاس خود چل کر جانا پڑتا تھا، یا کسی کو بھیجنا پڑتا تھا، جس میں بہت وقت خرچ ہوجاتا تھا، لیکن آج کے دور میں اس کے بجائے ٹیلی فون، نیٹ فون وغیرہ کے ذریعہ سے دور دراز بیٹھے ہوئے شخص سے بآسانی رابطہ کرکے ذرا سی دیر میں یہ مقصد پورا کرلیا جاتا ہے، پہلے زمانہ میں پیشاب، پاخانہ کی ضروریات کے لیے گھروں سے باہر دور جانا پڑتا تھا، اسی طرح کھانا وغیرہ پکانے اور آگ جلانے کا عمل بھی مشقت پر مبنی تھا، لیکن اب ان چیزوں میں غیر معمولی سہولت ہوچکی ہے۔

ان حالات کا تقاضا یہ تھا کہ آج کے دور میں لوگ اکثر اوقات میں فارغ رہا کرتے، زندگی کے اوقات میں برکت نظر آتی، لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں ہر شخص ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف دکھائی دیتا ہے، اور اس کے پاس ضروری کاموں کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا، جس کی شکایت، زبان زد عام ہے۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا دن اور رات کی رفتار کم ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، سورج اور چاند اپنی پہلی مقررہ رفتار کے مطابق چل رہے ہیں، ان میں ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔

لیکن اس کے باوجود آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص ہمہ دَم مصروف نظر آتا ہے، اور وقت کی تنگی کا رونا روتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگوں کی زندگی، فضولیات کے بجائے زیادہ تر ضروریات اور مفید کاموں میں خرچ ہوتی تھی، لیکن آج کل زندگی کا بڑا حصہ فضولیات ولغویات، بلکہ منکرات وخرافات میں خرچ ہونے لگا ہے، یہاں تک کہ بہت سے مسلمانوں نے اس سلسلہ میں اہلِ یورپ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

گزشتہ دنوں بندہ کے پاس ایک نوجوان صاحب آئے، جو دینی مسائل معلوم کرنا چاہتے تھے، انہوں نے دورانِ گفتگو بتلایا کہ وہ آج کل امریکہ میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، اور وہاں پر ملازمت کرتے ہیں، اور ان کے والدین یہاں پاکستان راولپنڈی میں رہتے ہیں۔

آنے والے مذکورہ نوجوان صاحب نے امریکہ میں اپنی روزمرہ کی غیر معمولی مصروفیات کا بتلایا، اور دوسرے لوگوں کی غیر معمولی مصروفیات کا بھی ذکر کیا کہ وہاں زیادہ تر ضروری اور مفید کاموں ہی میں مشغولی رہتی ہے، لیکن مجھے سخت افسوس اور تعجب ہے کہ میں نے جب یہاں پاکستان آکر اپنے گھر اور خاندان کے ماحول کا وہاں سے مقابلہ کیا، تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہاں تو بہت فضولیات اور لغویات ہیں، چنانچہ ہمارے گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی خاتون آکر بیٹھ جاتی ہے، اور گھنٹوں اِدھر اُدھر کی فضول باتیں اور غیبت اور عیب جوئی، لعن طعن میں وقت گزر جاتا ہے، میں اپنے گھر والوں کو سمجھاتا ہوں، لیکن ان کی سمجھ میں بات نہیں آتی۔

یہی صورتِ حال محلّہ کے دوسرے گھروں میں اور خاندان میں بھی دیکھنے میں آتی ہے۔

لیکن امریکہ میں غیر مسلموں کے یہاں بھی اس طرح کی چیزوں کا رواج نہیں، بلکہ ان چیزوں کا ان کے پاس وقت بھی نہیں۔

واقعی اس نوجوان نے سچ کہا کہ ہمارے معاشرے میں کئی چیزیں فضول، مہمل، بلکہ منکر ایسی رائج ہوگئی ہیں کہ جن کی وجہ سے ہماری معاشرت میں بہت بگاڑ اور فساد پیدا ہو رہا ہے، اور زندگی کی انمول گھڑیاں، شب وروز، ان چیزوں کی نذر ہو رہی ہیں۔

اِدھر اُدھر کی فضول باتوں کے علاوہ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ پر گھنٹوں گھنٹوں فضولیات، بلکہ منکرات میں مشغول رہا جاتا ہے، تھوڑی تھوڑی دیر بعد دنیا جہاں کے فضول اور گناہ پر مشتمل قصوں کے نیوز بلیٹن سنے اور دیکھے جاتے ہیں، موبائل فون پر سستے پیکیج لگا کر گھنٹوں گھنٹوں اس طرح کی باتوں میں وقت گزارا جاتا ہے۔

اخبار کے لایعنی اور منکرات پر مشتمل مضامین کو صبح سے شام تک یا غیر معمولی وقت لگا کر مطالعہ وملاحظہ کیا جاتا ہے۔

فیس بک پر گھنٹوں منہمک رہ کر فضولیات، بلکہ منکرات پر مشتمل چیزوں کو نہایت انہماک سے پڑھا، دیکھا اور سنا جاتا ہے، اور خود بھی اس طرح کی چیزیں، دوسروں کو انٹرنیٹ، موبائل فون وغیرہ کے ذریعہ ارسال کی جاتی ہیں۔

اس طرح کے حالات اور ماحول میں پھر زندگی اور وقت میں برکت کہاں سے آئے گی، جب اپنے ہی ہاتھوں سے زندگی اور اس کی انمول ساعتوں کو ضائع کیا جارہا ہے۔

لٰہذا زندگی کے اوقات میں برکت نہ ہونے کا رونا رونے کے بجائے اپنے آپ کو مذکورہ اور ان جیسی دوسری فضولیات ومنکرات سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اس کے بعد دیکھیے کہ زندگی اور اوقات میں کیسی برکت ہوتی ہے، بلکہ امید ہے کہ ان شاءاللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے زندگی سکون وطمانیت سے بھی بھر جائے گی، اور دنیا کے ضروری کاموں کے علاوہ، آخرت کے کاموں کے لیے بھی وقت بچے گا، جس سے دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کا بھی معاملہ درست ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نظم قائم کیجئے اوقات میں		برکتیں پھر دیکھیے دن رات میں
ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم کم		رفتہ رفتہ ، لحظہ لحظہ ، دم بدم

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، محرم الحرام 1440ھ - اکتوبر 2018ء، جلد 16 شمارہ 01)

(175)

نیا پاکستان اور تبدیلی کی آمد کا نعرہ

اس وقت ملک میں وفاقی طور پر وزیرِ اعظم جناب عمران خان صاحب اور ان کی پارٹی ''تحریکِ انصاف'' کی سیاسی حکومت قائم ہے، یہ جماعت اور پارٹی کس طرح سے انتخابات کے مراحل سے گزر کر برسرِ اقتدار آئی، اور اس کے کیا عوامل واسباب تھے؟ یہ سب باتیں اب ایسی ہو چکی ہیں کہ ان پر پے در پے تبصروں اور تجربوں کی بھرمار کی وجہ سے اب مزید تبصرہ کرنے اور سننے سے لوگوں کو اکتاہٹ محسوس ہونے لگی ہے، جبکہ اس سلسلہ کی بعض باتیں لوگوں کے لیے اتنی بدیہی اور واضح ہو چکی ہیں کہ اگر ان کے خلاف لاکھ تبصرے آ جائیں، تو بھی شاید عوام کو ان پر یقین نہ ہو۔

بہرحال جناب عمران خان صاحب اور ان کی سیاسی جماعت ''تحریکِ انصاف'' کی طرف سے ایک عرصہ سے برسرِ اقتدار آ کر ''پاکستان میں تبدیلی لانے اور نیا پاکستان تعمیر کرنے'' کا اس قدر زور، شور سے چرچا ہوتا رہا ہے کہ جناب عمران خان صاحب اور ان کی جماعت کی حمایت میں یہ الفاظ انتخابات سے کافی عرصہ پہلے ان کے چاہنے والے بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔

لیکن وزیرِ اعظم جناب عمران خان صاحب اور ان کی جماعت کے اقتدار سنبھالنے کے بعد بہت جلد ہی ان الفاظ نے بہت سے لوگوں کے دل ودماغ میں تعمیری ومثبت پہلو کے بجائے، تخریبی اور منفی پہلو اختیار کر لیا، اور بچہ بچہ کی زبان پر اب وہی الفاظ استہزاء و مذاق کے طور پر جاری ہونے لگ رہے ہیں، اور وہ بہتر تبدیلی کے بجائے بدتر تبدیلی اور نئے پاکستان سے کسی اور طرح کے نئے پاکستان کی تعبیر لینے پر مجبور ہونے لگے ہیں، جو اللہ نہ کرے، شاید پہلے اور پرانے پاکستان سے گیا گزرا ہو۔

تبدیلی برائے تبدیلی کا کھیل تو ملک میں ایک عرصہ سے کھیلا جا رہا ہے، جس سے عقلاء تنگ آچکے ہیں۔

ابھی موجودہ حکومت کو آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا، لیکن چند چیزوں سے بہت جلدی پردہ اٹھنے لگ گیا اور نئے پاکستان کے قیام اور تبدیلی کے رُخ کا اندازہ ہونے لگ گیا ہے، اگر صورتِ حال یہی رہی، تو مزید چیزوں سے بھی پردہ اٹھنے میں بھی شاید زیادہ وقت نہ لگے۔

موجودہ حکومت کے برسر اقتدار آتے ہی، گزشتہ حکومت کے برعکس ڈالر، سونے، پیٹرول بجلی اور گیس وغیرہ کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا، مہنگائی کسی جگہ ٹھہرنے کا نام نہیں لے رہی، اور قرض لینے سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنے اور دوسروں کو اس عمل پر شرم دلاتے رہنے والے برسر اقتدار افراد، اب مختلف تاویلات کا راستہ اختیار کر کے، مثلاً آخری مرتبہ قرض لینے کا دعویٰ کر کے قرض لینے کو ضروری اور نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ رہے ہیں، آنے والے وقت کو کس نے دیکھا، عام انسانوں کی نظر میں اصل دلیل تو موجودہ وقت ہوتا ہے، یہ موجودہ حکومت کی طرف سے تبدیلی اور نئے پاکستان کی تعمیر کے لیے پہلا قدم اور گویا کہ ''یوٹرن'' کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے ''آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا''

حیرت کی بات یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے ساتھ شامل وزراء اور بڑے عہدوں پر فائز افراد کی کافی بڑی تعداد، اِن افراد کی ہے کہ جن کا دامن پہلے وزراء و حکمرانوں سے کچھ زیادہ صاف نہیں ہے، اور نہ ہی ان میں حکومت کے امور و معاملات کو سمجھنے اور اسے چلانے کا کچھ زیادہ تجربہ و سلیقہ دکھائی دیتا ہے، جس کی بناء پر موجودہ حکومت، اس وقت عملی طور پر مشکلات اور بوکھلاہٹ کا شکار دکھائی دیتی ہے۔

اور تبصرہ و تجزیہ نگاروں کے ایک بڑے حلقہ کی رائے یہ ہے کہ حکومت کے نظم و نسق کو چلانے کا ریموٹ کنٹرول کسی دوسری پسِ پردہ طاقت کے پاس ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

ہم اب بھی امید کا دامن چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں، بلکہ حسنِ ظن کے جذبہ سے ایک مرتبہ پھر یہ توقع رکھتے ہیں کہ موجودہ حکومت نیا پاکستان تعمیر کرنے اور بہتر تبدیلی لانے اور اپنی ''یوٹرن'' کی روِش ترک کرنے کی مخلصانہ جدوجہد اور کوششیں ضرور کرے گی، جس پر انصاف پسندوں کی طرف سے حوصلہ افزائی حاصل ہوگی، ورنہ اس کو اپنے زوردار نعروں کے ردّعمل کے نتیجہ میں زیادہ وقت تک اپنے پاؤں جما کر رکھنا آسان نہ ہوگا، اور اس کے لیے آنے والا وقت کٹھن مشکلات کا باعث ہوسکتا ہے۔

اللہ کرے کہ ملک میں تعمیر و ترقی ہو، اور نیا پاکستان تعمیر ہو، اور بہتر تبدیلی آئے، اور اس کے لیے تمام اداروں اور لوگوں کو مل جل کر اور باہمی تعاون کے ساتھ دامے، درہمے، سخنے کام کرنے کی توفیق حاصل ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، صفرالمظفر 1440ھ - نومبر 2018ء، جلد16 شمارہ02)

---

(176)

ملکی پالیسیوں میں اصلاح لانے کی ضرورت

وطنِ عزیز کو قائم ہوئے سات دہائیاں بیت چکی ہیں، اتنے عرصے میں کتنی ہی ایسی گری پڑی اور پس ماندہ قومیں قعرِ مذلت سے اٹھ کر بامِ عروج پر پہنچ چکی ہیں، جو زمینی، افرادی، اور تمدنی وسائل میں ہماری بنسبت، عشرِ عشیر بھی نہ رکھتی تھیں، لیکن ہم نے آج تک ان شعبوں میں بھی خاطر خواہ ترقی نہیں کی، جن میں بآسانی ترقی کی جا سکتی تھی، بلکہ ہمارے یہاں آئے دن ایک نیا بحران اور المیہ ہمارا منتظر رہتا ہے۔

اس وقت بھی گونا گوں مسائل سے قوم وملک دوچار ہے، جن میں سے ایک بڑا مسئلہ پانی کا سر اٹھا رہا ہے، اور اب متعلقہ اتھارٹیاں بھی اس حوالے سے شد و مد کے ساتھ خطرے کی گھنٹیاں بجانے لگی ہیں، دوسری طرف ہمارے یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ ہر سال بارش اور سیلاب سے متاثر ہونے والے ملک کے پاس پانی کو ذخیرہ کر کے محفوظ کرنے، ضائع ہونے سے بچانے اور اسی کے ساتھ سیلاب کی تباہی سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کا معتد بہٖ انتظام نہیں۔

ہماری ملکی معیشت کا حال اب یہ ہو چکا ہے کہ قرض لینے کے ساتھ ساتھ گزشتہ قرض کی سودی قسطیں ادا کرنے کے لیے بھی قرض لینے کی نوبت آ گئی ہے۔

’’سود‘‘ جس سے قرآن وسنت میں سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، اور اس کے مرتکب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے، آج ملک کی غلط پالیسیوں، مختلف طبقات کی عیاشیوں، شاہی خرچیوں اور مختلف شکلوں میں اللہ کی نعمتوں کو ضائع کرنے کی وجہ سے وطنِ عزیز کا بچہ بچہ سودی قرض میں جکڑا ہوا ہے، اور ملک میں جس قسم کی پالیسیاں جاری ہیں، ان کے پیشِ نظر اس سودی قرض کی وبا سے بچنے کی کوئی صورت بظاہر سامنے نہیں۔

جبکہ عالمی مہاجن، قرض دینے پر صرف سودِ مرکب جیسی بدنامِ زمانہ شرح سود عائد کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ نظمِ ریاست اور ملکی معیشت کے باب میں اپنی استحصالی پالیسیاں بھی منواتے اور مسلط کرتے ہیں، اس کو کہتے ہیں ''مرے پر 100 درّے'' ہم ادھ موے لوگ یہ کڑوے گھونٹ لاکھ تلخی کے ساتھ زہر مار کرنے پر مجبور ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

اس وقت ملک میں جاری کمر توڑ مہنگائی اور معاشی بحران کے باعث لوٹ مار، قتل و غارت گری، اغوا کاری، اور اس کے نتیجہ میں ذہنی وجسمانی اذیتوں اور بیماریوں کا سلسلہ بھی دن بدن بڑھتا اور ترقی کرتا جارہا ہے، اور عوامی سطح پر امن وامان کی صورتِ حال قابلِ اطمینان معلوم نہیں ہوتی۔

اس قسم کے متعدد مسائل و مصائب کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ملک میں چہار سو نظر آتا ہے۔

جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ہمارے یہاں وطنِ عزیز کے قیام سے لے کر اب تک سیاسی سطح پر اور ملک کے دوسرے بڑے اداروں کی طرف سے جس قسم کی خارجہ اور داخلہ پالیسیاں اپنائی گئی ہیں، وہ ملک وملت کے لیے کوئی خوش کن اور کامیاب ثابت نہیں ہوسکیں، اور ان پر نظرِ ثانی کر کے ان میں حسبِ حال بہتر تبدیلی لانے و اصلاح پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ کام اس وقت تک ممکن نظر نہیں آتا، جب تک ملک کی سیاسی وغیر سیاسی اور جمہوری و غیر جمہوری طاقتوں میں مخلصانہ و عاقلانہ اور مدبرانہ ہم آہنگی اور اتفاق پیدا نہیں ہوجاتا، جو اگرچہ سابقہ تجربات کی بناء پر ہمارے یہاں کے سیاسی وغیر سیاسی اور عوامی، غیر یقینی ماحول میں مشکل ضرور نظر آتا ہے، لیکن جد و جہد اور امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور دامے درہے سخنے، جس کو جتنی قدرت و استطاعت حاصل ہو، اس کو اختیار کرنے میں کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہیے، خاص طور پر پانی کے ضیاع کی جن جن شکلوں میں ہم محض لاپرواہی اور سستی کی وجہ

سے مبتلا ہیں، اس سے بھی اب ہمیں باز آجانا چاہئے، اس سے پہلے کہ قدرت ایتھوپیا اور صومالیہ والی بے آواز لاٹھی یہاں بھی گھمانا شروع کردے۔

کہتے ہیں:

اَلسَّعِیْدُ مَنْ اِعْتَبَرَ بِغَیْرِہٖ

وَالشَّقِیُّ مَنْ اِعْتَبَرَ بِہٖ غَیْرُہٗ

خوش بخت وہ ہے، جو دوسرے سے عبرت پکڑے

اور بد بخت وہ ہے، جس سے دوسرا عبرت پکڑے

اللہ تعالیٰ اصلاحِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، ربیع الاول 1440ھ - دسمبر 2018ء، جلد 16 شمارہ 03)

(177)

طلاق یافتہ یا بیوہ عورت کو معیوب ومنحوس سمجھنا

ہمارے معاشرہ میں بہت سے لوگ زوجین میں طلاق ہوجانے کے بعد مطلقہ عورت کو بہرحال بدکردار یا بداخلاق اور معیوب ومنحوس وغیرہ سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے طلاق یافتہ عورت سے کوئی دوسرا شخص بآسانی نکاح کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اور کسی مطلقہ عورت سے نکاح کرنا گویا کہ معاشرہ کی توپوں کا رُخ اپنی طرف کرانے کے مترادف سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ مطلقہ عورت کی بہن وغیرہ سے نکاح کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ ہمارے معاشرہ میں ایک غلط، بلکہ جاہلانہ سوچ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مطلقہ عورتوں سے نکاح کیا ہے، بلکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے طلاق یافتہ بیوی سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اللہ نے آسمان پر فرمایا ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ [1]

اور یہ بات ممکن ہے کہ ایک عورت نکاح کے بعد اپنے شوہر کے شرعی حقوق پورے کررہی ہو، لیکن مرد کی طرف سے کوتاہی سامنے آنے اور اس کی طرف سے حق تلفی ہونے پر عورت کو اس کے ساتھ موافقت نہ ہوئی ہو، یا مرد، بدکردار، بدزبان، بداخلاق اور غصہ کا عادی وغیرہ ہو، اور اس نے بداخلاقی اور غصہ وغیرہ میں آکر بغیر کسی معقول وجہ کے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو، وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ اس طرح کی بہت سی وجوہات کا پایا جانا ممکن ہے کہ اس میں عورت یا اس کے اہلِ خانہ کا قصور اور عمل دخل نہ ہو، بلکہ مرد کی طرف سے بے جا طریقہ پر طلاق دی گئی ہو، اس لیے

---

[1] فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا (سورة الاحزاب، رقم الآية ۳۷)

کسی عورت کو طلاق ہو جانے کی صورت میں بہر حال اس کو معیوب و منحوس سمجھنا، یا اس کو یا اس کے اہلِ خانہ کو مطعون کرنا، یا مطلقہ عورت کی بہن وغیرہ سے نکاح کو معیوب و منحوس سمجھنا درست نہیں، اس سے ہمیں توبہ کرنی چاہئے۔

بعض اوقات مطلقہ عورت سے، جس کو ظالمانہ طریقہ پر طلاق دی گئی ہو، نکاح کرنے میں زیادہ اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے، کیونکہ ایسی عورت سے عام طور پر لوگ نکاح کو معیوب سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرنا، دراصل اس مظلوم کی مدد کرنا اور معاشرہ کی غلط رسم کو توڑنا ہوگا، جس میں عام نکاح سے اضافی ثواب حاصل ہوگا۔

نیز اس طرح کی عورت، نکاحِ ثانی کے بعد اپنے دوسرے شوہر کی عادتاً زیادہ خدمت اور قدر کرتی ہے۔

اسی طرح ہمارے معاشرہ میں بہت سے لوگ ''بیوہ'' عورت کو بھی معیوب و منحوس سمجھتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں اس سے نکاح کرنے کو بھی معیوب و منحوس سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگ بیوہ عورت کے میکہ والوں کو بھی برا سمجھتے ہیں، اور بیوہ عورت کی بہن وغیرہ سے نکاح کو بھی اچھا خیال نہیں کرتے۔

یہ بھی جاہلانہ اور غلط سوچ ہے، موت کا تو ہر ایک کے لیے اللہ کی طرف سے وقت مقرر ہے، اس میں بیوہ عورت یا اس کے میکہ والوں کا کیا قصور ہے؟

اور بیوہ عورت بھی اپنے متوفی شوہر کے غم کے ازالہ کی وجہ سے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس سے نکاح کیا جائے، اور معاشرہ کی بے جا اور بری رسم کا خاتمہ کیا جائے، جس میں دھرے اجر و ثواب کی امید ہے۔

نیز مطلقہ عورت کی طرح، بیوہ عورت بھی دوسرے شوہر کی عادتاً زیادہ قدر و خدمت کرتی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیوہ خواتین سے بھی نکاح فرمایا ہے، اور اس طرح بعض مطلقہ اور بیوہ خواتین پورے مسلمانوں کی ماں یعنی ''امّہاتُ المومنین''

کہلائیں، جو کہ ان مطلقہ اور بیوہ خواتین کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے، دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی، پھر مطلقہ اور بیوہ عورتوں یا طلاق یافتہ و بیوہ ہونے کی وجہ سے ان کے اہلِ خانہ کو معیوب و منحوس سمجھنے کا کیا مطلب؟

ہمارے معاشرہ میں جو اس طرح کی کئی غلط فہمیاں اور سنگین غلط فہمیاں پیدا اور رائج ہو چکی ہیں، ہمیں ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ معاشرہ میں پیدا شدہ اس طرح کی جاہلانہ سوچ کی اصلاح فرمائے، اور مطلقہ اور بیوہ خواتین اور ان کے اہلِ خانہ کو معیوب و منحوس سمجھنے کے گناہ سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، ربیع الآخر 1440ھ - جنوری 2019ء، جلد 16 شمارہ 04)

---

(178)

وزیراعظم عمران خان صاحب کی موجودہ حکومت

ملک کے موجودہ وزیراعظم جناب عمران خان صاحب کی حکومت کو قائم ہوئے تقریباً پانچ ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے، اور وزیراعظم جناب عمران خان صاحب کی طرف سے قیامِ حکومت کے بعد کا پیش کردہ ''سوروزہ پلان'' کا وقت بھی گزر گیا ہے، لیکن تبدیلی کا نعرہ لگانے والی عمران خان صاحب کی جماعت کی طرف سے ابھی تک ملک میں خاطر خواہ بہتر تبدیلی نہیں آسکی۔

بلکہ اس کے برعکس اس وقت ملک میں بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے عوام میں سخت مشکلات کی لہر قائم ہے۔

سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کے دورِ حکومت میں بجلی اور گیس کا بحران اس نوعیت کا نہیں تھا، جو کیفیت اس وقت عمران خان صاحب کے دورِ اقتدار میں موجود ہے۔

موجودہ دورِ حکومت میں مختلف اشیاء میں مہنگائی کا سلسلہ بھی قابو میں نہیں، ڈالر اور سونے کی قیمتوں میں ہوش رُبا اضافہ ہوگیا ہے، اور وزیراعظم جناب عمران خان صاحب کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات کو دیکھ کر سرِ دست کوئی خاطر خواہ بہترائی کی نوید بھی نظر نہیں آتی۔

وزیراعظم جناب عمران خان صاحب کے دل ودماغ میں جو بات زور وشور سے چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے، وہ احتساب کا عمل ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جناب عمران خان صاحب کی حزبِ اقتدار جماعت میں جن لوگوں کے احتساب کی ضرورت ہے، ان کا احتساب کیوں نہیں ہوتا۔

جناب ثاقب نثار صاحب، جو کہ اَب سے پہلے تک ملک میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے پر فائز تھے، اور ان کے متعلق بڑے حلقے کی رائے یہ تھی کہ وہ عمران خان صاحب کی موجودہ حکومت کے حامی اور جناب نواز شریف اور ان کی حکومت کے مخالف ہیں، وہ 17

جنوری 2019ء کو اپنے عہدے سے ریٹائرڈ ہوچکے ہیں، اور 18 جنوری 2019ء سے جناب آصف سعید کھوسہ صاحب نئے چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہوچکے ہیں، ممکن ہے کہ نئے چیف جسٹس صاحب کی طرف سے غیر جانب دارانہ رویہ کی وجہ سے موجودہ حکومت کی بے جا طرف داری کا موجودہ تاثر ختم ہوجائے، لیکن اس میں شک نہیں کہ وطنِ عزیز کے قیام سے لے کر آج تک ہمارے سیاسی اور فوجی شعبوں میں مطلوبہ ہم آہنگی پیدا نہ ہوسکی، اور ان حالات میں ہمیشہ عدلیہ کے شعبے کا کردار بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

ملک کے ایک طبقے کی رائے یہ ہے کہ عدلیہ کی طرف سے جمہوری و سیاسی لوگوں کے متعلق فیصلوں میں عدلیہ کی آزادی کا عنصر کم رہا ہے، اور اس قسم کے بعض فیصلے عدلیہ کے بجائے بعض دوسری خفیہ طاقتوں کے زیرِ اثر ہوتے رہے ہیں۔

اس دعوے میں کتنی صداقت ہے، اس کا اصل فیصلہ تو قیامت کے دن ہی ہوگا، لیکن اب ہمیں اگلے چیف جسٹس صاحب کے فیصلوں اور طرزِ عمل کا انتظار کرنا چاہیے کہ وہ ملک وملت کے لیے کس قدر مفید ثابت ہوسکتے ہیں، اور وہ عدلیہ کے گزشتہ فیصلوں کے متعلق پیدا شدہ شکوک وشبہات کا کس قدر ازالہ کرسکتے ہیں۔

اسی کے ساتھ موجودہ حکومت کے آنے والے وقت کو بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ ملک کے نظام کو کتنا بہتر کرنے میں کامیاب ہوتی ہے، یا پھر ناکامی کا سامنا کرتی ہے۔

ہماری دعاء تو یہی ہے کہ اللہ کرے کہ موجودہ حکومت ملک میں عدل وانصاف قائم کرے، اور ملک وملت کی ترقی کے لیے بہتر اقدامات کرکے اپنے دعوے کے مطابق مدینہ منورہ کی فلاحی ریاست کا نمونہ پیش کرے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ: التبلیغ راولپنڈی، جمادی الاولیٰ 1440ھ - فروری 2019ء، جلد 16 شمارہ 05)

(179)

اپنی اولاد کو انٹرنیٹ کی وبا سے بچائیے

موجودہ زمانے میں انٹرنیٹ کی وبا نے ہمارے معاشرے کے بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور اس کی زَد میں پڑھے لکھے اور دینی ذہن رکھنے والے لوگوں کا بڑا طبقہ بھی آ گیا ہے۔

بچوں کا مسئلہ تو در کنار، نوجوان اور بعض بزرگ حضرات بھی اس وبا میں مبتلا ہیں، انٹرنیٹ کی وبا سے ہماری مراد، انٹرنیٹ کا بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کا جائز استعمال نہیں ہے، بلکہ لایعنی اور ناجائز استعمال ہے، جس کا آج کے دور میں عامۃُ الناس کی طرف سے تناسب، بامقصد اور جائز استعمال سے کہیں زیادہ ہے، اور اس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ زندگی کا قیمتی وقت برباد ہو رہا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ صحت وتن درستی کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے، اور قیمتی مال ودولت بھی اس کی نذر ہو رہا ہے، اور بے حیائی وفحاشی کی وجہ سے ایک مسلمان کے دین وایمان کا نقصان سب سے اہم ہے۔

موجودہ زمانے کے انٹرنیٹ پر بے حیائی وفحاشی پر مشتمل مختلف طرح کے شیطانی ونفسانی زہریلے جراثیم موجود ہیں، جن زہریلے جراثیم کا نفس وشیطان تقاضا کرے، اور وہ اس پر موجود نہ ہوں، ایسا بہت کم ہے، الغرض بے حیائی اور فحاشی کے حوالہ سے انٹرنیٹ کے ذریعے تمام حدود پامال ہو چکی ہیں۔

پہلے زمانے میں نظر اور کانوں وغیرہ کے ذریعے سے زنا کے مواقع، زندگی میں بہت کم میسر آتے تھے، لیکن اب انٹرنیٹ کے ذریعے ہمہ وقت نفس وشیطان کی من پسند ہر چیز بآسانی میسر ہے، دنیا جہان کے کسی کونے میں بھی بے حیائی کا کوئی نیا سے نیا اور پرانے سے پرانا، منظر انٹرنیٹ کی دنیا میں موجود ہو، نیٹ کے ذریعے اس تک بآسانی رسائی

ممکن ہے۔

اسی وجہ سے:

''کل جدید لذیذ''

یعنی ''ہرنئ چیز کی لذت، زیادہ ہوتی ہے''

کے مطابق انٹرنیٹ کی لذت کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی، ہر مرتبہ میں کوئی نئ سے نئ چیز سامنے آتی ہے، بلکہ انٹرنیٹ کے ذریعے سے ایک زہریلے سانپ کو دیکھنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، تو اس کے ساتھ ہی دسیوں ایسے زہریلے سانپوں کا پٹارا کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ جن کے دیکھنے یا سننے کا مقصد اور ارادہ بھی نہیں کیا ہوتا، بلکہ وہ حاشیہ وخیال میں بھی نہیں ہوتے۔

اس صورتِ حال کے نتیجے میں سب سے زیادہ نقصان اس نسل کا ہورہا ہے، جو اُبھی تعلیم وتربیت کے مرحلہ سے گزر رہی ہے، لیکن اس کی تعلیم وتربیت کا اصل ذریعہ انٹرنیٹ بن گیا ہے، چھوٹے سے موبائل کی شکل میں یہ سہولت ہمہ وقت اور ہر جگہ بآسانی میسر ہے، خواہ گھر ہو یا بازار، سفر ہو یا حضر، بستر ہو یا بیتُ الخلاء، جلوت ہو یا خلوت، کوئی جگہ شاید ہی ایسی باقی رہ گئی ہو کہ جو انٹرنیٹ کے زہریلے جراثیم سے محفوظ ہو، اور اس کی بناء پر موجودہ نسل کی نہ صحیح تربیت ہو پارہی ہے، اور نہ ہی صحیح تعلیم، اور اس نسل کی صحت وتن درستی جس نوعیت کی ہے، وہ بھی ڈھکی چھپی نہیں۔

انٹرنیٹ کی وبا سے بچوں کی بینائی کمزور ہورہی ہے، دماغ، کمپیوٹر اور موبائل کی شعاعوں سے متاثر ہورہا ہے، بے جا شہوت ابھرنے اور قوتِ خاص کے ضائع ہونے کی وجہ سے شادی بیاہ اور توالد وتناسل کی صلاحیت وقابلیت متاثر اور کمزور ہورہی ہے، جس کے بے شمار واقعات آئے دن سامنے آرہے ہیں۔

اور کیا کیا نقصانات نہیں ہیں، جو اِس انٹرنیٹ کی وجہ سے نوجوان اور نوخیز نسل کو پیش نہیں آرہے۔

یہ وبا ویسے تو ساری انسانیت کے لیے آج ایک ناسور بن چکی ہے، لیکن مسلم امہ کے لیے اس کی ہلاکت خیزی کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ آسمانی ہدایت اور آفاقی تمدن کی روشنی صرف اسی کے پاس ہے، اور اسی نے انسانیت کو دوبارہ یہ روشنی بانٹنی ہے، یہ خود اگر اندھیروں میں کھوگئی، تو یہ بہت بڑا انسانی المیہ ہوگا۔

ان حالات میں سخت ضرورت ہے کہ اس انٹرنیٹ کی وبا سے جہاں تک ممکن ہو، اپنی اولاد کو بطورِ خاص بچانے کی کوشش کی جائے، اس کے نقصانات سے وقتاً فوقتاً اِن کو آگاہ کیا جائے، ان کی اس سلسلے میں نگرانی کی جائے، اور خود بھی اس وبا سے اپنے آپ کو بچایا جائے، ورنہ اولاد اور ماتحتوں کو نصیحت کرنے کا اثر کم ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں اس زمانے میں انٹرنیٹ کے ذریعے رونما ہونے والی وبا سے خود اور اپنے ماتحتوں، خاص کر اولاد کو محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، جمادی الاخریٰ 1440ھ - مارچ 2019ء، جلد 16 شمارہ 06)

(180)

قصہ گو واعظین کی بے احتیاطی

ایک مرتبہ مجھے ایک دینی جلسہ میں شرکت کا موقع حاصل ہوا۔

پہلے میں نے بیان کر دیا، بعض اہلِ علم کی زبانی معلوم ہوا کہ میرے بیان کے بعد ایک مشہور مقرر صاحب کا بیان ہے، جن کا بیان بڑا عالیشان اور موثر ہوتا ہے اور ان کے بیان کو علماء وعوام میں بہت پسند کیا جاتا ہے، اس لیے اگر ہو سکے، تو ان کا بھی تھوڑا سا بیان سن لیا جائے۔

یہ پروگرام کیونکہ عشاء کے بعد تھا اور مجھے بیان کے بعد اپنے گھر واپس آنا تھا، اور فاصلہ کچھ زیادہ تھا، اس لیے میرے لیے ان مقرر صاحب کا مکمل ومفصل بیان تو سننا مشکل تھا، البتہ بعض حضرات کی خواہش پر میں ان کے بیان کے کچھ ابتدائی حصہ میں شریک رہا۔

سب سے پہلے تو ان خطیب صاحب نے خطبہ میں ایک موضوع ومن گھڑت حدیث پڑھی، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سند نہیں ملتی، اور اس کے بعد پھر فرمایا کہ رجب المرجب کا مبارک مہینہ شروع ہو گیا ہے، اور اس مہینہ میں ستائیسویں رات بہت مبارک رات ہے، کیونکہ اس رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف کا شرف حاصل ہوا تھا، اس لیے سال بھر میں شبِ قدر اور شبِ معراج دونوں انتہائی مبارک راتیں ہیں، حالانکہ شبِ معراج کی تاریخ اور مہینہ اور سال، سب میں ہی اختلاف ہے۔

پھر اس کے بعد انہوں نے معراج شریف کے حوالہ سے صحیح اور مضبوط احادیث وروایات اور واقعات کو نظر انداز کر کے من گھڑت، بے بنیاد، غیر معتبر اور عجیب وغریب روایات وواقعات کو خوب نمک، مرچ اور مسالہ لگا کر اور چٹ پٹا بنا کر پیش کیا، جس پر مجمع میں موجود عوام نے خوب نعرہ بازی کی اور اسٹیج پر موجود کئی اصحابِ علم بھی بڑے متاثر ہوئے۔

ایک واقعہ کو تو مذکورہ مقرر صاحب نے اس انداز میں بیان کیا، جس سے حضرت جبریل امین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا اظہار ہو رہا تھا، لیکن مذکورہ مقرر صاحب نے اس کو اس انداز میں بیان کیا، جیسا کہ وہ اپنے تئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین کی خوب تعریف و توصیف کر رہے ہوں۔

یہ سب کچھ منظر دیکھ کر میرے تو تعجب و حیرت کی انتہا نہ رہی اور ساتھ ہی افسوس بھی ہوا کہ اس طرح کے مقررین خوب لچھے دار آواز میں سُر لگا لگا کر اور الفاظ میں تصنع و تکلف پیدا کر کے، جب من گھڑت، بے بنیاد اور جھوٹی احادیث و روایات اور واقعات خوب نمک مرچ اور مسالہ لگا کر بیان کریں گے، اور عوام تو کیا علمائے کرام کی طرف سے بھی اس پر خوب دادِ تحسین حاصل ہوگی، تو پھر عوام اور سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد کے بگاڑ اور فساد کا کیا حال بنے گا۔

بعد میں جلسہ کے منتظم اور داعی صاحب نے ایک مرتبہ فون پر میرے سے رابطہ کیا، تو میں نے ان کو مذکورہ قصہ کو مشہور مقرر صاحب کے بیان میں مذکور من گھڑت اور بے بنیاد احادیث و روایات اور واقعات کے متعلق عرض کیا اور اپنے تعجب و حیرت اور افسوس کا اظہار کیا، جلسہ کے منتظم اور داعی چونکہ مخلص، لیکن کم علم تھے، اس لیے انہوں نے کہا کہ اس پر تو کام کرنے کی بہت ضرورت ہے، اور آپ اس طرح کی احادیث و روایات کی نشان دہی پر کام کریں گے، تو بہت فائدہ ہوگا، انہوں نے بتلایا کہ مذکورہ مقرر صاحب روزانہ مختلف بڑے بڑے مجامع میں کئی کئی بیانات کرتے ہیں، اور ان کے علاوہ بھی اس طرح کی سُر لگانے والے چند مقرر حضرات معروف و مشہور ہیں، ان کے بھی اسی طرح بڑے بڑے پروگرام ہوتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کی احادیث اور واقعات خوب مرچ مسالہ لگا کر سُر دار آواز میں بیان کرتے ہیں، اور عوام میں ان بیانات کی بڑی پذیرائی ہوتی ہے۔

یہ گفتگو سن کر میں نے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا، اور دل و دماغ پر اس صورتِ حال کا بڑا اثر

پڑا۔

اب اگر کسی عالمِ دین کی طرف سے ان مقررین کی طرف سے اس طرح کی بیان کردہ احادیث وروایات اورواقعات کی اسنادی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے اور دلائل سے ان کا غیر معتبر اور موضوع ومنگھڑت ہونا بیان کیا جائے، تو ظاہر ہے کہ یہ تحقیق نہ تو اس طرح کے مقررین کو ہضم ہوگی، نہ ہی ان کی تصدیق وتائید کرنے والے اہلِ علم حضرات کو گوارا ہوگی، اور جنہوں نے اس طرح کی احادیث وروایات اورواقعات کو مختلف اوقات میں بار بار مشہور مقررین سے اسٹیج پر موجود اہلِ علم حضرات کی موجودگی اور تائید میں سنا ہو، وہ ان احادیث و روایات اورواقعات کی تردید کو کیسے قبول کرنے پر آمادہ ہوں گے۔

بہرحال اس طرح کی احادیث وروایات اورواقعات کی اسنادی حیثیت اوران کے ثبوت کی تحقیق کی تو اپنی جگہ ضرورت ہے، لیکن اس قسم کے مقررین سے درخواست ہے کہ وہ اللہ کے رسول کے نائب اور وارث بن کر اور عوام کے مقتدا اور رہبر ہونے کی حیثیت سے عوام کے سامنے تشریف لے جاتے ہیں، ان پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا صحیح پیغام ہی عوام اور مخاطبین تک پہنچائیں اور اس طرح کی احادیث وروایات اور واقعات کی اسنادی تحقیق سے پہلے اپنی اور مخاطبین کی نجات کی خاطر ان کو بیان کرنے سے اجتناب فرمائیں۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَكْذِبُوْا عَلَیَّ، فَإِنَّهٗ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ (بخاری، رقم الحدیث ۱۰۶، کتاب العلم)

---

[1] مذکورہ بالا واقعہ کا بندہ کے دل ودماغ پر گہرا اثر ہوا، جس کی وجہ سے بندہ نے اللہ کا نام لے کر اس موضوع پر کچھ کام شروع کیا، جو الحمدللہ تعالیٰ کچھ ہی عرصے میں ایک ضخیم کتاب کی شکل میں تیار ہوگیا ہے، جو ''معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے موسوم ہے۔

اللہ تعالیٰ قبول ومنظور فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔ 26/ ذوالحجہ/ 1440ھ۔ 28/ اگست/ 2019ء، بروز بدھ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، پس بے شک جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم،مقدمة،باب النهى عن الحديث بكل ما سمع)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کر دے (مسلم)

امام مسلم نے ابنِ وہب سے روایت کیا ہے کہ:

قَالَ لِي مَالِكٌ: اعْلَمْ أَنَّهُ لَيْسَ يَسْلَمُ رَجُلٌ حَدَّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، وَلَا يَكُونُ إِمَامًا أَبَدًا وَهُوَ يُحَدِّثُ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم،ايضاً حواله بالا)

ترجمہ: مجھے امام مالک نے فرمایا کہ یہ بات جان لیجیے کہ وہ آدمی سلامت نہیں رہ سکتا، جو ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے، اور ایسا آدمی کبھی امام ومقتدا شمار نہیں ہو سکتا کہ جو ہر سنی (یا پڑھی) ہوئی بات کو بیان کرے (مسلم)

اللہ تعالیٰ اس قسم کی بے احتیاطی ولا پرواہی سے ہمارے مقتدا حضرات کو اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، رجب المرجب 1440ھ - اپریل 2019ء، جلد 16 شمارہ 07)

(181)

رمضان کی عبادات یہ بھی ہیں

آج کل بہت سے مسلمانوں کے ذہنوں میں عبادت کا تصور بہت محدود ہوکر رہ گیا ہے، چنانچہ بہت سے مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ عبادت دراصل، نماز، روزہ، زکاۃ، حج وعمرہ وغیرہ جیسے اعمال کو ادا کرنے کا نام ہے، اور بس، جبکہ بعض مسلمانوں نے عبادت کے مفہوم کو کچھ زیادہ وسیع کیا، تو انہوں نے اس میں ذکر، تلاوت، درود شریف، استغفار اور مختلف قسم کی مسنون دعاؤں اور چند نفل نمازوں کو بھی شامل کرلیا، اور اس طرح عبادت کے مذکورہ تصور تک اپنی عبادت کی جدوجہد کو محدود کر کے رکھ دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اپنے آپ کو آزاد سمجھ لیا، اور پھر اس کے نتیجے میں زندگی کے دوسرے شعبوں میں روز بروز فساد و بگاڑ آنا شروع ہوگیا۔

جبکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عبادت کا مذکورہ محدود تصور درست نہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے عبادت کا مفہوم اور اس کا تصور بڑا وسیع ہے، اور اس معنیٰ کر وسیع ہے کہ جس طرح نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وغیرہ کو ادا کرنے پر اللہ کی طرف سے ثواب عطا کیا جاتا ہے، اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقے اور **تصحیح** نیت کے مطابق عمل کرنے سے ثواب عطا کیا جاتا ہے، اور وہ سب کام عبادت کے زمرہ میں داخل ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ اگر کوئی تاجر اپنی چیزیں حلال طریقے پر اس نیت سے مناسب قیمت پر فروخت کرے کہ مثلاً مسلمان مجھ سے کپڑا خریدے گا، تو اس سے اپنے ستر کو چھپائے گا، اور اس کے جسم کو راحت وزیبائش حاصل ہوگی، اور اس کو فروخت کر کے جو رقم و نفع حاصل ہوگا، اس سے اپنے اور اپنے زیرِ کفالت افراد کے شرعی حقوق پورے کروں گا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مالی

حقوق، ذمہ میں عائد ہیں، ان کو بھی ادا کروں گا، تو پھر یہ تجارت بھی عبادت میں شامل ہوجاتی ہے، اور مال میں برکت بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء کو فروخت کرنے کا بھی معاملہ ہے۔

اور اسی طرح دوسرے مسلمان کے لیے اجرت پر کسی کام کو انجام دینے کا بھی یہی معاملہ ہے۔

اور جب ان کاموں کے ساتھ مزید کسی ثواب کے کام کا بھی تعلق وابستہ ہوجائے، تو پھر اسی حیثیت سے ثواب میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ عظیم فضیلت وعبادت والا مہینہ ہے، جس میں مسلمان، اسلام کے ایک اہم فریضے، روزہ کو ادا کرتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے سحری وافطاری میں مختلف اشیاء کھاتے پیتے ہیں، رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح اور دوسری عبادت کرتے ہیں، اور پھر اس کے شکرانے میں عیدالفطر کا تہوار مناتے ہیں، جس میں اچھا لباس پہنتے ہیں، اور زیب وزینت اختیار کرتے ہیں۔

پس جو شخص رمضان المبارک میں کپڑے وغیرہ مناسب قیمت پر اس نیت سے فروخت کرے گا کہ دوسرے مسلمان اس کپڑے کو عید کے دن پہن کر نماز پڑھیں گے، اور زیب وزینت اختیار کریں گے، اور میں اس سے جو جائز نفع حاصل کروں گا، اس سے اپنے اور اپنے زیرِ کفالت افراد کا نان ونفقہ ادا کروں گا، روزہ کے لیے سحری وافطاری کا انتظام کروں گا، اور عید کے دن جائز خوشی وزیبائش کا سامان مہیا کروں گا، اور صدقۂ فطر وغیرہ ادا کروں گا، تو اس نیت سے کپڑا فروخت کرنا اور اس نیت سے درزی کا لباس سینا بھی اہم عبادت میں داخل ہو کر عظیم اجر وثواب اور برکت کا باعث ہوگا۔

اسی طرح جو شخص رمضانُ المبارک میں کھانے پینے کی معیاری اشیاء مناسب قیمت پر اس نیت سے فروخت کرے گا کہ یہ چیزیں میرے مسلمان بھائی سحری وافطار میں استعمال کریں گے، اور روزہ کی عبادت میں یہ چیزیں استعمال ہوں گی، تو اس کا بھی اس تاجر کو عظیم اجر

وثواب حاصل ہوگا، اوراس مقصد سے کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت عظیم عبادت شمار ہوگی، بشرطیکہ صحیح اور صاف ستھری چیزیں فروخت کرے۔

لیکن افسوس ہے کہ ایک عرصہ سے مسلمانوں میں اس طرح کا جذبہ بہت کمزور پڑ گیا ہے، اور اس کے بجائے اکثر مسلمان، رمضان المبارک میں اندھا دھند طریقے پر چیزوں کی قیمتیں غیر معمولی بڑھا کر اور سستی اور خراب اشیاء کا انتخاب کر کے تجارت کرتے ہیں، جس سے دوسرے مسلمان سخت پریشان اور بیمار ہوتے ہیں۔

چنانچہ ایک عرصے سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ رمضان المبارک میں بیشتر اشیائے صرف واستعمال کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کر دیا جاتا ہے، اور ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح سے مال کمانے بلکہ مال بٹورنے کی فکر سوار ہو جاتی ہے، اور رمضان المبارک کے دن میں روزہ رکھ کر اور رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں دوسرے مسلمانوں سے طرح بطرح مال بٹورنے کا مشغلہ اختیار کیا جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے تو رمضان المبارک کو آخرت کے بجائے دنیا کمانے کا سیزن بنالیا ہے، وہ سارے سال کے اخراجات رمضان المبارک میں ہی کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے پورے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور رات دن ایک کر کے ہمہ تن پیسے بٹورنے کی فکر اور دھن میں مشغول رہتے ہیں، اور اس طرح رمضان المبارک، جو کہ آخرت کمانے کا بہترین زمانہ اور سیزن تھا، اس کو اپنے ہی ہاتھوں دنیا کی خاطر برباد کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ جو دنیا کمانے کی خاطر رمضان المبارک کی پوری پوری رات جاگ کر گزارتے ہیں، خاص طور پر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی بابرکت راتیں، جن میں شبِ قدر بھی ہوتی ہے، اور مسنون اعتکاف بھی ہوتا ہے، یہ لوگ نہ تراویح پڑھتے ہیں، اور نہ ہی فجر کی نماز بروقت ادا کرتے، بلکہ یا تو قضا کر دیتے ہیں، یا سرے سے پڑھتے ہی نہیں، بلکہ بعض لوگوں کی تو شبِ عید کی مبارک رات میں مشغولی کی وجہ سے فجر اور عید کی نماز بھی چھوٹ جاتی ہے،

وہ رات بھر تھکے ہونے کی وجہ سے اس وقت پڑ کر سو رہے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کو اپنی اس روِش کو بدلنے اور اس کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ عبادت کے تصور کو وسیع کر کے رمضان المبارک کو اپنے اپنے شعبوں میں دین و آخرت کمانے کا ذریعہ و سیزن بنائے، اور ناجائز طریقے سے مال بٹورنے اور نفع کمانے کی صورتوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے، اور اپنے اپنے شعبوں میں ہر مسلمان روزہ داروں کی خدمت کا جذبہ اپنے اندار پیدا کر کے اپنے شعبوں میں خدمات سرانجام دے، اور ان چیزوں کو بھی رمضان المبارک کی عبادت شمار کرے۔

اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مسلمان اپنے اپنے شعبے کو رمضان المبارک میں عبادت کا سیزن بنانے اور آخرت کا زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کمانے اور مال میں برکت کا ذریعہ بنانے میں کامیاب ہوگا۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، شعبان المعظم 1440ھ - مئی 2019ء، جلد 16 شمارہ 08)

(182)

وطنِ عزیز کو امانت دار سپوتوں کی ضرورت

وطنِ عزیز کو قائم ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے، اور وطنِ عزیز، اسلام کے نام پر بنا تھا، جس میں اسلامی اصول وقواعد کے مطابق قوانین کے عملی نفاذ کی ضرورت تھی، لیکن ہمارے ناخلف وناقدر لوگوں نے نہ تو وطنِ عزیز کی قدر کی، اور نہ وہی وطنِ عزیز کے مقصدِ قیام کی پاسداری کی، جس کے نتیجہ میں وطنِ عزیز اسلامی خدوخال کے مطابق پھلنے پھولنے میں وہ کامیابی حاصل نہ کرسکا، جس کی توقع اور ضرورت تھی۔

وطنِ عزیز میں جو بڑا مسئلہ مختلف خرابیوں اور فسادات کی جڑ ہے، وہ رشوت ستانی کا ناسور ہے، جو تقریباً ہر شعبہ میں اندر ہی اندر دیمک کی طرح پھیل گیا ہے، اور وہ گھُن کی طرح ملک کر چاٹ کر کھوکھلا کر رہا ہے۔

رشوت، اسلام کی رُو سے سخت اور کبیرہ گناہ ہے، اور رشوت لینے اور دینے والے کے بارے میں حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذاب بیان فرمایا ہے کہ:

''رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنم میں ہیں''۔

مگر اس سنگین اور خطرناک وبال کے باعث، گناہ نے ہمارے معاشرے کے بہت بڑے طبقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اس سنگین گناہ کو گناہ سمجھنے والے بھی ڈھونڈنے سے ملتے ہیں۔

رشوت لینے اور دینے والے کے لیے جو آخرت میں جہنم کا عذاب ہے، وہ تو اپنی جگہ ہے، اس گناہ کا دنیاوی عظیم نقصان یہ ہے کہ لوگوں کو جرائم کے ارتکاب کا ڈر اور خوف نہیں رہتا، اور ملک میں قانون نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی، مجرم طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کر کے رشوت کا سہارا پکڑ کر نجات پا جاتے ہیں، رشوت کے بل بوتے پر ہر طرح کی قانون شکنی کو روا

کرلیا جاتا ہے۔

کافی سالوں پہلے ایک مرتبہ مجھے اپنے قریبی عزیز کے ساتھ کسی سرکاری ادارہ میں جانا پڑ گیا، کام تو ان ہی صاحب کا تھا، جو ایک طرح سے میرے بزرگ تھے، اور میں اس وقت عمر میں کم تھا، میں ویسے ہی ان کے ساتھ تھا، اس لیے میں بھی ان صاحب کے ساتھ دفتر میں چلا گیا، میرے وہ عزیز کسی افسر سے ملے، اور ان سے اپنے کسی کام کے کرنے کی درخواست کی، افسر صاحب نے صاف عذر کردیا کہ تمہارا یہ کام ہرگز نہیں ہوسکتا، اور اس طرح کے کام میں ملکی و قومی قانون کی خلاف ورزی ہے، اور قانونی سزا بڑی سخت ہے، لہٰذا یہ کام کسی طرح ممکن نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سن کر میرے عزیز نے کہا کہ:

میں فاطمہ جناح کے بھائی کو ساتھ لایا ہوں۔

ان صاحب کی یہ بات سن کر میں کچھ پریشان ہوا کہ ان کے ساتھ تو میں ہی ہوں، لیکن ساتھ ہی خیال ہوا کہ میری فلاں قریبی عزیزہ کا نام بھی فاطمہ ہے، شاید افسر صاحب کی ان عزیزہ کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہوگی، اس لیے میرے عزیز نے مجھے ان کا بھائی قرار دے دیا، لیکن اس کے باوجود مجھے دو باتوں کی وجہ سے پھر بھی تشویش تھی:

> ایک تو یہ کہ ان عزیزہ کے نام کے ساتھ ''جناح'' نہیں لگتا، جبکہ میرے عزیز نے ''فاطمہ جناح'' نام بتلایا تھا، دوسری اس بات کی وجہ سے تشویش تھی کہ میرے اندر کون سا کمال ہے، جو انہوں نے مجھے فاطمہ کا بھائی کہہ کر واسطہ دیا، اور اثر ڈالا۔

اس کے بعد ان دونوں صاحبان کے کچھ اشارات اور کاغذ پر خاموش مذاکرات ہوئے، اور تھوڑی ہی دیر میں مسئلہ طے پا گیا، اور وہ افسر جو تھوڑی دیر پہلے نہایت غضبناک اور خطرناک بلکہ خونخوار محسوس ہورہا تھا، فوراً ہی میرے عزیز کی اور میری مختلف طرح سے خوشامد کرنے

لگا، ہمارے لیے چائے پانی اور ضیافت کا تکلف کیا، اور ہمارے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آنے لگا، اور کہنے لگا کہ آپ بالکل بے فکر ہو جائیں، آپ کے تمام کام فلاں وقت تک بآسانی مکمل ہو جائیں گے، اور آپ کا یہ کام ہونے کے بعد آپ کو کسی قسم کی پریشانی کے بغیر گھر میں کاغذات پہنچ جائیں گے۔

تھوڑی دیر میں خاطر مدارات کے بعد ہمیں اس افسر نے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

یہاں سے باہر نکلنے کے بعد میں نے اپنے ساتھ موجود، ان عزیز سے تعجب کے ساتھ اس ماجرے اور قصہ کی حقیقت معلوم کی، اور اس سلسلے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا، تو انہوں نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا کہ ارے صاحب! تم کہاں پہنچ گئے، میری مراد تو ''فاطمہ جناح کے بھائی'' سے ''قائدِ اعظم محمد علی جناح'' تھے، جن کی پاکستان کی کرنسی پر تصویر ہوتی ہے، ہمارے مخصوص کوڈ ورڈ (Codeword) میں ''فاطمہ جناح کے بھائی'' سے یہ کرنسی مراد ہوتی ہے، جو کہ رشوت کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

اس تمام صورتِ حال کے معلوم ہونے پر میرے تعجب و تحیر کی تو انتہا نہ رہی۔

اور نہایت دکھ ہوا کہ ہمارے اس طرح کے افسران، رشوت اور حرام خوری کے کتنے دلدادہ، بھوکے اور شیدائی ہیں کہ اس کی خاطر گدھے کو باپ بنانے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں، اور ہر قسم کے قوانین و آئین کی دھجیاں اڑانے کے لیے شترِ بے مہار نظر آتے ہیں۔

اس طرح کے اور بھی کئی واقعات کا زندگی میں مشاہدہ ہوا، اور اس قسم کے مناظر کئی مرتبہ دیکھنے کی نوبت آئی کہ رشوت کے ہاتھ میں جاتے ہی، یا اس کی امید قائم ہوتے ہی بڑے بڑے افسران کے منہ میں پانی آ جاتا ہے، اور ان کے رویے تبدیل ہو جاتے ہیں، اور وہ رشوت کی خاطر قانون کی رو سے ناممکن کو بھی ممکن بنانے پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔

یہ ہے رشوت اور حرام خوری کا نشہ اور بھوت، جو آج ہمارے ملک کے بہت سے افسرانِ بالا

سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کلرک اور چپڑاسی کے دل ودماغ پر سوار ہے، اور رشوت کی اس وبا نے جہاں رشوت خوری کی وجہ سے مسلمانوں کے بڑے طبقے کو جہنم کی وعید کا مستحق بنانے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے، اسی کے ساتھ ملک کے قوانین اور ضوابط کی دھجیاں اڑانے اور ملک میں مختلف قسم کے فتنے وفسادات پیدا کرنے اور ملک کو دیمک اور گھن کی طرح کھانے میں بھی کسر نہیں چھوڑی۔

ان نازک حالات میں وطنِ عزیز کو رشوت خوری سے بچنے اور قوانین کی پاسداری کرنے والے سپوتوں اور افسران کی ضرورت ہے، تاکہ ملک کو اس رشوت ستانی کی دیمک اور گھن سے بچا کر دنیا وآخرت کی ترقی کا سامان کیا جاسکے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو، اور وطنِ عزیز، اسلامی قوانین وضوابط کے مطابق رشوت وغیرہ سے محفوظ رہ کر ترقی کرے اور پروان چڑھے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، رمضان المبارک 1440ھ - جون 2019ء، جلد 16 شمارہ 09)

(183)

فحش اور بدگوئی کی گرم بازاری

میں نے اخبار میں ایک صاحب کا مضمون پڑھا، جس میں انہوں نے اپنا یہ واقعہ تحریر کیا کہ وہ ماہِ فروری 2003ء میں پاکستان سے ترکی کے شہر استنبول گئے، اور وہاں پر تین چار دن تک گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومے پھرے، لیکن اس دوران ان کو، ترکی کے اس شہر میں ایک بھی ایسا منظر دکھائی نہیں دیا کہ کوئی دوسرے سے غصہ میں چیخ وپکار کرکے بات چیت کر رہا ہو، یا گالم گلوچ میں مبتلا ہو، یا ایک دوسرے سے دست وگریبان ہو۔

یہ منظر دیکھ کر انہیں تعجب ہوا کہ ہمارے یہاں تو اس قسم کی صورتِ حال نہیں، معلوم نہیں کہ اس 80 لاکھ آبادی کے وسیع ترین شہر میں کیا وجہ ہے، کہ کوئی دوسرے سے لڑتا جھگڑتا اور گالم گلوچ کرتا، یہاں تک کہ چیخ وپکار کرتا ہوا بھی نظر نہیں آتا، جس پر انہوں نے وہاں پر موجود ایک معمر ترکی شخص سے معلوم کیا کہ کیا ترکوں کو غصہ نہیں آتا؟

اس معمر ترکی شخص نے جواب میں کہا کہ آتا ہے، مگر اسی وقت، جب پانی سر سے گزرنے لگے، ہمیں بات بات پر غصہ نہیں آتا، اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنے اور سرِ بازار چیخنے چلانے کو ہمارے یہاں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ترکی لوگ کبھی کسی کے غلام نہیں رہے، غلاموں کا چونکہ دوسروں پر بس نہیں چلتا، بس اپنے اوپر ہی چلتا ہے، اس لیے وہ جہاں بھی موقع ملے، بات بات پر اپنی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مضمون نگار کا مذکورہ واقعہ پڑھنے کے بعد مجھے ابنِ خلدون کے مقدمہ میں پڑھی ہوئی وہ بات یاد آگئی، جو انہوں نے سختی اور غلامی کے ماحول میں پرورش پانے اور زندگی گزارنے والے بچوں، بڑوں، اور غلاموں کے متعلق لکھی ہے کہ ان کے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے، جھوٹ بولنا اور مکروفریب وغیرہ، ان کی عادت واخلاق میں رچ بس جاتا ہے۔

جب ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمارے یہاں کے عام افراد کا تو کہنا ہی کیا، ہمارے یہاں کی بڑی بڑی سیاسی شخصیات بھی بداخلاقی کی تمام حدود کو پار کی ہوئی نظر آتی ہیں، ذرا ذرا سی بات پر مخالفین کی شان میں بدگوئی اور فحش کلامی کرنا ان کا عمدہ مشغلہ بن گیا ہے۔

چنانچہ بڑے اور مشہور سیاسی لوگوں اور ملک وملت کے سیاسی قائدین کی پریس کانفرنسوں اور ذرائع ابلاغ پر نشر ہونے والے ٹاک شوز وغیرہ جیسے پروگراموں میں جو فحش گوئی اور بدگوئی کے مناظر سامنے آتے ہیں، ان کو ایک باحیا اور باوقار شخص کا ملاحظہ کرنا شرم سے ڈوب مرنے کے مترادف ہوتا ہے، چور، ڈاکو، لٹیرے، زانی، میراثی، حرامی، یہودی وغیرہ جیسے الفاظ دوسرے کی شان میں برسرِ عام استعمال کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی جاتی، ان لوگوں کے مذکورہ اور جیسے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بداخلاقی اور غلامی کی گہری دلدل سے نکل کر آئے ہیں، جن کی ساری بداخلاقی کا زور زبانی کلامی بھڑاس نکالنے پر چلتا ہے، بعض اوقات ایسے واقعات بھی سننے میں آئے کہ اس طرح کے پروگرام کے دوران کسی نے اپنے مخالف کے تھپڑ رسید کردیا۔ قومی وصوبائی اسمبلیوں میں عوام کی طرف سے منتخب ہوکر جانے والی بہت سی شخصیات کا طرزِ عمل بھی اسی نوعیت کا ہوتا ہے، ایوان اور اسمبلیوں میں بعض اوقات ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھا پائی تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے، جن کے طرزِ عمل کا معلوم ہوکر دکھ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو گفت وشنید اور مشورے کے بنیادی آداب کا بھی علم نہیں، وہ ملک و ملت کی کیا خاک خدمت انجام دیں گے۔ پہلے تو ملک کا وزیرِ اعظم، حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف دونوں جماعتوں کے مشترکہ وزیرِ اعظم کا کردار ادا کیا کرتا تھا، لیکن اب کچھ عرصے سے ہمارے یہاں کے وزیرِ اعظم کا کردار بھی اس سلسلہ میں عام سیاسی لوگوں کے مشابہ معلوم ہونے لگا ہے۔ جس معاشرہ کی صورتِ حال یہ ہو کہ وہاں کے وزراء بھی فحش گوئی اور بداخلاقی کی زندہ تصویر ہوں، اس معاشرہ کے عوام اور رعایا کے حال کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

اس موقع پر مجھے تقریباً بیس بائیس برس پہلے کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے، میں ٹیوٹا ہائی ایس لوکل گاڑی کے ذریعہ سے اسلام آباد سے راولپنڈی آرہا تھا، اسی دوران، مری روڈ پر ایک جگہ

گاڑی کے کنڈیکٹر اور مسافر کے درمیان جھگڑا ہوگیا، جو شدت اختیار کر گیا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ڈرائیور کو بیچ راستہ میں گاڑی روکنی پڑی، مجھ سمیت کئی مسافر بھی گاڑی سے نیچے اتر گئے، میں جس وقت گاڑی سے نیچے اترا، اس وقت کنڈیکٹر اور مسافر میں ہاتھا پائی اور ایک دوسرے پر جوتوں سے پٹائی کا تبادلہ ہورہا تھا، بڑی مشکل سے مسافروں کے درمیان میں پڑنے کے بعد چھوٹ چھٹا ہوا، اور اصل تنازعہ چار آنے پر تھا، مسافر کا کہنا یہ تھا کہ کنڈیکٹر مجھ سے مقررہ کرایہ سے چار آنے زیادہ وصول کررہا ہے، جبکہ کنڈیکٹر اس کو جائز کرایہ قرار دے رہا تھا، میں نے اپنی جیب سے پچیس پیسے نکال کر مسافر کو دیے اور کہا کہ یہ سمجھ لیں کہ یہ کنڈیکٹر کی طرف سے ہیں، اور میں دونوں کی طرف سے ایک دوسرے سے معافی مانگتا ہوں کہ اللہ کے لیے ایک دوسرے کو معاف کردیں۔ میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے پچیس پیسے کی خاطر ایک دوسرے کو ماں بہن وغیرہ کی گالیاں دے کر اور مار پیٹ کر کے کئی کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا، جن کا اللہ کی طرف سے وبال ان چار آنے سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ یہ اب سے بیس بائیس برس پہلے کا واقعہ ہے، جب تک موجودہ دور کے اتنی کثرت سے پرائیویٹ چینل اور اخبار وغیرہ بھی نہیں آئے تھے، جن کے ذریعے بداخلاقی اور بدگوئی کی ہمہ وقت برسرِ عام، تبلیغ وتشہیر جاری ہے۔ اگر آج کے دور میں جھگڑوں اور بداخلاقیوں، یہاں تک کہ قتل وغارت گری کے واقعات کے پسِ مناظر کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے گا، تو ان کی بنیادی حیثیت بھی موجودہ دور کے چار آنے والے مذکورہ واقعہ سے زیادہ مختلف ثابت نہیں ہوگی۔ معلوم نہیں کہ ہماری قوم، بداخلاقی اور فحش گوئی کی ان پستیوں کے بھنور میں کب تک گِھری رہے گی، جس سے آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے نکال کر اعلیٰ اخلاق کی بلندیوں پر پہنچایا تھا، اور ان کو دیکھ کر تمام غیر مسلم قومیں اسلام کی طرف متوجہ ہوتی تھیں، اور آج مسلمانوں کے بداخلاقی کے مناظر دیکھ کر اسلام اور مسلمانوں سے متوحش ومتنفر ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو اس بداخلاقی اور فحش گوئی کی گرم بازاری سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، شوال المکرّم 1440ھ - جولائی 2019ء، جلد 16 شمارہ 10)

(184)

سچے جذبۂ حبُّ الوطنی کی ضرورت

دنیا میں جو انسان بھی کسی ملک کا باشندہ ہوتا ہے، فطری طور پر اس کے دل میں اپنے ملک اور وطن سے محبت کا ایک مخصوص جذبہ ہوتا ہے، جسے ''جذبۂ حب الوطنی'' کہا جاتا ہے۔

اس جذبہ کے تحت وہ اپنے ملک کی تعمیر وترقی کے لیے کردار ادا کرتا ہے، اس کو دشمنوں اور دہشت گردوں وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے دفاع اور حفاظت کے لیے ہر طرح کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا، اور اس ملک کے باشندوں سے محبت اور ان کی خدمت کو سعادت سمجھتا ہے۔

پھر اس جذبۂ حب الوطنی کا دائرۂ کار کسی ایک شعبہ یا ادارے یا ملکی سرحدوں تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ یہ جذبہ ہر شعبے اور ہر ادارے اور ہر فرد کی اجتماعی وانفرادی زندگی میں کارفرما ہوتا ہے، اور اسی وقت وہ ملک صحیح معنیٰ میں ترقی کرتا ہے، کسی ایک یا چند شعبوں کے جذبہ کا اثر بھی محدود ہوتا ہے۔

لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوتا ہے، جب دل میں ''حبُّ الوطنی'' کا صحیح اور سچا جذبہ موجود ہو، صرف زبانی کلامی جمع خرچ اور نعرے بازی وغیرہ تک معاملہ محدود نہ ہو۔

چنانچہ دنیا میں جن قوموں نے ترقی اور خوب ترقی کی ہے، ان کے پیچھے یہی جذبۂ حب الوطنی کارفرما ہے، یہاں تک کہ ہمارے پڑوس میں جو ہندوستان کا وسیع ترین ملک موجود ہے، وہ بھی کچھ عرصہ سے کئی معاشی اور سائنسی شعبوں میں اسی جذبہ کے تحت کافی آگے بڑھ گیا ہے، یورپ وغیرہ کے جن ممالک اور بطورِ خاص ''چین'' نے جو دنیا میں ترقی کی ہے، اس کے پیچھے بھی یہی راز چھپا ہے۔

مگر اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں جذبۂ حب الوطنی کے نعرے اور نغمے تو

بہت ہیں، لیکن اس دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس زیادہ کچھ نہیں ہے، اور کسی ایک شعبے مثلاً سرحد پر موجود، غازی و شہداء کا جذبۂ حب الوطنی، اگرچہ اپنی جگہ بڑی اہمیت وفضیلت کا حامل ہے، لیکن وہ ملک کی وسیع تر اور ہمہ جہتی ترقی کے لیے کافی نہیں، جب تک کہ اوپر سے نیچے تک تمام اداروں اور شعبوں سے وابستہ افراد اپنی اپنی ممکنہ کوششوں کو اس سچے جذبۂ حب الوطنی کے تحت استعمال نہ کریں، اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، آپس میں رسہ کشی کرنے اور اپنے اختیارات ومفادات کی جنگ لڑنے کے بجائے، سچے جذبہ کے تحت اور اخلاص کے ساتھ ملکی تعمیر وترقی کے لیے مل جل کر کام نہ کریں اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا ہاتھ نہ بٹائیں، نیز وطنِ عزیز کے قائم ہونے سے لے کر اب تک ہمہ وقت جو ہمارے یہاں اپنے اختیارات اور ذاتی مفادات کی جنگ اور رسہ کشی جاری ہے، جس نے وطنِ عزیز کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے، اس سے اپنے آپ کو نہ بچائیں۔

ہمیں بڑا دکھ اور افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں سچے اور مخلصانہ جذبۂ حب الوطنی کا بہت زیادہ فقدان پایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ہم روز بروز معاشی، سیاسی اور دوسرے شعبوں کے اعتبار سے تنزلی کی طرف جا رہے ہیں، بطور خاص ہمارے بعض اداروں کے خود مختار عہدیداروں کا کردار، اخلاص، دور بینی، دور اندیشی اور بصیرت پر مبنی نظر نہیں آتا، اور افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے خیر خواہوں کو بھی اپنا دشمن تصور کر کے ان کو ایذاء پہنچانے اور دبانے کے درپے ہونے کے لیے ملکی وسیع تر اور مؤثر ترین ذرائع اور وسائل کو استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اور وہ اس طرح اس شعر کا مصداق دکھائی دیتے ہیں کہ: ؎

ناصحا مت کر نصیحت، دل مرا گھبرائے ہے
میں اُسے سمجھوں ہوں دشمن، جو مجھے سمجھائے ہے

ایسے حالات میں اصلاح اور تعمیر وترقی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

ایسے حالات میں ہم وطنِ عزیز کے تمام شعبوں اور اداروں سے منسلک افراد و حضرات کو سچے جذبۂ حب الوطنی کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ دعا گو ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر سچا اور پکا جذبۂ حب الوطنی پیدا فرمائے، جس کے نتیجے میں وطنِ عزیز کا ہر فرد اپنے ملک اور اس میں بسنے والے ہر فرد کی تعمیر و ترقی اور خدمتِ خلق کے لیے اپنی اپنی حد تک کام کرنے میں لگ جائے اور ملک ہر طرح کی تعمیر و ترقی کے لیے تیزی سے سفر کرے اور ہر طرح کی دہشت گردی اور فتنہ و فسادات سے محفوظ رہے۔ آمین۔

(ماہ نامہ: التبلیغ راولپنڈی، ذوالقعدۃ/ ذوالحجہ 1440ھ - اگست 2019ء، جلد 16 شمارہ 11)

خاتمہ

(از مؤلف)

بندہ محمد رضوان عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا مضامین، وہ ہیں، جو اَب تک بندہ کی زیرِ ادارت ماہنامہ ''التبلیغ'' میں بطور ''اداریہ'' کے شائع ہوتے رہے۔

ممکن ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ کے اداریے، اگلی جلد کے طور پر شائع ہوں، بندہ نے اب تک مذکورہ تمام اداریوں کی بحمد اللہ تعالیٰ خود بالاستیعاب نظرِ ثانی کی، اور مختلف اصلاحات بھی کیں، اور کہیں کہیں مفید اضافے بھی کیے، جب کہ اس سے قبل، ان مضامین کی نظرِ ثانی، بندہ کے بعض رفقائے کار نے بھی کی تھی، اور انہوں نے بھی کہیں کہیں اصلاحات فرمائی تھیں۔

اللہ تعالیٰ، بندہ کے تمام رفقائے کار و معاونین کو دنیا و آخرت کی جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان مضامین کو امت کے لیے نافع اور بندہ کے لیے مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ فقط

محمد رضوان خان مورخہ: یکم/ محرم الحرام/ 1441ھ بمطابق یکم/ ستمبر/ 2019ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان